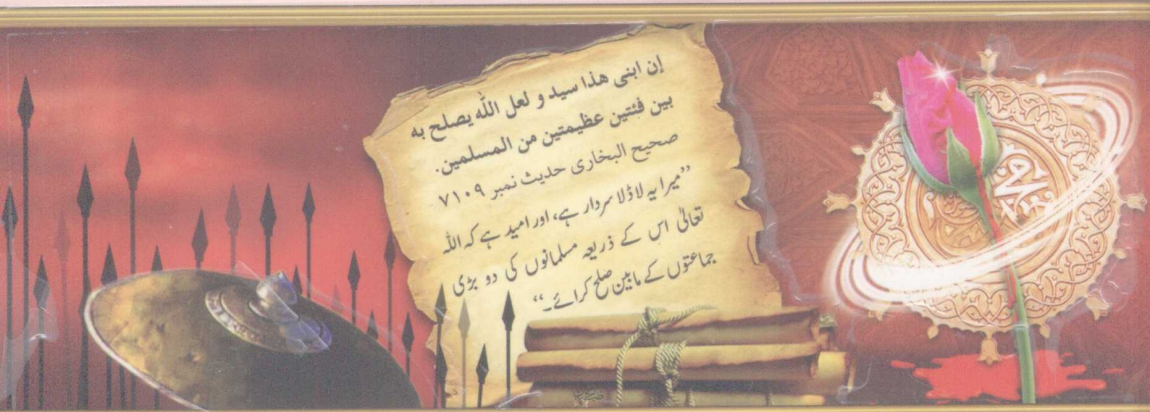


تابع الخلفاء الراشدين

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

شخصیت اور کارنامے

www.KitaboSunnat.com



تالیف: ڈاکٹر حبیبی محمد محمد الصلّی
ترجم: ڈاکٹر الیاس محمد محمدی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ تاج الحقائق الرشیدین ۶

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

شفصیت اور کارنامے

تالیف
ڈاکٹر حبیبی محمد محمد (الصلواتی)
مترجم
ڈاکٹر الینس محمد مکی



پیشکش: دار الفکر اسلام آباد



الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

سلسلہ تاریخ الخلفاء الراشدين از ڈاکٹر محسن محمد (رضی اللہ عنہ) کی پاکستان میں اشاعت کے لیے جملہ حقوق بحق الفرقان ٹرسٹ تحریری طور پر لیے جا چکے ہیں، لہذا اس کو الیکٹرونک میڈیا، فوٹوکاپی، مائیکرو فلم یا کسی بھی ذریعے سے چھاپنا غیر قانونی ہو گا۔ خلاف ورزی کی صورت میں پبلشر قانونی کارروائی کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

شفصیت اور کلمائے

تالیف ڈاکٹر محسن محمد (رضی اللہ عنہ) مترجم ڈاکٹر لکھنؤ محمد علی

سعودی عرب

دارالعلوم النديه للنشر والتوزيع

س ت: ۱۰۲۰۴۸۷۶

فرع: مرکز الجامع التجاري شارع باخشب جده

معرض: ۰۲۶۳۳۶۶۴۰ فاکس: ۰۲۶۸۷۴۵۵۷

المكتب الرئيسي الرياض، حي الفيصله

هاتف: ۰۱۲۴۲۳۱۲۶

مكتبه دار الفرقان، الرياض

هاتف: ۰۵۰۷۴۱۹۹۲۱، ۰۵۶۳۰۶۴۷۳۶، ۰۱-۴۳۵۸۱۴۶

مكتبه بيت السلام، الرياض

هاتف: ۰۵۰۲۰۳۳۲۶، ۰۵۰۵۴۴۰۱۴۷، ۰۱-۴۴۶۰۱۲۹

پاکستان

الفرقان ٹرسٹ: خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا فون: 066-2611270

مكتبه الكتاب: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145

قطر

اسلامی اکیڈمی: الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7357587

کتاب سرائے: الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7320318

نعمانی کتب خانہ: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7321865

مكتبه اسلاميه: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7244973

دار الكتب السلفيه: اقواسٹر مغربی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0423-7361505

مكتبه قدوسيه: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4460487

الحرم پبلیکیشنز: اقواسٹر مغربی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0322 4814274



فہرست بحوالہ

17 ----- عرض ناشر ❖

19 ----- مقدمہ ❖

پہلی فصل

حسن بن علی بن ابی طالب (ولادت سے خلافت تک)

- (۱)..... نام، نسب، کنیت، صفت، خاندان عہد نبوت میں ----- 35
- ❖ ۱۔ نام، نسب اور کنیت ----- 35
- ❖ ۲۔ آپ کی ولادت، نام، لقب اور بچوں کے نام رکھنے میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ کار ----- 35
- ❖ ۳۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے کانوں میں رسول اللہ ﷺ کا اذان دینا ----- 39
- ❖ ۴۔ مولود کی تحنیک ----- 40
- ❖ ۵۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا سر موٹا انا ----- 42
- ❖ ۶۔ عقیقہ ----- 42
- ❖ ۷۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ختنہ ----- 44
- ❖ ۸۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو وودھ پلانے والی خاتون ام الفضل رضی اللہ عنہا ----- 45
- ❖ ۹۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی شادی، ان کی بیویاں، ان سے متعلق روایتیں ----- 47
- ☆ تعداد سے متعلق روایتیں ----- 48
- ❖ ۱۰۔ ان کی اولاد ----- 53
- ☆ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی بعض اولاد ----- 54
- ۱۔ زید بن حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما ----- 54
- ۲۔ حسن بن حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما ----- 55
- ❖ ۱۱۔ آپ کے بھائی اور بہنیں ----- 56

- 59- ❖ ۱۲۔ آپ کے چچا اور پھوپھیاں -----
- 61- ❖ ۱۳۔ آپ کے ماموں اور خالائیں -----
- 62- ❖ ۱۴۔ آپ کی خالائیں -----
- 62- ☆ ۱۔ زینب بنت رسول اللہ ﷺ -----
- 67- ☆ ۲۔ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ -----
- 68- ☆ ۳۔ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ -----
- 71- (۲)..... حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی والدہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا -----
- 71- ❖ ۱۔ ان کا مہر اور ان کے برتنے کے سامان -----
- 72- ❖ ۲۔ ان کی رخصتی -----
- 72- ❖ ۳۔ دعوت ولیمہ -----
- 73- ❖ ۴۔ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کا رہن سہن -----
- 74- ❖ ۵۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا زہد و صبر -----
- 76- ❖ ۶۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور ان سے متعلق آپ کی غیرت -----
- 77- ❖ ۷۔ ان کی راست بازی -----
- 78- ❖ ۸۔ دنیا و آخرت میں ان کی سرداری -----
- 78- ❖ ۹۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم ﷺ کی میراث -----
- 79- ❖ ۱۰۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رضا مندی کا اظہار -----
- 82- ❖ ۱۱۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات -----
- 84- (۳)..... اپنے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ -----
- 84- ❖ ۱۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کی محبت و شفقت اور لاڈ و پیار -----
- 92- ❖ ۲۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی نبی کریم ﷺ سے مشابہت -----
- 94- ❖ ۳۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار -----
- 95- ❖ ۴۔ وہ دونوں دنیا کے میرے لیے دو خوشبودار پھول ہیں -----
- 96- ❖ ۵۔ دنیا و آخرت میں ان کی سرداری -----

- کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

- ❖ ۱۲۔ حسن رضی اللہ عنہما کی تربیت میں معاشرتی حالات کی تاثیر 129
- ❖ (۴)۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلفائے راشدین کے عہد میں 131
- ❖ اولاً عہد صدیقی میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ 131
- ❖ درس و عبرت 148
- ☆ ا حالات بدلتے رہتے ہیں، مشکلات اہل ایمان کو دین سے غافل نہیں کر سکتیں 148
- ☆ ب کسی ایک شخص سے دعوتی مشن کا وجود نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ کی اتباع واجب ہے۔۔ 149
- ☆ ج مومنوں کے مابین اختلاف رونما ہونا اور کتاب و سنت سے اس کو حل کرنا 150
- ☆ د جس چیز کی دعوت دی جائے علماً کر کے دکھایا جائے 151
- ☆ ہ اسلام میں نوجوانوں کا مقام و مرتبہ 152
- ☆ و اسلام میں جہاد کے بہترین آداب 153
- ☆ ز اسلامی حکومت کی ہیبت میں لشکر اسامہ کا دخل 153
- ☆ ہ مرتدین سے جنگیں 154
- ☆ ثانیاً عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں 156
- ❖ ۱۔ آپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ اجازت کے حق دار ہیں 156
- ❖ ۲۔ اللہ کی قسم جو جوڑے میں نے تمہیں پہنائے ہیں مجھے اچھے نہیں لگ رہے ہیں 157
- ❖ ۳۔ عطیات میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور بنو ہاشم کو مقدم رکھنا 157
- ❖ ۴۔ وفات نبوی کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کا برتاؤ 158
- ❖ ۵۔ ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کی عمر رضی اللہ عنہ سے شادی 159
- ❖ ۶۔ مدائن کے اموال غنیمت 160
- ☆ ثالثاً عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں 164
- ❖ ۱۔ خلیفہ کی تعیین میں عمر رضی اللہ عنہ کا تقفہ 166
- ☆ ا مجلس شوریٰ کے لیے آپ کی مقرر کردہ تعداد اور ان کے نام 167
- ☆ ب خلیفہ کا طریقہ انتخاب 167
- ☆ ت انتخاب یا مشاورت کی مدت 167

- ☆ ث..... خلیفہ کے انتخاب کے لیے مطلوبہ ووٹوں کی تعداد ----- 167
- ☆ ج..... اختلاف کی صورت میں فیصل ----- 168
- ☆ ح..... اسلامی فوج کا ایک گروہ انتخاب کی نگرانی کرتا ہے اور گڑ بڑ کو روکتا ہے ----- 169
- ☆ خ..... افضل کے ہوتے ہوئے مفضل کو ذمہ دار بنانے کا جواز ----- 169
- ☆ ش..... عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طریق کار میں تعین و عدم تعین دونوں کو شامل رکھا ----- 169
- ☆ ک..... مجلس شوریٰ اعلیٰ ترین سیاسی کمیٹی تھی ----- 170
- ✽ ۲۔ مجلس شوریٰ کی کارروائیوں کو چلانے میں عبدالرحمن بن عوف b کا منج ----- 171
- ☆ ا..... مجلس شوریٰ کا مشاورت کے لیے اجتماع ----- 171
- ☆ ب..... عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے کی دعوت دیتے ہیں ----- 171
- ☆ ج..... عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو شوریٰ کی کارروائیوں کو چلانے کا اختیار سونپ دینا ----- 172
- ☆ ح..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق ----- 173
- ☆ س..... شوریٰ کے منصوبہ کی تنفیذ میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی ----- 174
- اموی گروہ اور ہاشمی گروہ ----- 177
- ✽ ۳۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی رائے ----- 178
- ✽ ۴۔ فتح افریقہ کے لیے حبش عبادلہ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی شرکت ----- 179
- ✽ ۵۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ سے متعلق علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف ----- 181
- رابعاً..... حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے والد کے عہد میں ----- 191
- ✽ ۱۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ چلے جانا ----- 192
- ✽ ۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اپنے والد کو نصیحت ----- 193
- ✽ ۳۔ اہل کوفہ کو لشکر کشی پر آمادہ کرنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا موثر ہونا ----- 195
- ✽ ۴۔ صلح کی کوششیں ----- 197
- ✽ ۵۔ جنگ جمل میں لڑائی بھڑکانے میں سہانیوں کا کردار ----- 198
- ✽ ۶۔ جنگ جمل میں مقتولین کی تعداد ----- 202
- ✽ ۷۔ جنگ کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اعلان ----- 202

- ❖ ۸۔ آپ کا مقتولین کا معائنہ کرنا اور ان کے لیے دعائے رحمت کرنا۔ 203
- ❖ ۹۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آپ کا متاثر ہونا۔ 203
- ❖ ۱۰۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں آپ کی رائے۔ 203
- ❖ ۱۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو عزت و احترام کے ساتھ رخصت کرنا۔ 205
- ❖ ۱۲۔ جو کچھ ہوا اس پر ان کی ندامت۔ 205
- ❖ 207۔ جنگ صفین
- ❖ ۱۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خروج دنیاوی لالچ کے سبب تھا؟۔ 209
- ❖ ۲۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے اور اہل شام پر لعنت بھیجنے سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا منع کرنا۔ 215
- ❖ ۳۔ جنگ صفین میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قتل اور مسلمانوں پر اس کا اثر۔ 217
- ❖ ۴۔ علما کے نزدیک عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث رسول "تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" کا مفہوم۔ 220
- ❖ ۵۔ ان جنگوں سے متعلق حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا موقف۔ 222
- ❖ ۶۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ 224
- ❖ ۷۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو وصیت۔ 226
- ❖ ۸۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کا مشلہ کرنے سے روکنا۔ 229
- ❖ ۹۔ والد کے قتل کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ۔ 231
- ❖ ۱۰۔ علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر کا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اثر۔ 231

دوسری فصل

بیعت، اہم اوصاف، کارنامے، اُمت کے اتحاد میں کردار

- (۱)..... سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت۔ 235
- ❖ اولاً..... خلافت حسن رضی اللہ عنہ کی تصحیص کا قضیہ باطل ہے۔ 236
- ❖ ثانیاً..... شیعہ اثنا عشریہ کی دلیلیں۔ 246
- ❖ ثالثاً..... امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت اور خلافت سے متعلق اہل سنت کی رائے۔ 249
- ❖ رابعاً..... والد کے قتل کے بعد کے وہ خطبے جن کی نسبت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب صحیح نہیں ہے۔ 251

- 253 ----- اصفہانی مؤلف کتاب ”الأغانی“
- 253 ----- اس کے بارے میں بعض معاصرین کے اقوال
- 260 ----- (۲)..... سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے اہم اوصاف اور آپ کی اجتماعی زندگی
- 260 ----- اولاً..... آپ کے اہم اوصاف
- 260 ----- ۱۔ علم
- 273 ----- ۲۔ آپ کی عبادت
- 282 ----- ۳۔ آپ کا زہد و تقویٰ
- 287 ----- ۴۔ آپ کی سخاوت و فیاضی
- 293 ----- ۵۔ آپ کی بردباری
- 296 ----- ۶۔ آپ کی خاکساری
- 297 ----- ۷۔ آپ کی سرداری
- 299 ----- ۸۔ آپ کے جسمانی اوصاف
- 299 ----- ثانیاً..... حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی
- 299 ----- ۱۔ علی رضی اللہ عنہ کے دنیا میں دوبارہ آنے کے عقیدہ کی تردید
- 300 ----- ۲۔ دوسروں کے کام آنا
- 302 ----- ۳۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے آپ کی شادی
- 303 ----- ۴۔ خولہ بنت منظور سے آپ کی شادی
- 303 ----- ۵۔ آپ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو نہیں دیکھتے تھے
- 303 ----- ۶۔ خاندان نبوی میں غیرت
- 304 ----- ۷۔ آپ کا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانا
- 305 ----- ۸۔ آپ کے ساتھ برا سلوک کرنے والوں کے ساتھ آپ کا معاملہ
- 305 ----- ۹۔ مجلسوں میں آپ کا طریقہ
- 305 ----- ۱۰۔ آپ کا حسن اخلاق
- 306 ----- ۱۱۔ آپ کا دوسرے کے ساتھ گولی نما پتھروں سے کھیلنا 2

- ❖ ۱۲۔ فضول باتوں سے آپ کا دور رہنا 306
- ❖ ۱۳۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی 307
- ❖ ۱۴۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ایک فقیر یہودی 308
- ❖ ۱۵۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ 309
- ❖ ۱۶۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف 310
- ❖ ۱۷۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مابین کا معاملہ 310
- ❖ ۱۸۔ والد، والدہ، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کے اعتبار سے آپ (حسن رضی اللہ عنہ) سب سے بہتر تھے 310
- ❖ ۱۹۔ حسین رضی اللہ عنہ سے لوگوں کی محبت اور مسجد حرام میں ان کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ 310
- ❖ ۲۰۔ آپ کے اقوال، خطبے اور نصیحتیں جنہیں لوگوں نے محفوظ رکھا 311
- ❖ ا۔ تکبر کی بیماری 311
- ❖ ب۔ حرص 314
- ❖ ج۔ حسد 320
- ❖ حسد کا علاج 322
- ❖ حسن اور ابوذر رضی اللہ عنہما کے نزدیک رضا کا مفہوم 323
- ❖ رضا کا حصول کس طرح ہو سکتا ہے 326
- ❖ امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے 328
- ❖ حسن رضی اللہ عنہ کے خطبے کی مختصر شرح 349
- ❖ (۳)۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کی بعض اہم شخصیات 373
- ❖ اولاً۔ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ 374
- ❖ ۱۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سیف البحر کی جانب لشکر کشی 375
- ❖ ۲۔ فتح مکہ کے دن 378
- ❖ ۳۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 379
- ❖ ۴۔ علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 383
- ❖ ۵۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول 391

- ❖ ۶۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول 391
- ❖ ۷۔ اس شخص کی حالت جس کی طرح ہو جانے کی قیس رضی اللہ عنہ نے تمنا کی تھی 392
- ❖ ۸۔ کون زیادہ سخی ہے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ یا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ یا عرابہ اوسی 393
- ❖ ۹۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ایک خبر جو صحیح نہیں ہے 394
- ❖ ۱۰۔ فتنہ برپا ہونے کے وقت عربوں کے زبردست مددبر لوگ 396
- ❖ ۱۱۔ ہم خواہش کیا کرتے تھے کہ قیس رضی اللہ عنہ کے لیے داڑھی اپنے پیروں سے خرید لیں 397
- ❖ ۱۲۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول 397
- ❖ ۱۳۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سفر میں لوگوں کو کھانا کھاتے تھے 398
- ❖ ۱۴۔ قیس و معاویہ رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک خبر جو صحیح نہیں ہے 398
- ❖ ۱۵۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی وفات 398
- ❖ ثانیاً..... ابو محمد عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ 398
- ❖ ۱۔ آپ کے بچے اور بیویاں 399
- ❖ ۲۔ آپ کی عمر اور رسول اللہ ﷺ کی روایت 399
- ❖ ۳۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا انھیں (عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو) یمن کا گورنر بنانا 401
- ❖ ۴۔ بسر بن ابورطابہ رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے دلوں کے قتل کی حقیقت 401
- ❖ ۵۔ عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا قول 407
- ❖ ۶۔ عبداللہ بن جعفر، حسن بن علی اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے مابین موازنہ 408
- ❖ ۷۔ بلا اطلاع عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان آئے 408
- ❖ ۸۔ ایک مصیبت زدہ عورت 409
- ❖ ۹۔ عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں خوبصورتی، تفقہ اور جود و سخا 410
- ❖ ۱۰۔ دنیا و آخرت کی بھلائی عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں 410
- ❖ ۱۱۔ حکیم المعضلات (مشکلات کو حکمت سے حل کرنے والے) تیار الفرات (دریائے فرات کا دھارا) - 410
- ❖ ۱۲۔ ان کی سخاوت و فیاضی سے متعلق اشعار 411
- ❖ ۱۳۔ یوم عرفہ کو ان کا روزہ رکھنا 411

- ❖ ۱۴۔ آپ کا طلب علم ----- 411
- ❖ ۱۵۔ ایک بوڑھی عورت اور اس کے تین بچوں کے ساتھ آپ کا احسان ----- 411
- ❖ ۱۶۔ آپ کی وفات ----- 413
- ❖ ثالث..... عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ ----- 413
- ❖ ۱۔ آپ کی اولاد اور بیویاں ----- 414
- ❖ ۲۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اپنے خاندان سمیت حبشہ سے مدینہ آنا ----- 416
- ❖ ۳۔ اے کشتی والو تمہاری دو ہجرتیں ہیں ----- 416
- ❖ ۴۔ غزوہ موتہ میں جعفر بن عبداللہ ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت ----- 417
- ❖ ۵۔ آج کے بعد میرے بھائی پر گریہ وزاری مت کرنا ----- 418
- ❖ ۶۔ نبی کریم ﷺ کا انھیں اپنی سواری پر سوار کرنا ----- 418
- ❖ ۷۔ نبی کریم ﷺ کا آپ کے لیے دعا کرنا ----- 418
- ❖ ۸۔ نبی کریم ﷺ کے لیے آپ کی بیعت ----- 418
- ❖ ۹۔ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کی خبر گیری ----- 419
- ❖ ۱۰۔ میری والدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے وہ قول سکھایا جسے رسول اللہ ﷺ نے مصیبت پر کہنے کا حکم دیا تھا۔ ----- 419
- ❖ ۱۱۔ رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کی شکایت ----- 419
- ❖ ۱۲۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو سلام کرنا ----- 420
- ❖ ۱۳۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی تعلیم کا حریص ہونا ----- 420
- ❖ ان کے جود و سخا کا تذکرہ ----- 420
- ❖ ۱۔ تمہیں دینے کے لیے ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن تم ابن جعفر کے پاس جاؤ ----- 421
- ❖ ۲۔ ہم نے اسے فنا ہونے والی چیز دی ہے اور اس نے ہماری تعریف کی ہے جو بیان کی جائے گی اور ایسی ستائش کی ہے جو باقی رہے گی ----- 422
- ❖ ۳۔ زبیر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مابین قرض ----- 426
- ❖ ۴۔ اللہ کی قسم اگر اللہ نے ہم سے اخروی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے تو آپ نے دنیوی نعمت کو پہلے پیش کر دیا ہے ----- 427
- ❖ ۵۔ جود و سخا میں، بنو عذرہ کے بوڑھے ہی نے ہمیں مغلوب کیا ----- 428

- ❖ ۶۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات میں نے نہیں سنی۔ 429
- ❖ ۷۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ 431
- ❖ ۸۔ مدینہ کی بازار میں آئے ہوئے سامان کا نہ بکنا۔ 431
- ❖ ۹۔ یزید بن معاویہ کی جانب سے آئے ہوئے مال کو خرچ کر دینا۔ 432
- ❖ ۱۰۔ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے لیے ایک بدوی کی دعا۔ 432
- ❖ ۱۱۔ وہ میرا مال تھا جس میں میں نے فیاضی کی۔ 432
- ❖ ۱۲۔ یہ ایسے آدمی ہیں جو چاہتے ہیں کہ لوگ بخیل ہو جائیں، احسان کی بارش کرتے رہو۔ 432
- ❖ ۱۳۔ حقیقت میں فیاض و سخی وہ ہے جو بے مانگے دے۔ 433
- ❖ ۱۴۔ ہم احسان کی قیمت نہیں لیتے۔ 433
- ❖ ۱۵۔ وہ اور دوسرے لوگ ان کے مال میں شریک تھے۔ 433
- ❖ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے معاملات۔ 433
- ❖ (۴)۔ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی مصالحت۔ 438
- ❖ مصالحت کے اہم مراحل۔ 441
- ❖ صلح کی جانب پہل کرنے والے حسن رضی اللہ عنہ تھے یا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ 450
- ❖ حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کی دوسری کوشش۔ 450
- ❖ ۱۔ صلح سے متعلق شرطہ انجیس کا رویہ۔ 453
- ❖ ۲۔ صلح سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ گورنروں کے رویے۔ 455
- ❖ صلح کے اہم اسباب و محرکات۔ 458
- ❖ اولاً۔۔۔۔۔ امت کی بھلائی کا ارادہ اور اخروی نعمتوں کی رغبت۔ 458
- ❖ ۱۔ صلح کا حکم۔ 459
- ❖ ۲۔ صلح کرانے کی ترغیب۔ 460
- ❖ ۳۔ صلح اور صلح کرانے والوں کی اچھے لفظوں میں تعریف۔ 461
- ❖ ثانیاً۔۔۔۔۔ میرا یہ لاڈلا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے۔ 464

- 464..... ثالث..... مسلمانوں کی خونریزی کو روکنا۔
- 467..... رابعاً..... آپ کا اتحاد امت کے لیے حریص ہونا۔
- 468..... ۱۔ مشرکین کو گالی دینے کی ممانعت۔
- 468..... ۲۔ بہت بلند آواز سے یا بالکل پست قراءت سے ممانعت۔
- 469..... ۳۔ خضر علیہ السلام کا کشتی میں سوراخ کرنا۔
- 470..... ۴۔ احادیث نبویہ میں نتائج کے اعتبار کے مظاہر اور دلائل سے بڑی خرابی کو چھوٹی خرابی سے دور کرنا ہے۔
- 472..... خامساً..... امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قتل۔
- 473..... سادساً..... معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت۔
- 473..... ۱۔ قرآن کریم میں۔
- 473..... ۲۔ حدیث نبوی میں۔
- 474..... ۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل علم کے نقطہ ہائے نظر۔
- 476..... ۴۔ آپ کا حدیث کی روایت کرنا۔
- 477..... ۵۔ آپ کی حکومت سے متعلق امیر المومنین علی b کا قول۔
- 479..... سابعاً..... عراقی فوج اور اہل کوفہ کا اضطراب۔
- 483..... ثامناً..... معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجی قوت۔
- 484..... ۱۔ صلح کی شرائط۔
- 484..... اولاً..... کتاب و سنت اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل۔
- 485..... ۱۔ عہد خلافت راشدہ میں شریعت کے مصادر۔
- 487..... ۲۔ خلفائے راشدین کی سنت کی اہمیت۔
- 488..... ۳۔ خلافت راشدہ کے نقوش و آثار۔
- 491..... ثانیاً..... اموال۔
- 492..... ثالثاً..... خون۔
- 495..... رابعاً..... ولی عہد مقرر کرنا یا معاملے کو مسلمانوں کی شورایت پر چھوڑ دینا۔
- 496..... ۱۔ معاویہ و حسن رضی اللہ عنہما کے مابین امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے کا معاملہ۔

- ❖ قاتلین عثمان سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کا رویہ ----- 504
- ❖ صلح کے نتائج ----- 505
- ❖ ثانیاً..... فتوحات کا پہلا دور لوٹ آیا ----- 508
- ❖ ۱۔ روم کا محاذ ----- 509
- ❖ ۲۔ مغرب کا محاذ ----- 509
- ❖ ۳۔ بھستان، خراسان اور ماوراء النہر 4 کا محاذ ----- 509
- ❖ ثالثاً..... خوارج کے مقابلے کے لیے حکومت کا فارغ ہو جانا ----- 511
- ❖ عہد خلافت راشدہ کا خاتمہ ----- 512
- ❖ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار بارہ خلیفوں میں ہوتا ہے؟ ----- 516
- ❖ کیا حسن بن علی رضی اللہ عنہ قوت رکھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے یا کمزوری کی حالت میں؟ ----- 518
- ★ ۱۔ وہ قانونی حیثیت جو حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی ----- 518
- ★ ۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا موجودہ حالات اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا صحیح جائزہ ----- 519
- ★ ۳۔ حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اچھے قائدین تھے ----- 520
- ★ ۴۔ آپ اہل عراق کے ساتھ تعامل اور ان کی نفسیات سے واقف تھے ----- 520
- ★ ۵۔ عمرو بن عاص اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کی فوجوں کا جائزہ ----- 520
- ❖ حسن رضی اللہ عنہ اور حکومت سے بے رغبتی ----- 523
- ❖ صلح کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی مدنی زندگی ----- 527
- ★ ۱۔ صلح کے بعد معاویہ و حسن رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات ----- 528
- ★ ۲۔ حسن، حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے روابط ----- 529
- ★ ۳۔ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کی تہمت لگانا صحیح ہے؟ ----- 531
- ★ ۴۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا خواب اور ان کی وفات کا قریب ہونا ----- 536
- ★ ۵۔ حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام ----- 536
- ۱۔ حسین رضی اللہ عنہ کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت ----- 537

ب..... حسن رضی اللہ عنہ کا آسمان کی نشانیوں میں غور و فکر کرنا اور اپنی جان کے جانے پر اللہ کے پاس

537 ----- ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کرنا

ج..... اے بھائی میرا سابقہ من جانب اللہ ایک ایسے معاملے سے پڑ رہا ہے جس طرح کے معاملے

سے اس سے پہلے نہیں پڑا تھا اور اللہ کی ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں جیسی اس سے پہلے کبھی نہیں

540 ----- دیکھی تھی

544 ----- ♣ بقیع قبرستان میں آپ کی تدفین

547 ----- ♣ آپ کی عمر اور سن وفات کی تحقیق

550 ----- ♣ مراجع و مصادر



عرض ناشر

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ نگاری نہایت نازک اور اہم کام ہے کیونکہ یہ فن قوموں کی عظمت و رفعت کے مینار تعمیر کرتا ہے، اُن کے منج، حال و مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ جب تک کوئی قوم اپنے ماضی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط نہ کرے، اپنے حال کی تعمیر اور مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے اس سے قوت حاصل نہ کرے وہ جہاں بانی کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اپنے پاؤں پر کھڑی رہ سکتی ہے۔ اگر ہم اپنی تاریخ کو بہ نظر عمیق دیکھیں تو ہمیں وہ دور روشن ترین اور دودھ سے زیادہ سفید نظر آئے گا جس میں حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زندگی بسر کی اور یہی وہ پاکیزہ ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنے کندھوں پر اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ یہی لوگ انبیائے کرام کے بعد اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ مخلوق ہیں لیکن مسلمانوں میں سے چند لوگوں نے اہل بیت سے اس قدر غلو آمیز محبت کی کہ اہل بیت کا معاملہ مکمل طور پر الجھا کر رکھ دیا اور اہل بیت کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیں جو اصل واقعات اور تاریخ سے میل نہیں کھاتیں اور اس دوران دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان گھٹانے کی ناکام کوششیں کیں، انہیں اہل بیت، خاص کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کا دشمن بنا کر لاکھڑا کیا، حالانکہ قصہ اس کے الٹ ہے۔ صحیح تحقیق کے مطابق تاریخ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسخ کرنے کے اس عمل کی ابتدا تیسری صدی کا نصف گزرنے کے بعد ہوئی اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال اور اُن کی صحیح روایات میں ایسی کوئی بھی چیز نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے گھر والے صحابہ سے ناخوش تھے یا وہ اُن سے ناراض تھے، جیسا کہ ایک خاص گروہ بہت سی غلط باتیں اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ اس کے برعکس تمام مورخین اس خوشگوار حقیقت پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی اور اپنے بیٹوں کے نام ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما رکھ کر اپنے پیش رو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا ثبوت دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں منصب قضا قبول فرمایا اور یحییٰ بن کریمین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مداح فرمائی۔ اسلام کے دشمنوں نے (جو کہ اسلام کے نام لیوا ہیں) تاریخ میں وہ وہ جھوٹ لکھے ہیں جس کی مثال کسی دوسرے مذہب کے ماننے والوں میں نہیں ملتی۔ یہ حقیقت ہے اسلام سے بڑھ کر روئے زمین پر نہ کوئی سچا اور صحیح مذہب تھا، نہ آج ہے اور نہ قیامت تک آئے گا۔ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پھول کی ہی بات کو لیجیے جن کا نام نامی حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہے، جن کا کردار اسلامی

تاریخ میں روشن مینار کی مانند ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا کردار مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان سنت نبوی ﷺ کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، آپ کے تفقہ اور اصلاح کے طریقہ کار کو اُمت بھلا بیٹھی ہے جس کو از سر نو زندہ کرنے کی آج اشد ضرورت ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے عظیم اصلاحی منصوبے کو یہ اُمت جاری رکھتی تو آج ہمارے اندر ہر قسم کے اختلافات کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا، ہم اُمت واحدہ ہوتے اور مختلف ٹولیوں میں نہ بٹتے۔ قوموں کے عروج کے اہم اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ حال کو سدھارنے کے لیے ماضی سے آگاہ رہا جائے اور مستقبل پر نگاہ رکھی جائے۔ اس اُمت کا فرض تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے کردار کو ہمیشہ زندہ رکھتی جو مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرانے میں انہوں نے ادا کیا۔

آج اس دور میں جتنی ضرورت اس اصلاحی منصوبے کی پاکستان اور اہل پاکستان کو ہے شاید کسی کو پڑے۔ تاریخ اُمت کا حافظہ ہوتی ہے اس سے مستفید ہونا اہل علم کا شیوہ رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم معاملات سے متعلق اپنی نگاہیں کھلی رکھیں تاکہ ہمیں دیر تک رونا نہ پڑے۔ آج اُمت پر اندھیروں کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ روشنی صرف اور صرف اسلاف کے طریقہ کار میں ہے۔ آج ہمیں اپنا چہرہ دیکھنے میں شرم محسوس ہوتی ہے۔ میری اس بات کی کوئی تصدیق کرنا چاہے تو اسلامی سال کے پہلے مہینے یعنی محرم الحرام اور ربیع الاول میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اہل بیت تو سنت نبوی کا بہتا ہوا سرچشمہ تھے، اُن کا کوئی عمل اطاعت رسول ﷺ کے خلاف نہ تھا۔ اللہ ہزاروں رحمتیں فرمائے اہل بیت اور اُن کے حقیقی ماننے والوں پر جنہوں نے آج تک قرآن و سنت اور اہل بیت کے گھرانے کا دامن نہیں چھوڑا، اس کی مثال آپ کے ہاتھوں میں سیرت حسن رضی اللہ عنہما پر لکھی گئی یہ کتاب بطور ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے مؤلف و مترجم کی، جنہوں نے آج کے پرفتن دور میں اسلام کے ایک عظیم فرزند کی سیرت کو اجاگر کیا۔ آپ سب قارئین کی دعائیں ہمارے ساتھ رہیں تو ان شاء اللہ بہت کچھ مزید پڑھنے کو ملے گا۔ الفرقان ٹرسٹ اور اُن کی ٹیم نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ ہم اُمت کے سامنے یہ قیمتی اور علمی سلسلہ جاری رکھیں گے۔ میں اُن تمام احباب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کو تیار کرنے میں ہمارے ادارے کا ساتھ دیا، خاص کر اپنے رفیق محترم عبدالرؤف بھائی کا جن کی کاوشوں سے ہم آپ تک یہ پیاری کتاب پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں اور میں علمائے کرام کا بے حد مشکور ہوں جن کے قیمتی اور سنہرے مشوروں سے ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعاؤں کا طلب گار

عبد الجلیل ابوساریہ

ریاض، سعودی عرب

مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

(آل عمران: ۱۰۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: ۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۚ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

یا رب لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك وبك الحمد حتى ترضى، و لك الحمد إذا رضيت، و لك الحمد بعد الرضا.

اما بعد!

یہ کتاب عہد نبوت و خلافت راشدہ کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

۱۔ السیرۃ النبویۃ، عرض و فائز و تحلیل أحداث

۲۔ سیرۃ أبی بکر الصدیق ؓ

۲۔ سیرۃ أمیر المومنین عمر بن الخطاب ؓ

۴۔ سیرۃ أمیر المومنین عثمان بن عفان ؓ

۵۔ سیرۃ أمیر المومنین علی بن أبی طالب ؓ

میں نے اس کتاب کا نام ”خامس الخلفاء الراشدين أمیر المومنین الحسن بن علی بن

اسی طالب، شخصیتہ و عصرہ“ رکھا ہے۔ یہ کتاب امیر المؤمنین حضرت حسن کی ولادت سے شہادت تک کو موضوع بحث بناتی ہے۔ کتاب کی ابتداء درج ذیل موضوعات سے ہوتی ہے:

- ♦ نام و نسب
- ♦ کنیت و لقب اور صفت
- ♦ منجانب رسول اللہ ﷺ آپ کا نام رکھا جانا، اور کانوں میں اذان دینا
- ♦ آپ کا سرموٹا جانا اور آپ کا عقیقہ
- ♦ آپ کو دودھ پلانے والی ام الفضل رضی اللہ عنہا۔
- ♦ آپ کی شادی، آپ کی بیویاں، اس سے متعلق روایتیں، اور ان روایتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ جن میں آیا ہے کہ آپ بہت زیادہ شادی کرنے والے اور طلاق دینے والے تھے۔
- اسی طرح کتاب درج ذیل موضوعات سے بحث کرتی ہے:
- ♦ آپ کی اولاد، بھائی، بہنیں، چچا، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں
- ♦ آپ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، ان کی مہر، جہیز، رخصتی، شادی کی دعوت، طرز زندگی، زہد و صبر، رسول اللہ ﷺ کی ان سے محبت، ان کی سچائی اور دنیا و آخرت میں ان کی سرداری۔
- نیز درج ذیل امور کتاب کے مشتملات میں سے ہیں:
- ♦ سیدہ فاطمہ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے مابین علاقہ
- ♦ نبی ﷺ کی میراث۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات
- اسی طرح کتاب میں بالتفصیل ان امور کو ذکر کیا ہے:
- ♦ اپنے نانا نبی ﷺ کے پاس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ
- ♦ آپ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت و شفقت اور لاڈ پیار
- ♦ بچوں کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں طریقہ نبوی سے ماخوذ سبق آموز پہلو جیسے ان کو بوسہ دینا، ان کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آنا، ان سے لاڈ پیار کرنا، انھیں ہدیہ و تحفہ دینا، ان سے اچھی طرح ملنا، ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا، ان کے ساتھ کھیلنا۔
- کتاب نے درج ذیل امور پر بھی گفتگو کی ہے:
- ♦ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے مشابہت والی حدیثیں۔

- ♦ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے والد کی شہادت کے بعد خطبہ
 - ♦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رد عمل۔
 - ♦ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت، بیعت میں آپ کی شرط۔
 - ♦ آپ کی خلافت سے متعلق نصوص کا بطلان
 - ♦ آپ کو امت نے معروف شورائی نظام کے مطابق منتخب کیا۔
 - ♦ امیر المؤمنین حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت
 - ♦ آپ کی خلافت سے متعلق اہل سنت کا عقیدہ
 - ♦ آپ کی خلافت حقیقت میں خلافت راشدہ تھی۔ آپ کی مدت حکومت خلافت راشدہ کی مدت کا تتمہ تھی اس لیے کہ نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ خلافت راشدہ تیس سال رہے گی پھر بادشاہت ہو جائے گی، جیسا کہ امام ترمذی نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
- ((الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَلِكَ .)) ❶
- ”میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔“
- ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:
- ”حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پرتیس سال پورے ہو جاتے ہیں، آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر اس وقت تک پورے تیس سال ہوتے ہیں، آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی، اس طرح کی پیشین گوئی نبوت کی واضح دلیل ہے۔“ ❷
- اس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ ❸

امام احمد نے حدیث سفینہ کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

((الْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَ ذَلِكَ الْمُلْكُ .)) ❹

❶ سنن الترمذی مع شرحها ، تحفة الاحوذی (۶/ ۳۹۵ ، ۳۹۷) حدیث حسن ہے۔

❷ البداية والنهاية (۱۱/ ۱۳۴)

❸ مآثر الانافة (۱/ ۱۰۵) ، مرویات خلافة معاویة ، خالد الغيث ص: ۱۵۵ .

❹ فضائل الصحابة (۲/ ۷۴۴) اس کی اسناد حسن ہے۔

- ♦ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے والد کی شہادت کے بعد خطبہ
- ♦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رد عمل۔
- ♦ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت، بیعت میں آپ کی شرط۔
- ♦ آپ کی خلافت سے متعلق نصوص کا بطلان
- ♦ آپ کو امت نے معروف شورائی نظام کے مطابق منتخب کیا۔
- ♦ امیر المؤمنین حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت
- ♦ آپ کی خلافت سے متعلق اہل سنت کا عقیدہ
- ♦ آپ کی خلافت حقیقت میں خلافت راشدہ تھی۔ آپ کی مدت حکومت خلافت راشدہ کی مدت کا تتمہ تھی اس لیے کہ نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ خلافت راشدہ تیس سال رہے گی پھر بادشاہت ہو جائے گی، جیسا کہ امام ترمذی نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
- ((الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَلِكَ .)) ❶
- ”میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔“
- ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

”حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پرتیس سال پورے ہو جاتے ہیں، آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر اس وقت تک پورے تیس سال ہوتے ہیں، آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی، اس طرح کی پیشین گوئی نبوت کی واضح دلیل ہے۔“ ❷

اس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ ❸

امام احمد نے حدیث سفینہ کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

((الْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَ ذَلِكَ الْمُلْكُ .)) ❹

❶ سنن الترمذی مع شرحها ، تحفة الاحوذی (۶/۳۹۵، ۳۹۷) حدیث حسن ہے۔

❷ البداية والنهاية (۱۱/۱۳۴)

❸ مآثر الانافة (۱/۱۰۵)، مرویات خلافة معاویة، خالد الغيث ص: ۱۵۵۔

❹ فضائل الصحابة (۲/۷۴۴) اس کی اسناد حسن ہے۔

”خلافت تیس سال رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔“

امام ابوداؤد نے ان الفاظ میں روایت کی ہے:

((خِلَافَةُ النَّبِيِّ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يُوتِي الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ أَوْ مُلْكُهُ مَنْ يَشَاءُ.))^①

”خلافت نبویہ تیس سال ہوگی پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہت عطا کرے گا یا جسے چاہے گا اسے اس کا مالک بنا دے گا۔“

آپ ﷺ کے بعد تیس سالوں میں صرف خلفائے اربعہ اور حضرت حسن کی مدت پوری ہوتی ہے، اور بہت سارے اہل علم مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کے چند مہینے خلافت راشدہ میں شامل ہیں اور اس کو مکمل کرنے والے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض اہل علم کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:

”تیس سالوں سے مراد چاروں خلفاء کی مدت خلافت اور وہ چند مہینے ہیں جن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی تھی، اور حدیث کے اس ٹکڑے میں ”الْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ سَنَةً“ خلافت سے مراد خلافت نبوت ہے، جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت آتی ہے:

((خِلَافَةُ النَّبِيِّ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا.))^②

”خلافت نبوت میرے بعد تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہوگی۔“

۲۔ شرح الطحاویہ میں ابوالعزخرفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال تین مہینہ رہی، عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ساڑھے دس سال رہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال رہی، حضرت علی کی خلافت چار سال نو مہینے رہی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ مہینے رہی۔“^③

۳۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے:

① صحیح سنن ابی داؤد (۳/۷۷۹)، سنن ابی داؤد (۲/۵۱۵)

② شرح النووی علی صحیح مسلم (۱۲/۲۰۱)

③ شرح الطحاویہ (ص ۵۴۵)

”حضرت حسن کے خلفائے راشدین میں سے ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو میں نے ”دلائل النبوة“ میں رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ سفینہ کے طریق سے نقل کیا ہے: ”الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً“ (خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی) اور تیس سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پورے ہوتے ہیں۔“^۱

۴۔ ابن حجر مہتمی رحمہ اللہ کا قول ہے:

”آپ اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق آخری خلیفہ راشد ہیں، آپ اپنے والد کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے خلیفہ ہوئے، اور چھ مہینہ چند دن اس حدیث کے مطابق خلیفہ برحق اور سچے اور عادل امام رہے جس میں آپ کے نانا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً“ (خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی) اور وہ چھ مہینے تیس سال کا مکملہ ہیں۔“^۲

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلفائے راشدین میں سے ہونے کے سلسلے میں یہ بعض اہل علم کے اقوال ہیں، چنانچہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی، اور وہ اس خلافت نبوت کا مکملہ تھی جس کے بارے میں آپ نے خبر دی ہے کہ اس کی مدت تیس سال ہوگی۔^۳

اس کتاب میں میں نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب کچھ خطبے منسوب ہیں جو درست نہیں ہیں، اور بعض کتابوں کے بارے میں اہل علم کے اقوال کو ذکر کیا ہے، مثال کے طور پر ابوالفرج اصفہانی کی کتاب ”الآغانی“

اس کتاب کا شمار ان کتابوں میں ہے جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، یہ کتاب ادب، قصے کہانیوں، گانوں اور بے حیائی کی باتوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا علم و تاریخ اور فقہ سے کوئی تعلق نہیں، اہل ادب و تاریخ کے نزدیک اس کی گونج رہی ہے۔

اصفہانی کے غیر ثقہ، ضعیف اور نقل میں متہم ہونے کے سلسلے میں اہل علم کے اقوال کو ذکر کیا ہے اور واضح دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب علم و ادب اور تاریخ میں کسی طرح مرجع نہیں بن سکتی، ہماری تاریخ کے

① البداية والنهاية (۱/ ۱۳۴)

② الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقه (۲/ ۳۹۷)

③ عقيدة أهل السنة في الصحابة (۲/ ۷۴۸)

④ عقيدة أهل السنة في الصحابة (۲/ ۷۴۸)

بگاڑنے میں اس کتاب کا بڑا ردول رہا ہے، اس لیے اس سے دور رہنا لازم و ضروری ہے۔ عہد صحابہ کی تاریخ کو بگاڑنے والی بہت ساری کتابیں ہیں اکثر کی سند اور متن غیر قابل قبول ہے، اس لیے کہ تبع تابعین کے عہد کے بعد ان کی تصنیف ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق گفتگو کے سلسلے میں ان کتابوں سے بچنا ضروری ہے، جو ان سے استفادہ کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ ان میں وارد اعتقادی مسائل، شرعی احکام اور صحابہ کرام سے متعلق باتوں کو قرآن و حدیث سے توثیق کرے، ان میں سے جو قرآن و صحیح احادیث کے موافق ہوں ان کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جو مخالف ہوں ان کو قطعاً نہ ذکر کیا جائے۔

”الأغانی“ اور اس طرح کی دوسری کتابوں پر سنجیدہ تاریخی بحث میں کوئی ایسا شخص اعتماد نہیں کر سکتا جو علمی حقائق، موضوعیت اور غیر جانب داری کو پسند کرتا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اہم صفات اور ان کی معاشرتی زندگی کو ذکر کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ آپ نزالی قائدانہ شخصیت کے مالک تھے، آپ کے اندر ربانی قائد کے اوصاف موجود تھے، آپ دور بینی، حالات پر گہری نظر، جمہور کی قیادت کی صلاحیت، مقررہ منصوبوں کی تنفیذ کے لیے عزم مصمم جیسے اوصاف سے متصف تھے، ”آپ کا عظیم اصلاحی منصوبہ“ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے ان اوصاف اور ان جیسے دوسرے اوصاف کو ذکر کیا ہے، جیسے:

- ◆ کتاب و سنت کا علم
- ◆ خشوع و خضوع سے بھرپور عبادت
- ◆ حکومت و دنیاوی امور سے بے رغبتی
- ◆ ہر قریب اور دور، چھوٹے اور بڑے، مالدار اور غریب پر دل کھول کر خرچ کرنا، چنانچہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا، دینا، مہمان نوازی کرنا، سخاوت سے کام لینا، آپ کے فطری اوصاف تھے۔
- آپ ہی کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

إني لـطـربـنـي الخلال كريمة

طرب الغريب بأوبة و تلاق

”گھر لوٹنے اور اہل و عیال سے ملاقات پر غریب الدیار کی خوشی کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کی عمدہ خصلتیں

مجھے خوش کر رہی ہیں۔“

و يَهْزُنِي ذِكْرُ الْمَرْوَةِ وَالْندَى

بَيْنَ الشَّمَائِلِ هِزَّةَ الْمَشْتَاقِ

”آپ کی مروت و سخاوت جیسی عادتوں کے تذکرے پر میں عاشق کے مانند جھومنے لگتا ہوں۔“

فَاذَا رُزِقْتَ خَلِيفَةَ مَحْمُودَةٍ

فَقَدْ اصْطَفَاكَ مَقْسَمَ الْأَرْزَاقِ

فَالنَّاسُ هَذَا حَظَّهُ مَالٍ، وَذَا

عِلْمٍ وَذَاكَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

”لوگوں کے نصیب مختلف ہوئے ہیں، کچھ کے نصیب میں مال، کچھ کے نصیب میں علم، اور کچھ کے نصیب

میں اچھے اخلاق ہوتے ہیں۔“

آپ کے درج ذیل صفات پر بھی گفتگو کی ہے:

♦ آپ کی بردباری

♦ آپ کی خاکساری و تواضع

♦ آپ کی سرداری و سیادت

سیادت کے مفہوم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت کی روشنی میں واضح کیا ہے، اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ سیادت ظلم و زیادتی، خوریزی، اور دوسروں کی عزت و دولت کو برباد کر کے نہیں حاصل ہوتی، بلکہ سیادت اس کے اصولوں کی رعایت، بغض و حسد اور دشمنی کے ازالے سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ آپ کی مصالحت اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت نے آپ کو سیادت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔

میں نے کتاب میں درج ذیل موضوعات پر بھی بحث کی ہے:

♦ آپ کی اجتماعی زندگی

♦ آپ کی جانب سے باطل عقائد کی تردید

♦ لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا

♦ نبوی حسب و نسب پر آپ کی غیرت

♦ آپ کو تکلیف پہنچانے والے کے ساتھ آپ کا تعامل

♦ لوگوں کے ساتھ آپ کا حسن خلق

♦ بے ہودہ باتوں سے آپ کا اجتناب

♦ اسلامی معاشرے کے بڑے لوگوں کی جانب سے آپ کی تعریف

♦ آپ کے بہت سارے اقوال، خطبے اور مواظظ نیز ہم ان سے اپنی موجودہ زندگی میں کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔

آپ کے ارد گرد رہنے والی شخصیتوں کے لیے ایک بحث خاص کر دی ہے، ان میں سے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ آپ کے ہاتھوں پر پہلے بیعت کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے زمانے کے دور اندیش لوگوں میں سے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی فوج کے اہم ترین سپہ سالاروں میں سے ہیں۔

ان میں سے عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں، وہ آپ کی فوج کی سپہ سالاروں میں سے اور آپ کے والد کے گورنروں میں سے ہیں، تاریخ کی بعض کتابوں نے جھوٹ اور بہتان تراشی کے ذریعے آپ کے کردار کو مشکوک کیا، اس لیے میں نے آپ کی شخصیت کو منتخب کر کے آپ کے مواقف کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔

انہی شخصیات میں سے عبد اللہ بن جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں، وہ آپ کے مستشار تھے، چنانچہ آپ نے انہیں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا، اور انہوں نے آپ کی اس سلسلے میں ہمت افزائی کی تھی، ان شخصیتوں کی سیرت کے توسط سے اس زمانے کے صحیح احوال کی آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔

میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، اور اس کو ایک عظیم اصلاحی منصوبہ قرار دیا ہے، اسی لیے میں نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے وہ منصوبہ کس طرح بنایا اور کس طرح اس کو نافذ کیا، مصالحت سے متعلق درج ذیل امور کو ذکر کیا ہے:

♦ مصالحت کے مختلف مراحل

♦ ہر مرحلے میں کیا پیش آیا؟

♦ مصالحت کے اہم اسباب، جیسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے آخرت کی ترجیح، مسلمانوں کے خون کی حفاظت، اتحاد امت، رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اثبات وغیرہ جیسے اسباب۔

♦ حضرت حسن کے ان اقوال کی توضیح جو مصالحت کے اسباب میں سے تھے، اور مقاصد شریعت سے متعلق آپ کی گہرائی و گیرائی کا پتہ دیتے ہیں۔

♦ آپ کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین مصالحت کے شرائط اور اس کے نتائج۔

♦ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو جانا، آپ کا ایک قوت سے بھرپور اقدام تھا نہ

کہ کوئی اور چیز جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے۔

♦ زندگی کے مختلف تصرفات و مواقف کے توسط سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عظمت کا ظہور، ان اہم تصرفات میں سے عظیم اصلاحی منصوبہ کی پلاننگ اور اس کی تنفیذ پر بے مثال قدرت، بہت سارے لوگ اصلاحی منصوبے اور نظریات رکھتے ہیں، لیکن انھیں لوگوں کے سامنے پیش کرنے اور ان کی تنفیذ سے قاصر رہتے ہیں۔

میں نے اس کتاب میں تاریخ کی بعض جھوٹی روایتوں کا پردہ فاش کیا ہے، بطور مثال بعض مورخین کا خیال ہے کہ اموی حکومت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں تمام منبروں کے لیے یہ تعیم جاری کر دی تھی کہ وہاں سے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا جائے، چنانچہ میں نے صحیح دلائل و براہین سے اس بہتان کا قلع قمع کیا ہے۔ مورخین نے بلا بحث و تحقیق، اور نقد و تحلیل کے اس چیز کو تسلیم کر لیا اور متاخرین کے نزدیک یہ چیز ان مسلمات میں سے ہو گئی جن میں مناقشہ کی گنجائش نہیں رہتی، یہ ایسا دعویٰ ہے جسے صحت نقل کی ضرورت ہے، اور جس کی سند کو جرح اور متن کو اعتراض سے خالی رہنا چاہیے، محققین کے نزدیک اس طرح کے دعووں میں کتنا وزن ہے ظاہر و باہر ہے۔ صحیح تاریخ تو یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کا بڑا احترام تھا، اسی طرح تاریخ کی بعض کتابوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید پر تہمت لگائی ہے کہ انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا تھا، تو میں نے اس کی بھی حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سند اور متن دونوں اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کے مدینہ میں قیام کرنے، امت کے اتحاد کے امام اور محور اور بلا مقابل وحدت امت کے قائد ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

فی روض فاطمة فما غصنان لم

ینجبہما فی النیران سواہا

”بطن فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی سے دونوں نونہالوں نے جنم لیا۔“

فأمیر قافلة الجہاد و قطب دائرة

الوئام و الاتحاد ابنہا

”چنانچہ ان کے دونوں بیٹے مجاہدین کے قافلہ سالار اور اتحاد و اتفاق کے محور ہیں۔“

حسن الذی صان الجماعة بعد ما

أمس تفرقہا یحل عراہا

”امت کا شیرازہ بکھر رہا تھا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنہوں نے اسے بچایا۔“

ترك الإمامة ثم أصبح فى الديار
إمام ألفتها و حسن علاها

”زام حکومت کو چھوڑ دیا تو امت کے اتفاق و اتحاد اور سر بلندی کے امام ہو گئے۔“

کتاب میں درج ذیل موضوعات پر بھی بحث کی ہے:

- ◆ مصالحت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تعلق
- ◆ آپ کے آخری ایام اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے آپ کی وصیت
- ◆ اللہ کی کائنات میں آپ کا غور و فکر کرنا۔
- ◆ اپنے نفس کا محاسبہ، پھر آپ کی شہادت اور مدینہ کی قبرستان بقیع میں آپ کی تدفین

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت یہ بتاتی ہے کہ قائد کے مستقبل کی پلاننگ کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟ اسی کی روشنی میں اللہ کے سہارے وہ آگے بڑھتا ہے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اصلاحی پلاننگ اور منصوبے کے مالک اور اس کی تنفیذ پر قادر تھے، اور اس سلسلے کے تمام مراحل، اسباب، شروط، نتائج، رکاوٹیں، ان رکاوٹوں سے نپٹنے کے طریقے آپ کے لیے واضح تھے۔ آپ نے اختلافات سے نپٹنے، مصالح و مفاسد، مقاصد شریعت، معاملات کو حل کرنے کے لیے باہمی بات چیت، اللہ کی رضا کے لیے خواہشات نفس اور اس کی خامیوں پر قابو پانے سے متعلق بہت واضح نقوش چھوڑتے ہیں، چنانچہ عالم اسلام کے حکمران خاندان، متحرک سیاسی پارٹیاں، موجود ادارے، اسلامی تحریکات، با مقصد جمعیات کو شدید ضرورت ہے اس بات کی کہ وہ اختلافات کو ختم کرنے، اتفاق و اتحاد، خوریزی سے بچاؤ، اور سب کو اکٹھا کرنے سے متعلق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے تفقہ اور طریقہ کار کو سمجھیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں، ان کی اقتداء اور ان کے تفقہ کی اہمیت کی جانب رسول اللہ ﷺ نے ہماری رہنمائی اپنے اس قول سے کی ہے:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي.)) ❶

”تم میرے طریقہ کار کو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑو۔“

بلاشبہ حقیقت کا متلاشی اس بات پر بہت تعجب کرے گا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا تفقہ اور ان کا طریقہ کار امت کے حافظے سے بہت حد تک اوجھل رہا۔ اسی طرح اس بات پر بھی حیرت کرے گا کہ ہماری تہذیب و ثقافت

میں آپ کے تفقہ اور عظیم اصلاحی منصوبے کا کوئی خاص اثر نہیں رہا۔ قوموں کے عروج کے اہم اسباب میں سے ہے کہ حاضر کو سدھارنے کے لیے ماضی سے آگاہ رہا جائے اور مستقبل پر نگاہ رکھی جائے۔

بلاشبہ تاریخ امت کا حافظہ، اس کے تجربات، علوم و معارف، اصول و مبادی اور کارناموں کا خزانہ ہوتی ہے، اس کے ماضی اور حال کے تشخص کی بنیاد ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت کی گہرائیاں ابھی تک لوگوں کے سامنے واضح نہیں ہو سکی ہیں۔ خلفائے راشدین کی ایک عظیم تائناک تاریخ رہی ہے۔ امت اسلامیہ کی تاریخ تمام قوموں اور ملکوں کی تاریخ پر فوقیت رکھتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ اس قدیم تائناک تاریخ سے مستفید ہوں۔ اس کے سبق آموز اور عبرت خیز، پہلوؤں کو واضح کریں، اس سے طریقہ ہائے کار کا استنباط کریں، اور اس کی روشنی میں دوسری تہذیبوں کو سمجھیں۔ تاریخی تسلسل، طریقہ نبوی اور قرآنی قصوں کی روشنی میں امت اسلامیہ اپنا مثالی تہذیبی کردار ادا کر سکے اور آنے والی صدیوں سے ہم آہنگ ہو، تاکہ لوگوں کی رہنمائی میں امت اسلامیہ اپنا مثالی تہذیبی کردار ادا کر سکے اور آنے والی صدیوں میں دنیا کے سامنے یہ اچھی طرح ثابت ہو جائے کہ محمد ﷺ کے ذریعے لایا ہوا دین اسلام نہ مٹا ہے اور نہ کبھی مٹے گا، اور قرآن کریم قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہدایت ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم معاملات سے متعلق اپنی نگاہوں کو کھلی رکھیں تاکہ ہمیں دیر تک رونا نہ پڑے۔

میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کروں۔ آپ کی زندگی امت کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ آپ ان ائمہ میں سے ہیں جن کا طریقہ کار، اقوال و افعال آج لوگوں کے لیے اسوہ ہیں۔ آپ کی سیرت سے دین کی صحیح سمجھ، اسلامی جذبے اور ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ آپ کی سیرت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اختلافات کے وقت ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ مصالح و مفاسد اور مقاصد شریعت کیا ہیں۔ خواہشات نفس پر قابو کیسے پایا جاتا ہے۔ ہمارا قرآن کریم کے ساتھ تعامل کیسا ہو۔ کس طرح ہم طریقہ نبوی کو اختیار کریں اور آپ کی اقتداء کریں۔

آپ کے اقوال و افعال کے توسط سے ہمارے دلوں میں اللہ کی جانب جھکاؤ گہرا ہوتا ہے پتہ چلتا ہے کہ ان مذکورہ علوم کا امت کی زندگی، ترقی اور مطلوبہ تہذیبی کردار ادا کرنے میں کتنا اثر ہوتا ہے۔

بنابریں میں اپنی وسعت کے مطابق آپ کی شخصیت اور کارناموں کو اجاگر کرنے میں بھرپور کوشش کی ہے۔ غلطی اور لغزش سے بچنے کا دعویٰ نہیں، صرف اللہ کی رضا اور ثواب مطلوب ہے، وہی اسے نفع بخش بنا سکتا ہے اور اسی سے اس سلسلے میں تعاون مطلوب ہے، بلاشبہ وہ اچھے ناموں والا اور دعاؤں کا سننے والا ہے۔

میں بفضلہ تعالیٰ خلفائے راشدین کی تاریخ کے سلسلے میں بتاریخ ۲۱ صفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۴ء/۱۸ بوقت پونے دس بجے رات فارغ ہوا۔ اللہ ہی سے اس کام کی قبولیت و برکت اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت کا خواستگار ہوں۔ فرمان الہی ہے:

﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (فاطر: ۲)

”اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔“

اس کتاب کے ذریعے میں قارئین کے ہاتھوں میں خلفائے راشدین کی تاریخ کے سلسلے کی ایک کڑی رکھ رہا ہوں۔ مجھے اس میں کمال کا دعویٰ نہیں۔

شاعر کا قول ہے:

و ما بها من خطأ أو خلل
أذنت في إصلاحه لمن فعل
”جو کچھ اس میں خلل اور غلطی ہے اس کی اصلاح کی میں ہر شخص کو اجازت دیتا ہوں۔“

لكن بشرط العلم و الانصاف
فذا و ذا من أجمل الأوصاف
”لیکن وہ اصلاح علم اور انصاف جیسے اوصاف پر مبنی ہو۔“

والله يهدي سبل السلام
سبحانه بحبله اعتصامي

”اور اللہ تعالیٰ سلامتی کی راہیں دکھا دیتا ہے، میں اسی کی رسی کو مضبوطی سے تھامتا ہوں۔“

اس عظیم احسان پر میں اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر گزار ہوں۔ میں اس سے اور اس کے اسماء و صفات کے حوالے سے دعا گو ہوں کہ وہ اس تاریخی سلسلے کو اپنی رضا کے لیے خالص اور اپنے بندوں کے لیے مفید بنائے، اور میرے ہر لکھے ہوئے حرف کا مجھے اجر عطا فرمائے، اور اسے میری نیکیوں کی میزان میں کر دے، اور ان تمام لوگوں کو اجر عطا کرے جنہوں نے اس کام کے مکمل کرنے میں اپنی حسب استطاعت وسائل سے میری مدد کی۔

قارئین کرام سے امید کرتا ہوں کہ مجھ کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ فرمان الہی ہے:

﴿فَتَبَسَّمْ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ
وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ ﴿١٩﴾

(النمل: ۱۹)

”تو وہ اس کی بات سے ہنستا ہوا مسکرایا اور اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری
نعت کا شکر کروں، جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں، جسے تو
پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔“

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّم، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ،
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ.

اپنے رب کے غفور و مغفرت و رحمت و رضا کا محتاج

علی محمد محمد محمد الصلابی

۲۱ صفر ۱۴۲۵ھ



پہلی فصل

حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما (ولادت سے خلافت تک)

نام، نسب، کنیت، صفت، خاندان عہد نبوت میں

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی والدہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہما

اپنے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے نزدیک

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ

حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلفائے راشدین کے عہد میں

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ
خطاب کر رہے تھے اسی دوران میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما
پہنچ گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا یہ لاڈلا
سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ
سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین
صلح کرائے گا۔

(۱)

نام، نسب، کنیت، صفت، خاندان عہد نبوت میں

۱۔ نام، نسب اور کنیت:

آپ ابو محمد حسن بن علی بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہاشمی، قرشی، مدنی شہید^① ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے نواسے، جنتی نوجوانوں کے سردار، فاطمہ بنت محمد ﷺ کے نخت جگر، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے نور نظر، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پوتے اور پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔

۲۔ آپ کی ولادت، نام، لقب اور بچوں کے نام رکھنے میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ کار:

آپ صحیح روایت کے مطابق رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ دوسرے قول کے مطابق شعبان میں، اور تیسرے قول کے مطابق اس کے بعد۔

لیث بن سعد کا قول ہے:

”حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے یہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش رمضان ۳ھ اور

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شعبان ۴ھ میں ہوئی۔“^②

احمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم برقی کا قول ہے:

”حضرت حسن نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔“^③

ایسا ہی قول ابن سعد کا طبقات میں ہے۔^④

علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”جب حسن پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام حرب رکھا، نبی کریم ﷺ تشریف لائے، فرمایا: مجھے

میرے بچے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ ہم نے کہا: حرب، تو آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ وہ

حسن ہے، جب حسین کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حرب رکھا، نبی کریم ﷺ تشریف

① سیر أعلام النبلاء (۲۴۶/۳)

② نسب قریش (۲۳/۱) الدوحة النبوية (ص ۷۱)

③ الذرية الظاهرة للدولابی (ص ۶۹)

④ الطبقات (۲۲۶/۱)

لائے فرمایا: مجھے میرے بچے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ ہم نے کہا: حرب۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ حسین ہے۔ جب تیسرے بچے کی پیدائش ہوئی تو میں نے اس کا نام رکھا حرب، تو آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ محسن ہے، پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کا نام ہارون کے لڑکوں شبر، شبیر، مشبر کے ناموں کی طرح رکھا ہے۔“^①

رسول اللہ ﷺ اس نومولود پر بہت خوش تھے اور لوگ بڑھ بڑھ کر والدین کو مبارک باد دے رہے تھے، سلف صالحین نومولود کے گھر والوں تک خوش خبری پہنچانے میں جلدی کرتے تھے۔ حسن بصری سے ایک لطیف تہنیت منقول ہے:

”بُورِكَ فِي الْمَوْهُوبِ وَشَكَّجَرَتْ أَوَاهِبَ وَرُزِقَتْ بِرَّهً وَبَلَغَ أَشُدَّهُ.“

”عطا کردہ نومولود میں اللہ برکت دے آپ عطا کرنے والے اللہ کا شکر ادا کریں، اللہ تعالیٰ اسے مطیع و فرمانبردار بنائے، اور وہ اپنی جوانی کو پہنچے۔“

یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ قبل از اسلام جنگ و جدال اور خونریزی پر دلالت کرنے والے ناموں سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن و حسینؓ کا نام رکھا، چنانچہ ان کے لیے بہترین معانی والے ناموں کا انتخاب کیا۔^② حضرت حسن کا وصف ”سید“ قرار پایا، انھیں یہ لقب ان کے نانا نبی کریم محمد ﷺ نے عطا کیا، جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللَّهُ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.))^③

”میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

نبی کریم ﷺ کے اس طریقہ کار سے زندگی کے ایک اہم اصول کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ اپنے بچوں کے اچھے اور خوبصورت نام رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، اس میں ماں اور باپ کی رہنمائی ہے کہ وہ عربی زبان اور شرعی نقطہ نظر سے اچھے لفظ و معنی پر مشتمل نام کو چنیں، تاکہ وہ اچھا ہو، زبان سے ادا کرنے میں اچھا لگے، سننے میں گراں نہ ہو، اچھی صفت اور بہترین معنی کا حامل ہو، شریعت کی نظر میں حرام و مکروہ معانی سے خالی ہو۔ اس کے معنی ہیں کہ مسلمان باپ نام رکھنے سے پہلے اس کے لفظ اور معنی کی صحت پر اچھی طرح غور و فکر

① مسند احمد (۱/۹۸، ۱۱۸) صحیح ابن حبان (۱۵/۴۱۰) حدیث کی سند صحیح ہے۔

② الحسن بن علی و دورہ سیاسی، فیتخان کردی (ص ۱۶)

③ صحیح البخاری (۲/۳۰۶)

کرے، کسی صاحب علم و بصیرت سے مشورہ کرے، یہی اچھائی اور حکمت و دانائی کا طریقہ ہے۔
لوگوں کا مشہور قول ہے: ”والد پر لڑکے کا حق یہ ہے کہ وہ اس کے لیے بہترین ماں کا انتخاب کرے، اس کا اچھا سا نام رکھے، اس کو اچھا ادب سکھائے۔“

علمائے بیان کیا ہے کہ مشروع ناموں کے درجات و مراتب ہیں، چنانچہ وہ مستحب ہوتے ہیں، جائز ہوتے ہیں ان کی ترتیب درج ذیل ہیں:

۱۔ عبد اللہ: ”الرحمن جیسا نام رکھنا مستحب ہے، یہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین نام ہیں جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، ان ناموں کی خصوصیت ہے کہ وہ انسان کے رب کا بندہ ہونے، اس کے محتاج ہونے اور اس کے سامنے اس کی عاجزی و انکساری پر اچھی دلالت کرتے ہیں، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہے:
(إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ .))^۱
”اللہ کے نزدیک محبوب ترین نام عبد اللہ و عبد الرحمن ہیں۔“

اس لیے کہ یہ دونوں نام عبودیت کے وصف پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے اسمائے حسنیٰ کو چھوڑ کر ”اللہ“ اور ”الرحمن“ ہی کی طرف عبودیت کی اضافت کی ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿وَأَنْتَ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۖ﴾ (الحج: ۱۹)

”اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں۔“

اور اس آیت میں ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ﴾ (الفرقان: ۶۳)

”اور اللہ کے بندے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اکٹھا اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے:

﴿قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ ۚ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ﴾

(الاسراء: ۱۱۰)

”کہہ دیجیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔“

نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہما کے بیٹے کا نام عبد اللہ رکھا، اور صحابہ میں سے تین سولوگوں کا نام

عبداللہ تھا، اور اسی بنا پر ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین کے پہلے مولود کا نام عبداللہ بن زبیر تھا۔^①

۲۔ نبیوں اور رسولوں کے ناموں پر نام رکھنا، اس لیے وہ بنو آدم کے سردار تھے، ان کے اعمال و اخلاق سب سے عمدہ اور اچھے تھے، ان کے ناموں پر نام رکھنا ان کی اور ان کے اوصاف و احوال کی یاد دلاتا ہے، نیز ان کے ناموں پر نام رکھنے کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا مبارک اسوہ بھی ہے، اس لیے کہ آپ نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ نبیوں کے ناموں میں سب سے افضل ہمارے نبی محمد بن عبداللہ ﷺ کا نام ہے۔^②

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نیک و صالح مسلمانوں کے ناموں پر نام رکھنا، اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی باریک بین نگاہ تھی، چنانچہ صحابی رسول زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنے نو بیٹوں کا نام شہدائے بدر رضی اللہ عنہم کے ناموں پر رکھا تھا، اور وہ عبداللہ، منذر، عروہ، حمزہ، جعفر، مصعب، عبیدہ اور خالد ہیں۔

۴۔ مطلوبہ شروط و آداب کے ساتھ پھر ایسے ناموں کی باری آتی ہے جو انسان کے سچے اوصاف ہوں، ان شروط و آداب کے پائے جانے پر مولود کا نام شرعی دائرے میں آجاتا ہے۔ ان شروط میں سے ہے کہ نام لغت و شریعت کی رو سے لفظاً و معنی اچھا ہو، اس شرط پر وہ نام خارج ہو جاتا ہے جو حرام اور ناپسندیدہ ہو لفظ کے اعتبار سے، یا معنی کے اعتبار، یا دونوں اعتبار سے، اگرچہ وہ عربی قواعد کی رو سے صحیح ہو، جیسے ایسا نام رکھنا جس میں مذمت اور گالی گلوچ کا معنی ہو، بلکہ ایسا نام رکھا جائے جو سچائی اور حقانیت کے معنی پر دلالت کرے^③ اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔

درج ذیل صورتوں میں سے ہر صورت میں مولود کے نام رکھنے کو شریعت حرام قرار دیتی ہے:

۱۔ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسا ہر نام حرام ہے جس میں ”عبد“ کو غیر اللہ کی طرف مضاف کیا گیا ہو، جیسے عبدالرسول، عبدالنبی، عبدالحسین، عبدالامیر (مراد امیر المؤمنین علی بن ابوطالب ہیں)، عبدالصاحب وغیرہ، بنو آدم جس بھی مرتبے کو پہنچ جائیں وہ اللہ کے محتاج و خاکسار بندے ہی ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تہا عبادت کی مستحق ہے، اس لیے غیر اللہ کی جانب ”عبد“ کی اضافت کے ساتھ نام رکھنا درست نہیں ہے۔

۲۔ کافروں کے خاص عجی ناموں پر نام رکھنا، اپنے دین سے مطمئن مسلمان ایسے ناموں سے دور رہتا، ان

① تسمیۃ المولود، بکر عبداللہ ابو زید، ص: ۳۳۔

② تسمیۃ المولود (ص ۳۵-۳۶)

③ تسمیۃ المولود (ص ۳۹)

سے نفرت کرتا اور ان کے کنارے بھی نہیں جاتا ہے، دور حاضر کا یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ یورپ و امریکہ وغیرہ کے کافر ناموں کو منتخب کیا جاتا ہے، یہ بہت بڑا گناہ اور دین بیزاری کی اہم دلیل ہے جیسے پطرس، جرجس، جارج، ڈیانا وغیرہ۔

ناموں کے بارے میں کافروں کی یہ تقلید صرف خواہش نفس اور کندہنی کا نتیجہ ہو تو وہ گناہ کبیرہ ہے۔ شیخ بکر بن عبد اللہ ابوزید نے اپنی کتاب ”تسمیۃ المولود“ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جسے مزید معلومات چاہیے وہ مذکورہ کتاب کی طرف رجوع کرے۔

۳۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کانوں میں رسول اللہ ﷺ کا اذان دینا:

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کے کانوں میں اذان دی، جیسا کہ ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کے فلسفہ اور حکمت کو بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

- ۱۔ اذان شعائر اسلام میں سے ہے۔
 - ۲۔ دین اسلام کا اعلان ہے۔
 - ۳۔ پھر ضروری ہے کہ یہ اذان خاص کر کے مولود کے کانوں میں کہی جائے۔
 - ۴۔ اذان کی خاصیت ہے کہ شیطان اس سے بھاگتا ہے، اور شیطان بچے کو شروع ہی میں تکلیف پہنچاتا ہے، فرمان نبوی ہے:
- ((مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يُمُسُّهُ فَيَسْتَهْلُ صَارِحًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ إِلَّا مَرِيْمَ وَابْنَهَا.))
- ”ہر مولود کو شیطان کچوکا لگاتا ہے، شیطان کے اس کچوکے سے وہ زور سے چیخ پڑتا ہے، سوائے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے کے۔“
- نیز فرمان نبوی ہے:

((إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَذْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأَذُّينَ.))

② تسمیۃ المولود، بکر بن عبد اللہ ابوزید (ص ۴۷) ② ایضاً

① سنن ابی داود (۵۱۰۵) سند ضعیف ہے، اس میں عاصم بن عمید اللہ ہیں، ابن معین نے ان کی تضعیف کی ہے، امام بخاری نے مکرر الحدیث قرار دیا ہے۔ الکاشف (۲۵۳۰)

④ صحیح البخاری (۱۹۶/۵، رقم ۴۵۴۸) حجة الله البالغة (۲/۳۸۵)

⑤ صحیح البخاری (۱۷۰/۱، رقم ۶۰۸)

”جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان ہوا خارج کرتے ہوئے بھاگتا ہے، تاکہ اذان نہ سنے۔“

نیز ابن قیم رحمہ اللہ اذان کی مزید حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۱۔ یہ کہ انسان کے کانوں سے پہلی مرتبہ ایسے کلمات نکلائیں جو رب کی عظمت و کبریائی اور اس شہادت پر مشتمل ہوں جس کے ذریعے انسان دائرۃ اسلام میں داخل ہوتا ہے، گویا دنیا میں آتے ہی اسے اسلامی شعائر کی تلقین کی جارہی ہے، جیسے دنیا سے جاتے ہوئے کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔

۲۔ اس کے دل و دماغ پر اذان کی تاثیر کا انکار نہیں کیا جاسکتا اگرچہ وہ اس وقت دوسرے فوائد سے نابلد ہوتا ہے اور وہ فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔..... اذان کے کلمات سن کر شیطان کا بھاگنا، جب کہ شیطان مولود کی پیدائش تک گھات میں لگا رہتا ہے، اور من جانب اللہ مقدر آزمائش کے لیے اس سے قریب ہوتا ہے، لیکن وہ اس وقت ایسے کلمات سنتا ہے جو اسے کمزور کر دیتے اور اس کے ناراض ہو کر بھاگنے کا سبب بنتے ہیں۔

۲۔..... اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مولود کی اللہ، اس کے دین اسلام اور اس کی عبادت کی جانب دعوت، شیطان کی گمراہی کی جانب دعوت پر مقدم ہو، جیسے کہ انسانوں کی الٰہی فطرت مقدم ہے، شیطان بعد میں اس کو بگاڑنے اور اس اصلی فطرت سے منحرف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح کی اور بہت سی حکمتیں ہیں۔^①

اس طرح ہمیں طریقہ نبوی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مولود کے دانے کان میں اذان، پھر بائیں کان میں تکبیر کہنا مستحب ہے، اس طرح توحید کے بعد سب سے اہم رکن نماز کی جانب دعوت اس کے کانوں سے پہلی مرتبہ نکراتی ہے۔^②

۳۔ مولود کی تحنیک:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا تو آپ ان کے لیے برکت کی دعا کرتے اور ان کی تحنیک کرتے۔^③ اس لیے بدرجہ اولیٰ آپ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا کی ہوگی اور ان کی تحنیک کی ہوگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول (فَبَرَكْتُ عَلَيْهِمْ) کی شرح کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

① منہج التربية النبوية للطفل محمد سويد، انھوں نے تحفة المودود لابن القيم (ص ۵۴) سے نقل کیا ہے۔

② موسوعة تربية الأجيال المسلمة، نصر العنقری (ص ۶۶)

③ صحيح مسلم (۱/۲۳۷، رقم ۲۸۶)

”یعنی ان پر ہاتھ پھرتے اور ان کے لیے دعا کرتے، اور اصل برکت بھلائی کا وجود اور اس کی کثرت ہے۔“

اور ان کے قول ”فَيُحْنِكُهُمْ“ کی شرح میں فرماتے ہیں:

”اہل لغت کے قول کے مطابق تحنیک یہ ہے کہ کھجور یا اس جیسی کسی چیز کو چبایا جائے پھر اس کو بچے کے تلوے پر چٹایا جائے۔“^①

اور تحنیک اگر ممکن ہو تو اذان کے فوراً بعد ہونی چاہیے۔ اور افضل یہ ہے کہ تحنیک کا کام کسی نیک آدمی کے ہاتھوں انجام پائے۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوہ موجود ہے۔ وہ لوگ تحنیک کے لیے اپنے بچوں کو نبی کریم ﷺ کے پاس ہی بھیجنے کے حریص تھے۔ تحنیک میں کھجور استعمال کی جائے، اگر نہ ملے تو کوئی میٹھی چیز، اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

- ۱۔ اس لیے کہ کھجور میں ماں کے دودھ کی طرح ہر وہ وٹامن موجود ہوتا ہے جس کی بچے کو ضرورت ہوتی ہے۔
- ۲۔ پیدا ہونے والے چھوٹے بچے میں پچکنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، جب کھجور استعمال کی جائے گی تو یہ صلاحیت بیدار ہو جائے گی اور بچہ اپنی زبان اور منہ کو حرکت دے گا، اس طرح اسے دودھ پینے کے لیے ماں کی چھاتی کو اپنے منہ میں لینے کی قدرت زیادہ ہوگی۔
- ۳۔ معدہ میٹھی چیزوں کو بڑی جلدی سے جذب کر لیتا ہے۔ اس لیے تحنیک معدے سے متعلق کسی پریشانی کا باعث نہیں ہوتی۔^②

قطر سے شائع ہونے والے مجلہ ”الأمة“ کے عدد ۵۰ میں ڈاکٹر فاروق مسائل کا ایک مقالہ بعنوان ”اہتمام الاسلام بتغذية الطفل“ شائع ہوا ہے، اس میں وہ حدیث تحنیک پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تحنیک تمام اعتبار سے نبی کا ایک طبی معجزہ ہے، لوگ چودہ سو برس کے بعد اس کی حکمت و مصلحت کو جان سکے، طبی طور سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ چھوٹے بچے بالخصوص دودھ پینے والے اور ایسے بچے جو ابھی جلد پیدا ہوئے ہوں انھیں درج ذیل دو صورتوں میں موت کا زیادہ خطرہ رہتا ہے:

- ۱۔ اگر بھوک سے خون میں شکر کی مقدار کم ہو جائے۔

① شرح النووی علی صحیح مسلم

② موسوعة تربية الأجيال المسلمة (ص ۶۸)

۲۔ جب ان کے جسم کا درجہ حرارت کم ہوا اور وہ ٹھنڈے موسم سے دوچار ہوں۔“ ❶

۵۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سر مونڈا نا:

جعفر بن محمد سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن و

حسین رضی اللہ عنہما کا سر ساتویں دن مونڈ دیا اور ان کے بالوں کو تولی اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی۔ ❷
اس باب کی حدیثیں مختلف طرق کو ملا کر صحیح ہیں۔ ❸

حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”چاندی صدقہ کرنے کا سبب کہ بچہ کا رحم مادر سے عالم وجود میں منتقل ہونا ایک ایسی نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ شکر کسی عوض کے ذریعے ادا کیا جائے اور چاندی کی تخصیص اس لیے ہے کہ سونا زیادہ مہنگا ہوتا ہے، صرف مالداروں کے پاس ہوتا ہے، اور مولود کے بال کے برابر دوسری چیزوں کی کوئی وقعت نہیں۔“ ❹

۶۔ عقیقہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی جانب سے ایک

ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا ❶ اور دوسری میں ہے کہ دو دو مینڈھے کا۔ ❷

ابورافع سے روایت ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، آپ کی والدہ نے آپ کی جانب سے

دو مینڈھوں کا عقیقہ کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان کا عقیقہ نہ کرو، لیکن ان کا سر مونڈاؤ اور ان کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو، پھر

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔“ ❸

آپ ﷺ نے عقیقہ کی ذمہ داری چوں کہ خود اٹھالی تھی اس لیے انھیں اس سے روکا تھا، آپ کے روکنے کا

مقصد عقیقہ کو بالکل ترک کر دینا نہیں تھا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث بتلاتی ہے:

❶ منہج التریبۃ النبویۃ (ص ۶۴)

❷ الطبقات، الطبقة الخامسة (۱/۲۳۱) اس کی سند مرسل ہے۔

❸ موسوعة تریبۃ الاجیال (ص ۷۲)

❹ حجة الله البالغة (۲/۳۸۵)

❺ سنن ابی داود فی الاضاحی (رقم ۲۸۴۱) اس کی سندیں ضعف ہے۔

❻ سنن النسائی (۷/۱۶۶) باب کم یعق عن الجاریۃ، اس کی سند صحیح ہے۔

❼ مسند احمد (۶/۳۹۲) اس کی سندیں ضعف ہے۔

((عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاءٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِحْلِقِي رَأْسَهُ وَ تَصَدَّقِي بِزَيْنَةِ شَعْرِهِ فَضَّةً فَوَزَنَاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دُرَّهْمًا أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ . خَرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ)) ❶

”رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک بکری کا عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ اس کا سرمونڈاؤ، اور اس کے بالوں کے وزن برابر چاندی صدقہ کرو۔ ہم نے وزن کیا، اس کا وزن ایک درہم، یا اس سے کم تھا، اس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ان دونوں کی جانب سے عقیقہ کیا اور دایہ کو بکری کی ایک

ران اور ایک دینار دیا۔ ❷

تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عقیقہ رسول اللہ ﷺ نے کیا اور تقسیم کا کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے ساتویں دن آپ ﷺ نے دو خوبصورت بکروں کو ذبح کیا، دایہ کو ران دینے کا حکم دیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سرمونڈاؤ یا بال کے وزن برابر چاندی صدقہ کرنے کے لیے کہا، پھر اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر کو ”خلوق“ خوشبو سے لپ دیا اور فرمایا: اے اسماء خون سے لپینا جاہلیت کے کاموں سے ہے۔ ❸ عقیقہ کے بہت سارے فوائد میں سے بعض فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ عقیقہ مولود کی جانب سے اللہ کی بارگاہ میں ایک قربانی ہے، مولود کا عالم وجود میں آنا اللہ کی ایک نعمت ہے، جس کے شکریہ میں یہ قربانی پیش کی جاتی ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مستحب ہے کہ جسے توفیق ہوڑکے کی جانب سے دو بکروں کا عقیقہ کرے، اس لیے کہ لوگوں کے نزدیک بچے بچوں سے زیادہ مفید ہیں، اس لیے وہ اپنے عقیقہ میں شکریہ اور اہتمام کی زیادتی کے مستحق ہیں، عقیقہ کے حکم کا سبب یہ ہے کہ عرب بچوں کی جانب سے عقیقہ کرتے تھے، عقیقہ ان کے یہاں ایک لازمی امر تھا۔ اس میں بہت ساری مالی، معاشرتی اور نفسیاتی مصلحتیں تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو باقی رکھا، اس پر خود عمل کیا اور لوگوں کو ترغیب دلائی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے طریقوں میں تبدیلی کردی، چنانچہ بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”جاہلیت میں جب ہمارے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ہم اس کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتے، اور اس کے خون سے اس کے سر کو لپ دیتے تھے، جب ہم حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو بچے کی پیدائش

❶ سنن الترمذی (رقم ۱۵۱۹) یہ حدیث حسن غریب ہے اس کی سند متصل نہیں ہے۔

❷ تحفة المودود لابن القيم (ص ۵۵)

❸ ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی لأبی العباس الطبری (ص ۲۰۷)

پرایک بکری ذبح کرتے، اس کا سر موٹو داتے اور اس کے سر کو زعفران سے لپ دیتے۔“^①
یہ رہا طریقہ نبوی کہ جب آپ نے ایسی عادت دیکھی کہ اس میں لوگوں کی منفعت ہے، لیکن اس میں مولود کے سر کو خون سے لینے کا انحراف ہے، تو آپ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اس کو مطلقاً مباح قرار نہیں دیا، اور ساتھ ہی ساتھ انحراف کی وجہ سے مطلقاً منع بھی نہیں کیا، بلکہ اس عادت میں لوگوں کی مصلحت و منفعت کو باقی رکھا، اور جاہلیت کی عادت کو حرام قرار دیا۔ یہ ہے حکمت سے پر طریقہ نبوی جو اہتمام اور غور و فکر کا مستحق ہے۔

۷۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ختنہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ساتویں دن حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی جانب سے عقیقہ کیا، اور ان کا ختنہ کر دیا۔^② اور محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ساتویں دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ختنہ کرایا۔^③

ختنہ فطری امور میں سے ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
فطری چیزیں پانچ ہیں: ختنہ، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھ کاٹنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا۔^④
ختنہ حنیفیت کی پہچان ہے، یہ قائم مقام اس رنگ دار پانی کے ہے جس کے ذریعے صلیب پرست نصاریٰ بچوں کو عیسائی بناتے ہیں، وہ اپنے زعم باطل کے مطابق جب اس رنگ دار پانی سے اپنے بچوں کو رنگتے ہیں تو وہ انھیں پاک کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اب وہ نصرانی ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خفاء کے لیے حنیفیت کی پہچان مقرر کی اور اس کی علامت ختنہ کو قرار دیا۔^⑤ اللہ کا فرمان ہے:

﴿صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَبِيدُونَ﴾ (البقرة: ۱۳۸)

”اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہو سکتا ہے؟ اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔“

مقصود یہ کہ اللہ کا رنگ وہ حنیفیت ہے جس نے دلوں پر اللہ کی معرفت و محبت، اس کے اخلاص اور صرف اسی کی عبادت کا رنگ چڑھا دیا ہے، اور جسموں پر خصال فطرت (ختنہ، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھ کاٹنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا، کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، مسواک کرنا، استنجا کرنا) کا رنگ چڑھا دیا ہے، اس

① المستدرک للحاکم (۲۸۸/۴) یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور ذہبی نے اس کو برقرار رکھا ہے۔

② سنن البیہقی (۳۲۴/۸) اس کی سند ضعیف ہے۔

③ صحیح البخاری (۱۸۴/۷)، رقم (۶۲۹۷)

④ صحیح مسلم (ص ۱۵۳)

⑤ صحیح مسلم (رقم ۲۵۷)

طرح اللہ کی فطرت کا ظہور خفاء کے قلوب و ابدان پر ہوتا ہے۔^①

خندہ کی فقہی حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے امام خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”خندہ کا ذکر سنتوں میں کیا جاتا ہے، لیکن بہت سارے علما کے نزدیک یہ واجب ہے، اس لیے کہ یہ دین کا شعار ہے، اسی سے مسلم و کافر کے مابین امتیاز ہوتا ہے، اگر غیر مختون مقتولین کے مابین کوئی مختون مل جائے تو اس پر جنازے کی نماز پڑھی جائے گی، اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جائے گا۔“^②

۸۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دودھ پلانے والی خاتون ام الفضل رضی اللہ عنہا:

ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا آپ کا کوئی عضو میرے گھر میں ہے، یا کہا: میرے کمرے میں ہے، تو آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ فاطمہ کے یہاں ایک بچے کی پیدائش ہوگی تم اس کی دیکھ بھال کرو گی، کہتی ہیں کہ میں ایک دن ان کو لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، انھوں نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر پیشاب کر دیا، میں نے انھیں پیٹھ پر مارا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ (اللہ تم پر رحم کرے) تم نے میرے بچے کو تکلیف پہنچائی ہے تو میں نے کہا: آپ مجھے اپنی لنگی دے دیں تاکہ میں اسے دھو دوں، آپ نے فرمایا: نہیں، اس پر پانی چھڑک دو، بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جاتا ہے اور بچی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے۔^③

ام الفضل رضی اللہ عنہا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں، ان کا نام لبابہ بنت حارث ہلالیہ ہے، وہی لبابہ کبریٰ ہیں، ہجرت سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔^④ ابن سعد کا قول ہے:

”ام الفضل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والی عورت ہیں۔“^⑤

انھوں نے نبی کریم ﷺ سے حدیثوں کی روایت کی ہے، اور ان سے ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور تمام، ان کے مولیٰ عمیر بن حارث، ان کے لڑکے کے مولیٰ کریم، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن حارث بن نوفل رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔

① موسوعة تربية الأجيال (ص ۷۵)

② منهج التربية النبوية للطفل، ص: ۶۹.

③ المستدرک (۱/ ۱۶۶) حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور بعض لوگوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

④ الطبقات لابن سعد (۸/ ۲۷۷)

⑤ الطبقات لابن سعد (۸/ ۲۷۷)

زبیر بن بکار وغیرہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کردہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے: ”چار بہنیں مومن ہیں، ام الفضل، اور میمونہ، (یہ ام الفضل کی سگی بہن ہیں) اور اسماء و سلمیٰ (یہ دونوں ان کی علاقائی بہنیں ہیں) اور عیسٰیٰ شعمیہ کی بیٹیاں ہیں۔“^①

ام الفضل خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔^② حضرت خالد کی والدہ لبابہ صغریٰ بنت حارث ہلالیہ ہیں۔^③ ام الفضل رضی اللہ عنہا کی والدہ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ بڑے اچھے دامادوں والی تھیں، میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی سگی بہن ام الفضل لبابہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بہن سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، اور حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ان کی سگی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے شادی کی، ان کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔^④ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ کثیر الاولاد تھیں، نبی کریم ﷺ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔^⑤ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ عرفہ کے دن لوگوں کو نبی ﷺ کے روزے کے بارے میں شک تھا۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس ایک پیالہ دودھ بھیجا، آپ نے عرفہ ہی میں اسے پیا تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔^⑥

ام الفضل رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی آخری چیز کو بیان کر رہی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مغرب میں سورہ مرسلات تلاوت کی تو انھوں نے کہا: اے میرے لاڈلے تم نے اس سورت کی تلاوت کر کے اس بات کی یاد دہانی کرادی کہ آخری چیز جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی وہ یہ تھی کہ آپ مغرب میں اس سورت کی تلاوت کر رہے تھے۔^⑦

ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں باحیات تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پہلے وفات پائیں۔^⑧ ان کے لٹن سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے درج ذیل چھ لڑکے پیدا ہوئے:

۱۔ فضل (انھی کے نام پر ان کی کنیت ام الفضل اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی کنیت ابو الفضل تھی)

① موسوعة عظماء حول الرسول، لخالد العك (۲/۱۶۲)

② سيرة آل بيت النبي الأطهار لمجدى فتحي (ص ۳۱)

③ الاستيعاب رقم الترجمة (۶۱۰)

④ الاصابة في تمييز الصحابة ۴۵۰/۸

⑤ الاستيعاب في معرفة الأصحاب ۱۹۰۸/۴

⑥ صحيح البخاری، كتاب الحج، رقم: ۱۶۶۱

⑦ صحيح البخاری (رقم ۷۶۷)

⑧ الاصابة في تمييز الصحابة: ۴۵۱/۸

۳۲۔ اصحاب فقہ عبداللہ وعبید اللہ

۴۔ معبد

۵۔ قہم

۶۔ عبدالرحمن اور ام حبیبہ نامی ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

عبداللہ بن یزید ہلالی ام الفضل رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں:

ما ولدت نجیۃ من فحل

بجبل نعلمہ و سہل

”کسی علاقے میں کسی صاحب حسب و نسب عورت نے خاتم الرسل صاحب فضل“

کستہ من بطن ام الفضل

اکرم بہا من کھلہ و کھل

”نبی مصطفیٰ ﷺ کے چچا عباس و ام الفضل کے بطن سے پیدا ہونے والے چھ ”بچوں کے مانند،
بچوں کو نہیں جانا۔“

عم النبی المصطفیٰ ذی الفضل

و خاتم الرسل و خیر الرسل ❶

۹۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شادی، ان کی بیویاں، ان سے متعلق روایتیں:

مورخین نے آپ کی درج ذیل بیویوں کا ذکر کیا ہے:

۲۔ جعدہ بنت اشعث

۱۔ خولہ فزاریہ

۳۔ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ بنی

۳۔ عائشہ شعمیہ

۶۔ ہند بنت عبدالرحمن بن ابوبکر

۵۔ ام بشر بنت ابوسعود انصاری

۷۔ ام عبداللہ بنت شلیل بن عبداللہ (یہ حضرت جریر بن حنظل رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں)

۸۔ بنو ثقیف کی ایک عورت ۹۔ بنو عمرو بن الجیم مفقری کی ایک عورت

۱۰۔ بنو شیبان کی ایک عورت، ممکن ہے کہ تعداد اس سے کچھ زیادہ ہو۔ اس تعداد کا من گھڑت کثرت سے دور کا

بھی واسطہ نہیں، آپ کی بیویوں کے ستر، نوے، ڈھائی سو، تین سو یا اس سے زیادہ ہونے سے متعلق روایتیں

شاذ ہیں اور یہ من گھڑت، موضوع اور جھوٹی ہیں۔

تعداد سے متعلق روایتیں:

۱۔ پہلی روایت کو ابن ابی الحدید وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔^① یہ روایت علی بن عبد اللہ بصری مدائنی متوفی ۲۲۵ھ سے ماخوذ ہے۔ اور وہ ایسے ضعفاء میں سے ہیں جن کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان کی روایت کو درج نہیں کیا ہے۔^② ابن عدی نے اکمال میں انھیں ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا ہے: وہ قوی الحدیث نہیں ہیں، ان کی بہت کم روایتیں مستند ہیں۔^③

۲۔ دوسری روایت مرسل ہے، اور مرسل ضعیف کی قسموں میں سے ہے۔

۳، ۴۔ تیسری اور چوتھی روایت کو ابوطالب مکی صاحب ”قوت القلوب“ نے ذکر کیا ہے، ان کی کتاب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، بہر حال امیر المومنین حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیویوں کی کثرت ان سے مروی اور ماخوذ ہے، وہ زہد و وعظ اور قوت القلوب میں بہت ساری غلط چیزوں کو ذکر کرنے میں مشہور ہیں۔^④ اپنی کتاب میں بہت ساری بے بنیاد حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔^⑤

ان کی کتاب ”قوت القلوب“ میں مذکور ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ڈھائی سو، دوسرے قول کے مطابق تین سو عورتوں سے شادی کی اور چوں کہ انھوں نے ان عورتوں کو طلاق دے دی تھی اس لیے ان کے گھر والوں سے شرمندگی محسوس کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس چیز کو ناپسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے، بلاشبہ حسن طلاق دے دیتے ہیں اس لیے ان سے اپنی بچیوں کی شادی نہ کرو، قبیلہ ہمدان کے ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین وہ جتنا چاہیں ہم ان سے اپنی بچیوں کی شادیاں کرتے رہیں گے، وہ جس کو چاہیں گے اسے رشتہ زوجیت میں باقی رکھیں گے اور جسے چاہیں گے جدا کر دیں گے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور کہا:

لو كنت بواجبا على باب جنة

لقلت لهم ادخلوا بسلام

”اگر میں جنت کا دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان کے لوگوں سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بسا اوقات چار سے شادی کرتے اور چار کو طلاق دے دیتے۔^⑥

اس طرح کی روایتیں صحیح اور ثابت نہیں ہیں، اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

① حیاة الإمام الحسن بن علی (۲/ ۴۴۵-۴۶۰)

② لسان المیزان (۴/ ۲۵۲)

③ میزان الاعتدال (۳/ ۱۳۸)

④ البداية والنهاية (۱۱/ ۳۴۱)

⑤ لسان المیزان (۵/ ۳۳۹)

⑥ قوت القلوب (۱/ ۲۴۶)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شادی سے متعلق بہت سارے قصے مروی ہیں جن کی سندوں میں بے حد ضعف پایا جاتا ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ ہذلی، ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہند بنت سہیل بن عمروؓ عبدالرحمن بن عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں، وہ ان کے پہلے شوہر تھے، انھوں نے ان کو طلاق دی، ان کے بعد عبداللہ بن عامر بن کریم رضی اللہ عنہ نے شادی کی پھر طلاق دے دی، اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جا کر ان کو یزید بن معاویہ سے شادی کا پیغام دے دو۔ اسی اثناء میں ان سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی تو پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا: میں ہند بنت سہیل بن عمرو کو یزید بن معاویہ سے شادی کا پیغام دینے جا رہا ہوں۔ فرمایا: ان سے میرا تذکرہ کرنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس آ کر پورا معاملہ بیان کیا، تو فرمایا: میرے سلسلے میں تمھاری کیا پسند ہے؟ کہا میں تمھارے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پسند کرتا ہوں، چنانچہ انھی سے شادی ہو گئی۔ عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: میری ایک امانت ان کے پاس ہے، چنانچہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے پاس گئے۔ وہ ان کے سامنے بیٹھ گئیں، تو ابن عامر دل گرفتہ ہو گئے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تمھارے حق میں ان سے دستبردار نہ ہو جاؤں۔ میری رائے میں تم دونوں کے لیے دوبارہ شادی کو حلال کرنے والا مجھ سے بہتر تم نہ پاؤ گے۔ انھوں نے کہا: میری امانت کہاں ہے؟ چنانچہ انھوں نے دو صندوقیاں نکالیں جن میں قیمتی جواہر تھے، چنانچہ انھوں نے ان کو کھولا، اور ایک میں سے ایک مٹھی لے لی، اور باقی ان کے پاس چھوڑ دیا، اس لیے وہ کہا کرتی تھیں: ان سب کے سردار حضرت حسن، ان میں سے سب سے سخی ابن عامر، اور ان میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عبدالرحمن بن عتاب تھے۔ ۳۔ اس قصے کی سند میں ہذلی ہیں، وہ اخباری اور متروک الحدیث ہیں۔ ذہبی کا قول ہے: ان کے ضعف پر اجماع ہے۔ ۴۔

۱۔ ہند بنت سہیل بن عمرو بن شمس، ان کے والد فتح مکہ کے سال اسلام لائے، وہ حفص بن عبدالمعہ کے پاس تھیں، ان کے اکلن سے ان کے کچھ بچے پیدا ہوئے۔ پھر ان سے عبدالرحمن بن عتاب، پھر عبداللہ بن عامر، پھر حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے شادی کی، ایسا ہی ”نسب قریش“ (ص ۲۳۰) میں ہے۔

۲۔ محلل: ایسا شخص جو کسی ایسی عورت سے شادی کرے جو اپنے پہلے شوہر کے لیے باندھ ہو چکی ہو، اور شادی کا مقصد یہ ہو کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے روکا ہے، جیسا کہ حدیث ہے: ”لعن الله المحلل والمحلل له“ ۵۔ کھٹے ارواء الغلیل (نمبر ۱۸۹۷)

۳۔ الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة من الصحابة (۳۰۳/۱)

۴۔ دیوان المتروکین والضعفاء (ص: ۳۵۲)

۲۔ حکیم بن حفص انصاری عیسیٰ بن ابوبارون مزنی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابوبکر سے شادی کی جب کہ منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ انھیں چاہتے تھے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دے دی، نتیجتاً حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی، منذر رضی اللہ عنہ نے انھیں شادی کا پیغام دیا، انھوں نے شادی سے انکار کر دیا اور کہا: تم مجھے بدنام کرتے رہو، عاصم بن عمر بن خطاب نے پیغام دیا، شادی ہو گئی۔ منذر نے ان تک بھی کچھ باتیں پہنچائیں انھوں نے بھی طلاق دے دی، پھر انھیں منذر نے پیغام نکاح دیا تو ان سے کہا گیا: تم ان سے شادی کرو تا کہ لوگ جان جائیں کہ وہ تم پر بہتان تراشی کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے ان سے شادی کر لی اور لوگ جان گئے کہ وہ ان پر جھوٹی تہمت لگاتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمر سے کہا: چلو، منذر سے اجازت لے کر ان سے ملاقات کریں، چنانچہ وہ ملے تو وہ عاصم بن عمر کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ دیکھتی رہیں، اور ان سے زیادہ باتیں کرتی رہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے منذر سے کہا: ان کا ہاتھ تھام لو، انھوں نے ہاتھ تھام لیا، حضرت حسن اور عاصم اٹھے اور چلے گئے جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ انھیں چاہتے تھے، اور انھیں طلاق صرف منذر کی باتوں پر دیا تھا۔ ایک دن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابوعقیق کے بیٹے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن (حفصہ ان کی پھوپھی تھیں) سے کہا: کیا آپ کو وادی عقیق کی رغبت ہے؟ فرمایا: ہاں، چنانچہ دونوں نکلے، حفصہ کے گھر سے گزر رہا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے، اور دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے پھر ان کے پاس سے نکلے، دوسری مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابوعقیق کے بیٹے سے کہا: کیا آپ کو وادی عقیق کی رغبت ہے؟ تو انھوں نے کہا: میرے بھائی تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمھیں حفصہ کی رغبت ہے۔ ①

اس حدیث کی سند میں ایسے لوگ ہیں جن کی سوانح جرح و تعدیل کی کتابوں میں موجود نہیں، اس کے متن کی نکارت اس کے ضعیف ہونے کے لیے کافی ہے۔ ②

۳۔ حاتم بن اسماعیل نے ہمیں بتایا جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہوئے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسن شادی کرتے رہتے ہیں اور طلاق دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ قبائل دشمنی نہ کرنے لگیں۔ ③

یہ اثر مرسل ضعیف ہے۔ ④ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی شادیوں کی کثیر تعداد سے متعلق تاریخی روایتیں سند

① الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/۳۰۷)

② الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/۳۰۵)

③ الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/۳۰۱)

④ الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/۳۰۱)

کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اور اس کثیر تعداد سے متعلق روایتوں کے من گھڑت ہونے کی تائید درج ذیل امور سے ہوتی ہے:

۱۔ یہ روایتیں اگر صحیح ہوتیں تو انہی کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بہت سی اولاد ہوتی، جب کہ بچے اور بچیوں کو ملا کر ان کی بائیس اولاد تھی، اور یہ تعداد اس زمانے کے اعتبار سے فطری تھی، اور شادیوں کی کثرت سے متعارض ہے، اس کثرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ ان روایتوں کے ضعیف اور موضوع ہونے پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھتے اور کہتے تھے: تم لوگ حسن سے اپنی بچیوں کی شادی نہ کیا کرو، وہ بہت زیادہ طلاق دینے والے ہیں، جیسا کہ صاحب قوت القلوب نے ذکر کیا ہے۔^①

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا منبر پر لوگوں کو ان کی شادی کرنے سے روکنا یا تو اس بنیاد پر ہوگا کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو ایسا کرنے سے روکا ہوگا، اور انھوں نے بات نہ مانی ہوگی، اس لیے مجبوراً اس بات کا اظہار کیا ہوگا اور لوگوں کو ان سے شادی سے روکا، یا اس بنیاد پر ہوگا کہ انھوں نے شروع ہی سے اس سے روکا ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں اپنے والد کی ناپسندیدگی کا علم نہ ہوگا، اور دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔

پہلی بات اس لیے درست نہیں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے فرمانبردار تھے، ان کی نافرمانی اور مخالفت نہیں کرتے تھے اور دوسری بات اس لیے درست نہیں ہے کہ امیر المومنین کے لیے اچھی بات یہ تھی کہ اپنے بیٹے کو اپنی ناپسندیدگی سے آگاہ کرتے اور عام لوگوں کے سامنے منبر پر اس کا اعلان نہ کرتے کہ باپ اور بیٹے کے رشتوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔

معا یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے روکنے کے کیا معنی؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے اس کو انجام دیتے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس حدیث کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دشمنوں نے گھڑا ہے، تاکہ آپ کی بہترین سیرت کو بگاڑ کر رکھ دیں۔^② امت کی تاریخ اور مصلحین کی سیرت کو بگاڑنے سے متعلق یہ جھوٹے راویوں کی عادت رہی ہے۔ یہیں سے علم جرح و تعدیل، روایتوں پر حکم لگانے، اور اس عظیم کارنامے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ جس کو علمائے حدیث نے اس طرح کی روایتوں کی خرابیوں کو بیان کرنے میں انجام دیا ہے۔

بنابریں ہم ابتدائے اسلام کی تاریخ کی چھان بین کرنے والوں کو اس بات کی نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس

① قوت القلوب (۲/ ۲۴۶)

② حیاة الإمام الحسن (۲/ ۴۵۱)

طرح کی روایتوں کو جانچیں اور پرکھیں، تاکہ کھرے اور کھوئے میں تمیز کر سکیں اور امت کے لیے اپنی ایک عظیم خدمت کو پیش کر سکیں۔ اور ان لوگوں کی طرح گڑھے میں نہ گریں جو ضعیف اور موضوع روایات پر اعتماد کرنے کی وجہ سے گڑھے میں گرے۔

۳۔ ان روایتوں کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ کی جب وفات ہوئی تو بہت ساری عورتیں ٹنگے پیر، کھلے سر آپ کے جنازے کے پیچھے نکل پڑیں، اور کہہ رہی تھیں: ہم سب حسن رضی اللہ عنہ کی بیویاں ہیں۔

اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا واضح ہے۔ عورتوں کے اس مجمع کے ٹنگے پاؤں، کھلے سر، لوگوں کے سامنے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیویاں ہونے کا اعلان کرتے ہوئے نکلنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر ان کے نکلنے کی وجہ رنج و غم کا اظہار تھا تو اس اعلان اور مردوں کے شانہ بہ شانہ بھڑ میں چلنے کی وجہ کیا تھی؟ جب کہ عورتوں کو حجاب اور گھر سے بے پردہ نہ نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ اور اس جیسے دوسرے آثار سند کے اعتبار سے صحیح اور ثابت نہیں ہیں۔

گزشتہ روایتوں کے مشابہ یہ روایت بھی ہے جس کو محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے شادی کی، تو ان کے پاس بطور مہر سولہ نو یوں کو بیچا، اور ہر لونڈی کے ساتھ ایک ہزار درہم بھی تھا۔^①

یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ اپنی ایک بیوی کو بطور مہر اتنا زیادہ مال دے دیں، یہ اسراف و فضول خرچی ہے جس سے اسلام میں منع کیا گیا ہے، اور مسنون مہر پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کا مقصد شادی کو آسان بنانا ہے، اور یہ کہ لوگوں کو اس سے متعلق پریشانی اور تنگی نہ لاحق ہو۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے نانائے علیہ السلام کی کسی سنت کے خلاف نہیں کر سکتے، اور نہ آپ کی شریعت کے منافی کوئی راہ اپنا سکتے ہیں، یہ اور اس طرح کی روایتیں موضوع و من گھڑت ہیں اور بیویوں کی کثرت کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی تائید کرتی ہیں۔

بہر حال مذکورہ روایتوں کے علاوہ کوئی ایسی صحیح دلیل نہیں ملتی جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیویوں کی از حد کثرت کو ثابت کرے، مذکورہ روایتیں تنقید سے خالی نہیں ہیں اس لیے وہ اثبات کی دلیل نہیں ہو سکتیں۔^②

اس چیز کو جاننے کے لیے کہ دشمنان اسلام ضعیف و باطل روایات سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں، حضرت

① البدایہ والنہایہ (۱۱/۱۹۷)

② حیاۃ الامام الحسن بن علی (۲/۴۵۲)

حسن رضی اللہ عنہ کی شادی سے متعلق مستشرق ”لامنس“ کا قول نقل کرتا ہوں، چنانچہ اس نے آپ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے اور آپ کے حامیوں پر تنقید کرتے ہوئے آپ کی بیویوں کے بارے میں درج ذیل باتیں کہیں:

”اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جوانی ڈھل گئی، جوانی کے ایام کو شادی و طلاق میں ختم کر دیا، تو ان کی بیویوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی، انھی آزادانہ اخلاق کے باعث انھیں مطلق (زیادہ طلاق دینے والے) کا لقب دیا گیا، اور انھی اخلاق کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت ساری مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑا، اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے فضول خرچ ہونے کا ثبوت دیا، چنانچہ انھوں نے اپنی ہر بیوی کے لیے گھر اور نوکر چاکر متعین کیا، اس طرح ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقر زدہ خلافت میں کس طرح مال کا ضیاع کرتے تھے۔“^①

انگریز مستشرق ”لامنس“ نے اپنے اس قول کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت زیادہ شادیاں کرنے والے اور طلاق دینے والے تھے، میں موضوع اور من گھڑت روایات پر اعتماد کیا ہے، نیز ایسی جھوٹی بہتان تراشیاں کیں جس کا کوئی قائل نہیں چنانچہ اس نے کہا:

۱۔ اپنے کثیر زواج و طلاق کے باعث انھوں نے اپنے والد کو سخت مخالفتوں سے دوچار کر دیا، جب کہ حضرت علی و حسن رضی اللہ عنہ کی سوانح لکھنے والے کسی شخص نے مستشرق ”لامنس“ کی من گھڑت سخت مخالفتوں کی جانب اشارہ نہیں کیا ہے۔

۲۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی ہر بیوی کے لیے گھر اور نوکر چاکر متعین کیا تھا، جب کہ کسی مورخ نے ایسی بات نقل نہیں کی ہے، یہ کھلاجھوٹ اور محض افترا پر دازی ہے۔

بلاشبہ عیسائی مشنریاں (جو اسلام کی باغی ہیں اور لگاتار اس پر حملے کر رہی ہیں) ایسے کرایہ کے اصحاب قلم کو آگے بڑھاتی ہیں تاکہ اسلام کو بدنام کیا جائے، اس کی صحیح تصویر کو مسخ کیا جائے اور اس کے اساطین جنھوں نے انسانیت کو صحیح راہ دکھائی اور دنیا میں تہذیب و تمدن کے میناروں کو بلند کیا ان کی قدروں کو گھٹا دیا جائے۔^②

۱۰۔ ان کی اولاد:

آپ کی اولاد درج ذیل ہیں:

۴۔ قاسم

۳۔ طلحہ

۲۔ زید

۱۔ حسن

۵۔ ابوبکر

① دائرۃ المعارف (۷/ ۴۰۰)

② حیاۃ الامام الحسن بن علی (۲/ ۴۵۵)

۶۔ عبداللہ (یہ لوگ کر بلا میں اپنے چچا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید کر دیے گئے)

| | | | |
|-----------|--------------|----------|----------|
| ۷۔ عمرو | ۸۔ عبدالرحمن | ۹۔ حسین | ۱۰۔ محمد |
| ۱۱۔ یعقوب | ۱۲۔ اسماعیل | ۱۳۔ حمزہ | ۱۴۔ جعفر |
| ۱۵۔ عقیل | ۱۶۔ ام حسین | | |

ان میں سے حسن و زید کی اولاد کا سلسلہ چلا چنانچہ حسن ثنی کی پانچ لڑکے ہوئے۔ ان کی والدہ خولہ بنت خراہ یہ ہیں۔ زید کے ایک لڑکے حسن بن زید ہوئے انھی سے اولاد کا سلسلہ دراز ہوا۔ زید کی والدہ ام بشر بنت ابومسعود انصاری بدری ہیں، زید کو ابو جعفر منصور کی جانب سے مدینہ کا گورنر بنایا گیا اور وہ سیدہ نفیسہ کے والد ہیں، ان کے لڑکے (۱) قاسم، (۲) اسماعیل، (۳) عبداللہ، (۴) ابراہیم، (۵) زید، (۶) اسحاق، (۷) اور علی ہیں۔^①

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی بعض اولاد

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی بعض اولاد کی مختصر سیرت درج ذیل ہے:

۱۔ زید بن حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

ان کی والدہ ام بشر ہیں جو ابومسعود عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ خزرجی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ زید بن حسن کے ایک لڑکے محمد ہیں جنھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، ابو جعفر منصور کی جانب سے زید بن حسن کو مدینہ کا گورنر بنایا گیا، ان کی ماں ام ولد تھیں، نفیسہ بنت زید سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے شادی کی اور انھی کے پاس وفات پائیں۔ نفیسہ کی والدہ لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔

محمد بن عمر ہمیں خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمن بن ابوالموال نے خبر دیتے ہوئے بتایا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ آپ کو دیکھتے اور آپ کے عظیم اخلاق سے خوش ہوتے اور کہتے: ان کے نانا رسول اللہ ﷺ ہیں۔

محمد بن عمر ہمیں خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن ابوعبیدہ خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ زید بن حسن کی وفات کے دن میں اپنے والد کا ردیف بن کر سوار ہوا، مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ابن ازہر کی وادی میں ان کی وفات ہوئی، چنانچہ انھیں مدینہ لے جایا گیا، ہم دو بلند پہاڑیوں کے درمیان راستے کے شروع ہی میں پہنچے تھے کہ اونٹ پر ایک چھوٹے خیمے سے زید بن حسن کا جنازہ نمودار ہوا، عبداللہ بن حسن اس کے آگے آگے چل رہے

① جمہرۃ انساب العرب لابن حزم (ص: ۹۳، ۹۸) و سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۷۹) والدوحة النبویة الشریفة (ص: ۱۰۰)

تھے، اپنی چادر کو کمر پر باندھ رکھا تھا، آپ کی پیٹھ پر کوئی چیز نہیں تھی، میرے والد نے مجھ سے کہا: اے میرے لاڈلے اترو اور لگام تھام لو، اللہ کی قسم اگر میں سوار رہا اور عبد اللہ پیدل چلتے رہے تو مجھے سکون نہیں مل سکتا چنانچہ میں گدھے پر سوار ہو گیا، میرے والد اتر گئے، پیدل چلے، چلتے رہے یہاں تک کہ زید کو بنو جدیلہ میں موجود ان کے مکان میں داخل کر دیا گیا، انھیں غسل دیا گیا، پھر انھیں چار پائی پر بقیع قبرستان تک لے جایا گیا۔ ❶

۲۔ حسن بن حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

ان کی والدہ خولہ بنت منظور فزاریہ ہیں، حسن بن حسن کے یہاں محمد پیدا ہوئے، ان کی والدہ رملہ بنت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزیٰ ہیں، عبد اللہ بن حسن نے ابو جعفر منصور کے قید خانے میں وفات پائی اور ابراہیم بن حسن بھی اپنے بھائی کے ساتھ قید خانے میں جاں بحق ہوئے۔ زینب بنت حسن سے ولید بن عبد الملک بن مروان نے شادی کی پھر انھیں طلاق دے دی اور ام کلثوم بنت حسن ان سب کی والدہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن ابوطالب ہیں، اور فاطمہ بنت حسین کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بنت عبید اللہ بن تیم ہیں۔ جعفر بن حسن، داؤد، فاطمہ، ام القاسم قسیم، ملیکہ، ان سب کی والدہ حبیبہ نامی آل ابوالیس کی فارسی ام ولد ہیں۔ ❷

حسن بن حسن کے طرز عمل میں سے یہ ہے کہ انھوں نے اہل بیت سے متعلق غور کرنے والوں میں سے ایک شخص سے کہا:

”تمہارا ناس ہو، اللہ کے لیے تم ہم سے محبت کرو، اگر ہم اللہ کی اطاعت کریں تو تم ہم سے محبت کرو، اور اگر اللہ کی نافرمانی کریں تو تم ہم سے دشمنی کرو، ان سے اس شخص نے کہا: بلاشبہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے قریبی اور اہل بیت میں سے ہو، فرمایا: تمہارا برا ہو، اگر اللہ تعالیٰ بغیر اطاعت کے صرف رسول کی قربت کے باعث کسی کو کچھ دیتا تو اس سے وہ شخص فائدہ اٹھاتا جو آپ سے از روئے باپ اور ماں زیادہ قریب ہے۔ اللہ کی قسم میں بلاشبہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ ہم میں سے نافرمان کی سزا دو گنی کر دی جائے، میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ ہم میں سے فرمان بردار کو دوہرا اجر دیا جائے، تمہارا برا ہو تم اللہ سے ڈرو اور ہمارے بارے میں حق بات کہو، یہ چیز تمہاری چاہت میں زیادہ موثر ہے، اور ہم تمہاری جانب سے اس بات کو پسند کرتے ہیں، پھر فرمایا: اگر تمہاری اس بات کا تعلق اللہ کے دین سے ہے اور ہمارے آباء و اجداد نے ہمیں اس سے مطلع نہیں کیا اور نہ ہم کو اس کی ترغیب دلائی تو انھوں نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا، فرمایا کہ ان سے رافضی

❶ طبقات ابن سعد (۵/۳۱۸، ۳۱۹)

❷ سيرة آل بيت النبي الأطهار، لمجدي فتحي السبد (ص: ۳۱۲)

نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں کہا تھا:
 ((مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْهِ مَوْلَاهُ.))

”جن کا میں مولیٰ تھا تو علی ان کے مولیٰ ہوں گے۔“

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر اس حدیث سے آپ رضی اللہ عنہ کی مراد امارت و حکومت ہوتی تو جس طرح آپ نے نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور حج کے بارے میں لوگوں کو صاف صاف بتا دیا تھا اسی طرح اس کے بارے میں بھی لوگوں کو صاف صاف بتا دیتے، اور ان سے کہہ دیتے کہ میرے بعد یہ تمہارے حاکم ہوں گے، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے۔ اگر معاملہ حقیقت میں ویسے ہی ہوتا جیسے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس حکومت و خلافت کے لیے چنا ہے تو حضرت علی کی یہ بہت بڑی غلطی اور بہت بڑا جرم ہوتا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کو ترک کر دیا کہ وہ حکومت و خلافت

کو آپ کے حکم کے مطابق اپنائیں یا لوگوں سے معذرت طلب کریں۔“^۱

اس طرح غلو و مبالغہ کو روکنے سے متعلق اہل بیت کا طرز عمل واضح ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ آپ کے بھائی اور بہنیں:

۱۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

آپ ابو عبد اللہ حسین بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما ہیں، رسول اللہ ﷺ کے نواسے، آپ کے ریحانہ اور محبوب اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر ہیں، آپ کی ولادت ۴ھ میں ہوئی، اور عراق کی سرزمین ”کربلا“ میں دس محرم ۶۱ھ کو شہادت پائی، اللہ آپ سے راضی ہو اور آپ کو راضی کرے۔^۲

آپ کے فضائل و مناقب میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱: امام احمد اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ یعلیٰ عامری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک دعوت میں گئے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قوم کے سامنے آئے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ چند بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ آپ کو پکڑ لیں چنانچہ وہ یہاں وہاں بھاگنے لگے، رسول اللہ ﷺ ان کو ہنساتے رہے، یہاں تک کہ ان کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ ان کی گدی کے نیچے اور دوسرا ان کی ٹھوڑی کے نیچے کیا اور ان کو بوسہ دیا، نیز فرمایا:

① طبقات ابن سعد (۵/۳۱۹، ۳۲۰)

② البداية والنهاية (۸/۱۵۲)۔ الاصابة (۱/۳۳۱-۳۳۴)

((حُسَيْنٌ مِّنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، اَللّٰهُمَّ اَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سَبْطٌ مِّنْ الْأَسْبَاطِ)) ❶

”حسین میرے ہیں اور میں حسین کا ہوں، اے اللہ تو اس سے محبت کر جو حسین سے محبت کرے، حسین نو اسوں میں سے ایک نوا سے ہیں۔“

اس روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صریح فضیلت ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کی محبت پر ابھارا ہے، گویا آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کے اور قوم کے مابین رونما ہونے والے واقعات کا علم ہو گیا تھا۔ بنا بریں آپ ﷺ نے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا، ان کی محبت کو واجب اور ان کے ساتھ لڑائی کو حرام قرار دیا، چنانچہ فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اَحَبَّ مِّنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا))

”اے اللہ تو اس سے محبت کر جو حسین سے محبت کرے۔“

چنانچہ ان کی محبت محبت رسول تک پہنچاتی ہے اور محبت رسول اللہ کی محبت تک پہنچاتی ہے۔ ❷

ب: امام بخاری نے اپنی سند سے روایت کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عبید اللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش کیا گیا چنانچہ ایک طبق میں رکھ کر کریدنے لگا اور آپ کی خوبصورتی سے متعلق کوئی بات کہی تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، ان کا سر وسمہ سے رنگا ہوا تھا۔ ❸

ت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے، فرمایا: جب عبید اللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا تو ایک چھڑی سے آپ کے دانتوں کو کریدتے ہوئے کہا: بلاشبہ وہ خوبصورت تھے، تو میں نے کہا: اللہ کی قسم میں ضرور تم کو تکلیف پہنچاؤں گا، بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ کو چومتے ہوئے دیکھا ہے جہاں تمھاری چھڑی ہے، تو وہ باز آ گیا۔ ❹

۲۔ مُحَسِّن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

آپ کا تذکرہ صرف اس حدیث میں ملتا ہے جسے ہانی بن ہانی نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے

❶ فضائل الصحابة رقم (۱۳۶۱) اس کی سند حسن ہے۔

❷ تحفة الأحوذی (۲۷۹/۱۰)

❸ صحيح البخاری، رقم (۳۷۴۸) الوسمة: یمن میں پایا جانے والا پودا جسے بطور خضاب استعمال کیا جاتا ہے۔

❹ فضائل الصحابة (۹۸۵/۲) رقم (۱۱۹۷) اس کی سند حسن ہے۔

روایت کیا ہے، فرمایا: جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرے لاڈلے کو دکھاؤ، تم لوگوں نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا: میں نے اس کا نام ”حرب“ رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ ”حسن“ ہے، جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے لاڈلے کو دکھاؤ، تم لوگوں نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا: میں نے اس کا نام ”حرب“ رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ ”حسین“ ہیں۔ جب تیسرے بچے کی پیدائش ہوئی تو آپ ﷺ تشریف لائے فرمایا: مجھے میرے لاڈلے کو دکھاؤ، تم لوگوں نے اس کا کیا نام رکھا ہے، میں نے کہا: میں نے ان کا نام ”حرب“ رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ مُحَسِّن ہیں۔ پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کا نام ہارون علیہ السلام کے بچوں کے نام ”شبر“ و ”شَبِير“ و ”مُشَبَّر“ کے وزن پر رکھا ہے۔^①

نظاہر آپ بچپن میں وفات پا گئے۔^② اس صحیح حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حسن عہد نبوی ہی میں وفات پا چکے تھے، اس سے جھوٹی روایات بیان کرنے والوں کا یہ زعم باطل ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مارا یہاں تک کہ آپ کا حمل ساقط ہو گیا۔

۳۔ ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہا:

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے ان کے فضائل و مناقب کو ثابت کرتے ہوئے فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہونے والی اپنی بیچی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ان سے کر دی، نیز اس بات کا اظہار بھی مقصود تھا کہ ان کے مابین بڑے اچھے اور مبارک و مضبوط تعلقات ہیں جن سے جاسد دشمنان اسلام کے دل جل جاتے ہیں اور ان کی ناک خاک آلود ہو جاتی ہیں۔^③

ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بطن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی جن کا نام ”رقیہ“ اور ایک لڑکا جن کا نام ”زید“ تھا پیدا ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات بنو عدی کے کچھ لوگوں کے مابین جھگڑا ہوا، زید بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس صلح کرانے کی غرض سے گئے، آپ کو ایسی چوٹ لگی کہ آپ کا سر پھٹ گیا اور فوراً وفات پا گئے، ان کے قتل پر ان کی ماں اس قدر غمگین ہوئیں کہ بے ہوش ہو گئیں اور فوراً انتقال کر گئیں۔ ایک ہی وقت میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے کو سپرد خاک کیا گیا، عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت حسن بن علی بن ابوطالب نے انھیں آگے بڑھایا اور خود ان کے پیچھے نماز ادا کی۔^④ ہم نے اپنی کتاب

① مسند احمد (۹۸/۱) اس کی سند صحیح ہے۔

② التبيين في أنساب القرشيين لابن قدامة المقدسي (ص: ۱۳۳) ③ الشيعة وأهل البيت (ص: ۱۰۵)

④ أسد الغابة (۷/۴۲۵)، ونساء أهل البيت، منصور عبدالحكيم (ص: ۱۸۵)۔

”عمر بن خطاب“ میں ان کی سیرت کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

۴۔ زینب بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہا:

وہ نبی ﷺ کی زندگی ہی میں پیدا ہوئیں، بڑی ذہین و فطین تھیں، آپ کے والد نے اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی کر دی، چنانچہ ان کے بطن سے ان کی بہت ساری اولاد پیدا ہوئیں، اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کے ساتھ تھیں، چنانچہ انھیں دمشق لے جایا گیا۔ ۱

۵۔ محمد بن حنفیہ:

آپ کی والدہ بنو حنیفہ کی لونڈی تھیں، ان کا نام خولہ بنت جعفر تھا، آپ بڑے ہی عالم، فاضل، متدین اور عبادت گزار تھے۔ معرکہ جمل میں اپنے والد کا جھنڈا اٹھانے والے تھے، بڑے طاقتور اور صاحب حکمت تھے، آپ کے حکیمانہ کلام میں سے ہے:

۱..... ((لَيْسَ بِحَكِيمٍ مَنْ لَمْ يُعَاشِرْ بِالْمَعْرُوفِ مَنْ لَا يَجِدُ مِنْ مُعَاشَرَتِهِ بُدًّا حَتَّى يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُ قَرَجًا وَمَخْرَجًا.))

”وہ شخص عقل مند نہیں جو ایسے شخص کے ساتھ بھلائی کے ساتھ پیش نہ آئے جس کے ساتھ بھلائی کے ساتھ پیش آنا ضروری ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے چھکارے کی کوئی سبیل پیدا کر دے۔“

۲..... ((إِنَّ اللَّهَ جَعَلَ الْجَنَّةَ ثَمَنًا لَأَنْفُسِكُمْ فَلَا تَبِيعُوهَا بِغَيْرِهَا.))

”اللہ تعالیٰ نے جنت کو تمہاری جانوں کی قیمت قرار دیا ہے، اس لیے تم انھیں کسی اور چیز کے عوض نہ بیچو۔“

۳..... ((مَنْ كَرُمَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ لَمْ يَكُنْ لِلدُّنْيَا عِنْدَهُ قَدْرٌ.))

”جو کریم النفس ہوگا اس کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔“

۴..... ((كُلُّ مَا لَا يُتَغْنَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ يَضْمَحِلُّ.))

”ہر وہ چیز جس سے اللہ کی رضا مقصود نہ ہو ختم ہو جاتی ہے۔“

آپ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ ۲

۱۲۔ آپ کے چچا اور پھوپھیایں:

۱۔ طالب بن ابوطالب:

غزوہ بدر کے بعد بحالت شرک ان کی وفات ہوئی، ایک قول کے مطابق وہ گھر سے نکلے، پھر واپس نہیں

لوٹے، کہاں گئے، ان کی کیا خبر رہی کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ وہ گمشدہ لوگوں میں سے ایک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے تھے، چنانچہ ان کے آپ کی شان میں چند مدحیہ قصائد ہیں۔ مجبوراً غزوہ بدر کے لیے نکلے تھے، غزوہ بدر کے لیے نکلتے وقت ان کے اور قریش کے مابین گفتگو ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم اے بنو ہاشم! تم اگرچہ ہمارے ساتھ چل رہے ہو لیکن تمہارا جھکاؤ محمد کی جانب ہے، چنانچہ طالب بن ابوطالب مکہ لوٹنے والوں کے ساتھ لوٹ گئے، نبی ﷺ کی تعریف میں قصیدہ کہا، جس میں بدر کے کنویں میں مدفون لوگوں کا رونا رویا ہے۔ ❶

۲۔ عقیل بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

آپ کی کنیت ابویزید ہے، آپ تاخیر سے فتح مکہ کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ایک قول کے مطابق آپ حدیبیہ کے بعد اسلام لائے، ۸ھ کی ابتداء میں ہجرت کی، معرکہ بدر میں قید کر لیے گئے تھے، آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں فدیہ دے کر چھڑایا۔ صحیح بخاری میں کئی جگہوں پر ان کا تذکرہ ملتا ہے، غزوہ موتہ میں شریک ہوئے، فتح مکہ اور غزوہ حنین میں آپ کا تذکرہ نہیں ملتا ہے، شاید آپ مریض تھے، اس جانب ابن سعد نے اشارہ کیا ہے، لیکن زبیر بن بکار نے اپنی سند سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ عقیل غزوہ حنین میں مردانہ وار مقابلہ کرنے والوں میں سے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ امام بخاری کی ”تاریخ اصغر“ میں سند صحیح سے وارد ہے کہ ان کی وفات واقعہ حرہ سے پہلے یزید کی خلافت کے شروع میں ہوئی۔ ❷ آپ کی عمر ۹۳ سال تھی۔ ❸

۳۔ جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

آپ اسلام لانے والے سابقین اولین میں سے ہیں۔ محتاجوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ بیٹھے، باہم ایک دوسرے کی خدمت کرتے اور آپس میں باتیں کرتے، حبشہ کی جانب ہجرت کی تو نجاشی اور اس کے ساتھی آپ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (آپ کے بارے میں اپنی کتاب ”السیرۃ النبویۃ عرض وقائع و تحلیل احداث“ میں میں نے گفتگو کی ہے) سرزمین شام میں موتہ کی جنگ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ❹

❶ الجوهرۃ فی نسب النبی واصحابہ من المرتضیٰ للندوی (ص ۲۳)

❷ الإصابة فی تمییز الصحابة (۲/ ۴۹۴)

❸ المرتضیٰ للندوی (ص ۲۴)

❹ المرتضیٰ للندوی (ص ۲۴)

۴۔ ام ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا:

آپ نبی ﷺ کی چچا زاد بہن تھیں، ان کا نام فاختہ، دوسرے قول کے مطابق فاطمہ، تیسرے قول کے مطابق ہند تھا۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے، ہمیرہ بن عمرو بن عائد خزومی کی بیوی تھیں، ان کے بطن سے ہمیرہ کے لڑکے عمرو بنی النضر تھے، انھی کے باعث ان کی کنیت ابو عمرو تھی، فتح مکہ کے موقع پر ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بنو خزوم کے دو آدمیوں کو پناہ دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا:

((أَجْرَتْ مَنْ أَجْرَتْ يَا أُمَّ هَانِي.))

”اے ام ہانی جن کو تم نے پناہ دے دی میں نے انھیں پناہ دے دی۔“

نبی کریم ﷺ سے ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیثیں صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ ❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد زندہ رہیں۔ ❷

۵۔ جمانہ بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا:

آپ عبداللہ بن ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی والدہ ہیں، ابن سعد نے ان کا تذکرہ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی سوانح میں کیا ہے، اور ان کا علیحدہ تذکرہ نبی کریم ﷺ کی چچا زاد بہنوں کے باب میں کیا ہے، اور کہا ہے: ان کے بطن سے ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے بیٹے جعفر بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں خیبر سے آئے غلے میں سے تیس دن غلہ دیا۔ ❸

۱۳۔ آپ کے ماموں اور خالائیں:

آپ کے تمام ماموں بچپن ہی میں وفات پا گئے، کوئی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا، ان کے نام قاسم اور ابراہیم ہیں، زبیر بن بکار نے عبداللہ کا اضافہ کیا ہے، ان کا نام طیب اور طاہر بھی تھا اس لیے کہ وہ نبوت کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ ❹ یہی رائے اکثر علمائے انساب کی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ طیب اور طاہر الگ سے دو لڑکے ہیں، لیکن تمام علما کا اتفاق ہے کہ عبداللہ، طیب اور طاہر مکہ میں وفات پا چکے تھے۔ ❺

آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے، وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، جنھیں مصر کے حاکم مقوقس نے آپ ﷺ کو بطور ہدیہ اس وقت دیا تھا جب آپ نے اسے ۶ھ میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔

❶ الإصابة في تمييز الصحابة (۹/۳۱۷، ۳۱۸)

❷ المرئضي (ص ۲۵)

❸ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۳۱)

❹ الإصابة (۴/۲۵۹، ۲۶۰)

❺ الاستيعاب (۴/۲۸۱)

نبی کریم ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی، ایک قول کے مطابق ”قاسم“ آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے، اور سب سے پہلے وفات بھی پائی، ان کی ولادت نبوت سے پہلے مکہ میں ہوئی، اور بچپن ہی میں وفات پا گئے، دوسرے قول کے مطابق سن تمیز تک زندہ رہے، بنا بریں کہا گیا ہے کہ اپنے پاؤں پر چلنے کی عمر تک زندہ رہے، ❶ اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ سواری پر سوار ہونے اور اونٹنی پر سفر کرنے کی عمر تک زندہ رہے۔ ❷

۱۴۔ آپ کی خالائیں

آپ کی خالائیں زینب، رقیہ، ام کلثوم رضی اللہ عنہن ہیں۔

۱۔ زینب بنت رسول اللہ ﷺ :

حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کی سب سے بڑی خالہ حضرت زینب بنتیہا ہیں، مشرف بہ اسلام ہوئیں، ہجرت کی، رسول اللہ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے، آپ ﷺ کی بچیوں میں سے ان کی شادی سب سے پہلے ہوئی۔ حضرت عائشہ بنتیہا سے مروی ہے، ابوالعاص بن رقیہ، مال تجارت اور امانت میں مکہ کے گئے چنے لوگوں میں سے تھے، وہ حضرت خدیجہ بنتیہا کے بھانجے تھے، ان کی والدہ حضرت خدیجہ کی سگی بہن ہالہ بنت خویلد بنتیہا ہیں، حضرت خدیجہ نے نزول وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ان کی شادی (زینب سے) کر دیں، رسول اللہ ﷺ ان کی بات مانتے تھے چنانچہ آپ نے ان کی شادی کر دی، حضرت خدیجہ ان کو اپنے بچے کی طرح مانتی تھیں، جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا تو حضرت خدیجہ اور ان کی بیبیاں مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سامنے اللہ کا حکم پیش کیا تو وہ سب ابوالعاص بن رقیہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہا: تم نے محمد (ﷺ) کو غموں سے چھٹکارا دے رکھا ہے، ان کی بچیوں کو واپس کر کے انھیں ان کے سلسلے میں مشغول کر دو۔ ابوالعاص بن رقیہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، ہم تمھاری قریش کی جس عورت سے چاہو گے شادی کر دیں گے، جواباً انھوں نے کہا: اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کو طلاق نہیں دوں گا، مجھے ان کے بدلے قریش کی کوئی عورت پسند نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے داماد کی تعریف کرتے تھے۔ ❶ ابوالعاص بن رقیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ سر زمین شام کی جانب ان کے تجارتی سفر میں انھیں حضرت زینب کی یاد آئی تو انھوں نے کہا: ❷

❶ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۳۱) الذرية الطاهر للذوالبي (ص ۴۲)

❷ الدوحة النبوية الشريفة (ص: ۳۱)۔

❸ سيرة ابن هشام (۲/ ۲۹۶)

❹ طبقات ابن سعد (۸/ ۳۲)، مستدرک الحاكم (۴/ ۴۴)۔

ذکرت زینب لما ورکت إرما

فقلت، سقیلا لشخص يسكن الحرما

”جب میں منزل کا پتہ دینے والے پتھروں پر لیٹا تو مجھے زینب کی یاد آئی اور میں نے کہا: حرم میں رہنے والی۔“

بنت الأمین جزاها الله صالحة

و كل بعمل سيئني بالذي علما ❶

”امین وحی کی نیک بچی کو اللہ سیراب کرے، انھیں جزائے خیر دے، ہر شوہر وہی تعریف کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے۔“

..... حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اپنے شوہر سے وفاداری: جس طرح ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ

اپنی بیوی حضرت زینب کی وفادار تھے، وہ بھی ایسے ہی تھیں، ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اسلام لانے سے انکار کر دیا وہ اسلام لانے کے باوجود اپنے شوہر ہی کے ساتھ رہیں، جب معرکہ بدر پیش آیا تو ابوالعاص رضی اللہ عنہ کفار قریش کے ساتھ لڑنے گئے، قیدیوں کے ساتھ قید کر لیے گئے۔ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کے فدیہ میں مال بھیجا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں مال بھیجا، جس میں ان کا وہ ہار تھا جسے حضرت خدیجہ نے انھیں دے کر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کے موقع پر رخصت کیا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو آبدیدہ ہو گئے اور مسلمانوں سے کہا:

((إِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ تَطْلُقُوا لَهَا أَسِيرَهَا وَتَرُدُّوْا عَلَيْهَا مَا لَهَا فافْعَلُوا.))

”اگر تمھاری رائے ہو کہ تم ان کے قیدی کو آزاد کرو اور ان کا مال واپس کر دو تو ایسا کرو۔“

تو لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے اے اللہ کے رسول! لوگوں نے انھیں آزاد کر دیا اور ان کا مال واپس کر دیا۔ ❷

ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ گفتگو کے مفہوم پر غور کریں، اس کی بہترین عبارت اور معیاری ادب کو دیکھیں تاکہ ہم اسے اپنی زندگی میں اپنا سکیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں بے دست و پا عورتوں میں سے تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر سے خفیہ عہد لے لیا تھا کہ وہ حضرت زینب کو ان کے پاس جانے دیں گے، چنانچہ انھوں نے اس عہد کو پورا کرتے ہوئے زینب کو جانے دیا، وہ مدینہ کے راستے میں سخت آزمائش سے دوچار ہوئیں۔ ❸

❶ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۳۱) ❷ سير اعلام النبلاء (۴۷۲)

❸ تاريخ الإسلام للذهبي، المغازی (ص ۶۹)

ب: آپ کے شوہر کا اسلام اور ان کی امانت داری: جب اسلام کے باعث دونوں میں جدائی ہوئی تو ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ مکہ میں رہنے لگے، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ میں رہنے لگیں، فتح مکہ سے کچھ پہلے ابوالعاص (جو امین تھے) اپنے اور قریش کے چند لوگوں کے اموال کو لے کر بغرض تجارت ملک شام گئے، واپسی میں رسول اللہ ﷺ کے ایک دستے سے ڈبھیر ہو گئی۔ ان کے پاس جو کچھ تھا ان لوگوں نے لے لیا، اور وہ ان کی دسترس سے بھاگ نکلے میں کامیاب ہو گئے، جب دستہ مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ابوالعاص رضی اللہ عنہ رات میں آئے اور حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے، ان سے پناہ طلب کی، انھوں نے پناہ دے دی، وہ اپنے مال کی تلاش میں آئے تھے، رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھانے نکلے، لوگوں نے آپ کے پیچھے تکبیر پکار کر نماز شروع کر دی، ایسے میں حضرت زینب نے عورتوں کے چوہترے سے باواز بلند کہا: اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا: لوگو! جو کچھ میں نے سنا کیا تم لوگوں نے اسے سنا؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جو کچھ تم نے سنا اس کو سننے سے پہلے مجھے اس سلسلے میں کچھ علم نہیں ہے، بلاشبہ مسلمانوں کا ادنیٰ آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔ پھر آپ گھر لوٹے، اپنی بیٹی کے پاس گئے اور کہا: اے میری لاڈلی! انھیں عزت سے رکھو، خیال رہے کہ وہ تم سے ازدواجی تعلق نہ قائم کریں کہ تم ان کے لیے حلال نہیں ہو۔

مال چھیننے والے دستہ کے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے بلا بھیجا اور کہا: ہمارے نزدیک اس شخص کی حیثیت کا تمہیں علم ہے، تم نے ان کا مال چھین لیا ہے، اگر تم احسان کرو اور ان کو ان کا مال واپس دے دو تو میں اسے پسند کروں گا، اور اگر تم انکار کرتے ہو تو یہ تمہارے لیے اللہ کی جانب سے مال غنیمت ہے، تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ہم انھیں واپس دے رہے ہیں، چنانچہ ان کو واپس دے دیا، ایک ڈول لا رہا ہے، دوسرا گھڑا اور لوٹا لا رہا ہے، تیسرا بھنگی ❶ لا رہا ہے۔ وہ مال لیے ہوئے مکہ پہنچے، قریش کے ہر صاحب مال کو اس کا مال واپس کر دیا، پھر کہا: اے قریش کے لوگو! کیا میرے پاس تم میں سے کسی کا مال باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ایسا ہرگز نہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، ہم نے آپ کو وفادار اور اچھا پایا۔ اس کے بعد انھوں نے کہا: میں کلمہ توحید "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ" کا اعلان کر رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلام لانے سے یہ خوف مافع تھا کہ تم یہ گمان کرنے لگ جاتے کہ میں نے تمہارے اموال کو کھاجا ہے۔ ارادہ کر لیا ہے، اب جب کہ اللہ نے ان اموال کو تم تک پہنچا دیا ہے اور میں ان سے بری الذمہ ہو چکا ہوں میرا

❶ ایسی لکڑی جس کے دونوں سرے پر رسی لگتی ہے، ان پر بوجھ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔

نے اسلام قبول کر لیا ہے، پھر نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔^①

عامر شعبی وغیرہ سے روایت ہے کہ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ جب مشرکین کے اموال لیے ملک شام سے آرہے تھے ان سے کہا گیا: کیا تمہاری چاہت ہے کہ تم اسلام لے آؤ اور مشرکین کا یہ سب مال لے لو۔ ابوالعاص نے کہا: امانت میں خیانت سے اسلام کی ابتداء بہت بری بات ہے۔^②

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے اقوال سے ہم امانت داری، غیر مسلموں تک سے حسن اخلاق سے پیش آنا جیسے اہم باتوں کو سیکھ سکتے ہیں، اس لیے مسلمان کو کسی بھی حالت میں امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔

جب ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ان کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے پاس عقد قدیم کے ساتھ لوٹا دیا، عقد جدید نہیں کیا۔^③

حضرت زینب اور ان کے شوہر کے مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس جانے سے متعلق بہت ساری روایتیں وارد ہیں، لیکن تمام روایتیں رسول اللہ ﷺ کے لیے ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی وفاداری اور مکہ سے نکلے ہوئے حضرت زینب کے حق میں مشرکین کی ایذا رسانی پر متفق ہیں۔^④

ج: آپ کی وفات اور اولاد:..... عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ ایک شخص زینب بنت رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی کر رہا تھا، اسی اثناء میں قریش کے دو آدمی اس کے پاس پہنچے، اس سے لڑنے لگے، اسے مغلوب کر کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دھکیل دیا، وہ ایک چٹان پر گر پڑیں، ان کا حمل ساقط ہو گیا، بہت سارا خون بہ گیا، لوگ ان کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے، بنو ہاشم کی عورتیں آئیں تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے حوالے کر دیا، اس کے بعد جب ہجرت کر کے آئیں تو ان کی تکلیف باقی تھی، اسی تکلیف میں ان کا انتقال ہو گیا، اس لیے لوگوں کے خیال میں آپ شبیدہ ہیں، ان کا انتقال ۸ھ کی ابتداء میں ہوا۔^⑤

رسول اللہ ﷺ کی دیکھ رکھ میں ان کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا کہ جب زینب بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا: تم انھیں طاق عدد یعنی تین یا پانچ مرتبہ نہلاؤ، پانچویں مرتبہ میں کافور کا استعمال کرو، جب غسل دے چکو تو مجھے بتلاؤ، کہتی ہیں کہ آپ نے ہم کو اپنا ازار دیا

① تاریخ الإسلام للذہبی، المغازی (ص ۷۰)

② دلائل النبوة للبیہقی (۱/۱۵۴)

③ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۴۱)

④ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۴۱)

⑤ مجمع الزوائد للهيثمی (۹/۲۱۶)

اور کہا کہ ان کو اس میں لپیٹ دو۔^①

اس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کی مصیبتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا اثر آپ کی بچیوں تک پہنچا، پھر بھی آپ بہ نیت ثواب صبر کرتے ہوئے دعوت کا کام انجام دیتے رہے، یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی سر بلندی کا راستہ بڑا صبر آزا اور قربانیوں کا طالب ہے۔

حضرت زینب کے بطن سے ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو اولاد امامہ اور علی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ علی رضی اللہ عنہ کم عمری ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسرے قول کے مطابق نبی کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ بلوغت کے قریب پہنچ چکے تھے، رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ میں داخل ہوئے تو وہ اونٹنی پر آپ کے ردیف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک امامہ کی بڑی قدر و منزلت تھی، آپ نماز کی امامت کراتے ہوئے انھیں اپنے کندھے پر اٹھائے رہتے۔

ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھاتے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ آپ اپنی نواسی امامہ بنت ابوالعاص کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے، جب جھٹکتے اتار دیتے، اور جب کھڑے ہوتے اٹھا لیتے۔^②

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نجاشی نے چند زیور نبی کریم ﷺ کو بطور ہدیہ دیے، اس میں حبشی نگینہ والی سونے کی انگلی تھی، آپ نے اسے لے لیا، آپ کو اس کی چاہت نہیں تھی، اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو دے دی اور کہا: اے لاڈلی! تم اس کو پہن لو۔^③

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچے، آپ یمنی موگوں والا ہار لیے ہوئے تھے۔ فرمایا: میں اسے اپنے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ محبوب کو دوں گا، انھوں نے کہا: آپ اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی (عائشہ) کو دیں گے، آپ نے اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا، اور ان کو اپنے ہاتھ سے ہار پہنا دیا۔^④ ان کی آنکھ میں کچھڑ تھا، آپ نے اسے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا۔

امامہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں، یہاں تک کہ ان کی خالہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کے بارے میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو وصی بنا دیا تھا، چنانچہ

① صحیح مسلم، کتاب الجنائز (۲/۶۴۸)، طبقات ابن سعد (۸/۳۴)

② صحیح مسلم، رقم (۵۰۳)

③ مسند احمد (۶/۱۰۱، ۲۶۱) اس کی سند ضعیف ہے۔ الدوحة النبوية الشريفة (ص: ۴۳)

④ طبقات ابن سعد (۸/۴۰)۔ الاستيعاب لابن عبد البر (۴/۲۴۵)۔ الدوحة النبوية الشريفة (ص: ۴۳)۔

انھوں نے ان کی شادی علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کر دی۔ حضرت علی کی شہادت کے وقت وہ ان کے پاس تھیں، ان کے بعد مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی، انھی کے پاس وفات پائیں۔ امامہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور نہ ہی مغیرہ بن نوفل کی۔

دوسرے قول کے مطابق ان کے بطن سے مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ایک لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام یحییٰ تھا، ان کی وفات ہو گئی، اس طرح زینب رضی اللہ عنہا کی نسل آگے نہ بڑھ سکی۔

۲۔ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ:

آپ حضرت زینب کے بعد پیدا ہوئیں، اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۳ سال کی تھی، اپنی والدہ حضرت خدیجہ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں، عتبہ بن ابی لہب نے ان کی شادی ہو گئی تھی، جب ﴿تَبَّتْ يَدَا ابْنِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ کا نزول ہوا، تو ان سے ابولہب نے کہا کہ میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں جب تک تو محمد ﷺ کی بیٹی کو طلاق نہ دے دے، انھوں نے خود اور رسول اللہ ﷺ نے عتبہ سے طلاق کا مطالبہ کیا اس وقت تک ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ عتبہ سے اس کی ماں ام جلیل (جسے قرآن نے ﴿حَمَلَةَ الْحَطَبِ﴾ کہا ہے) نے کہا: اے عتبہ! تو رقیہ کو طلاق دے دے وہ بے دین ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس نے ان کو طلاق دے دی، اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کرتے ہوئے اور عتبہ کی تذلیل کرتے ہوئے ان کو اس کی دسترس سے آزاد کر دیا، پھر ان کی شادی مکہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہو گئی، اور انہوں نے انھیں اپنے ساتھ لیے ہوئے حبشہ پھر مدینہ کی جانب ہجرت کی، چنانچہ انھیں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ ۱

غزوہ بدر کے بعد مدینہ میں ان کی وفات ہوئی، ابن شہاب زہری سے مروی ہے، فرمایا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے باعث غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے، وہ خسرہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئی تھیں، حضرت زید بن حارثہ جنگ بدر کی خوشخبری دینے آئے تو حضرت عثمان حضرت رقیہ کی قبر پر تھے۔

ابو عمر ابن عبدالبر کا قول ہے، اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے باعث رسول اللہ ﷺ کے حکم سے غزوہ بدر میں شرک نہیں ہوئے، آپ ﷺ نے ان کا حصہ اور اجر مقرر کیا۔ ۲ حبشہ میں رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت عثمان کے لڑکے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، انھی کے باعث ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی، دو سال کے ہوئے، دوسرے قول کے مطابق چھ سال کے ہوئے تو مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگ مار دی، نتیجتاً آپ کا چہرہ سوج گیا، بیمار ہو گئے، اور وفات پا گئے، دوسرے قول کے مطابق حضرت عثمان

① الدوحة النبوية الشريفة (ص: ۴۴)۔ تفسير القرطبي (۴/ ۲۴۲)۔

② الاستيعاب (۴/ ۱۹۵۲)۔

کی ذات سے ان کے بطن میں قرار پانے والا حمل ساقط ہو گیا، پھر عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، ان کے علاوہ ان کی وفات تک کسی اور بچے کی پیدائش نہیں ہوئی۔^①

طبقات میں ابن سعد کا قول ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان کے ساتھ سرزمین حبشہ کی جانب دوبارہ ہجرت کی، پہلی ہجرت میں ان کا ایک حمل ساقط ہوا، پھر اس کے بعد ان کے بطن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، انھی کے باعث حضرت عثمان کی کنیت زمانہ اسلام میں ابو عبد اللہ تھی۔^② اس طرح ان کی نسل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔^③

۳۔ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تیسری خالہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، اپنی کنیت سے معروف تھیں، مصعب زبیری سے روایت کرتے ہوئے امام حاکم نے ان کا نام ”امیہ“ ذکر کیا ہے۔ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عمر میں بڑی تھیں۔^④ ان سے عتیبہ بن ابولہب کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ عتبہ کا بھائی تھا، جس کی شادی ان کی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہو چکی تھی، دونوں کی رخصتی نہیں ہوئی تھیں، اس کو اس کے ماں اور باپ نے حکم دیا کہ وہ ان کو طلاق دے دے، جس طرح اس کے بھائی کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بہن رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے، وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: تم اپنے دین کے منکر ہو گئے ہو، میں نے تمھاری بیٹی کو طلاق دے دی، تمھارے اور میرے مابین کوئی محبت نہیں، پھر اس نے آپ ﷺ پر حملہ کر دیا، آپ کی قمیص کو پھاڑ دیا، وہ ملک شام جا رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَمَّا إِنِّي أَنَسَأَلَ اللَّهَ أَنْ يُسَلِّطَ عَلَيْكَ كَلْبًا مِنْ كِلَابِهِ .))

”میں اللہ سے اس بات کی دعا کر رہا ہوں کہ وہ تم پر کسی کتے کو مسلط کر دے۔“

چنانچہ وہ قریش کے تاجروں کے ساتھ ملک شام گیا، وہ لوگ مقام ”زرقاء“ میں ٹھہرے، اس رات ان کے پاس شیر پہنچا، عتیبہ کہنے لگا: ہائے میری بربادی، اللہ کی قسم محمد کی بددعا کے مطابق وہ مجھے کھا جانے والا ہے، کیا ابن ابی کبشہ مکہ میں ہوتے ہوئے مجھے قتل کرنے والا ہے، جب کہ میں ملک شام میں ہوں، لوگوں میں سے شیر نے اس پر حملہ کیا، اس کا سر پکڑ کر جبروں کے مابین دبا دیا اور مار ڈالا۔^⑤

① الذریۃ الطاهرة للدوالیبی (ص ۵۳)۔ الدوحة النبویۃ الشریفۃ (ص: ۴۵)۔

② طبقات ابن سعد (۸/۳۶) ③ الدوحة النبویۃ الشریفۃ (ص ۴۵)

④ الدوحة النبویۃ الشریفۃ (ص ۴۶)

⑤ المعجم الكبير للطبرانی (۲۲/۴۲۵، ۴۳۶) اس میں زبیر بن علاء ضعیف راوی ہیں۔ الذریۃ الطاهرة للدوالیبی

(رقم: ۷۶)

جب عتیبہ بن ابولہب نے ان کو طلاق دے دی تو وہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہیں، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت کا شرف حاصل کیا۔^①

۱: ان کی شادی سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو داغ مفارقت دیا اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر نے، حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہا: کیا تمہیں حفصہ کی چاہت ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہیں مانی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں اس سے بہتر کی چاہت ہے؟ میں حفصہ سے شادی کر لیتا ہوں، اور عثمان کی شادی ان سے بہتر ام کلثوم سے کر دیتا ہوں۔^②

ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ربیع الاول ۳ھ میں ہوئی، اور جمادی الاولیٰ میں ان کی رخصتی ہوئی۔^③ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی کے پاس آئے وہ حضرت عثمان کا سر دھلا رہی تھیں، آپ نے فرمایا: تم ابو عبد اللہ کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ وہ مجھ سے اخلاق میں تمام صحابہ سے زیادہ مشابہ ہیں۔^④

ب: ان کی وفات ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہیں یہاں تک کہ شعبان ۹ھ میں وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی، ان کی قبر کے کنارے بیٹھے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا، کہتے ہیں میں نے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھا، آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے رات میں ہم بستری نہ کی ہو؟ ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ آپ نے فرمایا: تم ان کی قبر میں اترو۔^⑤

انھیں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے غسل دیا، ان کے غسل میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا حاضر تھیں، اور انہوں نے ہی رسول اللہ ﷺ کے قول ((اغسلہا ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك.)) (انھیں تین یا پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ غسل دو) کو بیان کیا ہے۔^⑥

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ علی بن ابوطالب، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور

① الدوحة النبوية الشريفة (ص ۴۶)

② المستدرک للحاکم (۴/۴۹) حدیث صحیح ہے۔

③ سنن ابن ماجہ رقم (۱۱۰) اس میں ضعف پایا جاتا ہے۔

④ مجمع الزوائد و منبع الفوائد (۹/۸۱) بخاری نے کہا: اس کی سند میں محمد بن عبد اللہ ہیں جو مطلب سے روایت کرتے ہیں، میں انھیں نہیں جانتا ہوں بقیہ راوی ثقہ ہیں۔

⑤ صحیح البخاری، کتاب الجنائز (۳/۲۰۸، رقم ۱۲۸۵)

⑥ صحیح البخاری (رقم ۱۳۵۳)

ابوطالبہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ان کی قبر میں اترے، اور ان کو غسل دینے والیاں، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا ہیں۔ ❶

ج: ان کی اولاد:..... ناما کا اتفاق ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ❷ عجیب و غریب بات ہے کہ شیعہ نبی ﷺ کی بچیوں کے نسب کی صحت پر تنقید کرتے ہیں، اس کے باوجود قرآن کریم، حدیث نبوی، اور تاریخ اسلامی کی مخالفت کرتے ہوئے وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ انھیں نبی ﷺ سے محبت ہے، ان کی تردید کے لیے اللہ کا یہ قول کافی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَلِ عِلِّيَّهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَذْنٰى أَنْ يُعَوِّفَنَّ فَلَا يُوْذَنُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۵۹)

”اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

چنانچہ قرآن مجید نے آپ کی بچیوں کا تذکرہ میثاق جمع سے کیا ہے۔



❶ الطبقات (۸/ ۳۸، ۲۹)۔ الاستیعاب (رقم: ۳۰۶۳)۔

❷ طبقات ابن سعد (۸/ ۳۸)۔ الاستیعاب لابن عبدالبر (۴/ ۴۸۷)۔ الإصابة (۴/ ۴۸۹)۔ مجمع الزوائد (۹/ ۲۱۷)۔ عیون الأثر لابن سید الناس (۲/ ۳۸۰)۔ الدوحة النبویة الشریفة (ص: ۴۹)۔

(۲)

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی والدہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہما

آپ ام المومنین، بنی آدم کے سردار رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، آپ کی والدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں، آپ کی کنیت دادی کے نام پر تھی۔ ❶ آپ کی ولادت بعثت سے پہلے نبی اللہ ﷺ کی ولادت کے پینتیس سال بعد ہوئی۔ ❷ جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی، ان کے لطن سے حضرت علی کے تین بچے حسن، حسین، محسن رضی اللہ عنہم اور دو پچھائیاں زینب، ام کلثوم رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں، ان کی وفات نبی کریم ﷺ کی وفات کے چھ مہینے بعد ہوئی رضی اللہ عنہا و أَرْضَاهَا۔ ❸

۱۔ ان کا مہر اور ان کے برتنے کے سامان:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا پیغام رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے لگا، تو میری لونڈی نے مجھ سے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ فاطمہ کی شادی کا پیغام رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے لگا ہے، میں نے کہا: نہیں، اس نے کہا: آنے لگا ہے تو آپ کو کوئی چیز مانگ ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام لے کر جائیں اور آپ ﷺ آپ کی شادی کر دیں؟ میں نے کہا: کیا میرے پاس کچھ ہے جس کے عوض میں شادی کر لوں؟ اس نے کہا: آپ اگر رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں تو وہ آپ سے شادی کر دیں گے۔ فرماتے ہیں کہ وہ مجھے امید بندھاتی رہی، یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، میں آپ کے دائیں جانب چپ چاپ بیٹھ گیا، اللہ کی قسم مجھے آپ سے آپ کے رعب و جلال کے باعث گفتگو کی ہمت نہ ہوئی، آپ نے فرمایا: شاید تم فاطمہ کی شادی کا پیغام دینے آئے ہو، میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ ہے جس کے عوض وہ تمہارے لیے حلال ہو جائے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ زرہ تم نے کیا کی جس کو دے کر میں نے تم کو مسلح کیا تھا؟

میں نے کہا: میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری اس سے شادی کر دی، تم اسے اس کے پاس بھیج دو، اس کے عوض وہ تمہارے لیے حلال ہو جائے گی، یہی فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا مہر تھا۔ ❹

❶ أسد الغابۃ (۵/ ۵۲۰) الإصابۃ (۴/ ۳۶۵)

❷ الطبقات لابن سعد (۸/ ۲۶) حلیۃ الاولیاء (۲/ ۳۹)۔ سیر أعلام النبلاء (۲/ ۱۱۸)۔

❸ دلائل النبوة للبیہقی (۳/ ۱۶۰) اس کی سند حسن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو درج ذیل برتنے کا سامان دیا، چادر، گھڑا، اذخر بھرا چمڑے کا تکیہ۔^① اس مبارک شادی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے تعاون کا تذکرہ شیعہ روایات میں اس طرح آیا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنی زرہ کو لے کر بازار گیا، اسے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے چار سو درہم کے عوض بیچ دیا، جب میں نے ان سے درہم لے لیے، اور انھوں نے مجھ سے زرہ لے لی، تو انہوں نے فرمایا: اے ابوالحسن کیا میں زرہ کا تم سے زیادہ حقدار اور تم درہم کے مجھ سے زیادہ حقدار نہیں ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: یہ زرہ میری جانب سے تم کو ہدیہ ہے۔ میں زرہ و درہم لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ کے سامنے زرہ اور درہم کو رکھ دیا، اور حضرت عثمان کے تعامل کا آپ سے تذکرہ کیا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔^②

۲۔ ان کی رخصتی:

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی رخصتی میں شریک تھی، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ دروازہ کے پاس آئے اور فرمایا: اے ام ایمن میرے بھائی کو بلاؤ، انھوں نے کہا: وہ آپ کے بھائی ہیں، جب کہ آپ ان کی شادی کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اے ام ایمن۔ وہ کہتی ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، رسول اللہ ﷺ نے ان پر پانی چھڑکا اور ان کے حق میں دعا کی، پھر فرمایا: فاطمہ کو بلاؤ، وہ کہتی ہیں کہ وہ شرم سے لڑکھراتی ہوئی آئیں، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم خاموش ہو جاؤ، میں نے تمھاری شادی اپنے اہل بیت میں سے سب سے زیادہ محبوب شخص سے کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر پانی چھڑکا، ان کے حق میں دعا کی، وہ کہتی ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے، اپنے سامنے ایک ہیولے کو دیکھا، فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں، آپ نے فرمایا: تم اسماء ہو؟ میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: اسماء بنت عمیس ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: تم رسول اللہ ﷺ کی عزت افزائی کے لیے ان کی بچی کی رخصتی میں آئی ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے میرے حق میں دعا کی۔^③ اس واقعہ میں اعلیٰ معاشرتی قدروں میں سے جو چیز نمایاں ہے وہ مختلف معاشرتی امور میں معاشرہ کے لوگوں کا باہمی تعاون ہے۔

۳۔ دعوت و ولیمہ:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا پیغام دیا،

① مسند فاطمة الزهراء و ماورد فی فضلها، تحقیق: فواد أحمد زمزلی (ص ۱۸۹)

② كشف الغمة للأربلی (۱/۳۵۹) نقلاً من الشيعة و اهل البيت (ص ۱۳۷، ۱۳۸)۔

③ فضائل الصحابة (۲/۹۵۵) رقم: ۳۴۲۔ اس کی سند صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شادی کی دعوت (ولیمہ) ضروری ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایک مینڈھا مہیا کروں گا، اور انصار کے کچھ لوگوں نے آپ کے لیے چند صاع مکئی مہیا کیے، رخصتی کی رات آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی میری ملاقات سے پہلے کچھ مت کرنا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے پانی طلب کیا، اس سے وضو کیا، پھر اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انڈیل دیا اور فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا ، وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ فِيْ شَيْلِهِمَا .)) ❶

”اے اللہ! ان دونوں میں برکت عطا فرما، ان دونوں پر برکت نازل فرما، ان دونوں کی اولاد میں برکت عطا فرما۔“

۴۔ حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما کا رہن سہن:

حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھے، پھر بھی ان کی زندگی زہد و تنگ حالی، صبر اور محنت والی زندگی تھی، ہنود عطاء سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، مجھے بتایا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: چند دن گزر گئے نہ ہمارے پاس کچھ تھا اور نہ ہی اللہ کے نبی ﷺ کے پاس، میں نکلا، راستے میں پڑا۔ ایک دینار پایا، کچھ دیر رک کر اس کو لے لینے یا چھوڑ دینے سے متعلق سوچتا رہا، پھر اپنی پریشان حالی کے باعث اسے لے لیا، اور آٹے کے تاجروں کو دے کر آٹا خرید لیا، آٹا لیے ہوئے فاطمہ کے پاس آیا اور کہا: اس کو گوندھو، وہ گوندھنے لگیں، اور ان کی پریشان حالی کے باعث ان کے سینے کی ہڈی آٹے کے برتن کو چھو رہی تھی، پھر انھوں نے روٹی پکائی، میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ماجرایان کیا، آپ نے فرمایا:

((كُلُوْا فَاِنَّهُ رِزْقٌ رَزَقَكُمْوَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ .)) ❷

”کھاؤ، یہ ایسا رزق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمھیں عطا کیا ہے۔“

شخصی سے روایت ہے کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے فاطمہ بنت محمد ﷺ سے شادی کی۔ میرے اور ان کے لیے ایک مینڈھے کے چمڑے کے علاوہ کوئی اور چیز بچھانے کی نہ تھی، ہم اس پر رات میں سوتے، دن میں اس پر اپنے پانی لانے والے اونٹ کے لیے چارہ ڈالتے، ہماری خدمت کے لیے اس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ ❸

مجاہد سے روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مدینہ میں میں ایک بار سخت بھوک سے دوچار ہوا، عوامی

❶ المعجم الکبیر للطبرانی (۱۱۵۳) فضائل الصحابة (۲/۸۵۸) اس کی سند صحیح ہے۔

❷ کنز العمال (۷/۳۲۸)، المرتضیٰ اللندوی (ص ۴۱)

❸ کنز العمال (۷/۱۳۳)، المرتضیٰ اللندوی (ص ۴۱)

مدینہ میں جا کر کام تلاش کرنے لگا، میں نے ایسی عورت کو دیکھا جس نے خشک مٹی جمع کر رکھی تھی، میرے خیال میں وہ اس کو بھگوننا چاہتی تھی، میں اس کے پاس آیا اور اس سے ہر ڈول کے بدلے ایک چھوہارا طے کر لیا، سولہ ڈول پانی کھینچا، میرے دونوں ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، پھر میں نے پانی پیا، اس کے پاس آیا اور کہا: اتنا بس ہے، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دکھا کر سمیٹ لیے، اس نے مجھے سولہ چھوہارے گن کر دیا، میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ کو بتلایا، چنانچہ آپ نے بھی اسی میں سے کھایا۔^①

اس واقعے میں مدینہ میں حضرت حسن کے والد کی پریشان حالی کا ذکر ہے۔ اس سے پریشانیوں کو برداشت کرنے کے لیے مشروع طرز عمل کا پتہ چلتا ہے، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حلال کمائی کے واسطے اپنے ہاتھوں کام کرنے کے لیے نکل پڑے، بیٹھ کر محسنین کے عطیات کا انتظار نہ کیا۔

اس واقعے سے قوت برداشت کا پتہ چلتا ہے، طاقت کو کمزور کر دینے والی سخت بھوک میں مبتلا ہونے کے باوجود مشقت سے بھرپور کام کو انجام دیا۔

اس واقعے سے احباب کے لیے وفاداری و ایثار کا پتہ چلتا ہے اس لیے کہ سخت بھوک اور مشقت سے بھرپور کام انجام دینے کے باوجود چھوہاروں کی اجرت کو بچا کر رکھا، یہاں تک نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے بھی ان کے ساتھ کھایا۔^②

اس واقعے سے سب سے زیادہ اہم سبق یہ ملتا ہے کہ انسان کی مادی محتاجی اور مالداری اللہ کی بندے سے محبت اور عدم محبت کا معیار نہیں ہے، حقیقی معیار اللہ کا تقویٰ ہے، اس معیار پر ہمیں لوگوں کو پرکھنا چاہیے۔

۵۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا زہد و صبر:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی والدہ کی زندگی بڑی ہی سادہ تھی، اس میں خوشحالی کے بجائے تنگ دستی نمایاں تھی،^③ آنے والا واقعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کی تصویر کشی کرتا ہے جب آپ ﷺ سے انھوں نے لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کو طلب کیا تھا۔

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ کی قسم پانی مہیا کرتے کرتے میرا سینہ درد کرنے لگا ہے، فرمایا: اور اللہ نے آپ کے والد کے پاس لونڈیاں فراہم کر دی ہیں، جاؤ اور آپ ﷺ سے خادمہ کا مطالبہ کرو، وہ کہتی ہیں، چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گئے پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، آپ نے فرمایا: اے میری لاڈلی بچی کس لیے آئی ہو؟ انھوں نے کہا: میں آپ سے سلام کرنے آئی

① صفة الصفوة (۱/ ۳۲۰)۔ الموسوعة الحديثية، مسند احمد (۱۱۳۵) اس کی سند ضعیف ہے۔

② التاريخ الاسلامی للحمیدی (۱۹/ ۴۹، ۵۰) ③ معین السيرة للشمس (ص ۲۵۵)

ہوں، اور شرم کے مارے مطالبہ نہیں کیا، لوٹ گئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے کیا کیا؟ انھوں نے کہا: مارے شرم کے میں مطالبہ نہ کر سکی، چنانچہ ہم دونوں آئے، حضرت علی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم پانی مہیا کرتے کرتے میرا سینہ درد کرنے لگا ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: چکی پیٹے پیٹے میرے ہاتھوں میں گئے پڑ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ تک غلام اور لونڈیوں کو پہنچایا ہے اور فراخی عطا کی ہے، اس لیے آپ ہمیں ایک خادمہ دے دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصحاب صفہ کو بھوکا چھوڑ کر میں تمہیں خادمہ نہیں دے سکتا، میرے پاس ان کے لیے اخراجات نہیں ہیں، میں انھیں پیچوں گا اور ان کی قیمت ان پر خرچ کروں گا، دونوں لوٹ آئے، پھر ان دونوں کے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے، دونوں اپنی چادر میں تھے، جب سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا، آپ کی تشریف آوری کے باعث تیزی سے نکل جانے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا: ٹھہرو، پھر فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے اچھی چیز نہ بتا دوں جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے، دونوں نے کہا: ضرور بتلائیے آپ نے فرمایا: چند کلمات ہیں جنہیں جبریل علیہ السلام نے مجھے سکھایا، تم دونوں ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ، دس مرتبہ اللہ اکبر کہو، اور جب اپنے بستر پر لیٹو تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو۔^①

اس واقعے میں اخلاقی قدروں کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنی حکومت کو لاحق اقتصادی مشکل کو کس طرح حل کیا، آپ نے امور کی ترتیب اولویت کی بنیاد پر دی۔ اصحاب صفہ کی بھوک دور کرنا سخت ضروری تھا، حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے لیے خادمہ کی ضرورت اصحاب صفہ کی ضرورت جیسی نہیں تھی، بنا بریں آپ نے اصحاب صفہ کو ترجیح دی، اقتصادی مشکلات کو حل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سارے وسائل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس نبوی تربیت کا اچھا خاصا اثر تھا، ایک زمانہ گزرنے کے بعد آپ خلیفۃ المسلمین ہو گئے، چنانچہ اسی نبوی تربیت کا نتیجہ تھا کہ زمین کے تمام خزانے آپ کے ہاتھ میں تھے، پھر بھی آپ کو دنیا اور اس کی چمک دمک سے کوئی رغبت نہیں تھی، وجہ یہ تھی کہ آپ کا دل و دماغ ذکر الہی سے معمور تھا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ تعلیم پر برابر عمل کیا، اس کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

”اللہ کی قسم میں نے ان کلمات کو اس وقت سے ترک نہیں کیا جب سے آپ نے مجھے سکھایا، آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا: صفین کی رات بھی ترک نہیں کیا، آپ نے فرمایا: صفین کی رات بھی نہیں۔“^②

① صحیح البخاری (رقم ۳۷۰۵)، صحیح مسلم (رقم ۲۷۲۷)۔ السیرۃ النبویۃ لصلابی (۲/۹۹)

② صحیح مسلم (۴/۲۰۹۲)

۶۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور ان سے متعلق آپ کی غیرت:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب سفر کرتے تو مدینہ میں سب سے آخری کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ہوتا، اور جب سفر سے واپس ہوتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے پاس جاتے۔^①

ابوخلبہ حشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ سے واپس آتے یا سفر کرتے تو ابتداء مسجد سے کرتے، اس میں دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر حضرت فاطمہ کے پاس آتے، پھر اپنی بیویوں کے پاس آتے۔^②

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: اٹھنے بیٹھنے سے متعلق وقار و تمکنت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ تھیں، جب وہ آپ کے پاس جاتیں، آپ کھڑے ہوتے، انھیں بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ پر بٹھاتے، جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس جاتے تو وہ کھڑی ہوتیں، آپ کو بوسہ دیتیں، اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔^③ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیتیں۔^④ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے اہل بیت میں سے میرے نزدیک محبوب ترین فاطمہ ہیں۔“^⑤

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ابو جہل کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی تو آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((فاطمۃ بضعة منی فمن أغضبها أغضبني)) ”فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو اسے ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا۔“^⑥

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ دونوں کے مابین محبت تھی، معاملہ ویسا نہیں تھا جیسا کہ خود غرض دعویٰ کرتے ہیں۔^⑦ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا: بنو ہاشم بن

① مسند احمد (۵/۲۷۵)۔ الدوحة النبوية (ص ۵۶)

② الاستيعاب (۴/۳۷۶) اس کی سند میں ابوہریرہ راوی ضعیف راوی ہیں۔

③ صحیح مسلم (رقم: ۳۴۵۰)۔ صحیح سنن ابی داود (رقم ۵۲۱۷)

④ سنن ابی داود (رقم ۵۲۱۷)۔ صحیح سنن ابی داؤد اللالبانی (۳/۹۷۹)

⑤ مسند الطیالسی (۲/۲۵) حدیث حسن صحیح ہے۔

⑥ صحیح البخاری (رقم: ۴۱۷۳)

⑦ أسمى المطالب فی سيرة امیر المومنین علی بن ابی طالب (۱/۱۳۶)

مغیرہ کے مجھ سے اس بات کی اجازت طلب کرنے پر کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی علی بن ابی طالب سے کر دیں، میں نے تین بار کہا کہ میں اجازت نہیں دے سکتا، علی بن ابوطالب چاہیں تو میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی بیٹی سے شادی کر سکتے ہیں، بلاشبہ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔^①

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی کا تذکرہ کیا، یہ بات نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا:

((إِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يَوْمَ ذِيْنِي مَا آذَاهَا وَيُتَعَبُّنِي مَا اتَّعَبَهَا))^②

”فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، اس کی تکلیف میری تکلیف ہے، اس کی پریشانی میری پریشانی ہے۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب سے متعلق حاکم کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے نزدیک عورتوں میں سے محبوب ترین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔^③

یہ حدیث صحیح بخاری میں وارد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض نہیں ہے، اس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا، لوگوں میں سے کون آپ کے نزدیک محبوب ترین ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ، پوچھا گیا مردوں میں سے؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد۔^④

اس حدیث کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک آپ کی خاندان کی عورتوں میں سے محبوب ترین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی سلسلے میں ابن العربی اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”لوگوں میں سے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محبوب ترین ابو بکر رضی اللہ عنہ، ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، خاندان کی عورتوں میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اس ترتیب سے حدیثوں کے مابین تعارض ختم ہو کر تطبیق ہو جاتی ہے۔“^⑤

۷۔ ان کی راست بازی:

امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے کہ وہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتیں

① صحیح البخاری (رقم ۵۲۳۰)

② فضائل الصحابة (۲/ ۷۵۶، رقم ۱۳۲۷) اس کی سند صحیح ہے۔

③ المستدرک، کتاب معرفة (۳/ ۱۵۵) اس کی سند صحیح ہے۔

④ صحیح البخاری (رقم: ۴۳۵۸)

⑤ عارضة الاحوذی (۱۳/ ۲۴۷، ۲۴۸)۔ العقيدة فی أهل البيت (ص ۱۳۷)

تو کہتیں: میں نے ان کے والد کے علاوہ کسی کو ان سے زیادہ راست باز نہیں دیکھا۔^①

اس حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی واضح فضیلت بیان کی گئی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس میں اور سابقہ حدیث میں انھیں ہیئت، طور طریقہ، وقار و تمکنت اور راست بازی میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشابہ قرار دیا ہے۔^②

۸۔ دنیا و آخرت میں ان کی سرداری:

صادق و مصدوق ﷺ سے مروی حدیثیں دنیا و آخرت میں ان کی سرداری کو واضح کرتی ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دنیا کی عورتوں میں مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور فرعون کی بیوی آسیہ تمھارے لیے کافی ہیں۔^③

امام حاکم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ جنتیوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔^④

اور امام بخاری رحمہ اللہ باب باندھتے ہوئے کہتے ہیں: ”باب مناقب فاطمہ“ پھر حدیث رسول اللہ ﷺ نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((فاطمہ سیدۃ نساء اهل الجنة.))^⑤

”حضرت فاطمہ جنتیوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔“

۹۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم ﷺ کی میراث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں حضرت فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر نبی کریم ﷺ کی میراث طلب کر رہے تھے، اس وقت وہ دونوں آپ ﷺ کی فذک والی زمین اور خیبر کے حصے کا مطالبہ کر رہے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: ہماری میراث تقسیم نہیں کی جائے گی، جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ کر جائیں گے صدقہ ہوگا، ہاں آل محمد ﷺ اس مال سے کھائیں گے۔^⑥

دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو کچھ رسول اللہ ﷺ کرتے تھے میں اس پر عمل کو

① المستدرک (۳/ ۱۶۰، ۱۶۱)

② العقیدۃ فی اهل البيت (ص ۱۳۶)

③ فضائل الصحابة (۲/ ۲۵۵، رقم ۱۳۲۵) علامہ البانی نے مشکوٰۃ المصابیح (۳/ ۷۴۵) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

④ فضائل الصحابة (۲/ ۲۵۵) (رقم ۱۳۳۲) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔

⑤ صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابة (۴/ ۲۵۲)

⑥ صحیح البخاری (رقم ۶۷۲۶)

ترک نہیں کر سکتا، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے آپ کا کوئی حکم ترک کر دیا تو میں بھٹک جاؤں گا۔ ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا چاہا، تاکہ ان کے توسط سے ان سے وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی میراث کا مطالبہ کریں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: ہماری میراث تقسیم نہیں ہوگی، جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑیں گے صدقہ ہوگا۔ ❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے ورثاء ہماری میراث کا ایک دینار بھی تقسیم نہیں کریں گے، ازواج کے نفقہ اور اپنے خادم کے خرچ کے بعد جو کچھ میں چھوڑ کر جاؤں گا صدقہ ہوگا۔ ❸

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ تعامل قول رسول ﷺ کی بجا آوری کی بناء پر تھا، اسی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ کرتے تھے میں اس پر عمل کو ترک نہیں کر سکتا۔ ❹ نیز فرمایا: جس کام کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے اسے میں کروں گا۔ ❺

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حدیث سے استدلال اور معاملے کی وضاحت کر دینے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے اپنے نزاع کو ترک کر دیا۔

اس واقعے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبول حق اور قول رسول ﷺ کو مان لینے کی صریح دلیل ہے، حق اور سچائی سے ہٹ کر شیعہ نے میراث نبی ﷺ سے متعلق بہت زیادہ غلو سے کام لیا ہے، ہم نے اپنی کتاب ”اسمی المطالب فی سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب“ ❶ میں ان کی دلیلوں کی قلعی کھول دی ہے، اور میراث سے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مابین جو کچھ ہوا اس کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔

۱۰۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رضا مندی کا اظہار:

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئی تھیں، اور

❶ صحیح مسلم (رقم ۱۷۵۹)

❷ صحیح البخاری (رقم ۶۷۳)۔ صحیح مسلم (رقم ۱۷۵۸)

❸ صحیح البخاری (رقم ۶۷۲۹)

❹ صحیح مسلم رقم (۱۷۵۸)

❺ صحیح البخاری (۶۷۲۶)

❻ اسمی المطالب فی سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب (۱/۱۹۹)

مرتے دم تک راضی تھیں، جیسا کہ امام بیہقی نے شععی کی روایت ذکر کی ہے۔ کہتے ہیں جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے، اجازت چاہی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے فاطمہ ابوبکر صدیق تمہارے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، فرمایا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اجازت دے دوں؟ فرمایا: ہاں، چنانچہ انھوں نے اجازت دے دی، حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے پاس پہنچ کر ان کی رضا مندی طلب کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم میں گھر بار، مال و دولت، اہل و عیال کو ترک کر کے اللہ و رسول اور تم اہل بیت کی رضا مندی کے لیے حاضر ہوا ہوں، وہ رضا مندی طلب کرتے رہے یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئیں۔ ❶ امام ابن کثیر کہتے ہیں: یہ سند عمدہ اور قوی ہے۔ واضح بات یہ ہے کہ عامر شععی نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یا اس سے سنا ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ ❷

اس حدیث سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراضی کے متعلق شیعوں کی تنقید ہوا ہو جاتی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شروع میں اگر ناراض تھیں تو بعد میں راضی ہو گئیں، اور رضا مندی کی حالت میں وفات ہوئی، ان سے سچی محبت کرنے والوں کو اس سے راضی ہی ہو جانا چاہیے جس سے وہ خود راضی ہو گئی تھیں۔ ❸

مذکورہ حدیث سے حضرت عائشہ کی یہ حدیث متعارض نہیں ہے کہ آل محمد ﷺ اس مال کو کھائیں گے، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا صدقہ جیسا کچھ آپ کے زمانے میں تھا اس میں میں کچھ تبدیلی نہیں کر سکتا، اس میں جو کچھ آپ نے کیا وہی میں کروں گا، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا، اس وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں، ان سے قطع تعلق کر لیا اور وفات تک ان سے بات نہیں کی۔ ❹

اس لیے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کے مطابق ہے، اور عامر شععی والی حدیث میں علم کی زیادتی، ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے اور ان کی ان سے رضا مندی و گفتگو کا تذکرہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف نفی کا ہے اور عامر شععی کا موقف اثبات کا ہے۔ علمائے اصول حدیث کے یہاں یہ بات طے ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے، اس لیے اثبات کا حصول نفی کرنے والے کے علم کے بغیر ممکن ہے، خصوصاً اس طرح کے مسئلے میں چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لیے جانا اتنا اہم معاملہ نہیں تھا جو

❶ السنن الکبری للبیہقی (۳۰۱/۶)

❷ البدایہ والنہایہ (۲۵۳/۵)

❸ الانتصار للصحیح والاک (ص ۴۳۴)

❹ صحیح البخاری رقم (۴۲۴۰)، رقم (۱۷۵)

لوگوں میں عام ہوتا اور تمام لوگ اس کو جان لیتے، یہ ایک معمولی واقعہ تھا جو وہاں سے غیر حاضر لوگوں پر مخفی رہ سکتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس کے تذکرہ کی ضرورت نہ ہونے کے باعث اس کے نقل کرنے پر خاطر خواہ توجہ دی جائے۔

ساتھ ہی ساتھ علمائے ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس پوری مدت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کا باقصد ارادہ نہیں کیا تھا، ان کے جیسی شخصیت اس بات سے مبرا ہوگی اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے تین دن سے زیادہ قطع تعلق سے روکا ہے، ان کی عدم گفتگو کا سبب ضرورت کا فقدان تھا۔^①

صاحب ”المفہم“ قرطبی حضرت عائشہ کی سابقہ حدیث کی شرح میں کہتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ اور گھر سے باہر نہ نکلنے کے باعث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہ کر سکیں، راوی نے اس کو قطع تعلق سے تعبیر کر دیا، ورنہ قول رسول اللہ ﷺ ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَجْهَرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ))^②

”کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔“

اور وہ حلال و حرام کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے بہت دور رہنے والی تھیں، اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر اور حنفی عورتوں کی سردار ہیں۔^③

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام چیزوں سے منقطع ہو کر اپنے والد کی وفات کے حادثہ جان کاہ کے غم و الم میں مشغول رہیں، اس حادثہ کی مصیبت کے مقابلے میں تمام مصیبتیں ہچ تھیں، اسی طرح صاحب فراش بنادینے والی اپنی بیماری کے باعث امت کے امور، ارتداد کی جنگوں وغیرہ میں ہر آن مشغول خلیفۃ المسلمین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کو کون کہے؟ کسی بھی معاملے میں شرکت سے قاصر تھیں۔ اسی طرح انھیں اپنے ابا جان سے جا ملنے کا علم تھا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے منجانب اللہ انھیں بتا دیا تھا کہ وہی آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے آپ سے جا ملیں گی۔^④

جسے اس طرح کا علم ہوگا، اسے دنیا سے کوئی مطلب نہیں ہوگا۔ یعنی کا نقل کردہ مہلب کا کیا ہی عمدہ قول ہے: کسی نے اس بات کی روایت نہیں کی ہے کہ وہ دونوں اکٹھے ہوئے ہوں اور سلام نہ کیا ہو، حقیقت یہ ہے کہ وہ

① الانتصار للصحب والآل (ص ۴۳۴)

② صحیح البخاری (رقم ۶۰۷۷)

③ المفہم (۷۳/۱۲)

④ صحیح مسلم (رقم ۲۴۵۰)

اپنے گھر سے نہیں نکلتی تھیں تو راوی نے اس کو قطع تعلق سے تعبیر کر دیا، ❶ جیسا کہ ابھی گزرا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ان سے ملاقات اور ان کی رضا مندی طلب کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے۔

۱۱۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

حضرت ابو بکر صدیق اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات اس حد تک گہرے تھے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی مرض الموت میں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی دیکھ بھال کرتی تھیں، دم نکلنے تک ان کے ساتھ رہیں، ان کے غسل اور آخری آرام گاہ تک بھیجنے میں برابر شریک رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بذات خود ان کی دیکھ بھال کرتے تھے اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اس سلسلے میں ان سے تعاون کرتی تھیں، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے پیغمبر و مدفن اور جنازے سے متعلق چند وصیتیں کی تھیں، چنانچہ اسماء رضی اللہ عنہا نے ان پر عمل کیا۔ ❷

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا: میرے نزدیک یہ چیز معیوب ہے کہ عورت کے جنازے پر کپڑا اس طرح ڈال دیا جائے کہ اس کے نیچے اس کے جسم کا پتہ چلے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر میں نے جو کچھ سرزمین حبشہ میں دیکھا ہے آپ کو بتلاتی ہوں، پھر چند تازہ ٹہنیاں منگائیں، انھیں جھکایا، اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ بہت اچھی چیز ہے، اس سے عورتوں اور مردوں کے مابین تمیز ہو جائے گی۔ ❸

ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اسلام میں وہ پہلی شخصیت ہیں جن کی نعش کو ڈھانپا گیا، پھر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں، ایک طرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ شیعوں کے زعم کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برابر ملتے رہتے تھے تا کہ نبی ﷺ کی بیٹی کے حالات معلوم کرتے رہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچویں نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرتے تھے، جب نماز سے فارغ ہوتے تو حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان سے کہتے: رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر کا کیا حال ہے؟

دوسری طرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے ان کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے، اس لیے کہ وہی حقیقتاً ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کرنے والی تھیں، جس دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، مدینے کے تمام مرد اور عورتیں رو پڑیں، اور لوگ حواس باختہ ہو گئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ہوا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دلا سہ دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: اے ابوالحسن رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے جنازے کی نماز میں ہمارا انتظار کرنا۔ ❹

❶ أباطیل یجب أن تمحی من التاريخ (ص ۱۰۸) ❷ الشیعة و اهل البیت (ص ۷۷)

❸ الاستیعاب (۴/ ۳۷۸) ❹ الشیعة و اهل البیت (ص ۷۷)۔ کتاب سلیم بن قیس (ص ۲۵۵)

ان کی وفات تین رمضان ۱۱ھ کو منگل کی رات میں ہوئی، علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب وعشاء کے مابین ہوا، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، زبیر اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم آئے، جب ان کے جنازے کو نماز کے لیے رکھا گیا، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر صدیق آگے بڑھیے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اور آپ اے ابوالحسن؟ کہا: ہاں اللہ کی قسم، آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے جنازے کی نماز نہیں پڑھائے گا، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی، انھیں رات میں دفن کیا گیا، ایک دوسری روایت میں وارد ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازے کی نماز پڑھائی اور چار مرتبہ اللہ اکبر کہا۔^①

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق جنازے کی نماز حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور یہی رائج روایت ہے۔^②

بعض شیعہ کتابوں میں پائی جانے والی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ وصیت کہ ایسے لوگ جنہوں نے ان کے اور ان کے والد کے دشمن ہونے کے باعث ان پر ظلم کیا اور ان کا حق نہیں دیا وہ ان کی قبر پر نہ جائیں، سراسر باطل ہے، یہ روایتیں صحیح نہیں بلکہ موضوع و من گھڑت ہیں جیسا کہ ”حیلة الامام الحسن بن علی رضی اللہ عنہما“ کے مؤلف نے ذکر کیا ہے۔^③



① المختصر من کتاب الموافقة (ص ۱۶۸) اس کی سند میں ضعف ہے۔

② صحیح مسلم (رقم ۱۷۵۹)

③ حیاة الامام الحسن بن علی، لباقر القرشی (۱/ ۱۶۴)

(۳)

اپنے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بشارت بڑی عظیم تھی، آپ ﷺ انھیں گود میں اٹھاتے، پیار کرتے، اپنے سینے پر چڑھنے دیتے، ان کے ساتھ کھیلتے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نبوی گود میں پروان چڑھے، انھیں بچپن سے نوجوانی تک مصطفوی دیکھ رکھ اور عنایت نصیب ہوئی، نبی ﷺ کی مشابہت آپ کے چہرے مہرے سے ظاہر تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بڑا مقام و مرتبہ اور عزت حاصل تھی، ایسا صرف نواسہ رسول ﷺ ہونے کے ناتے نہیں بلکہ ان کی اچھی صفات، اعلیٰ اخلاق اور بہترین تواضع کے باعث تھا۔^①

درج ذیل بعض احادیث و واقعات رسول اللہ ﷺ کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا پتہ دیتے ہیں:

۱۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت و شفقت اور لاڈ و پیار:

- ۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔^②
- ۲۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں نبی ﷺ نماز پڑھتے تھے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کی پیٹھ پر کود کود کر چڑھتے، لوگ انھیں دور کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو ایسا کرنے دو، ان دونوں پر میرے ماں باپ قربان ہوں، جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے ان دونوں سے محبت کرنا چاہیے۔^③
- ۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو تو اس سے اور ان لوگوں سے محبت کر جس سے یہ محبت کرتا ہے۔^④

① الحسن بن علی سیرتہ و دورہ سیاسی والإدارى، فنیخان کردی (ص ۴۵)۔ الدوحة النبویة الشریفة (ص ۷۲)

② سنن النسائی (رقم ۸۱۶۸)۔ احادیث بشأن السبطین (ص ۳۱۲) میں عثمان انیس نے اس حدیث کو حسن لڑا یہ قرار دیا ہے۔

③ احادیث بشأن السبطین (ص ۲۹۳) یہ حدیث حسن ہے۔

④ مسند احمد (۲/۲۴۹، ۳۳۱) اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب بھی میں انھیں دیکھتا میری آنکھیں اشک بار ہو جاتیں۔^①
 ۴۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے کندھے پر دیکھا اور آپ فرما رہے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَاجِبْهُ))^②

”اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو تو ان سے محبت کر۔“

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا: جس نے مجھ سے، ان دونوں سے، اور ان کے والدین سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میری برابری میں ہوگا۔ امام احمد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اور امام ترمذی کی نقل کردہ حدیث میں ”کسان معي في الجنة“ کے الفاظ ہیں اور اس پر حکم لگایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔^③

۶۔ یعلیٰ بن مرہ سے مروی ہے کہتے ہیں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ تک سبقت کی دوڑ لگاتے ہوئے آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے پہلے پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کی گردن میں ڈال کر انھیں اپنے پیٹ سے چٹا لیا، ان کو بوسہ دیا پھر ان کو بوسہ دیا اور فرمایا: میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، اس لیے لوگو! ان سے محبت کرو، بچے بخیل و بزدلی کا باعث ہوتے ہیں۔^④

۷۔ اسرائیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: جس نے حسن و حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔^⑤

۸۔ زہیر بن اقرم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ قبیلہ ازد کے ایک آدمی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت حسن بن علی کے بارے میں کہتے ہوئے سنا ہے: جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ اس سے محبت کرے، تم میں سے حاضر غائب کو یہ بات پہنچا دے، اور اگر رسول اللہ ﷺ کی تاکید نہ ہوتی تو میں تم سے بیان

① الدوحة النبوية الشريفة (ص ۷۴)

② صحيح مسلم (رقم ۲۴۲۲)

③ مسند احمد (۷۷/۱) سنن الترمذی (رقم ۳۷۳۴) سیر أعلام النبلاء (۳/۲۵۴) اس میں حکم لگایا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور متن منکر ہے۔ المیزان الاعتدال (۱۱۷/۳)

④ مسند احمد (۱۷۲/۴) سنن ابن ماجہ (رقم ۳۶۶۰) الزوائد میں بوصیری نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ دیکھئے

سیر أعلام النبلاء: ۳/۲۵۵.

⑤ المسند (۲۸۸/۵)، تاریخ دمشق (۲۶/۱۴)

نہ کرتا۔^①

۹۔ اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی ایک ران پر بٹھاتے اور

حضرت حسنؓ کو دوسری ران پر اور کہتے: اے اللہ! میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں تو بھی ان پر رحم فرما۔^②

۱۰۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہتے ہیں ”اقرع بن حابس نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ کو

حضرت حسن یا حضرت حسین کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا اور کہا: آپ ان کو بوسہ دیتے ہیں، میرے دس لڑکے

ہیں میں ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا

جاتا۔^③

۱۱۔ معاویہ بن ابوسفیانؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن کی زبان یا ہونٹ

چومتے تھے، اور ایسی زبان یا ہونٹ جسے رسول اللہ ﷺ نے چوما ہو عذاب میں مبتلا نہیں کی جائے گی۔^④

اور حضرت معاویہؓ کا اس حدیث کو روایت کرنا حضرت حسنؓ سے محبت کی دلیل ہے۔

۱۲۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ مدینہ کے کسی راستے میں ان کی ملاقات حضرت حسن بن علیؓ سے ہوئی

تو ان سے کہا: آپ پر میرے باپ قربان ہوں، آپ میرے لیے اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا دیں تاکہ میں

اس جگہ کو بوسہ دے سکوں جہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ

انھوں کپڑا اٹھایا تو انھوں نے ان کی ناف کو بوسہ دیا۔^⑤

۱۳۔ عکرمہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ حضرت حسن بن علیؓ کو

اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے، ایک آدمی نے کہا: اے بچے کیا ہی اچھی سواری ہے تو نبی کریم ﷺ

نے فرمایا: کیا ہی اچھا ہے سوار ہونے والا۔^⑥

۱۴۔ ابوالزبیر جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، آپ اپنے ہاتھوں

اور پاؤں کے بل زمین پر کھڑے تھے، حضرت حسن و حسینؓ آپ کی پیٹھ پر سوار تھے، آپ ان کو لیے

ہوئے گھر میں گھنٹوں کے بل چل رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

① المستدرک (۳/ ۱۷۳، ۱۷۴) سیر أعلام النبلاء (۳/ ۲۵۳، ۲۵۴) اس کی سند صحیح ہے۔

② الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان (۱۵/ ۴۱۵)، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی (ص ۲۱۶)

③ صحیح مسلم (رقم ۲۳۱۸)

④ مسند احمد (۴/ ۹۳) اس کی سند صحیح ہے، سیر أعلام النبلاء (۳/ ۲۵۹)

⑤ المستدرک (۳/ ۱۶۳) حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

⑥ الشریعة للأجری (۵/ ۲۱۶۰) اس کی سند ضعیف ہے۔

((نَعَمَ الْجَمَلُ جَمَلُكُمْ وَنَعَمَ الْعِزْلَانِ أَنْتُمَا)) ❶

”تمہارا اونٹ کیا ہی اچھا ہے، اور تم دونوں کیا ہی اچھے سوار ہو۔“

۱۵۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے، جب آپ حالت سجدہ میں

ہوتے تو حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کی پیٹھ پر چڑھ جاتے، جب آپ سر اٹھاتے، انھیں زمین پر اتار دیتے، جب آپ پھر سجدہ کرتے تو وہ دونوں پھر چڑھ جاتے، یہاں تک کہ آپ اپنی نماز پوری کر لیتے۔ ❷

۱۶۔ ابن بربہ اپنے والد بربہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے،

حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیص پہنے آ رہے تھے اور لڑکھڑا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے، دونوں کو اٹھالیا اور فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (التغابن: ۱۵)

”بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش کی چیز ہیں۔“

میں نے ان دونوں بچوں کو آتے اور لڑکھڑاتے دیکھا تو صبر نہ کر سکا، اپنی گفتگو کو روک دیا، ان دونوں کو اٹھالیا۔ ❸

۱۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں دن کے ایک حصے میں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس نکلا،

ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ بازار بنو قیقاع پہنچ کر لوٹ پڑے، حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے، پوچھا: کیا یہاں نہا بچہ ہے؟ کیا یہاں نہا بچہ ہے؟ آپ کی مراد حضرت حسن رضی اللہ عنہ

سے تھی، ہمارا خیال ہے کہ ان کی والدہ نے انھیں نہلانے اور خوشبوؤں کا ہار پہنانے کے لیے روک رکھا تھا،

تھوڑی ہی دیر میں وہ دوڑتے ہوئے آئے، اور دونوں ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔ ❹

۱۹۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: اللہ کے نبی ﷺ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کے سرخ

نخچر پر تھے، میں ان کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ میں نے انھیں نبی کریم ﷺ کے کمرے میں پہنچا

دیا، یہ آپ کے آگے اور یہ آپ کے پیچھے تھے۔ ❺

اس سرچشمہ ہدایت سے بچوں کے والد بچوں کے ساتھ محبت، ان پر لطف و کرم اور شفقت کو سیکھیں، ان

❶ الشریعة للأجری (۲۱۶/۵) اس کی سند ضعیف ہے، اس میں مسروح راوی ہے۔ المعجرو حین (۱۹/۳)۔ المیزان

(۹۷/۴)

❷ الشریعة للأجری (۲۱۶/۵)۔ اس کی سند ضعیف ہے، اس میں محمد بن عیسیٰ بن حیان المدائنی راوی ہے۔

❸ الشریعة للأجری (۲۱۶/۵)

❹ صحیح مسلم (۱۸۸۲/۴، ۱۸۸۳)

❺ صحیح مسلم (رقم ۲۴۲۳)

حدیثوں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی محبت، رحم و کرم اور لاڈ پیار کا تذکرہ ہے، ان میں مسلمانوں کے لیے نبوی رہنمائی ہے کہ کس طرح وہ بچوں کو تربیت دیں اور پروان چڑھائیں، ان میں اس اہم سوال کا جواب ہے کہ ہم بچوں کے جذبات کی تشکیل کس طرح کریں؟ ہم ان کے حقوق کس طرح ادا کریں کہ وہ مستقبل کے اچھے آدمی بن سکیں؟ ان احادیث نبویہ میں بہت ساری ایسی بنیادی باتوں کی جانب اشارہ ہے کہ جن کو اپنا کر ہم راہ راست اور روشن شاہرہ پر چل سکتے ہیں۔

۱:..... مہربانی پر مشتمل پہلی بنیاد: بچوں کو بوسہ دینا، ان کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آنا: بچوں کے جذبات و احسانات کو بیدار کرنے اور ان کی ناراضی اور غصے کو ختم کرنے میں بوسے کا اہم کردار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بوسہ بڑوں اور بچوں کے مابین محبت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے میں اپنے گہرے ربط کا احساس دلاتا ہے۔ بوسہ چھوٹے بچے کے ساتھ دلی لگاؤ اور چھوٹوں پر بڑوں کی شفقت کی دلیل ہوتا ہے، وہ ایسی چمکدار روشنی ہے جو بچے کے دل کو منور کرتی ہے، اس کے نفس کو تازگی دیتی ہے اس کے ارد گرد موجود لوگوں سے اس کی انسیت میں اضافہ کر دیتی ہے، پھر بوسہ ہر حال میں بچوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا طریقہ رہا ہے۔ ❶

بچوں کے ساتھ رحمت اور ان پر شفقت نبوی صفات میں سے، کا راستہ نیز رضائے الہی کے حصول کا سبب ہے۔

ب:..... دوسری بنیاد: بچوں کے ساتھ لاڈ پیار کرنا، ان کے ساتھ ہنسنا کھیلنا: مذکورہ باتوں سے متعلق ہم نے چند حدیثوں کو ذکر کیا ہے، ان میں بچوں کے ساتھ لاڈ پیار سے متعلق نبوی طریقہ کے حق آموز پہلو موجود ہیں، کبھی انھیں اٹھا کر، کبھی انھیں ہنسا کر وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کی، چنانچہ اپنے بچوں سے لاڈ پیار کیا، انھیں ہنسایا، انھی کی طرح بچہ بن کر ان کے ساتھ کھیلے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يَكُونَ فِي أَهْلِهِ كَالصَّبِيِّ))

”آدمی کو اپنے اہل و عیال میں بچے کی طرح رہنا چاہیے۔“

یعنی اپنے بچوں کے ساتھ لاڈ پیار کرتے، ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے، ہشاش بشاش اور مانوس رکھنے میں، رسول اللہ ﷺ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو کھیلاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ اسی لاڈ پیار اور کھیل کود سے پیش آتے، ان میں یہ جذبہ صادق پیدا کرتے، ان پر ظلم و زیادتی، سختی اور ان کو حقوق سے محروم کرنے سے بہت دور رہتے۔ ❷

❶ منہج التربية الإسلامية للطفل (ص ۱۷۹)

❷ منہج التربية النبوية (ص ۱۸۴)

ج:..... تیسری بنیاد: ہدیے اور تحفے:

عام طور پر لوگوں میں ہدیہ کی اچھی تاثیر ہوتی ہے، بچوں میں یہ چیز زیادہ ہی موثر ہوتی ہے۔ بچوں کے جذبات کو پروان چڑھانے، انھیں صحیح سمت دینے، ان کو مہذب بنانے میں رسول اللہ ﷺ نے اس اہم چیز کی تاثیر کو واضح کیا ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو ہدیہ دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نجاشی نے نبی کریم ﷺ کو کچھ زیور ہدیہ میں بھیجا، اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی، اس کا نگینہ ملک حبش کا تھا، آپ نے قبول کر لیا، لیکن آپ کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، چنانچہ اسے اپنی صاحبزادی زینب کی بچی کو دے دیا اور کہا: اے لاڈلی بچی تو اسے پہن لے۔^①

د:..... چوتھی بنیاد: بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنا:

رسول اللہ ﷺ بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیر کر ان کے جذبات کو اجاگر کرتے، چنانچہ انھیں رحمت و شفقت، محبت و مودت کا احساس ہوتا، یہ ایسی چیز ہے جس سے بچوں کو اپنے وجود، بڑوں کی محبت اور اپنے ساتھ ان کے اہتمام کا احساس ہوتا ہے۔ مصعب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں عبد اللہ بن ثعلبہ ہجرت کے چار سال پہلے پیدا ہوئے، فتح مکہ کے سال انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا، آپ نے ان کے چہرے پر ہاتھ پھیرا، انھیں برکت کی دعائیں دیں، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت وہ چودہ سال کے تھے۔^②

ه:..... پانچویں بنیاد: بچوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ ملنا:

بچوں سے ملاقات ضروری ہے، ملاقات میں سب سے اہم ابتدائی لمحات ہوتے ہیں، اگر ملاقات اچھے ماحول میں ہو تو بچے اپنی بات جاری رکھ سکتے ہیں، تشکلم کے ساتھ گفتگو، سوال و جواب کا دروازہ کھل سکتا ہے، بچے دل کباب کر اپنی باتیں کہہ سکتے ہیں، اپنی پریشانیوں کو بیان کر سکتے ہیں، اپنی تمناؤں کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یہ سب اسی وقت ہے جب بچوں سے خوشی، محبت اور لاڈ پیار کے ماحول میں ملا جائے۔^③

عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر سے آتے تو اپنے خاندان کے بچوں سے ملاقات کرتے، ایک سفر سے آپ واپس آئے تو مجھے آپ کے پاس لے جایا گیا، آپ نے مجھے اپنے سامنے سوار کر لیا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دو بچوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ایک کو لایا گیا تو آپ نے

① سنن ابن ماجہ (رقم ۳۶۴۴)۔ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۴۳)

② المستدرک للحاکم (۳/ ۳۷۹)

③ منہج التربية النبوية للطفيل (ص ۱۸۵)

انھیں اپنے پیچھے سوار کر لیا، تو ہم تینوں مدینہ میں ایک سواری پر داخل ہوئے۔^①
و:..... چھٹی بنیاد: بچوں کی خبر گیری اور ان کے احوال کی پرش:

اکثر و بیشتر بچے اکیلے چلتے ہوئے راستہ بھول کر بھٹکتے رہتے ہیں، والدین اگر بچوں کا خاص خیال رکھتے ہوں تو وہ جلد ہی بچوں کے گم ہونے سے باخبر ہو جاتے ہیں، جلد ہی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور پتہ لگا لیتے ہیں اور اس کے برعکس صورت حال میں نتیجہ بھی برعکس ہوتا ہے، تلاش کرنے میں جلدی کا بچوں کی نفسیات پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے، اس سلسلے میں تاخیر اس کے ڈر، تکلیف اور رونے میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے، جیسے جیسے والدین میں سے کسی ایک کے پیچھے میں تاخیر زیادہ ہوتی ہے اس کی نفسیاتی تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ جلدی کرتے اور اپنے صحابہ کو تعاون کرنے اور گلیوں میں منتشر ہو جانے کا حکم دیتے، تاکہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا پتہ چلایا جاسکے۔^②

امام طبرانی نے سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، ام ایمن رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! حسن و حسین گم ہو گئے ہیں۔ راوی حدیث کہتے ہیں یہ صبح کا وقت تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چلو میرے لاڈلوں کو تلاش کرو، ہر شخص کسی نہ کسی جانب نکل پڑا، میں رسول اللہ ﷺ کی جانب نکل پڑا، تھوڑی ہی دیر میں ایک پہاڑ کے دامن میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے پائے گئے۔ ایک زہریلا سانپ اپنی ڈم پر کھڑا تھا، اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے، رسول اللہ ﷺ اس کی جانب لپکے، وہ رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے پلٹا اور بھاگ کر کسی بل میں گھس گیا، پھر آپ ان دونوں کے پاس آئے، انھیں ایک دوسرے سے الگ کیا، ان کے چہروں پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

((يَا بَنِيَّ وَ أُمَّيْ أَنْتُمَا مَا أَكْرَمَا عَلَى اللَّهِ))

”تم دونوں پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تم دونوں اللہ کے نزدیک کیا ہی معزز ہو۔“

پھر آپ نے ان میں ایک کو داہنے کندھے پر اور دوسرے کو بائیں کندھے پر اٹھالیا، میں نے کہا: تم دونوں کو مبارک ہو، تمھاری سواری کیا ہی خوب سواری ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور وہ دونوں کیا ہی اچھے سوار ہونے والے ہیں، اور ان کے والد ان سے بھی اچھے ہیں۔^③

① صحیح مسلم (رقم ۲۳۲۸) سیر اعلام النبلاء (۴۵۸/۳)

② منہج التربية النبویة للطفل (ص ۱۸۶)

③ معجم الطبرانی (۳/۶۵، رقم ۲۶۷۷)، المجموع (۹/۱۸۲) اس حدیث کی سند میں احمد بن راشد ہلالی ضعیف ہے۔ اسے ذہبی نے المغنی (۱/۳۹) میں ضعیف کہا ہے۔

آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے خوف کو دیکھا کہ سانپ سے ڈر کر ایک دوسرے سے چٹ گئے تھے، نیز اس خوف کو دور کرنے اور ایک کو دوسرے سے الگ کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی جلد بازی بھی دیکھی، پھر آپ نے ان کے چروں پر ہاتھ پھیرا، ان کے لیے دعائیں کیں، اپنے کندھوں پر اٹھا کر انھیں اعزاز بخشا، پھر ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

((وَنِعْمَ الرَّائِيَانِ هُمَا))

”اور وہ دونوں کیا ہی اچھے سوار ہونے والے ہیں۔“

یہ سب حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے متعلق آپ ﷺ کی محبت، دیکھ رکھ اور اہتمام کی شدت کے باعث ہوا۔^①
ز:..... ساتویں بنیاد: چھوٹوں اور بچوں کے ساتھ بڑوں کا کھیلنا:

جیسا کہ گزرا رسول اللہ ﷺ قائد و امیر ہوتے ہوئے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کھیلتے تھے تاکہ والدین اور بڑوں کو تربیت کا ڈھنگ بتائیں اور وہ لوگ آپ ﷺ کی اقتداء کرتے ہوئے اپنے بچوں کے ساتھ کھیلیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف حسن رضی اللہ عنہ کی ہمت افزائی کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس حسن و حسین رضی اللہ عنہما ایک دوسرے سے بھڑ گئے، آپ کہنے لگے: شاباش حسن! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ بڑے کی مدد کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام کہہ رہے ہیں: اے حسین! دھر پکڑو۔^②

جعفر بن محمد اپنے والد سے ایک ضعیف حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کے والد فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جنازوں کی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، حسن و حسین رضی اللہ عنہما آئے اور لڑ پڑے، نبی ﷺ نے کہا: شاباش حسن! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول کیا آپ حسین کے خلاف ابھار رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام کہہ رہے ہیں: شاباش حسین۔^③

حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ ﷺ کے مختلف قسم کے کھیلوں کو آپ نے دیکھا، آپ نے ایسا اس لیے کیا تاکہ بچوں کے ساتھ مختلف کھیلوں کے تصور کی جانب آپ کی رہنمائی کریں، اسی طرح کھیل سے متعلق آپ نے ان دونوں کی تعریف کی تاکہ کھیل میں ان کی نفسیاتی معنویات میں اضافہ کریں تاکہ وہ بلا تھکن و مشقت پوری

① منہج التربية النبوية للطفل (ص ۱۸۷)

② سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۶۶) اس کی سند حسن ہے۔

③ سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۸۴) اس کی سند میں انقطاع ہے، اور یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

رغبت و چاہت سے کھیلتے رہیں اور یہ ان کے لیے بیک وقت جسمانی و نفسیاتی غذا کا کام دے۔^① اسی طرح بچوں کے کھیل میں بہت سارے جسمانی، تربیتی، معاشرتی، اخلاقی، ذاتی اور طبی فوائد ہیں۔^②

۲۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ سے مشابہت:

- ۱۔ ابو خالد سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: ہاں، آپ سے سب سے زیادہ مشابہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ تھے۔^③
- ۲۔ عقبہ بن حارث سے مروی ہے کہتے ہیں: میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، آپ کا گزر حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، آپ نے انھیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا پھر فرمایا: میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ کے بجائے نبی کریم ﷺ کے مشابہ پر قربان ہوں، کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، چنانچہ وہ ہنسنے لگے۔^④

عقبہ بن حارث کی دوسری روایت میں ہے کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی وفات کے چند دنوں بعد نماز عصر پڑھ کر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا، علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ چل رہے تھے، آپ کا گزر حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، وہ چند بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، چنانچہ آپ نے انھیں اپنے کندھے پر اٹھاتے ہوئے فرمایا: میرے والد علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ کے بجائے نبی کریم ﷺ کے مشابہ پر قربان ہوں، اس پر علی رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے۔^⑤

بعض لوگوں کے جھوٹے دعوے کے برخلاف یہ حدیث ابو بکر صدیق اور علی رضی اللہ عنہ کے مابین محبت اور اچھے تعلقات کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

- ۳۔ ہانی بن ہانی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: سینے سے لے کر سر تک حسن رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشابہ تھے، اور حسین رضی اللہ عنہ اس سے نیچے کے حصے میں نبی کریم ﷺ سے زیادہ مشابہ تھے۔^⑥
- ۴۔ عاصم بن کلیب سے مروی ہے کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں مجھ

① منہج التربية النبوية للطفل (ص ۲۰۹-۲۱۶)

② منہج التربية النبوية للطفل (ص ۲۱۶)

③ الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/ ۲۴۵) صحيح بخاری (رقم ۳۵۴۴)

④ صحيح بخاری (رقم ۳۷۵۰)

⑤ الطبقات الكبرى (۱/ ۲۴۷) اس کی سند صحیح ہے۔

⑥ الطبقات الكبرى (۱/ ۲۴۷) اس کی سند ضعیف ہے۔

کو دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری شکل نہیں اختیار کر سکتا، میرے والد کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا کہ میں نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، فرمایا: کیا واقعی تم نے دیکھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم میں نے دیکھا ہے، فرمایا: تو تمہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی یاد آئی؟ میں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم مجھے ان کی اور دائیں بائیں جھک کر ان کے چلنے کی یاد آئی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: وہ آپ ﷺ کے مشابہ تھے۔ ①

۵۔ زیر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ بھی سے مروی ہے کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے آپ کے خاندان میں سے کون لوگ مشابہ تھے، ان کا اہم تذکرہ کر رہے تھے، ہمارے پاس عبداللہ بن زیر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: میں تمہیں آپ کے خاندان میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ اور آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کی خبر دے رہا ہوں، وہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ آپ سجدے میں ہوتے اور وہ آکر آپ کی گردن یا پیٹھ پر سوار ہو جاتے، آپ انہیں اتارتے نہیں تا آنکہ وہ خود اتر جاتے، اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ رکوع میں ہوتے وہ آتے تو آپ اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کشادگی کر دیتے تاکہ وہ دوسری طرف نکل جائیں۔ ②

۶۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ ③ انہی سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا چہرہ نبی کریم ﷺ کے چہرے سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ ④

۷۔ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ وہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے مرض الموت کے موقع پر آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ دونوں آپ کے بچے ہیں، انہیں کچھ درٹے میں عطا کر دیں، آپ نے فرمایا: حسن کے لیے میرا رعب و دبہ ہے اور سرداری ہے، اور حسین کے لیے میری جرأت و سخاوت ہے۔ ⑤

۸۔ ابوملیکہ سے روایت ہے کہتے ہیں: فاطمہ رضی اللہ عنہا حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا لیتیں اور کہتی تھیں: میرا لاڈلا بچہ علی رضی اللہ عنہ کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہے۔ ⑥

① الطبقات الکبریٰ (۱/۲۴۸) اس کی سند حسن ہے۔

② الطبقات الکبریٰ (۱/۲۴۹) اس کی سند ضعیف ہے۔

③ الصحيح المسند من فضائل الصحابة للعدوی (ص ۲۶۳)

④ ذخائر ذوی القربی (ص ۲۲۱)

⑤ الاحادیث الواردة بشأن السبطین (ص ۲۸۷) یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔

⑥ مجمع الزوائد (۹/۱۷۶) یہ حدیث مرسل ہے اور اس میں زعمہ بن صالح لیں الحدیث ہے۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھنے والے جعفر بن ابوطالب، حسن بن علی، ابوسفیان بن حارث، قثم بن عباس، اور سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب رضی اللہ عنہم تھے۔ ❶

۱۰۔ ابواسحاق سے مروی ہے کہ انھوں نے ہیرہ بن مریم سے سنا کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے: جو گردن سے لے کر چہرے اور بال تک میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشابہ شخص کو دیکھنا پسند کرتا ہو وہ حسن بن علی کو دیکھے، اور جو گردن سے لے کر گھٹنے تک میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشابہ شخص کو دیکھنا پسند کرتا ہو وہ حسین بن علی کو دیکھے۔ ❷

۳۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار:

۱۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میری والدہ نے مجھ سے پوچھا کتنے دن پہلے تمھاری نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے؟ میں نے انھیں جواب دیا: اتنے اور اتنے دن پہلے، کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھے سخت ست اور برا بھلا کہا۔ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: بس رہنے دیں، میں نبی کریم ﷺ کے پاس جا رہا ہوں، آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھوں گا، پھر آپ کے ساتھ ہی رہوں گا، یہاں تک کہ آپ میرے اور آپ کے لیے مغفرت کی دعا کر دیں، کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ کے ساتھ مغرب پڑھی، عشاء پڑھ کر آپ نکلے، میں آپ کے پیچھے ہولیا، اسی اثنا میں آپ کے پاس ایک شخص آیا، آپ نے اس سے راز دارانہ گفتگو کی، پھر وہ چلا گیا، میں آپ کے پیچھے چلتا رہا، آپ نے میری آواز سنی، پوچھا: کون ہو؟ میں نے کہا: حذیفہ، فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ میں نے معاملہ بیان کر دیا تو آپ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

((عَفَرَ اللَّهُ لَكَ وَلَا مَلَكَ .))

”اللہ تعالیٰ تمھاری اور تمھاری ماں کی مغفرت فرمائے۔“

پھر فرمایا: تھوڑی دیر پہلے آنے والے کو تم نے دیکھا؟ کہتے ہیں، میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: وہ ایسا فرشتہ ہے جو اس سے پہلے روئے زمین پر نہیں آیا ہے، اس نے مجھ سے سلام کرنے کی اپنے رب سے اجازت مانگی ہے، وہ مجھے اس بات کی خوشخبری دے رہا تھا کہ حسن و حسین جنتی جوانوں کے اور فاطمہ جنتی عورتوں کے سردار ہیں۔ ❸

❶ التبيين في انساب القرشيين (ص ۱۰۲)

❷ الشريعة للأجری (۲۱۴۶/۵)

❸ مسند احمد (۳۹۱/۵)

۲۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔“ ①

۳۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں، سوائے دو خالہ زاد بھائیوں عیسیٰ و یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے۔“ ②

عثمان غنیؓ نے اس حدیث کے طرق کا درسہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث سولہ صحابیوں سے مروی ہے۔ ③ مزید بتایا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں احمد بن حنبل سے پوچھا گیا تو آپ نے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ ④ ابن کثیر نے اس کو ”البدایہ والنہایہ“ میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: اس کی تمام سندوں میں ضعف ہے۔ ⑤

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے، ان میں سے بعض بعض کو تقویت پہنچاتے ہیں۔“ ⑥ اس کے بعد عثمان غنیؓ کہتے ہیں: ائمہ کے ان اقوال کے مابین تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ابن کثیر کے قول کے مطابق اس کی سندوں میں ضعف ہے، اور حافظ ذہبی کے قول کے مطابق بعض سندیں حسن اور بعض حسن لغیرہ ہیں، اس طرح بعض بعض کو تقویت پہنچاتی ہیں، نتیجتاً امام احمد کے قول کے مطابق صحیح لغیرہ ہے۔ ⑦ واللہ اعلم ⑧ وہ دونوں دنیا کے میرے لیے دو خوشبودار پھول ہیں:

ابو نعیم سے مروی ہے کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے محرم کے بارے میں پوچھا گیا، شعبہ کہتے ہیں غالباً سوال مکھی کے قتل کے بارے میں تھا تو میں نے انھیں کہتے سنا: اہل عراق مکھی کے بارے میں پوچھتے ہیں، جب کہ انھوں نے نواسہ رسول ﷺ کو قتل کر دیا ہے، اور فرمان نبوی ہے:

((هُمَا رِيحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا)) ⑨

”وہ دونوں میرے دنیا کے دو خوشبودار پھول ہیں۔“

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بحالت نماز رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر چڑھتے دیکھا ہے، آپ ہاتھوں سے ان کو تھامے رہتے، جب زمین پر پہنچتے چھوڑ دیتے، نماز سے فارغ ہو کر انھیں

① الاحادیث الواردة بشأن السبطين (ص ۱۸۲) یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

② الشریعة للأجری (۵/ ۲۱۴۴) اس کی سند حسن ہے۔

③ الاحادیث الواردة بشأن السبطين (ص ۲۱۱)

④ السؤال ، رقم (۱۲۴) المنتخب من العلل للخلال ، لابن المقدسی

⑤ البدایہ والنہایہ (۸/ ۲۰۸) ⑥ سیر أعلام النبلاء (۳/ ۲۸۳)

⑦ الاحادیث الواردة بشأن السبطين (ص: ۲۱۲)

⑧ صحيح البخاری (رقم ۳۷۵۳)

اپنی گود میں بٹھاتے، ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، پھر کہتے:

((إِنَّ إِنْسِي هَذَيْنِ رِيحَانَتَا مِنَ الدُّنْيَا.))

”بلاشبہ میرے یہ دونوں بچے میرے دنیا کے دو خوشبودار پھول ہیں۔“

پھر لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر کہتے: میرا یہ بچہ سردار ہے، مجھے امید ہے کہ آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔^①

محمد بن حسین آجری کہتے ہیں: اس سے آپ کی مراد حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔^②

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے، جب سجدے کرتے تو حسن رضی اللہ عنہ آکر آپ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے، جب آپ سجدے سے سر اٹھاتے، انھیں زمین پر آسانی سے اتار دیتے، جب دوبارہ سجدے کرتے تو پھر پیٹھ پر سوار ہو جاتے، جب آپ نماز سے فارغ ہوتے، انھیں اپنی گود میں بیٹھاتے، اور انھیں بوسہ دیتے، ایک شخص نے آپ سے کہا: آپ اس بچے کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

((إِنَّهُمَا رِيحَانَتَايَ وَعَسَى اللَّهُ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.))^③

”وہ دونوں میرے دو خوشبودار پھول ہیں، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

۵۔ دنیا و آخرت میں ان کی سرداری:

رسول اللہ ﷺ نے بارہا بھرے مجمع میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے مقام و مرتبہ اور جلالت شان کا اعلان کیا ہے، حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا یہ قول متواتر روایتوں سے ثابت ہے:

((إِنَّ إِنْسِي هَذَا سَيِّدٌ.))

”بلاشبہ میرا یہ بچہ سردار ہے۔“

ابن عبد البر کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیثیں بہ تواتر ثابت ہیں کہ آپ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا ہے:

((إِنَّ إِنْسِي هَذَا سَيِّدٌ وَعَسَى اللَّهُ أَنْ يُبْقِيَهُ حَتَّى يُصْلِحَ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.))^④

② الشريعة للأجری (ص ۲۱۵۷)

① صحیح ابن حبان (رقم ۶۹۶۴)

③ الشريعة للأجری (ص ۲۱۵۷) اس کی سند حسن ہے۔

④ مسند احمد (۵/۵۱) اور صحیح بخاری میں اسی جیسی روایت ہے (۲۳۴۳)

”میرا یہ بچہ سردار ہے، اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھے گا تا آنکہ وہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

اس حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، اس سلسلے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((وَأَنَّهُ رَیْحَانَتِي مِنَ الدُّنْيَا وَلَا أَسْوَدُ مِمَّنْ سَمَاءُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَيِّدًا.)) ❶

”اور یہ کہ وہ میرے دنیا کے خوشبودار پھول ہیں اور جنھیں رسول اللہ ﷺ نے سردار کہا ہو اس سے بڑا کوئی سردار نہیں۔“

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا ہے، حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تھے، کبھی آپ ان کو دیکھتے کبھی لوگوں کو دیکھتے اور کہتے:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.)) ❷

”بلاشبہ میرا یہ بچہ سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

اس حدیث میں حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے، نبی کریم ﷺ نے بتلایا کہ وہ سردار ہیں، ابن الاثیر کہتے ہیں: ایک قول کے مطابق سید سے مراد بردبار ہے، اس لیے کہ آپ نے حدیث کے آخر میں فرمایا:

((وَأَنَّ اللَّهَ يُصْلِحُ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.)) ❸

”اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“
تحفة الاحوذی شرح جامع ترمذی میں ہے:

”سرداری سب سے افضل شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ سردار قوم کا سربراہ ہوتا ہے، اس کی جمع ”سَادَة“ ہے، ”السُّودَد“ مادے سے مشتق ہے، ایک قول کے مطابق ”سَوَاد“ سے مشتق ہے، اس لیے کہ وہ سواد عظیم یعنی زیادہ لوگوں کی سربراہی کرتا ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا، ”فِئَتَيْنِ“ کی تثنیہ ہے، جو جماعت و گروہ

❶ الاستيعاب (۱/۴۳۷)

❷ صحيح البخاری ، فضائل الصحابة (رقم ۳۷۴۶)

❸ النهاية في غريب الحديث (۳/۱۷۴)

کے معنی میں ہے۔“ ❶

اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ”فَتَّيْنِ“ کی صفت ”عَظِيمَتَيْنِ“ ذکر کی ہے، اس لیے کہ اس وقت مسلمانوں کی دو جماعتیں تھیں، ایک جماعت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، اور دوسری معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ، یہ ایک عظیم نبوی معجزہ تھا اس لیے کہ ویسے ہی ہوا جیسا کہ آپ نے بتلایا تھا۔

معاملہ اصل میں یہ ہے کہ جمعہ و سنچر کی درمیانی شب میں عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا، آپ ۱۹ رمضان ۴۰ھ کو وفات پا گئے اور اسی سال رمضان میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت لی گئی، آپ اس سلسلے میں سوچتے رہے اور دیکھا کہ لوگ دو گروہوں میں بٹے ہیں ایک گروہ ان کے ساتھ ہے، دوسرا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ، اور معاملہ سدھر نہیں رہا ہے، اور آپ کی نظر میں مسلمانوں کی اصلاح اور ان کے خون کی حفاظت اپنے حق سے افضل قرار پائی، بنا بریں آپ نے ۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی، ایک دوسرے قول کے مطابق ربیع الثانی میں اور تیسرے قول کے مطابق جمادی الاولیٰ کے شروع میں، آپ کی خلافت چند دن کم چھ مہینہ رہی، اس سال کا نام ”عام الجملۃ“ یعنی اجتماع و اتحاد کا سال ہے، اسی سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے خبر دی تھی۔

((لَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ يُصْلِحَ بَيْنَ فَتَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ .)) ❷

”امید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

اس حدیث میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی فضیلت ہے، اس لیے کہ آپ نے خلافت حامیوں کی قلت، یا ذلت و رسوائی، یا کسی اور سبب کی بنا پر نہیں چھوڑی بلکہ اخروی اجر، مسلمانوں کے خون کی حفاظت، اور امت کی مصلحت کے پیش نظر چھوڑی تھی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے، سلام کیا، ہم نے جواب دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہیں پہچانے، وہ چلے گئے، تو ہم نے کہا: اے ابو ہریرہ یہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) ہیں جنہوں نے ہم کو سلام کیا ہے، چنانچہ وہ اٹھے، دوڑ کر ان کے پاس پہنچے اور کہا: ”یا سیدی“ اے میرے سردار، میں نے ان سے پوچھا: آپ ”یا سیدی“ کہہ رہے ہیں؟ تو کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: ”إِنَّهُ لَسِيدٌ“ ❸ بلاشبہ وہ سردار ہے۔

❶ تحفة الاحوذی (۱/۲۷۷)

❷ فتح الباری (۱۳/۶۶)

❸ مستدرک الحاکم (۳/۱۶۹) اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ الطبرانی (رقم: ۲۵۹۶)

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: جو جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھنا پسند کرتا ہو وہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھے۔ ❶

جنت میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی سرداری والی حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے، ایسا اس لیے ہوا کہ آپ نے اس بات کا اعلان بارہا اور بہت ساری مجلسوں میں کیا ہے، چنانچہ یہ حدیث عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود، جابر بن عبد اللہ، عمر بن خطاب، علی بن ابوطالب، اسامہ بن زید، قرۃ بن ایاس، مالک بن حویرث، براء بن عازب اور ابو ہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ❷

۶۔ میں ہر شیطان، زہریلے جانور اور نظر بد سے اللہ کے کامل کلموں کی پناہ چاہتا ہوں:

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہ کی دعا کرتے تھے اور کہتے تھے: تمہارے باپ یعنی ابراہیم علیہ السلام ان کلمات کے ذریعے سے اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کے لیے پناہ کی دعا کرتے تھے:

((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَةٍ.)) ❸

”میں ہر شیطان، زہریلے جانور اور نظر بد سے اللہ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں۔“

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہ کی دعا کرتے اور کہتے تھے:

((أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ لَامَةٍ.))

”میں تم دونوں کے لیے ہر شیطان، زہریلے جانور اور نظر بد سے اللہ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں۔“

اور کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام اسی طرح اسحاق و اسماعیل علیہما السلام کے لیے پناہ کی دعا کرتے تھے۔ ❹

طب نبوی میں یہ بچوں کا منفرد علاج ہے، رسول اللہ ﷺ کے نزدیک یہ علاج بچوں کے حفظانِ صحت کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے، اور ایسا آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا۔ ❺

❶ صحیح ابن حبان (۱۵/۴۲۱، ۴۲۲)

❷ یہ روایتیں مجمع الزوائد (۹/۱۸۳) اور المعجم الكبير (۳/۲۴) میں ہیں۔

❸ صحیح البخاری (رقم ۳۳۷۱)

❹ سنن الترمذی (رقم ۲۰۶۰) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

❺ منهج التربية النبوية للطفل (ص ۲۴۸)

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بچوں کے لیے والدین کی دعاؤں کی اہمیت اور دوسرے اہم فوائد کا تذکرہ کیا ہے، جیسے ایک طرف بچوں اور والدین کے لیے آرام و اطمینان اور حفاظت و برکت مہیا کرنا ہے، تو دوسری طرف بحکم الہی بچوں سے حسد، شیطان اور زمین کے زہریلے جانوروں کی برائیوں کو دور کرنا ہے، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ نبوی فرمان کے مطابق دعائیں عبادت کا لب لباب ہوتی ہیں، نیز اس حدیث میں اس احساس کا تذکرہ ہے کہ بندہ حقیقت میں صرف اللہ کا محتاج ہے، اور اسی کی پناہ طلب کرتا ہے، اور یہ اسلام کا ایک اہم ترین مقصد ہے۔

۷۔ رسول اللہ ﷺ سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیثیں:

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رضائے الہی تک پہنچانے والے علم کی اصل بنیادیں قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات پر مشتمل آپ کی حدیثیں ہیں اور یہ حدیثیں سلاً بعد نسل نقل و روایت ہی سے جانی جاتی ہیں، اہل علم اسماء الرجال کے ضبط اور معرفت کی جانب متوجہ ہوئے، ان کی سوانح اور حالات زندگی کو قلم بند کیا، تاکہ وہ دواہم بنیادی چیزوں کا پتہ چلا سکیں، اور انھی کی روشنی میں ہر راوی کا مقام و مرتبہ متعین کر سکیں:

۱۔ عادل ہونا: اس سے مراد سیرت اور حالات زندگی کی اچھائی اور سدھار، فرائض کی ادائیگی، حرام کردہ چیزوں سے دوری، مروت سے مکمل طور پر آراستہ و پیراستہ ہونا ہے۔

۲۔ مروی حدیث کا ضبط و اتقان: اس سے مراد حدیث کو یاد کر کے، یا لکھ کر، یا دونوں طریقوں سے مکمل طور پر پورا پورا محفوظ کر لینا ہے۔

یہ مذکورہ حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر حدیث نبوی کے تمام نقل کرنے اور روایت کرنے والوں کو شامل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استثناء کا سبب یہ ہے کہ وہ پہلے حاملین علوم نبوت تھے، اور نبی کریم ﷺ کے خاص تربیت یافتہ تھے۔

ائمہ اہل بیت نے رسول اللہ ﷺ سے جو حدیثیں روایت کی ہیں، محدثین نے ان حدیثوں کے ان سے اخذ کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے، اس لیے کہ ان میں عدالت اور قوت حفظ موجود تھی۔ علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حسن و حسین رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابہ میں سے تھے، چنانچہ وہ جرح و تعدیل سے ماوراء تھے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثوں کو قتی بن مخلد اندلسی متوفی ۲۷۶ھ نے اپنی ”مسند“ میں ذکر کیا ہے، ان کی تعداد ۵۸۶ ہے۔ ۱ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے انھیں ذکر کیا ہے، مگر طرق کو شامل کر کے

ان کی تعداد ۸۱۹ ہے۔ ❶ ان کی حدیثوں کو اصحاب کتب ستہ امام بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی و ترمذی و ابن ماجہ رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے، ان کی تعداد ۳۲۲ ہے۔ ❷ ان میں سے بیس حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ امام بخاری نو اور امام مسلم پندرہ حدیثوں کو ذکر کرنے میں منفرد ہیں۔ یہ حدیثیں عقائد و احکام اور تفسیر وغیرہ پر مشتمل ہیں، غرض کہ زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق تمام موضوعات و مضامین کو یہ حدیثیں شامل ہیں۔ ❸

خلفائے راشدین میں سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ احادیث رسول کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے، اس کے اسباب میں سے بقیہ خلفاء سے بعد میں آپ کا وفات پانا، آپ سے روایت کرنے والوں کی کثرت، علم کے تلاشی بکثرت سوال کرنے والے تابعین کا منتشر ہونا، ایسے حادثات کا رونما ہونا جو بہت سارے امور میں روایت کے متقاضی تھے وغیرہ وغیرہ ہیں۔ چنانچہ انھیں آپ کی جانب سے جو روایتیں پہنچیں پوری امانت و دیانت سے نقل کیا۔ ❹ اس سے آپ کے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ استفادہ کیا۔

حسن رضی اللہ عنہ کے نانا نبی کریم ﷺ کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ وہ ابھی چھوٹے تھے، چنانچہ صفار صحابہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی طرح بہت سی حدیثوں کو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کر کے ذکر کیا ہے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا، والد اور والدہ سے حدیثوں کو یاد کیا، اور ان سے ان کے صاحبزادے حسن بن حسن رضی اللہ عنہ، سوید بن غفلہ، ابو حوراء سعدی، شعبی، ہبیرہ بن بریم، اصبح بن نباتہ اور مسیب بن نجہ ❺ نے حدیثوں کو بیان کیا، قتی بن مخلد نے اپنی مسند میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ تیرہ حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔ ❻ اور امام احمد نے اپنی مسند میں دس حدیثوں کو ذکر کیا ہے، اور سنن اربعہ میں ان کی روایت کردہ چھ حدیثیں ہیں۔ ❷ ان حدیثوں میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ ابو حوراء حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے وہ دعا سکھائی جس کو میں قنوت و تر میں پڑھتا ہوں:

❶ مسند احمد (۱/۱۶۴)

❷ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف للزمی (۷/۳۴۶)

❸ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۱۴۰)

❹ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۱۴۰)

❺ سير أعلام النبلاء (۳/۲۴۶)۔

❻ تلقیح اہل الاثر فی عیون التاریخ و السیر لابن الجوزی (ص ۳۶۹)

❷ مسند احمد (۳/۱۶۷) تحقیق احمد شاکر، و مسند اہل البیت تحقیق عبداللہ الیسی الانصاری (ص ۲۵)،

الدوحة النبوية (ص ۱۴۳)۔

((اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَّيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ .)) ❶

”اے اللہ! تو مجھے ہدایت دے ان میں داخل کر کے جن کو تو نے ہدایت دی، اور عافیت دے مجھے ان میں شامل کر کے جن کو تو نے عافیت دی، اور میری سرپرستی فرما ان لوگوں میں جن کی تو نے سرپرستی فرمائی اور برکت فرما میرے لیے ان چیزوں میں جو تو نے عطا کیں، اور بچا مجھے ان فیصلوں کے شر سے جو تو نے کیے، اس لیے کہ تو ہی فیصلے کرتا ہے اور تیرے فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا، واقعہ یہ ہے کہ وہ ذلیل نہیں ہو سکتا جس کا تو دوست بن جائے، تو بہت بابرکت ہے اے ہمارے رب! اور نہایت بلند ہے۔“

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح اس بات کے حریص تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ کی محبت، اس کی عبودیت، صرف اسی کو پکارنے اور اسی سے تعلق رکھنے کی تعلیم دیں، حقیقت میں یہی وہ خالص توحید ہے جسے ہر مسلمان کی زندگی میں جلوہ گر ہونا چاہیے، اور اپنے بچوں کو اسی کی تربیت دینی چاہیے۔

۲۔ ہمیرہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ”حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کل تم سے ایسا آدمی جدا ہوا ہے جس کے علمی مقام سے پہلے کے لوگ آگے نہیں تھے اور نہ بعد کے لوگ اس تک پہنچیں گے، رسول اللہ ﷺ انھیں علم جہاد دے کر بھیجتے، جبریل علیہ السلام ان کے داہنے، میکائیل علیہ السلام ان کے بائیں ہوتے، وہ فتح حاصل کر کے لوٹتے تھے۔“ ❷

۳۔ عمرو بن حبشی سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کل تم سے ایسا شخص جدا ہوا ہے جس کے علمی مقام سے پہلے کے لوگ آگے نہ جاسکے، اور نہ بعد کے لوگ اس تک پہنچ سکے، اللہ کے رسول ﷺ انھیں علم جہاد دے کر بھیجتے تھے، تو وہ فتح مند کی کے ساتھ لوٹتے تھے، آپ ﷺ کے عطا کردہ سات سو درہم کے علاوہ..... جن کو اپنے گھر کی خادمہ کے لیے محفوظ رکھا تھا..... کچھ بھی دینا رو درہم اپنے پیچھے نہیں چھوڑا۔ ❸

۴۔ محمد بن علی سے مروی ہے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا،

❶ مسند احمد (۱۶۸/۳) احمد شاکر کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔

❷ مسند احمد (۱۶۷/۳، ۱۶۸) اس کی سند صحیح ہے۔

❸ مسند احمد (۱۶۷/۳، ۱۶۸) اس کی سند صحیح ہے۔

لوگ کھڑے ہو گئے، وہ نہیں کھڑے ہوئے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تم نے کیا کیا؟ رسول اللہ ﷺ تو یہودی کی تکلیف دہ بدبو کے باعث کھڑے ہوئے تھے۔ ❶

۵۔ ابو الحوراء سعدی سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کون سی بات یاد ہے؟ فرمایا: مجھے یاد ہے کہ میں نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اسے لعاب سمیت نکال کر کھجوروں میں پھینک دیا، ایک شخص نے آپ سے کہا: اگر وہ اس کھجور کو کھا لیتے تو آپ کے لیے کوئی حرج کی بات نہ تھی تو آپ نے فرمایا: ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے: کھٹکنے والی چیزوں کو چھوڑ کر نہ کھٹکنے والی چیزوں کو اختیار کرو، سچائی اطمینان بخش ہے، اور جھوٹ کھٹکنے والی چیز ہے، فرماتے ہیں: آپ ہمیں یہ دعا سکھاتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِىْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِىْمَنْ عَافَيْتَ ، وَتَوَلَّيْنِيْ فِىْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِىْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ ، اِنَّهُ لَا يَدِلُّ مَنْ وَالَيْتَ .))
اور کبھی کبھی فرمایا: ((تَبَارَكَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ .)) ❷

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آل بیت کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے، صدقہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ فرض صدقہ جس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

۲۔ نفلی صدقہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ﴾ (التوبة: ۱۰۳)

”آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔“
مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ ہے۔

اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دونوں طرح کے صدقے رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال نہیں تھے، فرض صدقہ جس طرح آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں تھا، اسی طرح آپ کی آل کے لیے بھی حلال نہیں تھا، لیکن آل بیت کے لیے نفلی صدقہ کے حلال نہ ہونے میں اختلاف ہے، اس سلسلے میں امام شافعی کے دو قول ہیں، دونوں

❶ مسند احمد (۳/۱۶۷، ۱۶۹) انقطاع کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔

❷ مسند احمد (۳/۱۶۷، ۱۶۹) اس کی سند صحیح ہے، دعائے قنوت کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

میں سے صحیح تر قول حلال نہ ہونے کا ہے۔

آل بیت کے لیے زکوٰۃ و صدقہ حلال نہ ہونے کا سبب رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں واضح کیا ہے، جس میں آپ نے فرمایا:

((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِأَلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْ سَاخُ النَّاسِ)) •

”آل محمد کے لیے صدقہ مناسب نہیں ہے، وہ تو لوگوں کی میل کچیل کو دور کرنے والی چیز ہے۔“

صحیح مسلم کی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں: ”أو سَاخُ النَّاسِ“ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کے نفوس اور اموال کی میل کچیل کو پاک کرنے والی چیز ہے، جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ (التوبة: ۱۰۳)

”آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔“

گویا وہ صدقہ میل کچیل کو دھونے والی چیز ہے، یہ حدیث آل بیت کے مقام و مرتبہ کی بلندی اور ان کی طہارت و پاکیزگی کو واضح کرتی ہے۔ •

اسی لیے وہ لوگ نہ عہد نبوی میں صدقہ لیتے تھے نہ اس کے بعد ہی، وہ صرف مالِ غنیمت کے فہم میں سے اپنا حصہ لیتے تھے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ﴾

(الانفال: ۴۱)

”جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا۔“

”وَلِلرَّسُولِ“ کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں: خمس کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قرابت داروں کو دیا جائے گا۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں آل بیت کی تعیین میں علما کے دو اقوال ہیں:

۱۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم کے ایک قول کے مطابق آل بیت صرف بنو ہاشم ہیں، ان میں آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، اور آل حارث بن عبدالمطلب شامل ہیں، ان میں ابولہب شامل نہیں ہے، اس لیے اس کے بچوں کو صدقہ دینا جائز ہے، ایسا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو ہاشم کی عزت و

① صحیح مسلم (رقم ۱۰۷۲)

② شرح النووی علی صحیح مسلم (۷/ ۱۸۳-۱۸۷)

تکریم کی خاطر صدقہ ان کے لیے حرام قرار دیا اور عزت و تکریم اس لیے کہ انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں میں نبی کریم ﷺ کی مدد کی، ابولہب رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی کا حریص تھا، اس لیے اس کے بچے اس تکریم کے مستحق نہ ہوئے۔ ❶ بعض علمائے حنابلہ کے قول کے مطابق ان میں آل ابولہب بھی شامل ہیں، اس لیے کہ وہ لوگ بھی ہاشم کی نسل سے ہیں۔ ❷ اور کیوں نہ داخل ہوں، ابولہب کے دولڑکے عتبہ اور معتبہ فح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے، ان کے اسلام سے نبی کریم ﷺ خوش ہوئے، ان کے لیے دعائیں کیں، وہ دونوں آپ کے ساتھ غزوہ حنین و طائف میں شریک ہوئے، اہل نسب کے نزدیک انھوں نے اپنے پیچھے نسل بھی چھوڑی۔ ❸

۲۔ امام شافعی کی رائے میں آل بیت بنو ہاشم و بنو مطلب ہیں، ان کی مندرجہ ذیل دلیلیں ہیں:

”نبی کریم ﷺ نے خمس میں سے قرابت داروں کا حصہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیا، ان کے علاوہ قبائل قریش میں سے کسی کو نہیں دیا، جیسا کہ امام بخاری نے جبیر بن مطعم کی حدیث نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ نے خیبر کے خمس میں سے بنو عبد مطلب کو دیا اور ہمیں نظر انداز کر دیا جب کہ ہم اور وہ ایک ہی مرتبے میں ہیں، جواباً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں۔“ ❶

حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ بنو مطلب قرابت داروں کے حصے میں بنو ہاشم کے ساتھ شریک ہیں، اور وہ سب آل رسول ہیں، چنانچہ یہ حدیث اس بات کی دلیل بنی کہ بنو مطلب بھی آل رسول میں سے ہیں، نیز یہ کہ زکوٰۃ ان کے لیے بھی حرام ہے، اور خمس کا یہ عطیہ ان پر حرام کردہ صدقہ کے عوض ہے۔ نتیجتاً زکوٰۃ کی حرمت کا حکم خمس کے مستحق ہونے کی طرح قرابت داروں سے متعلق ہوگا، اور اس حکم میں ہاشمی و مطلبی دونوں برابر ہوں گے۔ ❷

بنو مطلب کے بارے میں امام احمد کے دو قول منقول ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کے اس قول کے باعث ان کے لیے زکوٰۃ حرام ہوگی:

❶ شرح فتح القدیر لابن الہمام (۲/۲۷۲-۲۷۴)، المتقی للہاجی (۲/۱۵۳)، نیل الأوطار (۴/۱۷۲)

❷ الانصاف للمرادوی (۳/۲۵۵-۲۵۶)

❸ التبيين في أنساب القرشيين (ص ۱۴۳)

❹ صحيح البخاری، کتاب فرض الخمس، رقم (۳۱۴۰)

❺ معالم السنن للخطابی (۲/۷۱)، الام للنشأفی (۲/۶۹)، المجموع للنووی (۶/۲۴۴)، العقيدة في اهل

البيت (ص ۱۸۱)

((إِنَّا وَبَنُو الْمُطَّلَبِ لَمْ نَفْتَرِقْ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا إِسْلَامٍ إِنَّمَا نَحْنُ شَيْءٌ وَاحِدٌ.)) ❶

”ہم اور بنو مطلب نہ زمانہ جاہلیت میں الگ ہوئے اور نہ زمانہ اسلام میں، ہم ایک ہی ہیں۔“
امام شافعی نے اپنی مسند میں ان لفظوں میں حدیث کو روایت کیا ہے:

((إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلَبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ.)) ❷
”بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی ہیں اور آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے اس کو سمجھایا۔“

اس لیے بھی زکوٰۃ ان کے لیے حرام ہوگی کہ وہ خمس کے حصے کے بنو ہاشم کی طرح مستحق ہیں، تو انھی کی طرح ان کے لیے بھی زکوٰۃ حرام ہوگی۔

۲۔ امام ابو حنیفہ و امام مالک کے مذہب کے مطابق امام احمد کا دوسرا قول ہے کہ ان کے لیے زکوٰۃ لینی جائز ہے، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم میں داخل ہیں:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ﴾ (التوبة: ۶۰)

”صدقات صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے۔“

لیکن نبی کریم ﷺ کے اس قول:

((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ.)) ❸

”صدقہ نہ محمد (ﷺ) کے لیے حلال ہے اور نہ آل محمد کے لیے ہی۔“

سے بنو ہاشم خارج ہو جائیں گے اور زکوٰۃ لینے کی ممانعت انھی کے ساتھ خاص ہوگی۔ ❹

ان لوگوں کی رائے ہے کہ بنو مطلب کو بنو ہاشم پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ بنو ہاشم نبی کریم ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔ باقی خمس کے حصے میں بنو مطلب کا بنو ہاشم کے ساتھ ہونا قربت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی، اور مدد زکوٰۃ کی ممانعت کی متقاضی نہیں ہے۔ ❺

خمس نہ دیے جانے کی صورت میں انھیں زکوٰۃ دینے سے متعلق فقہاء نے گفتگو کی ہے، جب مال فانی یا غنیمت سے بیت المال خالی ہونے یا ظالموں کے ان پر غاصبانہ قبضہ کی وجہ سے انھیں خمس کا اپنا حصہ نہ ملے تو

❶ سنن أبی داود، کتاب الإمامة (رقم ۲۹۸۰)

❷ سنن النسائی (رقم ۴۱۳۷) صحیح مسلم (رقم ۱۰۷۲)

❸ المغنی لابن قدامة (۴/ ۱۱۱، ۱۱۲) العقیدة فی اهل البيت (ص ۱۸۱)

بعض متقدمین و متاخرین علما کا قول ہے کہ انھیں زکوٰۃ دی جائے گی۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ ایسی حالت میں بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینی جائز ہے، اس لیے کہ اس کا عوض خُمس انھیں نہیں ملا ہے، اور جب عوض خُمس انھیں نہیں ملا تو وہ معوض عنہ زکوٰۃ کی جانب لوٹ جائیں گے۔^①

بعض مالکیہ کا قول ہے کہ وہ لوگ جب بیت المال سے ملنے والے اپنے حق سے محروم کر دیے گئے اور فقیر ہو گئے تو ان کے لیے زکوٰۃ لینا اور انھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔^② اس سلسلے میں ابو بکر ابہری^③ کہتے ہیں: ان کے لیے فرض اور نفلی صدقات حلال ہیں۔^④ ابوسعید اصطخری شافعی کا قول ہے: جب خُمس سے ملنے والے اپنے حق سے محروم کر دیے جائیں تو انھیں زکوٰۃ دینی جائز ہے، خُمس کے حق کی وجہ سے ان کے لیے زکوٰۃ کی ممانعت تھی، جب وہ حق انھیں نہ ملے تو انھیں زکوٰۃ دینی واجب ہے۔^⑤ ایسا اس حدیث:

((إِنَّ لَكُمْ فِي خُمْسِ الْخُمْسِ مَا يَكْفِيكُمْ أَوْ يُغْنِيكُمْ.))^⑥

”خُمس کا پانچواں حصہ تمہارے لیے کافی ہے یا تمہیں مستغنی کر دے گا۔“

کی وجہ سے ہے، چنانچہ زکوٰۃ سے استغناء خُمس کے پانچویں حصے کی وجہ سے ہے، جب خُمس معدوم ہوگا تو استغناء بھی معدوم ہوگا، اس طرح خُمس ان کے استغناء اور ان کے لیے زکوٰۃ کی ممانعت کے لیے شرط ہے، جب شرط معدوم ہو جائے گی تو زکوٰۃ کی رکاوٹ بھی معدوم ہو جائے گی۔

بعض علمائے حنابلہ کا قول ہے:

”جب انھیں خُمس نہ ملے تو ان کے لیے زکوٰۃ جائز ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ حاجت و ضرورت کی

صورتِ حال ہے۔“^⑦

اسی کو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے راجح قرار دیا ہے۔^⑧

① حاشیہ ابن عابدین (۹۱/۲)

② بلغة السالك (۲۳۲/۱) حاشیہ الدسوقی (۴۵۲/۱، ۲۵۳)

③ وہ محمد بن عبد اللہ بن محمد، ابو بکر تمیمی ہیں، عراق میں مالکیہ کے سردار تھے، ان کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی، دیکھو شذرات الذهب

(۸۶، ۸۵/۳)

④ الممتقی للباہجی (۱۵۳/۲)

⑤ المجموع للنووی (۲۴۴-۲۴۶/۶)

⑥ تفسیر ابن کثیر (۳۱۳/۲) ابن کثیر کہتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔

⑦ الإنصاف للمرادوی (۲۵۵/۳) و کشف القناع للبیہوتی (۲۹۱/۲)

⑧ الاختیارات (۱۰۴) العقیدۃ فی أهل البيت (ص ۱۸۶)

۶۔ ربیعہ بن شبان بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کون سی بات یاد ہے؟ فرمایا: مجھے آپ نے صدقہ کے کمرے میں داخل کیا، وہاں سے میں نے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسے منہ سے نکال پھینکو، یہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال ہے اور نہ اہل بیت میں سے کسی کے لیے۔“ ❶

۷۔ بریدہ بن ابومریم ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ہم حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس تھے، ان سے پوچھا گیا رسول اللہ ﷺ سے کون سی بات آپ نے سیکھی؟ تو کہا: میں آپ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ کا گزر صدقہ کی کھجوروں کے ایک ڈھیر کے پاس سے ہوا، میں نے ایک کھجور لے کر منہ میں ڈال لی، آپ نے میرے لعاب سمیت اس کھجور کو لے لیا، کچھ لوگوں نے کہا: اگر آپ چھوڑ دیتے تو آپ کے لیے کوئی حرج کی بات نہیں تھی، آپ نے فرمایا: ہم آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے، اور میں نے آپ سے پانچوں نمازوں کو سیکھا۔ ❷

۸۔ ایوب بن محمد سے مروی ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازے کو دیکھا، ایک کھڑے ہو گئے، دوسرے بیٹھے رہے، کھڑے ہونے والے نے کہا: کیا ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ کھڑے نہیں ہوئے ہیں؟ اور جو بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا: کیوں نہیں، اور وہ بیٹھ گئے۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث

اپنے نانا ﷺ سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث میں سے یہ بعض حدیثیں ہیں:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا فتویٰ دینے والے صحابہ میں شمار ہوتا ہے، آپ کا تعلق مفتیان صحابہ کے تیسرے طبقہ سے ہے۔ محدثین کرام نے مفتیان صحابہ کو فتویٰ کی قلت و کثرت کے اعتبار سے تین طبقات میں تقسیم کیا ہے:

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ تین طرح کے تھے:

۱۔ بکثرت فتویٰ دینے والے

۲۔ اوسط درجہ کے فتویٰ دینے والے

۳۔ کم فتویٰ دینے والے

❶ مسند احمد (۱۷۰/۳) احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

❷ مسند احمد (۱۷۰/۳) احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

❸ مسند احمد (۱۷۱/۳) احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

ا:.....بکثرت فتویٰ دینے والے:

جن صحابہ و صحابیات کے فتاویٰ محفوظ ہیں ان کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ زائد ہے، ان میں سے بکثرت فتویٰ دینے والے سات تھے:

- ۱۔ عمر بن خطاب
- ۲۔ علی بن ابوطالب
- ۳۔ عبداللہ بن مسعود
- ۴۔ ام المومنین عائشہ
- ۵۔ زید بن ثابت
- ۶۔ عبداللہ بن عمر
- ۷۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

ابو محمد ابن حزم کہتے ہیں:

”ممکن ہے کہ ہر ایک کے فتاویٰ کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔“

نیز کہتے ہیں:

”ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن امیر المومنین مامون نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ کو تیس جلدوں میں جمع کیا ہے، مذکور ابوبکر محمد حدیث و دیگر علوم کے ائمہ اسلام میں سے ایک ہیں۔“

ب:.....اوسط درجہ کے فتویٰ دینے والے:

ابو محمد ابن حزم کہتے ہیں:

”اوسط درجہ کے فتویٰ دینے والوں میں سے ابوبکر صدیق، ام سلمہ، انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابو ہریرہ، عثمان بن عفان، عبداللہ بن عمرو بن عاص، اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔“

ج:.....کم فتویٰ دینے والے:

مذکورہ دونوں قسموں کے علاوہ جو صحابہ تھے وہ کم فتویٰ دینے والے تھے، ہر ایک سے ایک مسئلہ یا دو مسئلے یا اس سے کچھ زائد مسائل سے متعلق فتاویٰ منقول ہیں اور وہ ابوالدرداء، ابوالیسر، ابوسلمہ مخزومی، ابوعبیدہ بن جراح، علی بن ابوطالب کے دونوں صاحبزادے حسن و حسین، عثمان بن بشیر، ابی بن کعب، ابویوب، ابوظہر، ابوذر، ام عطیہ، ام المومنین صفیہ، حفصہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہن ہیں۔ ❶

۸۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ نبوی صفات:

۱۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اپنے ماموں ہند بن ابوالہذیل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (امت کے لیے) برابر غمگین اور فکر مند رہتے تھے، آپ کو چین و سکون نہیں رہتا تھا، اکثر

خاموش رہتے بغیر ضرورت گفتگو نہ کرتے، پوری گفتگو آپ تصنع سے بچتے ہوئے پورا منہ کھول کر کرتے، آپ کی گفتگو بڑی جامع، حق و باطل کے مابین فیصل اور افراط و تفریط سے عاری ہوتی، آپ کی طبیعت و اخلاق میں سختی نہیں تھی، چھوٹی سے چھوٹی نعمت کو بڑی سمجھتے، اس کی مذمت نہ کرتے، کھانے پینے کی چیزوں میں عیب نہ تلاش کرتے اور نہ ان کی تعریف کرتے، دنیا آپ کے غضب کا باعث نہ بنتی اور نہ ہی آپ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت تھی، جب حق کو پامال ہوتے دیکھتے تو ناراض ہوتے اور اہل حق کو بدلہ دلاتے، آپ اپنے نفس کے لیے نہ ناراض ہوتے اور نہ ہی اس کے لیے بدلہ لیتے، جب آپ اشارہ کرتے تو اپنی پوری تھیلی سے اشارہ کرتے اور جب تعجب کرتے تو اس کو پلٹ دیتے، جب گفتگو کرتے تو تھیلیوں کو ملا لیتے، اپنی داہنی تھیلی سے بائیں تھیلی پر مارتے، اپنے بائیں انگوٹھے کے نچلے حصہ کو داہنی تھیلی سے ملا لیتے، جب ناراض ہوتے تو مکمل اعراض کرتے، خوش ہوتے تو نگاہ نیچی کر لیتے، آپ کی اکثر و بیشتر ہنسی مسکراہٹ ہوتی، جب آپ مسکراتے تو اوالے جیسے آپ کے صاف و شفاف دانت ظاہر ہوتے، آپ بذات خود اور دوسروں کی نگاہ میں بھاری بھر کم تھے، آپ کا چہرہ چودھویں رات کی طرح چمکتا تھا، آپ کے قدم اس طرح چمکتے تھے کہ ان پر سے پانی پھسل جاتا تھا، جب آپ زمین سے اپنے پاؤں اٹھاتے تو مکمل طور سے اور آگے جھک کر اٹھاتے، آپ کی چال میں وقار و سنجیدگی اور تیزی ہوتی جب آپ چلتے تو گویا آپ کسی ڈھلان سے اتر رہے ہوں جب آپ کسی کی جانب متوجہ ہوتے تو مکمل طور سے متوجہ ہوتے، آپ کی نگاہ نیچی ہوتی، آسمان سے زیادہ آپ کی نگاہ زمین پر ہوتی، آپ اکثر و بیشتر کن انکھیوں سے دیکھتے، اپنے صحابہ کی قیادت کرتے، ہر ملاقاتی سے سلام کرنے میں پہل کرتے۔ ۱

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی نبی کے اوصاف اس طرح وارد ہیں:

آپ نہ طبعی طور سے اور نہ ہی بہ تکلف بد زبان تھے، بازاروں میں چیخنے چلانے والے نہیں تھے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے کر غصہ و درگزر سے کام لیتے، جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ آپ نے کسی کو قتل نہیں کیا، آپ نے نہ کسی خادم کو مارا اور نہ ہی کسی عورت کو، اپنے اوپر کیے گئے ظلم کا بدلہ نہیں لیا، الا یہ کہ اس کا تعلق اللہ کے محارم کی پامالی سے ہو، اللہ کے محارم کی پامالی پر آپ بہت ناراض ہوتے تھے، دو چیزوں میں اختیار کے وقت آپ نے آسان ہی کو منتخب کیا، آپ اپنے گھر میں ایک آدمی کی طرح ہوتے، کپڑوں سے جوں نکالتے، بکریوں کا دودھ دوہتے، اپنی خدمت خود کرتے، ضرورت پر بولتے، لوگوں کو متحد کرتے ان میں نفرت پیدا نہ کرتے، ہر جماعت کے معزز شخص کی تکریم کرتے اسے ان کا ذمہ دار مقرر کر دیتے، لوگوں سے آپ بچتے اور محتاط رہتے، ہر ایک سے

۱۔ مختارات من أدب العرب لأبی الحسن الندوی (ص ۱۳)

خندہ پیشانی اور حسن اخلاق سے ملتے، اپنے صحابہ کی خبر گیری کرتے اور ان کے احوال پوچھتے، اچھے کو اچھا جانتے اور اس کی ہمت افزائی کرتے، برے کو برامانے اور اس کی ہمت افزائی نہ کرتے، آپ اعتدال پسند تھے، آپ بے اعتنائی نہ برتتے کہ مبادا لوگ بھی بے اعتنائی نہ برتتے لگیں اور اکتا جائیں، آپ ہر صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتے، نہ حق کو چھوڑتے اور نہ حق سے تجاوز کرتے، بہترین لوگ ہی آپ کے قریب ہوتے، آپ کے نزدیک لوگوں میں سے افضل وہی ہوتا جس کی خیر خواہی زیادہ ہوتی، بڑا مقام و مرتبہ والا وہی ہوتا جو دوسروں کا زیادہ غمگسار اور مددگار ہوتا، اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے، جب آپ کہیں جاتے جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے اور ایسا کرنے کا حکم بھی دیتے، اپنے ساتھ ہر بیٹھنے والے پر آپ توجہ کرتے، کسی بیٹھنے والے کو دوسروں کے مقابلے میں اپنی بے عزتی کا احساس نہ ہوتا، جو آپ کے ساتھ بیٹھتا، یا کسی ضرورت کے سلسلے میں گفتگو کرتا تو آپ اس کے ساتھ رکے رہتے، یہاں تک کہ وہ خود چلا جائے، ضرورت مند کی یا تو ضرورت پوری کر دیتے یا بڑے ہی نرم لہجے کی گفتگو سے واپس کر دیتے، تمام لوگوں کو اپنی سادگی اور اچھے اخلاق کی لپیٹ میں لے لیا، اس طرح آپ ان کے لیے بہ منزلہ والد کے ہو گئے، اور تمام لوگ حق میں آپ کے نزدیک برابر ہو گئے، آپ کی مجلس علم، حیا، صبر اور امانت کی مجلس ہوتی، اس میں نہ عورتوں پر بہتان تراشی کی جاتی اور نہ ہی ان کے عیوب کی تشہیر کی جاتی، آپ کے نزدیک سب برابر ہوتے، فضیلت صرف تقویٰ والوں کو حاصل ہوتی، سب متواضع ہوتے، چھوٹے بڑوں کا احترام کرتے، بڑے چھوٹوں پر شفقت کرتے، ضرورت مند کو ترجیح دیتے، اجنبی کی حفاظت کرتے۔ ❶

۳۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی شاکل ترمذی سے ماخوذ نبی کریم ﷺ کے اوصاف اس طرح وارد ہیں:

آپ ہمیشہ ہنس مکھ، اچھے اخلاق اور نرم گوشہ والے تھے، بدخلق، خست دل، شور و ہنگامہ کرنے والے، بدکلام، عیب جو اور بخیل نہیں تھے، ان چاہی چیزوں سے صرف نظر کرتے، نہ اس سے کسی کو مایوس کرتے اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی کو جواب دیتے، اپنے متعلق تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا:

۱۔ لڑائی جھگڑا ۲۔ بڑھک پن ۳۔ لایعنی بات۔

اور لوگوں سے متعلق تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا:

۱۔ کسی کی مذمت نہ کرتے نہ عیب لگاتے۔

۲۔ کسی کی پوشیدہ برائیوں کے پیچھے نہ پڑتے۔

۳۔ وہی گفتگو کرتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔

جب آپ گفتگو کرتے تو حاضرین اپنے سروں کو جھکا لیتے، گویا ان کے سروں پر چڑیاں ہوں، آپ کی

خاموشی کے وقت لوگ آپ کے پاس سلیقے سے باتیں کرتے، جب کوئی بات کرتا تو لوگ غور سے سنتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لے، آپ کے پاس ان کی بات ایسی ہی ہوتی جیسے ان کا پہلا شخص بول رہا ہو، جن باتوں پر لوگ ہنستے آپ بھی ہنستے، جن باتوں پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی تعجب کرتے، آپ کے صحابہ کے بلائے ہوئے اجنبیوں کی سخت کلامی اور سوال کی سختی پر آپ صبر کرتے، آپ فرماتے: جب تم کسی حاجت مند کو دیکھو تو اس کی مدد کرو، آپ صرف سچی تعریف کرنے والوں کی تعریف قبول کرتے، کسی کو گفتگو سے نہ روکتے، یہاں تک کہ وہ حد سے تجاوز کرنے لگے تو اس کو یا تو روک دیتے یا اٹھ کر چلے جاتے، سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے اچھی صحبت والے تھے، جو آپ کو دیکھتا مرعوب ہو جاتا، جو آپ کے ساتھ رہ کر آپ کو جان لیتا، آپ سے محبت کرنے لگتا، آپ کا وصف بیان کرنے والا کہتا: آپ ﷺ جیسا نہ آپ کے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔^①

۹۔ تطہیر کی آیت اور کساء والی حدیث:

آیت تطہیر یہ ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

(الاحزاب: ۳۳)

”اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔“

کساء والی حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں: ایک دن صبح نبی کریم ﷺ نکلے، آپ پر ایسی چادر تھی جس میں کجاوہ کی تصویریں تھیں، آپ نے اس کے نیچے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو داخل کر کے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

(الاحزاب: ۳۳)

”اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ حدیث کو روایت کرنا ان لوگوں کے جھوٹ کو واضح کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کو چھپایا ہے۔ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں جن کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ وہ

① مختارات من أدب العرب لأبي الحسن الندوي (ص ۱۶) شامل ترمذی سے منقول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی کرتی تھیں اور وہی علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی فضیلت والی حدیث کو روایت کرتی ہیں۔ ❶ آیتوں میں پورا پورا خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے ہے، انھی سے ابتداء ہے اور انھی پر اختتام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَبِيلًا ۖ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ مَن يَأْتِ مِّنْكَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُطْعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۚ وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ صَالِحًا تُؤْتِنَهَا أَجْرَهَا مَزِيدًا ۚ وَاعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۖ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتُ لَكَ أَحَدٌ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۚ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَاطْعَنَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۚ وَاذْكُرْنَ مَا يُشْلِي فِي بُيُوتِكُنَّ مِن آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝﴾ (الاحزاب: ٢٨-٣٤)

”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں، اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو (یقین مانو کہ) تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں، اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا ارتکاب) کرے گی اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات) ہے اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے اجر بھی دوہرا دیں گے اور اس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے..... اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ لطیف اور خبردار ہے۔“

خطاب پورا کا پورا ازواج مطہرات سے ہے، انھی کے لیے امر، نہی، وعدے اور وعید ہیں، لیکن جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کی منفعت انھیں اور دیگر اہل بیت کو شامل ہے تو تطہیر کے مفعول کے لیے مذکر کی ضمیر

”کم“ استعمال کی گئی، اس لیے کہ جب مذکر مؤنث اکٹھا ہوں تو تغلیباً مذکر کی ضمیر ذکر کی جاتی ہے، ایسا اس لیے ہوا تا کہ آیت تطہیر تمام اہل بیت کو شامل ہو جائے، اس سلسلے میں دوسروں کے مقابلے میں علی، فاطمہ، حسن اور حسینؑ کو خصوصیت حاصل ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعا کی، اسی طرح اہل بیت میں علی، فاطمہ، حسن اور حسینؑ کے علاوہ بھی شامل ہیں، جیسا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کیا آپ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں سے ہیں؟ فرمایا:

”آپ کے اہل بیت وہ ہیں جنہیں صدقہ سے محروم کیا گیا ہے، اور وہ آل علی، آل جعفر، آل عقیل، اور آل عباس ہیں۔“^①

بعض اثنا عشری شیعہ علما نے آیت تطہیر جس میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو خطاب کیا ہے، کو قرآنی سیاق سے اس طرح کاٹنے کی کوشش کی ہے کہ ازواج مطہرات کو خطاب سے علیحدہ کر دیں، اسی کے ساتھ ساتھ حدیث کساء سے استدلال کیا ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، کہتی ہیں: ایک صبح رسول اللہ ﷺ نکلے، آپ پر کالے بال کی ایسی چادر تھی جس پر کجاہ کی تصویریں تھیں، حسن بن علی رضی اللہ عنہ آئے آپ نے انھیں اس میں داخل کر لیا، پھر حسین آئے اور اس میں داخل ہو گئے، پھر فاطمہ آئیں، انھیں بھی آپ نے داخل کر لیا، پھر علی آئے انھیں بھی داخل کر لیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

اسی طرح انھوں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے نبی میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو، اور تم بہتری میں ہو۔^② ان دونوں حدیثوں سے استدلال اس معنی کو ثابت کرنے کے لیے کیا ہے جس کے لیے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔^③ شیعہ علما کا خیال ہے کہ آیت تطہیر علی، فاطمہ، حسن، اور حسینؑ کے معصوم عن الخطا ہونے کی دلیل ہے، بلکہ بشری سہو و نسیان سے معصوم ہونے کی دلیل مانتے ہیں^④ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ دوسرے امام معصوم ہیں۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک امام کا معصوم ہونا امامت کی شرطوں میں سے اور ان کے اعتقادی ڈھانچے کے اولین اصول و مبادی میں سے ہے، اور اس کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔ شیعہ کے اپنے ائمہ کے بارے میں لامحدود صفات و صلاحیات کے اعتقاد کے نتیجے میں ان کا خیال ہے کہ امام کسی بھی شخص کے سامنے جواب دہ

② سنن الترمذی، کتاب المناقب (رقم ۳۷۸۸)

① صحیح مسلم (رقم ۱۰۷)

④ ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۷۶)

③ ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۷۶)

نہیں ہوتا، اس کے کاموں میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، بلکہ اس بات پر ایمان ضروری ہے کہ اس کا ہر کام خیر کا ہے، اس میں شر کا امکان ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے پاس ایسا علم ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے، چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ زندگی بھر معصوم ہوتے ہیں، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے، ان سے کوئی برائی سرزد نہیں ہوتی، ان سے غلطی اور بھول چوک کا امکان نہیں ہے۔ ❶ اس سلسلے میں ان کے شیخ ”مفید“ اجماع نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”ائمہ جو احکام کی تنفیذ، حدود کے قائم کرنے، شریعت کی حفاظت، اور لوگوں کو ٹھیک کرنے میں انبیاء علیہ السلام کے قائم مقام ہیں، انبیاء کی طرح معصوم ہیں، ان سے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کا امکان نہیں ہے، دین کے کسی معاملے میں ان سے غلطی نہیں ہو سکتی، کوئی حکم بھول نہیں سکتے، تمام شیعہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے، انھیں چھوڑ کر جنھوں نے شذوذ کا راستہ اپنایا ہے، اور اس سلسلے کی روایتوں کے ظاہری پہلوؤں کو اختیار کیا ہے اور ان تاویلات کو ترک کر دیا ہے جو اس کے ظنِ فاسد کے برخلاف ہیں۔“ ❷

اس سلسلے میں میں نے اپنی کتاب ”سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب“ میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ❸ مزید معلومات کے لیے اس کا مراجعہ کیا جائے۔

آیت تطہیر سے متعلق

شیعہ امامیہ کے استدلال کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ

از..... ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث چند لفظوں کے ساتھ وارد ہے:

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدِي وَعَلَيَّ وَفَاطِمَةُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ، فَجَعَلْتُ لَهُمْ خَزِيرَةً ، فَأَكَلُوا وَنَامُوا عَطَى عَلَيْهِمْ عَبَاءَةٌ أَوْ قَطِيفَةٌ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ هُوَ لَأَهْلُ بَيْتِي أَذْهَبْ عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا .

وَفِي رَوَايَةٍ أُخْرَى أَنَّهُ ﷺ أَجْلَسَهُمْ عَلَى كِسَاءٍ ثُمَّ أَخَذَ بِأُطْرَافِهِ الْأَرْبَعَةِ بِشِمَالِهِ

❶ دراسات عن الفرق ، د. احمد جلی (ص ۲۰۳)

❷ اوائل المقالات للمفید (ص ۳۵)

❸ أسمى المطالب سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب (۲/۳۰۲)

فَصَصَّه فَوْقَ رُؤُوسِهِمْ ، وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ الْيَمْنَى إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ: هُوَلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي
فَإَذْهَبْ عَنْهُمْ نَجِسٌ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.))

”میرے پاس نبی کریم ﷺ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) تھے، میں نے ان کے لیے خزیرہ (قیمہ اور آٹے سے بنا کھانا) تیار کیا، ان لوگوں نے کھایا اور سو گئے، آپ نے ان پر چادر ڈالی اور کہا: اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کی گندگی کو دور کر دے اور انہیں پاک کر دے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں ایک چادر پر بٹھایا، پھر اس کے چاروں کونوں کو اپنے ہاتھ سے ان کے سروں پر پکڑ لیا، اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے رب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کی گندگی کو دور کر دے اور انہیں پاک کر دے۔“

یہ دونوں روایتیں اور امام مسلم کی روایت کردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ پانچوں آیت میں داخل ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے اس میں داخل نہیں ہیں۔ ❶

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی کچھ روایتیں وارد ہیں جن میں اس طرح کے اضافے ہیں جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آیت کے مفہوم میں داخل نہ ہونے کی جانب اشارہ کرتے ہیں وہ سب ضعیف ہیں، لیکن درج ذیل روایت صحیح ہے:

جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نبی کریم ﷺ پر یہ آیت ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ نازل ہوئی، تو آپ نے فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، انہیں ایک چادر اڑھادی، علی رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے انہیں بھی چادر اڑھادی، پھر فرمایا:

((اللَّهُمَّ هُوَلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا.))

”اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کی گندگی کو دور کر دے، اور انہیں پاک کر دے۔“

ام سلمہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو اور تم بہتری میں ہو۔ ❷

ایک دوسری بہت اہم روایت ہے جو اسناد حسن سے مروی ہے اور اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اہل کساء کے نکلنے کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس میں داخل ہوئی تھیں۔ ❸ بعد میں داخل ہونے کا سبب یہ ہے کہ

❶ ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۷۷)

❷ فضائل الصحابة (۲/ ۷۲۷، رقم ۱۹۹۴) اس کی سند ضعیف اور اس کے دوسرے قوی طرق ہیں۔

❸ ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۷۷)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں داخل ہونا درست نہیں تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں اہل کساء کے نکلنے کے بعد داخل کیا۔

”شہر“ سے مروی ہے کہتے ہیں جب حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو میں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اہل عراق پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا، کہہ رہی تھیں: انھوں نے انہیں شہید کر دیا، اللہ انھیں قتل کرے، ان کو دھوکہ دیا اور رسوا کیا، اللہ کی ان پر لعنت ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ہانڈی میں بصورت عصیدہ (گھی اور آٹے کا حلوہ) کھانا ایک طبق میں اٹھائے آئیں، اور آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے ان سے پوچھا: تمہارے چچا زاد بھائی کہاں ہیں؟ کہا: وہ گھر میں ہیں، فرمایا: جاؤ انھیں بلاؤ اور ان کے دونوں بچوں کو بھی میرے پاس لے آؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ اپنے دونوں بچوں کو ہر ایک ایک ہاتھ میں پکڑے لے آئیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے آرہے تھے، سب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، آپ نے ان دونوں کو اپنی گود میں بٹھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دایبے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بائیں بٹھایا، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: آپ نے خیر کی بنی ہمارے سونے والی چادر کو کھینچا اور اس کو اس طرح سمیٹا کہ اس کے دونوں کناروں کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور دایبے ہاتھ کو آسمان کی جانب اٹھا کر فرمایا: اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کی گندگی کو دور کر دے، اور انھیں پاک کر دے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، تم بھی چادر میں داخل ہو جاؤ، چنانچہ جب آپ اپنے چچا زاد بھائی علی، ان کے دونوں لڑکے اور اپنی صاحبزادی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے حق میں دعا سے فارغ ہوئے تو میں چادر میں داخل ہوئی۔ ❶

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اہل بیت میں سے ہونے کی گواہی دی، اور انھیں دعا دینے کے بعد ان کو چادر میں داخل کیا۔ ❷

ب:..... آیت ہذا عصمت و امامت پر دلالت نہیں کرتی:

اس کی دلیل یہ ہے کہ ان آیات میں خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے ہے، انھی سے ابتداء ہے، انھی پر اختتام ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوَّاجِكَ إِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زَيَّنَّا لَهَا فِتْنًا فَتَعَالَيْنَ أُمِّتْعَنَّ وَ أَسْوَ حَنَّ سَرًا حَاجِبِيلاً ۝ وَ إِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَ رِسُولَهُ وَ الدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ

❶ فضائل الصحابة (۲/ ۸۵۲، رقم ۱۱۷۰) اس کی اسناد حسن ہے۔

❷ ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۷۸)

لَمْ تُخْزِنَتْ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ يَنْسَاءُ النَّبِيُّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ يُضَعَفُ لَهَا
 الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُمْ إِلَهًا وَرَسُولَهُ وَتَعْمَلْ
 صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۖ وَاعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ يَنْسَاءُ النَّبِيُّ لَسْتُمْ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ
 إِنَّ اتَّقِيْنَ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَقَرْنَ فِي
 بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى ۚ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَاطْعَنَ اللَّهُ وَ
 رَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ وَإِذْ كُنَّا مَا
 يُشْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَةِ اللَّهِ وَالْحَكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝ ﴿٣٤-٢٨﴾ (الاحزاب: ٢٨-٣٤)

”اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا یا زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے
 دلادوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں، اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور
 آخرت کا گھر ہے تو (یقین مانو کہ) تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت
 زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں، اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا ارتکاب)
 کرے گی اسے دوہرا دوا برا عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات)
 ہے اور تم سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم
 اسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے، اور اس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے، اے نبی کی
 بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پر ہیزگاری اختیار کرو، تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس
 کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو اور اپنے گھروں
 میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ
 دیتی رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر
 والیو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے، اور تمہارے گھروں
 میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ لطف
 کرنے والا خبردار ہے۔“

خطاب پورا کا پورا ازواج مطہرات سے ہے، انھی کے لیے امر، نہی، وعدے اور وعید ہیں، لیکن جب یہ
 بات واضح ہو گئی کہ اس کی منفعت انھی اور دیگر اہل بیت کو شامل ہے تو ”یطہر“ کے مفعول کے لیے مذکر کی ضمیر
 ”کم“ استعمال کی گئی، اس لیے کہ مذکر و مؤنث اکٹھا ہوں تو تغلیباً مذکر کی ضمیر ذکر کی جاتی ہے، ایسا اس لیے ہوا کہ
 آیت تطہیر تمام اہل بیت کو شامل ہو جائے، اس سلسلے میں دوسروں کے مقابلے میں علی، فاطمہ، حسن، اور حسین رضی اللہ عنہم

کو خصوصیت حاصل ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعا کی۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ کسی شخص کی بیوی اس کے اہل بیت میں سے ہوتی ہے، ایسا استعمال عربی زبان میں عام طور سے ملتا ہے، ایک آدمی دوسرے آدمی سے پوچھتا ہے: ”كَيْفَ أَهْلُكَ“ تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ تمہاری بیوی بچے کیسے ہیں؟ اور جواب میں وہ کہتا ہے: ہم بخیر، وہ سب خیریت سے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَبَرَكْتُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾ (ہود: ۷۳)

”فرشتوں نے کہا: کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ تم پر اے اس گھر کے لوگو! اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔“

اس آیت کی مخاطب بالا جماع ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ علیہا السلام ہیں، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کی بیوی اس کے اہل بیت میں سے ہے۔ ❶

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بھی مخاطب موسیٰ علیہ السلام کی بیوی ہیں:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ﴾ (القصص: ۲۹)

”جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی، اپنی بیوی سے کہنے لگے: ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے، بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں، یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں تاکہ تم سینک لو۔“

اور اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا﴾ (مریم: ۵۴-۵۵)

”اس کتاب میں اسماعیل کا واقعہ بیان کرو، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا، اور رسول اور نبی بھی تھا، وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول بھی تھا۔“

اس میں اسماعیل علیہ السلام کی بیوی ان کے اہل بیت میں سے تھی جن کو وہ نماز کا حکم دیتے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے جس میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طہ: ۱۳۲)

”اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی بیویاں کم از کم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس اعتبار سے کہ سورت مکی ہے آپ

کے اہل میں شامل ہیں۔^①

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَسْتَبْقَا الْبَابَ وَفَكَتْ قَبِيضَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ

بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (یوسف: ۲۵)

”دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف کھینچ کر پھاڑ ڈالا

اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا تو کہنے لگی: جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا

ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر لیا جائے اور کوئی دردناک سزا دی جائے۔“

اس الہی فرمان میں مخاطب عزیز مصر ہے اور ”بأهلك“ سے مراد ”زوجتک“ ہے اور یہ بہت واضح بات ہے۔^②

ج:..... قرآن کی زبان میں ”إِذْ هَابُ الرَّجْسِ“ (گندگی ختم کرنا) سے مراد معصوم ہونا نہیں

ہے:

راغب اصفہانی اپنی کتاب ”مفردات الفاظ القرآن“ میں ”رجس“ کے مادہ پر گفتگو کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”الرجس“ گندی چیز، رجل رجسی، و رجال ارجاس گندا آدمی، گندے لوگ۔ اللہ تعالیٰ

کا قول ہے: ﴿رَجَسَ مِنَ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ (المائدة: ۹۰) یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں،

اور شرعی اعتبار سے ”رجس“ شراب، جوا وغیرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ”رجس“ اس لیے

کہا ہے کہ شرک سب سے قبیح چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

① الإمامة والنص (ص ۳۹۱)

② الإمامة والنص (ص ۳۹۱)

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ﴾ (التوبة: ۱۲۵)

”اور جن کے دلوں میں روگ ہے اس صورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھادی۔“

﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (یونس: ۱۰۰)

”اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔“

آیت میں ”الرجس“ سے مراد گندا آدمی ہے یا عذاب، اور یہ اللہ کے اسی قول کے مانند ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ مشرک نجس ہیں۔

الحاصل ”الرجس“ کی اصل گندگی ہے، اسے بول کر شرک مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ کے قول میں ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ (الحج: ۳۰)

”تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔“

نیز اس سے حرام کردہ خبیث چیزیں مراد لی جاتی ہیں، جیسے کھانے پینے کی چیزیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا

أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

”آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی

کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو

کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ (المائدة: ۹۰)

”بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور تھان اور فال نکالنے کے پانے کے تیر، یہ سب گندگی باتیں

شیطانی کام ہیں۔“

یہ بات ثابت نہیں ہے کہ قرآن نے ”الرجس“ کا لفظ مطلق گناہ کے لیے استعمال کیا ہے، اس لیے

”الرجس“ کا خاتمہ معصوم ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ ❶

و:..... ”الرجس“ سے تطہیر کسی کے معصوم ہونے کو ثابت نہیں کرتی:

جس طرح ”الرجس“ سے انسان کے گناہ اور اجتہادی غلطیاں مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد گندگی،

بدبو، حسی و معنوی نجاستیں ہیں، اسی طرح ”التطہیر“ سے مراد عصمت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ صرف اہل بیت کی نہیں بلکہ ہر مومن کی تطہیر چاہتا ہے، اگرچہ اہل بیت تطہیر کے زیادہ حقدار ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ﴾

(المائدة: ٦)

”اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے۔“

نیز فرماتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ (التوبة: ١٠٣)

”آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔“

نیز فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرة: ٢٢٢)

”اللہ تو بہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اہل بیت کی تطہیر چاہتا ہے اسی طرح اس بات کی بھی خبر دی کہ وہ مومنین کی تطہیر چاہتا ہے، اگر تطہیر سے مراد معصوم ہونا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عام مومنین بھی معصوم ہوتے، اس لیے کہ آیتوں میں ان کی تطہیر کے ارادے کی تصریح ہے، اور مسجد قبا میں آنے جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ﴾ (التوبة: ١٠٨)

”اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

جب کہ یہ لوگ بالاتفاق معصوم نہیں تھے۔

تین سو تیرہ بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ﴾

(الانفال: ١١)

”اور وہ تم پر آسمان سے پانی برسار رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے، اور تم سے

شیطانی دوسوہ کو رفع کر دے۔“

اللہ تعالیٰ کے اس قول نے ان کے معصوم ہونے کو ثابت نہیں کیا ہے باوجودیکہ اہل بیت کے بارے میں اللہ کے قول ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ اور اہل بدر کے بارے میں اللہ کے قول ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمُ رِجْسَ الشَّيْطَانِ﴾ کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، ”رجس“ اور ”رجس“ دونوں کے قریب قریب ایک معنی ہیں، اور دونوں آیتوں میں ”یطہرکم“ ایک ہے، لیکن نفس پرست لوگوں نے دوسری آیت کو چھوڑ کر صرف پہلی آیت کو معصوم ہونے کی دلیل مانا ہے۔

عجیب بات ہے کہ شیعہ علماء اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور اسے اصحاب کساء کے ساتھ خاص کر دیتے ہیں، نیز اس میں ارادہ تطہیر سے اصحاب کساء کے معصوم ہونے کو ثابت کرتے ہیں، لیکن اس وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ دوسری آیتیں بھی نازل ہوئی ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے اللہ کے ارادہ تطہیر کا تذکرہ ہے، بلکہ ان کے مقابلے میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرتے ہیں، پلٹ جانے کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تطہیر سے متعلق اپنے ارادے کی نص آیت سے تصریح کی ہے۔^①

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا قَبْلَهُ لَمِنْ نُورٍ﴾ (النور: ۴۰)

”جسے اللہ تعالیٰ ہدایت کی روشنی عطا نہ کرے اسے ہدایت کی روشنی نہیں مل سکتی۔“

آیت میں وارد ارادہ شرعی ارادہ ہے نہ کہ کوئی ارادہ:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ تمہاری گندگی کو ختم کر دے، علمائے اہل سنت ارادہ شرعیہ دینیہ اور ارادہ قدریہ کو نبیہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ارادہ شرعیہ دینیہ: محبت اور پسندیدگی کے معنی کو شامل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ۱۸۵)

”اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی کو پسند کرتا ہے، مشکل کو پسند نہیں کرتا۔“

نیز اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا﴾

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلُقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ (النساء: ۲۷-۲۸)

”اور اللہ پسند کرتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیروکار ہیں وہ پسند کرتے

① ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۸۲)

ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ، اللہ پسند کرتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے کیوں کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

ارادہ قدریہ کونیہ:..... یہ ارادہ اس مشیت کے معنی میں ہے جو تمام موجودات کو شامل ہے، جیسے وہ ارادہ جو ان آیتوں میں وارد ہے:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤِيدُ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

”لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ﴾

(ہود: ۳۴)

”تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں، بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو۔“

اس طرح گناہوں سے متعلق اللہ کا ارادہ، ارادہ کونیہ قدریہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو پسند نہیں کرتا، نہ ان پر راضی ہوتا ہے، اور نہ ان کا حکم دیتا ہے، بلکہ انہیں ناپسند کرتا ہے، ان پر ناراض ہوتا ہے، ان سے منع کرتا ہے، یہ تمام سلف اور ائمہ کرام کا قول ہے، چنانچہ وہ محبت و پسندیدگی کو مستلزم ارادہ شرعیہ اور ناراضی و عدم محبت کو مستلزم ارادہ قدریہ کونیہ کے مابین تفریق کرتے ہیں۔^①

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ، حسن، حسین، علی، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے گندگیوں کو ختم کر دیا ہے، اور اس آیت میں ارادہ، ارادہ شرعیہ دینیہ ہے، اسی لیے حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ان کو چادر سے ڈھانپ دیا تو ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((اللَّهُمَّ هُوَلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي أَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ .))^②

”اے اللہ یہ سب میرے اہل بیت ہیں، ان سے گندگی کو ختم کر دے۔“

..... آیت تطہیر اصحاب کساء کو شامل ہے، اس سے متعلق قول فیصل نبی کریم ﷺ کی دعا ہے:

آیت تطہیر میں اگر اس بات کی دلیل ہوتی کہ تطہیر اہل کساء کو شامل ہے تو اللہ کے رسول ﷺ انہیں کساء سے نہ ڈھانکتے اور نہ ان کے لیے یہ دعا کرتے:

((اللَّهُمَّ هُوَلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ .))

① وسطیہ اہل السنۃ بین الفرق، محمد با عبد اللہ (ص ۳۸۷)

② سنن الترمذی کتاب مناقب اہل البیت، رقم (۳۷۸۷)

”اے اللہ یہ سب میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو ختم کر دے۔“

بلکہ اس میں اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما سے متعلق نازل ہوئی ہے، اور نبی کریم ﷺ نے چاہا کہ منجانب اللہ تطہیر کی یہ خبر اصحاب کساء کو شامل ہو جائے اس لیے آپ نے انھیں اکٹھا کیا، ان پر چادر اوڑھائی اور ان کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی ❶ اور ان کی تطہیر کر دی جس طرح نص آیت سے ازواج مطہرات کی تطہیر کی تھی۔ ❷

و:..... کچھ ایسی دلیلیں جو واضح کرتی ہیں کہ آیت امامت اور معصوم ہونے کی دلیل نہیں:

انھی دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے زعمِ باطل کے مطابق جو خصوصیات امیر المؤمنین علی، حسن، اور حسین رضی اللہ عنہم کے لیے ثابت ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی ثابت ہوں گی، جب کہ امامت کی خصوصیت عورتوں کے لیے ثابت نہیں ہو سکتی، اس لیے اگر یہ آیت امامت اور معصوم ہونے کی دلیل ہوتی تو آیت کے اوصاف سے متصف جتنے لوگ بھی ہوتے، سبھی امامت اور معصوم ہونے کے مستحق ہوتے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا انھیں کی طرح آیت کے اوصاف سے متصف ہیں، اس مذکورہ بات سے یہ چیز صراحتاً ثابت ہوئی کہ آیت سے مراد نہ تو امامت ہے اور نہ معصوم ہونا ہے۔

انھی دلیلوں میں سے ان کے اپنے فاسد عقیدے کے مطابق معصوم ائمہ میں سے نو کا خارج ہو جانا ہے، اس لیے کہ آیت ان کو شامل نہیں، آیت ان میں صرف تین علی بن ابی طالب، حسن بن علی، حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہے۔ ❸

۱۰۔ آیت مہالہ اور نجران کے عیسائیوں کا وفد:

نجران کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ہم آپ لوگوں سے پہلے مسلمان ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((يَمْنَعُكُمْ مِنَ الْإِسْلَامِ ثَلَاثُ عِبَادَتِكُمُ الصَّلِيْبَ ، أَكَلُكُمُ الْخِنْزِيْرَ ، وَ زَعْمُكُمْ أَنَّ لِلَّهِ وَلَدًا)) ❹

”تمہیں مسلمان ہونے سے تین چیزیں روکتی ہیں: تمہاری صلیب کی پرستش، تمہارا خنزیر کو کھانا اور

❶ ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۸۲)

❷ أسمى المطالب في سيرة علي بن أبي طالب (۲/ ۳۱۴)

❸ الإمامة والنص (ص ۳۸۷)

❹ زاد المعاد (۳/ ۶۳۳) اس کی سند میں ضعف ہے۔

تمہارا یہ فاسد عقیدہ کہ اللہ کا لڑکا ہے۔“

چنانچہ آپ کے اور ان کے مابین کافی مناقشہ و مناظرہ ہوا، نبی کریم ﷺ انھیں قرآن سناتے جاتے اور انھوں نے ان کے باطل افکار و خیالات کا قلع قمع کرتے جاتے، رسول اللہ ﷺ سے انھوں نے ایک بات یہ بھی کہی تھی: آپ کیوں ہمارے نبی کو برا بھلا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے تھے؟ تو آپ نے فرمایا تھا: بالکل ٹھیک! وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کے کلمہ (کن سے پیدا ہونے والے) ہیں جسے مریم علیہا السلام کی طرف ڈال دیا تھا، اس پر وہ ناراض ہو گئے، اور کہنے لگے: کیا تم نے کبھی بغیر باپ کے کسی انسان کو دیکھا ہے، اگر تم سچے ہو تو اس کی کوئی مثال مجھے بتلاؤ؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیات نازل کیں:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُتَكِبِينَ ﴿۱۰۶﴾ (آل عمران: ۵۹-۶۰)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے، جسے مٹی سے بنا کر کہا کہ ہو جا، پس وہ ہو گیا، تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے، خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔“

یہ آیت ان کے باطل افکار کا کام تمام کرنے والی دلیل ہے، اس میں ایک انوکھی چیز کی تشبیہ اس سے بھی زیادہ انوکھی چیز سے دی گئی ہے۔^①

جب ان کے ساتھ حکمت اور مواعظ حسنہ پر مبنی مباحثہ و مناقشہ سے کام نہ چلا تو آپ نے انھیں اس آیت پر عمل کرتے ہوئے مباہلہ کی دعوت دی:^②

﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ۖ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝﴾ (آل عمران: ۶۱)

(آل عمران: ۶۱)

”اس لیے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔“

چنانچہ نبی کریم ﷺ نکلے، آپ کے ساتھ حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم تھے، آپ نے فرمایا: جب میں دعا کروں گا تو تم سب آمین کہنا۔^③ انھوں نے اپنے مابین مشورہ کیا۔ چوں کہ انھیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ برحق

② السيرة النبوية لأبي شعبة (۵۴۷/۳)

① زاد المعاد (۶۲۹/۳ - ۶۳۸)

③ السيرة النبوية لأبي شعبة (۵۴۷/۲)

نبی ہیں اور یہ بھی کہ جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا وہ ہلاک ہوئی ہے، اس لیے انھیں ہلاکت کا خوف لاحق ہو گیا اور مباہلہ سے انکار کر دیا اور کہا: آپ ہمارے خلاف جو فیصلہ چاہیں کر دیں، چنانچہ آپ نے ان کے ساتھ دو ہزار جوڑے کپڑوں پر صلح کی، ایک ہزار ماہِ رجب میں اور ایک ہزار ماہِ صفر میں۔^①

اس طرح آیت کے نزول کا حقیقی مقصد اور مناسبت واضح ہو جاتی ہے اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی تخصیص کا شیعہ حضرات جو دعویٰ کرتے ہیں آیت کا اس سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں، میں نے اپنی کتاب ”أسمی المطالب فی سيرة علی بن ابی طالب“^② میں ان کے اس زعمِ باطل کی تردید کی ہے، مزید تفصیل کے لیے اس کا مراجعہ کیا جائے۔

۱۱۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر خاندانی تربیت کا اثر:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نبوی خاندان میں پروان چڑھے، اپنے نانا نبی کریم ﷺ، والد علی رضی اللہ عنہ، والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زیرِ نگرانی پلے بڑھے، اپنے نانا اور والدین سے اسلامی تعلیمات کو سیکھا، اس تربیت نے ان کی ایسی مضبوط شخصیت کی تعمیر میں اپنا اہم کردار ادا کیا جس نے اسلام کے احکام اور تعلیمات کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، لوگ چاندی اور سونے کے معدن جیسے ہیں ان میں جو جاہلیت میں اچھے رہے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں۔^③

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا معدن تو بے نظیر ہے، آپ جاہلیت کے بجائے خاندانِ نبوت میں پروان چڑھے، اس لیے آپ کلمہ ”سید“ (سر دار) کے پورے پورے مستحق ٹھہرے، آپ کو خاندان کی اصلیت اور خاندانی تربیت کا جو حصہ ملا وہ دوسرے کو نہیں مل سکا، چنانچہ آپ کے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، آپ کے والد علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کی والدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا ہیں، آپ کی تانی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی تربیت کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبھائی، آپ نے ان کی براہِ راست دیکھ ریکھ کی، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں ایک مربی باپ کے تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے اس آیت کا مفہوم خوب اچھی طرح سمجھا تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْجِبَارَةُ عَلَيْهِمْ مَلَكَةٌ

عِلَاطٌ شِدَادًا لَّيَعْصُونَ اللَّهَ مِمَّا آمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝﴾ (التحریم: ۶)

① السيرة النبوية لأبي شعبة (۵۴۷/۲)

② أسمى المطالب فی سيرة علی بن ابی طالب (۲/۳۳۴-۳۳۶)

③ صحيح البخاری (رقم ۳۳۸۳)

”اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جنہیں جو حکم اللہ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔“

مرہی باپ کے اوصاف

مرہی باپ کے چند ضروری اوصاف درج ذیل ہیں:

۱۔ تربیت کی اہمیت کا احساس، اس کا مکمل اہتمام کرنا، اس میں اخلاص سے کام لینا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی تعلیم و تربیت کا کما حقہ اہتمام کیا، اس میں بالکل مستعد رہے، ان کی مکمل طور سے نگہداشت کی، مقصد صرف اپنی اولاد کو اطاعت الہی و اطاعت نبوی کی تربیت دے کر اللہ کی خوشنودی، ثواب اور اس کا قرب حاصل کرنا تھا۔

۲۔ بچوں کے سامنے ایک اچھا نمونہ پیش کرنا:

”نمونہ“ اگرچہ علی الاطلاق تربیت کا اہم ترین وسیلہ نہ ہو، پھر بھی اس کے اہم ترین وسائل میں سے ہے، ایسا اس لیے ہے کہ انسانی وجود ایسا طبعی اور فطری جذبہ و میلان ہوتا ہے جو انسان کو دوسرے کے نقش قدم پر چلنے اور اس کی نقالی پر اصرار کے ساتھ مجبور کرتا ہے، بالخصوص چھوٹے بچوں کو۔^①

ابن خلدون کا قول ہے: دوسرے کے نقش قدم پر چلنے اور اس کی نقالی کی ابتداء پانچویں یا چھٹے سال سے ہوتی ہے، اور بچپن کے آخری مرحلے تک باقی رہتی ہے۔^②

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ایک عظیم نمونہ تھے، چنانچہ آپ کبار صحابہ اور خلفائے راشدین میں سے تھے، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما دل کی گہرائی سے اپنے والد اور والدہ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

۳۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تربیت کے باب میں بڑے ہی نرم، مہربان اور رحم دل تھے:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ رحمہ دلی اور حلم و بردباری سے آراستہ تھے، حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی تربیت میں بڑے ہی نرم دل اور مہربان تھے، آپ کو رسول اللہ ﷺ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک ان کے مقام و مرتبہ اور فضیلت کا پورا احساس تھا۔

① مسئلۃ الأب، عدنان با حارث (ص ۶۵)

② مقدمة ابن خلدون نقلًا عن موسوعة تربية الأجيال المسلمة، لنصر بن محمد العنقری (ص ۸۶)

۳۔ بچوں کے مابین عدل و انصاف کو باقی رکھنا اور ان کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ جس وقت دنیا سے کوچ کر رہے تھے، اپنے لوگوں سے جدا ہو رہے تھے اور موت بالکل قریب تھی ایسے میں آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق وصیت کی تھی، اس وصیت یہ اخلاق بالکل نمایاں نظر آتے ہیں، آپ نے اولاد کی تعلیم و تربیت میں قرآن کی ہدایات اور رہنمائی پر عمل کیا، جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَنُ لِبْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنِي لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ① وَصَيَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنَةً أُمًّا وَهَنَّا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفَضَّلَهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ② إِلَى الْبَصِيرَةِ ③﴾ (لقمان: ۱۳-۱۴)

”اور جب کہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے، ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا، اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کے شکر گزاری کر (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔“

خلاصہ یہ کہ قرآن نے تربیت اولاد سے متعلق انبیاء کی یاد دہانی کی اہمیت دی ہے، اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی زندگی الہی اور امر کو بجالانے اور نواہی سے اجتناب میں گزری، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں اس طرح کے اہم اوصاف موجود تھے، جن سے آپ کو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی تربیت میں کافی مدد ملی۔

۱۲۔ حسن رضی اللہ عنہ کی تربیت میں معاشرتی حالات کی تاثیر:

لوگوں کو تیار کرنے اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر میں معاشرے کے ماحول اور حالات کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ایسے ماحول میں زندگی گزاری جس میں رسول اللہ ﷺ کی پہلی تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور دورہ تھا اور اس منفرد معاشرے پر فضیلت، تقویٰ اور نیکی کا غلبہ تھا، لوگ طلب علم اور عمل بالکتاب والسنۃ کے خواہاں تھے، ان حالات نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے معاشرے سے استفادہ اور اس کی اقتداء پر آمادہ کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مدینہ میں رہنے والے صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد تھی، آپ کی وفات کے بعد بھی ایک بڑی تعداد رہی، ایسا معاشرہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے خود زندگی گزاری ہو، اسی میں آپ کے ہاتھوں خیر امت کی پہلی جماعت تربیت پائی ہو تو وہ ایک بے مثال و بے نظیر معاشرہ ہوگا۔ اس معاشرے نے وحی اور صاحب وحی کا مشاہدہ کیا، اسے رسول اللہ ﷺ کی صحبت و مرافت حاصل رہی، اسی مشاہدے اور صحبت کے

بہت سارے نفسیاتی اثرات، ایمانی نتائج اور تعلق باللہ کے فوائد رہے۔ ❶

چنانچہ یہ معاشرہ لوگوں کے لیے بڑا پرکشش رہا، ان کے قول و کردار پر اثر انداز ہوا، چنانچہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی تربیتی اور علمی شخصیت کی تعمیر میں اس معاشرہ کا بڑا ہی موثر کردار رہا۔



(۴)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلفائے راشدین کے عہد میں

اولاً:..... عہد صدیقی میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ

ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے نزدیک حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا بڑا اونچا مقام تھا، سب ان سے محبت کرتے، خاص طریقے سے ان سے پیش آتے، ایک بار بعد نماز عصر ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما گزر رہے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلنے دیکھا تو انھیں اپنی گردن پر اٹھالیا اور کہا:

بأبي شبيه النبي
ليس شبيهاً بعلي

”میرے باپ تم پر قربان ہو، تم علی (رضی اللہ عنہ) کے بجائے نبی کریم ﷺ کے مشابہ ہو۔“

اور علی رضی اللہ عنہ مسکرا رہے تھے۔^①

حسن بن علی رضی اللہ عنہما ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت سے کافی متاثر رہے، یہاں تک کہ اپنے ایک بچے کا نام انھی کے نام پر رکھا، یہ آپ سے گہرے محبت اور آپ کی سیرت کی تفصیلی معرفت کا نتیجہ ہے، نیز حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اور وفات کے بعد آپ کے عہد سے بہت ساری باتیں سیکھیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ وفات نبوی کے حادثے کی ہولناکی اور اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف:

ابن رجب کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ کی وفات پر مسلمان چند قسموں میں منقسم ہو گئے، کچھ دہشت زدہ تھے، ان کا حافظہ کام نہیں کر رہا تھا، کچھ بیٹھ گئے تو اٹھنے کی سکت نہ تھی، کچھ لوگوں نے تو آپ کی وفات کا بالکل انکار ہی کر دیا۔^②

ابن اسحاق کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ کی وفات سے مسلمانوں پر ایک بڑی مصیبت آن پڑی، مجھ تک پہنچی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد عرب مرتد ہونے لگے،

① نسب قریش (۱/۲۳) صحیح البخاری (۵/۹۳)

② لطائف المعارف (ص ۱۱۴)

یہودیت و عیسائیت اپنے پر پرزے پھیلانے لگیں، نفاق کا ظہور ہونے لگا، اور مسلمان اپنے نبی کے وفات پا جانے سے دوسرے ہی دن بھیگی بکریوں کے مانند ہو گئے۔ ❶

ابوبکر ابن العربی کا قول ہے: حالات بدل گئے نبی کریم ﷺ کی وفات کمر توڑ مصیبت تھی، علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیٹھ گئے، عثمان رضی اللہ عنہ پر خاموشی چھا گئی، عمر رضی اللہ عنہ پر ہذیبانی کیفیت طاری ہو گئی اور کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے، آپ کو آپ کے رب نے مقررہ وعدے پر بلایا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بلایا تھا، آپ ضرور لوٹ کر آئیں گے اور (دین سے برگشتہ) لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔ ❷

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر ملی تو مقام ”سخ“ میں اپنے گھر سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، اترے، مسجد میں داخل ہوئے، لوگوں سے کوئی بات نہ کی، عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، رسول اللہ ﷺ کو چھوا، آپ پر چادر ڈال دی گئی تھی، چہرہ مبارک کو کھولا، جھک کر بوسہ دیا، رونے لگے، اور فرمایا: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں طاری نہیں کرے گا، آپ پر جو موت طاری ہونی تھی ہو چکی۔ ❸ ابوبکر رضی اللہ عنہ نکلے جب کہ عمر رضی اللہ عنہ بول رہے تھے، فرمایا: اے عمر! بیٹھ جاؤ، وہ ناراض ہوتے اور بولتے جا رہے تھے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اما بعد! جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد (ﷺ) کی وفات ہو چکی ہے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اس پر موت طاری نہیں ہو سکتی، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿وَمَا مَعْصِدًا إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَأَنْتَ مَنَّاتٌ أَوْ قَتِيلٌ ۚ اِنْقَلَبْتُكُمْ عَلَىٰ اَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُرَ اللّٰهُ شَيْئًا ۚ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشُّكْرِيْنَ ۝﴾

(آل عمران: ۱۴۴)

”محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔“

چنانچہ لوگ ہچکیاں لیتے ہوئے رونے لگے۔

❶ سیرۃ ابن ہشام (۴/۳۲۳)

❷ العواصم من القواصم (ص ۳۸)

❸ صحیح البخاری، کتاب المغازی (رقم ۴۴۵۲)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان مختصر کلمات اور قرآن سے دلیل پیش کرنے پر لوگوں کے ہوش و حواس درست ہو گئے، ان کا دماغ اچھی طرح کام کرنے لگا اور اچھی طرح سمجھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اس پر موت طاری نہیں ہو سکتی، وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے، اور محمد ﷺ کی وفات کے بعد بھی اسلام باقی رہنے والا ہے۔^①

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”اللہ کا دین باقی رہنے والا ہے، اللہ کا کلمہ پورا ہو کر رہے گا، اللہ تعالیٰ اپنی مدد کرنے والے کا مددگار ہے، اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے، اللہ کی کتاب ہمارے درمیان ہے، اس میں روشنی اور شفا ہے، اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی رہنمائی کی، اس میں حلال و حرام کی تمام تفصیلات ہیں، اللہ کی قسم جو بھی ہمارے خلاف آئے ہمیں اس کی پروا نہیں، اللہ کی تلواریں ابھی بے نیام ہیں، ہم نے انھیں رکھا نہیں ہے، ہم اپنی مخالفت کرنے والوں سے ضرور جہاد کریں گے، جیسا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں جہاد کیا، اس لیے جو بھی بغاوت کرے گا، وہ اپنے خلاف ہی بغاوت کرے گا۔“^②

محمد ﷺ کی وفات بہت بڑی مصیبت اور سخت آزمائش تھی، اسی اثناء میں اور اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت امت کے ایک بے مثال و بے نظیر قائد کے مانند ابھری۔^③ یقین آپ کے دل میں گھر کر چکا تھا، نتیجتاً تمام حقیقتیں آپ میں پختہ ہو گئی تھیں، آپ عبودیت، نبوت اور موت کی حقیقتوں کو اچھی طرح جان چکے تھے، ایسے مشکل موقع پر آپ کی حکمت عملی ظاہر ہوتی، لوگوں کو توحید کا درس دیتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ .))

”جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر موت طاری نہیں ہوگی۔“

لوگوں کے دلوں میں توحید تر و تازہ تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یاد دہانی سنتے ہی حق کی جانب لوٹ گئے۔^④

① استخلاف ابی بکر الصديق، جمال عبدالهادی (ص ۱۶۰)

② دلائل النبوة للبيهقي (۲۱۷/۷)

③ ابوبکر رجل الدولة، مجدی حمادی (ص ۲۵، ۲۶)

④ استخلاف ابی بکر الصديق (ص ۱۶۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم، گویا لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا ہے، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو لوگوں نے ان سے اس آیت کو سیکھا، پھر ہر کوئی اس کی تلاوت کرتے سنا گیا۔^①

اس میں شک نہیں کہ یہ حادثہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے حافظے میں محفوظ ہو گیا اور آپ کی ثقافت و معرفت کا حصہ بن گیا، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر سات یا آٹھ سال کی تھی، یہ عمر کا ایسا مرحلہ ہوتا ہے جس میں بچپن کی یادیں پختہ ہوتی ہیں، اس میں بچے کا حافظہ محفوظ کر لینے والے کمرے کی طرح ہوتا ہے، جو اس کے حافظے تک بہت ساری تصویروں اور مشاہدات کو منتقل کرتا ہے، حسن رضی اللہ عنہ ذہین و فطین بچوں میں تھے، آپ میں یہ صلاحیت تھی کہ اس عہد کے حالات و واقعات کو اچھی طرح جان لیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں، بلند مقاصد، معروف کارناموں اور اخلاقی قدروں کو سمجھ لیں، حسن رضی اللہ عنہ کی نفسیات پر یہ عظیم کارنامے اثر انداز ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت آپ کے دل میں رچ بس گئی، چنانچہ اپنے بچے کا نام انھی کے نام پر رکھا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات سے حسن رضی اللہ عنہ نے جو سب سے اہم سبق سیکھا وہ یہ تھا کہ بقا شخصیتوں کے بجائے اصول و مبادی کے لیے ہے، اور صرف تعلق باللہ کو اہمیت حاصل ہے، اس لیے کہ اسی کی ذات باقی رہنے والی ہے، نفع بخش، ضرر رساں اور ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۔ سقیفہ بنی ساعدہ (قبیلہ بنی ساعدہ کا چھپر)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو اسی دن بروز سوموار ۱۲ ربیع الاول ۱ھ کو سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہوئے، اور آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کے انتخاب سے متعلق اپنے مابین مشورہ کیا۔^② انصار قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گرد اکٹھے تھے، ادھر مہاجرین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلیفہ کے انتخاب کے لیے اکٹھے تھے۔^③ ایسے میں جب انھیں سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اکٹھے ہونے کی خبر ملی تو بعض مہاجرین نے بعض سے کہا: چلو اپنے انصار بھائیوں کے پاس چلیں، انھیں بھی اس کا حق حاصل ہے۔^④ چنانچہ ہم چلے، سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کے پاس پہنچے، ان کے مابین ایک شخص چادر اوڑھے ہوئے تھا، تو میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ ان لوگوں نے کہا: یہ سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) ہیں، میں نے کہا: انھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا کہ وہ بخاری تکلیف میں مبتلا ہیں، ہم تھوڑی دیر بیٹھے، ان کے خطیب نے حمد و ثناء کے بعد کہا:

② التاریخ الاسلامی (۹/۲۱)

① صحیح البخاری (رقم ۱۲۴۱، ۱۲۴۲)

③ عصر الخلافة الراشدة للعمری (ص ۴۰)

④ عصر الخلافة الراشدة للعمری (ص ۴۰)

”اما بعد! ہم اللہ کے انصار اور اسلام کی بڑی فوج ہیں، تم مہاجرین کی جماعت ایک چھوٹی قوم ہو، تم میں سے تھوڑے سے لوگ تیزی سے چل پڑے ہیں جو ہمیں ہماری اصل سے کاٹ دینا اور معاملے (خلافت) سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔“

اس کی خاموشی کے بعد میں نے گفتگو کرنی چاہی، میں نے اپنی من پسند تقریر تیار کر رکھی جسے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا، اور اس خطیب سے کچھ سختی سے نمٹنا چاہتا تھا، جب میں نے تقریر کرنی چاہی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہرو! میں نے آپ کی ناراضی کو پسند نہیں کیا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریر کی، آپ مجھ سے زیادہ بردبار اور سنجیدہ تھے، میں جو بھی کہنا چاہتا تھا آپ نے ویسی ہی یا اس سے بہتر باتیں کہیں اور چپ ہو گئے۔

تو ان کے خطیب نے کہا: آپ لوگوں نے اپنی جن بھلائیوں کا ذکر کیا ہے، آپ لوگ اس کے اہل ہیں، خلافت کا معاملہ قبیلہ قریش ہی میں رہے گا، ان کا نسب اور قبیلہ عربوں میں سب سے اچھا ہے، میں نے تمہارے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کیا ہے، ان میں سے جس کے لیے چاہو بیعت کرلو، اس نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا۔ ان کی یہ بات مجھے بری لگی، اللہ کی قسم میری گردن مار دی جائے اور اس میں کسی گناہ کا مرتکب نہ بنوں، یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایسی قوم کا امیر بن جاؤں جس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔

تو انصار کے شخص نے کہا:

((أنا جذيلها المحكك وعذيقها المرحب .)) ❶

”میں انصار میں صائب الرائے اور مدد کرنے کا اہل ہوں“

اے قریش کے لوگو! ہمارا ایک امیر ہو اور تمہارا ایک امیر ہو، چنانچہ شور و غوغا زیادہ ہو گیا، آوازیں بلند ہونے لگیں، مجھے اختلاف کا خدشہ لاحق ہوا تو میں نے کہا: اے ابوبکر صدیق آپ ہاتھ پھیلائیں، انھوں نے ہاتھ پھیلایا، چنانچہ میں نے اور مہاجرین نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر انصار نے بھی بیعت کر لی۔“ ❷

امام احمد کی ایک روایت میں ہے: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریر کی، انصار سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جتنی باتوں کا تذکرہ کیا تھا ان تمام باتوں کا انھوں نے اپنی تقریر میں تذکرہ کیا، فرمایا: مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ

❶ اس مثل کا لفظی ترجمہ یہ ہے: میں اس کا وہ تار ہوں جس سے اونٹ کو کھلاتے ہیں اور وہ سمجھ رہا ہوں جس کے نیچے ٹپک لگی ہوتی ہے۔

❷ صحیح البخاری کتاب الحدود (رقم ۶۸۳۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: اگر لوگ ایک طرف جا رہے ہوں اور انصار دوسری طرف، تو میں انصار کے ساتھ جاؤں گا، اور اے سعد بن عبادہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تم بیٹھے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: اہل قریش اس خلافت کے والی ہیں، اچھے لوگ اچھے لوگوں کے تابع ہوں گے اور برے لوگ برے لوگوں کے، جواب میں سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ سچ کہتے ہیں، ہم لوگ وزیر ہیں اور آپ لوگ خلیفہ اور امیر ہیں۔^①

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امارت و خلافت کی خواہش نہیں تھی، آپ کی یہ بے رغبتی آپ کی اس تقریر سے واضح ہوتی ہے جس میں آپ نے خلافت کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”کسی وقت بھی مجھے امارت و خلافت کا لالچ نہیں تھا نہ رغبت، اور نہ سرایا جہرا میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا کی تھی، لیکن فتنے کے خوف سے قبول کر لیا، خلافت میں مجھے آرام نہیں ہے، اللہ کے سہارے ہی میں نے اتنے عظیم کام کی ذمہ داری قبول کر لی ہے، میری خواہش تھی کہ جس میں خلافت کی سب سے زیادہ طاقت ہوتی وہ میری جگہ ہوتا۔“^②

آپ نے اپنی خلافت سے متعلق لوگوں کی ہر طرح مخالفت کی براءت طلب کرتے اور ان سے اس پر قسم کھانے کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”اے لوگو! میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جو شخص میری بیعت سے نادم ہو تو وہ کھڑا ہو جائے۔“

تو علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی، قریب ہو کر ایک پیر منبر پر رکھا دوسرا کنکریوں پر اور فرمایا: اللہ کی قسم نہ ہم آپ کی ہٹائیں گے اور نہ ہٹ جانے کا مطالبہ کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آگے بڑھایا ہے تو آپ کو کون پیچھے کر سکتا ہے۔“^③

یہی وہ حقائق ہیں جنہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعے سے سیکھا تھا نہ کہ وہ چیزیں جن کا تاریخ گھڑنے والے دعویٰ کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ خلافت کی بے رغبتی صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ میں رہی ہو، بلکہ یہ اس دور کا امتیاز تھا (اس سے متعلق نصوص کی تفصیل میری کتاب ”الانصرار و رفع الضيق بسيرة أبي بكر الصديق“ میں موجود ہے، اس کا مراجعہ کیا جاسکتا ہے۔)

کہا جاسکتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو بھی گفتگو ہوئی، اسی نقطے کے ارد گرد گھومتی ہے، اس بات کو بہ تاکید ثابت کرتی ہے کہ انصار اسلامی دعوت کے اچھے مستقبل کے حریص اور اس سلسلے میں قربانیوں کے لیے ہمیشہ تیار

① مسند احمد (۵/۱) یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔

② المستدرک (۶۶/۳) امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی تصدیق کی ہے۔

③ الانصار فی العصر الراشدی (ص ۱۰۸) الریاض النضرۃ (۱/۲۱۶)

تھے، اس سے متعلق جب انھیں اطمینان حاصل ہو گیا تو بہت جلد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے تیار ہو گئے، جسے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھی اسباب کے باعث قبول کیا تھا۔

صحابہ کرام کا نقطہ نظر ایسے بہت سارے مصنفین کی رائے کے خلاف ہے، جنہوں نے اپنی تصانیف میں صحیح علمی منہج اور تحقیق سے کام نہیں لیا ہے، بلکہ ان کی تحقیق اس زمانے کے امتیاز، انصار وغیرہ انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امیدوں اور خواہشات سے متعارض ہے۔ اگر سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع - ان کے زعم کے مطابق - ۱۰ مہاجرین اور انصار کے مابین اختلاف کا باعث ہوتا تو انصار وہاں کے رہنے والے اور تعداد و تیاری والے ہونے کے باوجود اس نتیجے کو کیسے قبول کر لیتے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مان لیتے، اور خلافت کی تائید و نصرت کا ان میں جذبہ نہ ہوتا تو اس کو پائیدار بنانے کے لیے کس طرح اس کی فوج میں شریک ہو کر بغرض جہاد مشرق و مغرب میں پھیل جاتے؟

خلافت کی سیاست کے نفاذ سے متعلق انصار کی حرص اور ان کا مرتدین سے مقابلہ آرائی کے لیے ٹوٹ پڑنا دونوں باتیں سچائی کو ظاہر کرتی ہیں اور یہ کہ دوسرے مسلمانوں کو کون کہے، خود انصار کا کوئی آدمی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے نہیں رہا، جن مورخین نے اپنے مقصد والی روایتوں میں انصار و مہاجرین کے مابین اختلاف کا تذکرہ کیا ہے ان کی باہمی اخوت ان کے اس خیال سے بالاتر ہے۔ ۱۰ ان مورخین کا گمان ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مکر و فریب اور مخالفت کو دیکھا اس لیے آپ نفسیاتی طور پر اس سے متاثر رہے، جیسا کہ ”حیاء الامام الحسن بن علی“ کے مؤلف کا خیال ہے۔ ۱۱

جس حقیقت کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما جانتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کسی طرح کی معمولی یا غیر معمولی مشکلات نہیں پیش آئیں، کوئی گروہ بندی وجود میں نہیں آئی کہ ہر گروہ کا ایک امیدوار ہوتا اور ہر ایک کو خلافت کا لالچ ہوتا، جیسا کہ موضوع روایات، ادب کی کتب، تاریخ کے جھوٹے واقعات پر اعتماد کرنے والے بعض مورخین کا زعم باطل ہے، کوئی ایسی صحیح روایت ثابت ہی نہیں ہے کہ وفات نبوی کے بعد حکومت پر قبضہ جمانے کے لیے ابوبکر، عمر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم کے مابین محاذ آرائی ہوئی ہو۔ ۱۲ ان میں اللہ کی خشیت اور تقویٰ اس درجہ تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

۱ الاسلام و اصول الحکم، محمد عمارۃ (ص ۷۱-۷۴)

۲ الانصار فی العصر الراشدی.

۳ حیاء الحسن بن علی، باقر شریف القرشی (۱/ ۱۲۳-۱۳۹)

۴ استخلاف ابی بکر، جمال عبدالہادی (۵۰، ۵۱، ۵۳)

حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عہد نبوی میں انھوں نے پانچوں نمازوں کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، مسجد نبوی میں آپ کا آنا جانا رہتا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے اس بات کا مشاہدہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا، انھیں اپنے مانا جان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی بیعت کا علم تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا عقیدہ وہی تھا جو اہل سنت والجماعت کا تھا کہ ان کی خلافت ان کے فضل، کارناموں اور نماز کی امامت میں دیگر صحابہ پر رسول اللہ ﷺ کی جانب سے آپ کو آگے بڑھانے کی وجہ سے صحیح اور دستور کی تھی۔

نماز کی امامت میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے آپ کو بڑھانے کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھ لیا اس لیے خلافت کے لیے آپ کو بڑھانے اور آپ کی متابعت پر اتفاق کر لیا، کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ انھیں کسی گمراہی پر متفق کرنے والا نہیں تھا، چنانچہ بہ رضا و رغبت انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، آپ کے مطیع ہو گئے، آپ کی خلافت پر کسی کو اعتراض نہیں تھا۔ ❶

سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کب انجام پائی؟ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن ہی، لوگوں کو ایک دن بھی بغیر جماعت کے رہنا پسند نہیں تھا۔ ❷ معتبر اہل علم کی ایک جماعت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے ❸ جیسے خطیب بغدادی، ❹ ابوالحسن اشعری، ❺ عبد الملک جوینی ❻، ابوبکر باقلانی۔ ❼

حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلافت راشدہ کی بنیادوں کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے اور یہ کہ اس کا قیام شوریٰ اور بیعت پر ہے، خلافت کے وجوب پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور اس بات پر بھی کہ مسلمانوں پر ایسے خلیفہ کی تعیین فرض ہے جو امت کے حالات کی دیکھ ریکھ کرے، مقررہ سزاؤں کو نافذ کرے، اسلامی دعوت کی نشر و اشاعت بذریعہ جہاد دین و امت کی حفاظت، شریعت کی تنفیذ، لوگوں کے حقوق کی حفاظت، مظالم کی رکاوٹ، اور ہر شخص کی لازمی ضرورتوں کو مہیا کرنے کے لیے کام کرے۔ ❽

❶ عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابۃ (۲/ ۵۵۰)

❷ تاریخ الطبری (۳/ ۲۰۷)

❸ عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابۃ (۲/ ۵۵۰)

❹ تاریخ بغداد (۱۰/ ۱۳۰، ۱۳۱)

❺ الإبانۃ عن اصول الدیانۃ (ص ۶۶)

❻ کتاب الإرشاد (ص ۳۶۱)

❼ الانصاف فیما یجب اعتقاد ولا یجوز الجهل بہ (ص ۶۵)

❽ الخلافة و الخلفاء الراشدون (ص ۶۶-۶۷)

سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا اس سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بہت ساری بنیادی باتوں کو سیکھا، ان میں سے چند یہ ہیں:

- ۱۔ امت کے قائد کا انتخاب کیا جائے گا۔
- ۲۔ بیعت قیادت کے دستوری ہونے اور انتخابی عمل کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔
- ۳۔ منصب خلافت پر وہی فائز ہوگا جس میں دین کی زیادہ چنگلی اور امور خلافت کو انجام دینے کی زیادہ صلاحیت ہو، اس طرح خلیفہ کا انتخاب اسلامی شخصی اور اخلاقی بنیادوں پر ہوگا۔
- ۴۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو گفتگو ہوئی وہ مسلمانوں کے مابین بڑے ہی پُر امن ماحول میں ہوئی، کسی طرح کی افراتفری نہیں تھی نہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی بات تھی نہ سازشیں تھیں اور نہ اتفاق کو توڑنے کی کوئی بات، بلکہ فیصلہ کن نصوص کو تسلیم کیا گیا اس لیے کہ مناقشہ میں شرعی نصوص ہی کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔^①
- ۳۔ دور صدیقی میں حکومت کے بعض خدوخال:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے طریقہ کار کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اسی لیے جب آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حکومت سے دستبردار ہوئے تو خلفائے راشدین کے طریقہ کار اور کتاب و سنت کے التزام کی شرط لگائی، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ دور صدیقی سے اچھی طرح واقف تھے، قیادت سنبھالنے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقریر کا شمار باوجود مختصر ہونے کے اہم ترین اسلامی تقریروں میں ہوتا ہے، آپ نے اس میں حاکم و محکوم کے مابین تعامل سے متعلق عدل و رحم دلی کے اصولوں کا تذکرہ کیا ہے، اس بات پر زور دیا ہے کہ حاکم کی اطاعت اسی وقت کی جائے گی جب وہ اللہ و رسول کی اطاعت کرتا ہو، جہاد فی سبیل اللہ کا صراحت سے ذکر کیا ہے، اس لیے کہ امت کو معزز بنانے میں اس کی بڑی اہمیت ہے، برائیوں سے اجتناب پر زور دیا ہے، اس لیے کہ اسی کے ذریعے سے معاشرے کے فساد و بگاڑ کو روکا جاسکتا ہے۔^②

مذکورہ تقریر اور وفات نبوی کے بعد رونما ہونے والے حالات سے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں نظام حکومت کے خدوخال کو پہچان لیا تھا، اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کتاب و سنت کو اعلیٰ دستوری حیثیت حاصل تھی، انھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا:

((أَطِيعُونِي مَا أَمَرْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَإِنَّ عَصِيئَةَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَلَا طَاعَةَ لِي))

① دراسات فی عهد النبوة والخلافة الراشدة ، للشجاع (ص ۲۵۶)

② التاريخ الاسلامی (۲۸/۹)

عَلَيْكُمْ .)) ❶

”جب تک میں اللہ و رسول کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ و رسول کا نافرمان ہو جاؤں تو میری اطاعت تم پر ضروری نہیں۔“

ب: امت کو حاکم کے مراقبہ اور محاسبہ کا حق حاصل ہے، آپ کی تقریر میں ہے:

((فَإِنْ أَحْسَنْتَ فَأَعِينُونِي وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي .)) ❷

”جب تک میں اچھے کام کرتا رہوں میری مدد کرو، اور اگر غلط کرنے لگوں تو مجھے ٹھیک کرو۔“

ج: لوگوں کے مابین عدل و مساوات کے اصول کو اپنانا، آپ کی تقریر میں ہے:

((الضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتَّىٰ أَرْجِعَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ حَتَّىٰ أَخْذُ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ .)) ❸

”تم میں ضعیف میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ مشیت الہی سے میں اسے اس کا حق واپس دلا سکوں، اور تم میں قوی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ مشیت الہی سے میں اس سے حق کو واپس لے سکوں۔“

د: حاکم و محکوم کے مابین تعامل کی بنیاد سچائی ہے، آپ کی تقریر میں ہے:

((الصِّدْقُ أَمَانَةٌ ، وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ .))

”سچائی امانت ہے، اور جھوٹ خیانت ہے۔“

خلفائے راشدین کے عہد میں سچائی ہی حاکم و محکوم کے مابین تعامل کی بنیاد تھی۔

ہ: جہاد کے التزام کا اعلان اور امت کو اس کے لیے تیار کرنا:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((وَمَا تَرَكَ قَوْمَ الْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا خَذَلَهُمُ اللَّهُ بِالذَّلِّ .)) ❹

”جس قوم نے بھی جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کیا اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا۔“

یہ وہی چیز تھی جسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے سمجھا تھا:

❶ البداية والنهاية (۶/ ۳۰۶)

❷ البداية والنهاية (۶/ ۳۰۵)

❸ البداية والنهاية (۶/ ۳۰۵)

❹ البداية والنهاية (۶/ ۳۰۵)

((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيَةِ ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ ، وَتَرَكَتُمُ الْجِهَادَ ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ.)) ❶

”جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے، گایوں بیلوں کی ذمیں تھام لو گے۔ کھیتی باڑی میں مست و مگن رہنے لگو گے، اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے تم اس وقت تک نجات و چھٹکارا نہ پاسکو گے جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے۔“

و: معاشرے کو زنا کاری سے پاک کرنا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”جس قوم میں زنا کاری عام ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر عمومی مصیبت نازل کرتا ہے۔“ ❷

آپ رضی اللہ عنہ یہاں نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی یاد دہانی کراتے ہیں:

((لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يَعلَنُوا بِهَا ، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونَ وَ

الْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مُضْتً فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا.)) ❸

”جس قوم میں زنا کاری علانیہ ہونے لگتی ہے وہ طاعون اور ایسی دوسری بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے جن کا وجود گزشتہ لوگوں میں نہیں تھا۔“

یہ وہ بعض مقاصد تھے جنہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیعت عامہ کے بعد لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے بیان فرمایا تھا۔ اس خطاب میں آپ نے ملکی سیاست کا خاکہ پیش کیا، حاکم کی ذمہ داریوں کو متعین کیا، حاکم و محکوم کے مابین تعلقات کو واضح کیا، اس طرح قوموں کی تربیت اور قیام حکومت کے اہم ترین اصول و مبادی کی وضاحت کی۔

۴۔ حسن رضی اللہ عنہ کے والد کی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت:

صحیح سند سے مروی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علی و زبیر رضی اللہ عنہما نے شروع ہی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کر لی تھی، میں نے اس کی تفصیلات اپنی کتاب ”اسمى المطالب فى سيرة أمير المؤمنين على بن أبى طالب“ ❹ میں ذکر کی ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی رائے میں ان کے والد کے کارنامے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعاون پر مبنی تھے، چنانچہ

❶ سنن ابی داود (رقم ۳۴۶۲) البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

❷ البداية والنهاية (ص ۶/۳۰۵)

❸ صحيح ابن ماجه للالبانى ، رقم (۴۰۱۹)

❹ اسمى المطالب فى سيرة أمير المؤمنين على بن أبى طالب .

امیر المومنین علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کسی بھی وقت آپ سے جدا نہیں رہے، اجتماعی مواقع میں سے کسی موقع پر آپ سے الگ نہیں رہے، مسلمانوں کے مسائل نمٹانے اور مشورہ دینے میں آپ کے ساتھ رہے، آپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خیر خواہی کا مجموعہ تھے، اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کو آپ کے نزدیک ہر چیز پر ترجیح حاصل تھی۔

مسلمانوں کے اتحاد، خلافت کی بقا کے لیے حرص، اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے تئیں مخلص ہونے کی واضح دلیل آپ کا وہ رویہ ہے جسے آپ نے اس وقت اپنایا جب ابو بکر رضی اللہ عنہ بذات خود ذوالقصد کی جانب نکل کھڑے ہوئے اور مرتدین سے جہاد، اور ان کے خلاف فوجی نقل و حرکت کی قیادت کا پختہ ارادہ کیا، جب کہ اس میں خود کو اور اسلامی وجود کو خطرہ تھا۔^①

((فَعَنِ ابْنِ عُمَرَ ۚ قَالَ لَمَّا بَرَزَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى ذِي الْقِصَّةِ وَاسْتَوَى عَلَى رَاحِلَتِهِ أَخَذَ عَلِيٌّ بِنِ أَبِي طَالِبٍ ۚ يَقُولُ: أَقُولُ لَكَ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ أَحَدٍ لَمْ سَيْفُكَ وَلَا تُفَجِّعْنَا بِنَفْسِكَ، وَارْجِعْ إِلَى الْمَدِينَةِ فَوَ اللَّهُ لَئِنْ فُجِّئْنَا بِكَ لَا يَكُونُ لَنَا سَلَامٌ نِظَامٌ فَرَجَعَ.))^②

”ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب ابو بکر رضی اللہ عنہ ذوالقصد کی جانب نکل رہے تھے اور اپنی سواری پر سوار ہو چکے تو علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن کہی تھی، اپنی تلوار نیام میں کر لیجیے اور اپنی ذات سے ہمیں مصیبت میں نہ ڈالیں، آپ مدینہ واپس چلیں، اللہ کی قسم اگر آپ شہید ہو گئے تو کبھی اسلامی نظام قائم نہ ہوگا چنانچہ آپ واپس ہو گئے۔“

اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر علی رضی اللہ عنہ کو -نعوذ باللہ- شرح صدر حاصل نہیں تھا اور انھوں نے نہ چاہتے ہوئے بیعت کی تھی تو اس سبب سے علی رضی اللہ عنہ فائدہ اٹھاتے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے، شاید وہ فوت ہو جائیں نتیجتاً ان سے چھٹکارا پا جائیں اور فضا ان کے لیے سازگار ہو جائے۔

اگر معاملہ اس سے بڑھ کر تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتے تھے اور ان سے چھٹکارا پانے کے حریص تھے تو کسی کے ذریعے سے ان کا قتل کر دیتے جیسا کہ موقع پرست سیاسی لوگ اپنے حریفوں اور دشمنوں کے ساتھ کرتے ہیں۔^③

① المرتضیٰ للندوی (ص ۹۷)

② البداية والنهاية (۶/ ۳۱۴، ۳۱۵)

③ المرتضیٰ للندوی (ص ۹۷)

علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ مرتدین سے جہاد کیا جائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ ان سے لیتے تھے اس میں سے اگر کچھ بھی آپ نے چھوڑ دیا تو آپ سنت رسول ﷺ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اگر آپ ایسا کہتے ہیں تو میں ان سے ایک رسی کو روکنے پر بھی ضرور جہاد کروں گا۔^①

بلاشبہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف میں اپنے والد کے درج ذیل اقوال سن رکھے تھے:

”جو بھی مجھ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دے گا میں اس پر بہتان تراشی کی سزا جاری کروں گا۔“^②

”میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہتر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔“^③

آپ کا یہ قول بہ تواتر مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہتر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ کا یہ قول اتنی (۸۰) سے زیادہ طرق سے مروی ہے۔^④

صلہ بن زفر عسی سے مروی ہے کہتے ہیں: جب علی رضی اللہ عنہ کے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوتا تو کہتے: تم لوگ سبقت کا تذکرہ کرتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب بھی کسی بھلے کام میں ہم ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں ہم سب پر سبقت لے جاتے۔^⑤

علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکموں کو بجالاتے تھے چنانچہ جب کفار کی ایک جماعت مدینہ آئی، اور دیکھا کہ سرکش باغیوں اور مرتدین کی بیخ کنی کرنے اور مختلف مقامات میں جہاد کے لیے ایک بڑی تعداد کے چلے جانے کے باعث مسلمان کم اور کمزور ہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے اسلام اور مسلمانوں کے مرکز کے لیے خطرہ محسوس کیا تو آپ نے مدینہ کی پہرہ داری کا حکم دیا، پہرے داروں کو مدینہ کے راستوں پر مقرر کر دیا کہ وہ فوجیوں کو لے کر وہاں رات گزاریں، علی، زبیر، طلحہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو ان پہرے داروں کا سردار مقرر کیا، ان سے مطمئن ہونے تک وہ لوگ اسی حالت میں رہے۔^⑥

ان کے مابین تعامل، محبت اور مکمل ہم آہنگی کے باعث علی رضی اللہ عنہ - جب کہ آپ اہل بیت کے سردار اور

① المختصر من کتاب الموافقة بین اهل البيت و الصحابة ، للزمخشري (ص ۴۸)

② فضائل الصحابة (۱/ ۸۳) اس کی سند میں ضعف ہے۔

③ مسند احمد (۱/ ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۲۷) تحقیق احمد شاہ

④ منهاج السنة (۳/ ۱۶۲)

⑤ الطبرانی فی الأوسط (۷/ ۲۰۷، ۲۰۸) اس کی سند ضعیف ہے۔

⑥ تاریخ الطبری (۴/ ۶۴)۔ الشیعة و اهل البيت (ص ۷۱)

دونوں نواسہ رسول ﷺ کے والد تھے۔ ہدایا اور تحائف کو قبول کرتے تھے، جیسا کہ باہمی محبت کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے، چنانچہ معرکہ ”عین التمر“ میں ہاتھ آنے والی ”صہباء“ نامی لونڈی کو آپ نے قبول کیا، جن کے بطن سے آپ کی اولاد میں سے عمرو رقیہ ہیں۔^①

اسی طرح جنگ یمامہ میں قید ہونے والی خولہ بنت جعفر بن قیس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے حوالے کر دیا، انھی کے بطن سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے، جو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بعد آپ کی اولاد میں سب سے افضل ہیں۔ خولہ مرتدین کے قیدیوں میں سے تھیں۔ محمد انھی کے ذریعے سے جانے جاتے ہیں اور انھیں کی طرف منسوب ہو کر محمد بن حنفیہ کہلاتے ہیں۔^②

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت کے بارے میں امام جوینی کہتے ہیں: تمام کے تمام صحابہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کو قبول کر لیا، علی رضی اللہ عنہ آپ کے حکم کو بجالانے والے تھے، آپ نے بھری مجلس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور غزوہ بنو حنیفہ کے لیے چل پڑے۔^③

بہت ساری روایات میں وارد ہے کہ آپ نے اور آپ کی اولاد نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے مالی ہدایا، خمس اور اموال فے کو قبول کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آپ کے عہد خلافت میں خمس اور فے کے ذمہ دار اور بانٹنے والے تھے، یہ اموال انھی کے ہاتھوں میں تھے، پھر حسن، حسین، حسن بن حسن اور زید بن حسن رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے رہے۔^④

حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پانچوں نمازیں ادا کرتے تھے، آپ کی امامت پر راضی تھے، لوگوں کے سامنے آپ کے ساتھ اپنی ہم آہنگی کا اظہار کرتے تھے۔^⑤

اپنے والد اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے مابین اس طرح کے تعلقات کو حسن بن علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے، ساتھ ہی ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مابین ازدواجی رشتے بھی قائم ہوئے، اہل بیت نے اپنوں میں سے بعض کا نام ابوبکر رکھا، خلیفہ راشد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل بیت کے ساتھ ان کے شایان شان دوستانہ اور عزت و احترام پر مبنی تعلقات تھے، یہ تعلقات دو طرفہ تھے، اور اتنے مضبوط تھے کہ قصہ گو حضرات جتنے بھی جھوٹے قصے اور کہانیاں گھڑ لیں ان میں دوری اور اختلاف کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

① الطبقات (۲۰/۳)

② الطبقات (۲۰/۳)

③ الارشاد للجوینی (ص ۴۲۸) اصول مذهب الشیعة للغفاری سے منقول ہے۔

④ الشیعة و اهل البيت (ص ۷۲)

⑤ الشیعة و اهل البيت (ص ۷۲)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نانا (رسول اللہ ﷺ) کی بیوی تھیں۔ مخالفین جتنا بھی چلائیں، حاسدین جتنا بھی حسد کی آگ میں جلیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہا عنہا آپ ﷺ کے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھیں، یہ بالکل ثابت شدہ حقیقت ہے، ان کی پاکیزگی کی شہادت قرآن نے دی ہے بھلے مخالفین اور اہل باطل اس کا انکار کریں۔

اسی طرح اسماء بنت عمیس رضی اللہا عنہا علی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی، انہی کے لطن سے محمد پیدا ہوئے تھے جن کو آپ نے مصر کا گورنر بنایا تھا، اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو ان سے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی، ان کے لطن سے ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی جن کا نام آپ نے یحییٰ رکھا۔^①

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہل بیت کی محبت و مودت کا نتیجہ تھا کہ ان لوگوں نے اپنے بچوں کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے اور ان کا احترام کرتے تھے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی پیدائش ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اور امام بننے کے بعد نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کی وفات کے بعد ہوئی تھی، اور علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نام ابوبکر صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نیک فال لیتے ہوئے، اور وفات کے بعد بھی ان سے محبت اور وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے رکھا تھا، علی رضی اللہ عنہ سے پہلے بنو ہاشم میں کوئی ایسا نہیں تھا جس نے اپنے بیٹے کا یہ نام رکھا ہو۔

معاملہ یہیں تک محدود نہیں رہا کہ صرف علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تین، تبرک، محبت اور دوستی کا اظہار کیا ہو، بلکہ آپ کے بعد آپ کی اولاد بھی آپ کے نقش قدم پر چلی، چنانچہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابوبکر رکھا، یعقوبی اور مسعودی تک نے اس کا تذکرہ کیا ہے جب کہ وہ شیعہ مورخین میں سے ہیں۔^② اس طرح اہل بیت اپنے بچوں کا نام ابوبکر رکھتے رہے، بلاشبہ ابوبکر صدیق اور علی رضی اللہ عنہما کے مابین مضبوط و مستحکم تعلقات کا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے دل و دماغ اور نفسیات پر گہرا اثر رہا جس کے نتیجے میں وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احترام کرتے اور آپ کی فضیلت اور اسلام میں آپ کے مقام و مرتبہ کے معترف تھے۔

۵۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لشکر اسماءہ رضی اللہ عنہا کو بھیجنا:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ان مشہور واقعات میں سے جن کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصروں کی تہذیب و ثقافت میں خاص تاثیر رہی ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لشکر اسماءہ رضی اللہ عنہا کا بھیجنا ہے، اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو نافذ کرتے ہوئے اصرار کرنا ہے۔ بعض

① خلافت علی بن ابی طالب و ترتیب و تہذیب کتاب "البدایة والنهاية" للسلیمی (ص ۲۲)

② تاریخ یعقوبی (۲/ ۲۲۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ لشکر نہ بھیجیں، چنانچہ ان لوگوں نے کہا:

”سارے کے سارے مسلمان یہی ہیں، دوسرے لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، اس لیے مناسب

نہیں ہے کہ آپ مسلمانوں کی جماعت کو اپنے سے دور کر دیں۔“ ①

اسامہ رضی اللہ عنہ نے ”جرف“ میں واقع لشکر گاہ سے عمر رضی اللہ عنہ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اس بات کی اجازت طلب کرنے کے لیے بھیجا کہ وہ لوگوں کو لے کر واپس آ جائیں، چنانچہ انھوں نے کہا: میرے ساتھ مسلمانوں کی اکثریت اور اہم لوگ ہیں، مجھے خوف ہے کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ، ازواج مطہرات اور بچے ہوئے مسلمانوں کو اچک نہ لیں۔ ②

آراء اور مشوروں کے تبادلے کے بعد آپ نے پہلی میٹنگ درخواست کرنے کا حکم دیا، پھر مسجد میں ایک عام میٹنگ کے لیے لوگوں کو بلایا، اس میٹنگ میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ بھول جائیں کہ جس پلان کو رسول اللہ ﷺ نے مرتب کیا تھا اسے ختم کر دیا جائے گا اور انھیں صاف صاف بتا دیا کہ وہ اس پلان کو نافذ کریں گے چاہے اس کے نفاذ کا نتیجہ یہ ہو کہ مرتدین مدینہ پر قابض ہو جائیں، چنانچہ آپ تقریر کرنے لگے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ③

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے، اگر مجھے یقین ہو جائے کہ درندے مجھے

اچک لیں گے تب بھی میں حکم نبوی کے مطابق لشکر اسامہ کو بھیجوں گا، اگر میں یہاں تنہا باقی رہ جاؤں

تب بھی بھیجوں گا۔“ ④

انصار کا مطالبہ تھا کہ لشکر کی ذمہ داری اسامہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ عمروا لے کسی شخص کو سونپی جائے، چنانچہ اس سلسلے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے کے لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھیجا، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انصار کا مطالبہ اسامہ سے زیادہ عمروا لے شخص کا ہے، یہ سنتے ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ کر کہا: اے خطاب کے بیٹے تمہاری ماں تمہیں گم پائے، اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مقرر کیا ہے اور تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں انھیں ہٹا دوں۔ ⑤

پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چل کر ان کے پاس پہنچے، انھیں روانہ کیا، انھیں رخصت کرتے ہوئے ان کے ساتھ کچھ دور پیدل چلے، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ کی سواری کو لے جا رہے تھے، اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا:

① البدایة والنہایة (۳۰۸/۶) ② الکامل لابن الاثیر (۲/۲۲۶)

③ الشوری بین الاصلالة والمعاصرة (ص ۸۳)

④ تاریخ الطبری (۴/۴۵) ⑤ تاریخ الطبری (۴/۴۶)

اے خلیفہ رسول، اللہ کی قسم آپ سوار ہو جائیں یا میں سواری سے اتر جاتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم نہ تو تم سواری سے اترو گے اور نہ میں سوار ہوں گا، میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں میں اپنے قدموں کو غبار آلود کروں۔^① پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر تم مناسب سمجھو تو عمر کو میری معاونت کے لیے چھوڑ دو، چنانچہ انھوں نے اس کی اجازت دے دی۔^②

اس کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا: لوگو! ٹھہرو، میں تمہیں دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں، میری یہ وصیتیں یاد رکھنا، خیانت نہ کرنا، مال غنیمت میں خرد برد نہ کرنا، دھوکہ نہ دینا، مثلاً نہ کرنا، کسی پھلدار درخت کو نہ کاٹنا، کسی بکری، گائے اور اونٹ کو کھانے کے لیے ہی ذبح کرنا، تمہارا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوگا جو اپنے تمام مشاغل کو چھوڑ کر اپنی عبادت کا ہوں میں ہوں گے، تو انہیں عبادت کرتے ہوئے چھوڑ دینا، تمہارا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے بھی ہوگا جو تمہیں کھانوں سے سجا بایا دسترخوان پیش کریں گے، جب تم اس میں سے کچے بعد دیگرے کھانے کھاؤ تو اللہ کا شکر ادا کرنا، تمہاری ملاقات ایسے لوگوں سے ہوگی جو اپنے سروں کے درمیانی حصوں کا حلق کرائے ہوں گے اور کنارے کنارے پیٹوں کی مانند چھوڑے ہوں گے تو تلواروں سے ان کا کام تمام کر دینا، اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔^③

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو فرمان نبوی پر عمل کرنے کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے تمہیں جو حکم دیا تھا اسے بجا لاؤ، قضاہ کی بستیوں سے ابتداء کرو، پھر آبل^④ تک پہنچو۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی نہ کرنا۔^⑤

اسامہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر گئے، اور فرمان نبوی کے مطابق قضاہ کے قبائل اور آبل کے علاقے پر حملہ آور ہوئے، محفوظ رہے اور مال غنیمت حاصل کیا،^⑥ ان کے جانے اور واپس آنے میں چالیس دن لگے۔^⑦

ہرقل کو بیک وقت رسول اللہ ﷺ کی وفات اور اسامہ رضی اللہ عنہ کے حملے کی خبر دی گئی، تو رومیوں نے کہا: یہ کیسے لوگ ہیں؟ ان کے سردار کی وفات ہوئی ہے پھر بھی وہ ہماری سرزمین پر حملہ آور ہوئے ہیں؟^⑧ اور عربوں نے کہا: اگر ان کے پاس قوت نہ ہوتی تو وہ اس لشکر کو نہ بھیجتے۔^⑨ چنانچہ وہ اپنے بہت سے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے باز رہے۔^⑩

② تاریخ الطبری (۴/۴۶)

① تاریخ الطبری (۴/۴۶)

④ "آبل" اس وقت جنوب اردن کا ایک علاقہ ہے۔

③ تاریخ الطبری (۴/۴۶)

⑤ تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص ۱۰۱)

⑥ تاریخ الطبری (۴/۴۷)

⑦ عہد الخلفاء الراشدین للذہبی (ص ۲۰)

⑧ تاریخ الطبری (۴/۴۷)

⑨ قصۃ بعث ابی بکر جیش أسامة ، د. فضل إلهی (ص ۱۴) ⑩ الکامل لابن الأثیر (۲/۲۲۷)

بعض شیعہ نے ایک بے بنیاد حدیث گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کر دی ہے، ان کا کہنا ہے کہ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ سے پیچھے رہ جانے والوں کو رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے، یہ حدیث منکر اور بے بنیاد ہے، ان لوگوں کا اس حدیث کو گھڑنا اور یہ کہنا کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) لشکر اسامہ سے پیچھے رہ گئے تھے اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان دونوں کو ملعونوں کی اولین فہرست میں شامل کر دیں، اس حدیث کی شیعہ اور سنی علما کے نزدیک سوائے ایک متروک مجہول طریق کے کوئی سند نہیں ہے۔

دروس وعبر

لشکر اسامہ کی روانگی کے واقعے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور اس عہد کے نوجوانوں کو بہت سارے دروس وعبر حاصل ہوئے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱:..... حالات بدلتے رہتے ہیں، مشکلات اہل ایمان کو دین سے غافل نہیں کر سکتیں:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت کو مشکلات و مصائب پر صبر کرنا سکھایا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کا

درس دیا:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الاعراف: ۵۶)

”بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔“

مسلمان کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پریشانی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، مصیبت کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو اللہ کا

یہ ثابت شدہ نظام ہے:

﴿وَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ﴾ (انشراح: ۵-۶)

”یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔“

مسلمان کا معاملہ اس دنیا میں بڑا عجیب ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس کا سب کچھ خیر ہے، اور یہ صرف مومن کی شان ہے، اسے اگر

خوشی حاصل ہوئی اور اس پر شکر گزار ہوا تو اس کے لیے خیر و بھلائی ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچی اور

اس پر صبر کیا تو اس کے لیے خیر و بھلائی۔“ ❶

اس لیے پریشانیاں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں، مصیبتیں کتنی ہی سخت کیوں نہ ہوں، اہل ایمان کو دین سے

غافل نہیں کر سکتیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دین سے غافل نہ کر سکی، اور مسلمانوں

کے تاریک اور سخت ترین حالات میں بھی لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دینی امور کے اہتمام کا جو سبق سیکھا تھا وہ ہر چیز پر مقدم تھا، اور یہ چیز آپ کی وفات تک باقی رہی۔^① حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بھی اس سبق کو سیکھا اور زندگی بھر اس پر کاربند رہے۔

ب:..... کسی ایک شخص سے دعوتی مشن کا وجود نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ کی اتباع واجب ہے:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے قصے سے یہ بھی سیکھا کہ دعوتی مشن کسی بھی صورت میں حتیٰ کہ مسلمانوں کے قائد، امام الانبیاء رضی اللہ عنہ کی وفات ہو جانے پر بھی نہیں رک سکتا، بیعت کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی تھی اس میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ اس دین کی خدمت کے لیے مسلسل اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔^②

ایک روایت میں آپ کا یہ قول وارد ہے:

((فَاتَّقُوا اللَّهَ أَيُّهَا النَّاسُ وَاعْتَصِمُوا بِدِينِكُمْ وَتَوَكَّلُوا عَلَى رَبِّكُمْ فَإِنَّ دِينَ اللَّهِ قَائِمٌ ، وَإِنَّ كَلِمَةَ اللَّهِ تَامَةٌ ، وَإِنَّ اللَّهَ نَاصِرٌ مَنْ نَصَرَهُ ، وَمُعِزٌّ دِينَهُ وَاللَّهُ لَا يُبَالِي مَنْ أَجْلَبَ عَلَيْنَا مِنْ خَلْقِ اللَّهِ ، إِنَّ سَيُوفَ اللَّهِ لَمَسْلُوَةٌ وَمَا وَضَعْنَاهَا بَعْدُ ، وَلَنُجَاهِدَنَّ مَنْ خَالَفَنَا كَمَا جَاهَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا يُبْغِينَ أَحَدًا إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ.))^③

”اے لوگو! اللہ سے ڈرو، دین کا دامن مضبوطی سے تھام لو، اپنے رب پر بھروسہ کرو، اللہ کا دین قائم رہنے والا ہے، اللہ کی بات پوری ہو کر رہنے والی ہے، اللہ اس کا مددگار ہے، جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے، وہ اپنے دین کو سرفراز کرنے والا ہے، ہمارے خلاف جو بھی صف آرا ہو ہمیں اس کی پروا نہیں ہم اللہ کے بندوں کی تمواریں بے نیام ہیں، جو بھی ہماری مخالفت کرے گا ہم اس سے ضرور جہاد کریں گے، جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کیا تھا، جو بھی بغاوت کرے گا وہ اپنے نفس کے خلاف کرے گا۔“

لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے قصے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے یہ سبق بھی سیکھا کہ تکلیف و آرام ہر حال میں حکم نبوی کو بجالانا مسلمانوں پر واجب ہے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ فرامین

① قصۃ بعث ابی بکر جیش أسامة (ص ۲۴)

② قصۃ بعث ابی بکر جیش أسامة (ص ۲۷)

③ البداية والنهاية (۵/ ۲۱۳، ۲۱۴)

نبوی پر سختی سے جے رہنے والے ہیں، خوف کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، خطرات کتنے سخت ہی کیوں نہ ہوں، آپ ان کو بجا لے نہ والے ہیں، چنانچہ اس موقع پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

((وَأَسَدِي نَفْسُ أَبِي بَكْرٍ بِيَدِهِ لَوْ ظَنَنْتُ أَنَّ السَّبَّاعَ تَحْطِفُنِي لَأَنْقَذْتُ بَعَثَ أَسَامَةَ كَمَا أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَلَوْ لَمْ يَتَّقِ فِي الْقَرَى عَيْرِي لَأَنْقَذْتُهُ.)) ❶

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو بکر کی جان ہے اگر مجھے یقین ہو جائے کہ درندے مجھے اچک لیں گے تب بھی حکم نبوی کے مطابق لشکر اسامہ کو بھیجوں گا، اگر میں یہاں تنہا باقی رہ جاؤں تب بھی بھیجوں گا۔“

اپنے اس کارنامے سے آپ نے اس فرمان الہی کو عملی جامہ پہنایا:

﴿وَمَا كَانَ لِنُبُوءٍ وَلَا هُمْ مِّنْهُ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾ (الاحزاب: ۳۶)

”کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔“

مسلمانوں کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی مدد اور عزت کو اتباع نبوی سے مربوط کر دیا ہے، چنانچہ جو بھی نبی کی اطاعت کرے گا اسے مدد اور غلبہ حاصل ہوگا اور نافرمانی کرنے والے کے ہاتھ ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ نہ لگے گا، امت کی زندگی کا راز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع میں ہے۔ ❷

ج: مومنوں کے مابین اختلاف رونما ہونا اور کتاب و سنت سے اس کو حل کرنا:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اس قصے سے یہ سبق بھی سیکھا کہ سچے مومنوں کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے، چنانچہ ان مشکل حالات میں لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی رواگی کے متعلق رائیں مختلف ہو گئیں، ان کی امارت سے متعلق لوگوں کے اقوال مختلف ہو گئے، لیکن جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اختلاف کو لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی رواگی سے متعلق ثابت شدہ حکم نبوی کی روشنی میں حل کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ وہ حکم نبوی میں کسی طرح کوتاہی نہیں کریں گے۔ کسی نے اپنی رائے پر (اس کے فاسد اور باطل ہو جانے کا پتہ چل جانے کے بعد) اصرار نہیں کیا۔

اسی طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے یہ درس بھی سیکھا کہ اکثریت کی رائے اگر نص شرعی کے مخالف ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، عام صحابہ کرام کی رائے تھی کہ لشکر اسامہ کو روک دیا جائے، چنانچہ انھوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

❶ تاریخ الطبری (۴/ ۴۵)

❷ الانسراح و رفع الضیف بسيرة أبي بكر الصديق للصلاحي (ص ۲۲۷)، قصة جيش اسامة (ص ۲۲۷).

سے کہا:

”بہت سے عرب آپ کے خلاف ہو گئے ہیں، لوگوں کو تقسیم کر دینے پر آپ کچھ نہ کر سکیں گے۔“
وہ لوگ معمولی لوگ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو روئے زمین پر انبیاء و رسل کے بعد سب سے افضل ہیں، لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کو نہ مانا، اور یہ واضح کر دیا کہ فرمان نبوی ان تمام لوگوں کی رائے سے زیادہ ضروری، قابل احترام اور افضل ہے۔^❶

نبی کریم ﷺ کی وفات پر اکثریت کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
”اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کبھی کبھی اقلیت کی رائے درست ہوتی ہے اور اکثریت کی رائے غلط ہوتی ہے، اس لیے اکثریت کی بناء پر ترجیح لازم نہیں ہے۔“^❷

خلاصہ کلام یہ کہ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے قصے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جس رائے کو اکثریت کی تائید حاصل ہو یہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔^❸

اس قصے سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حق جب واضح ہو جاتا ہے تو مومن اس کو مان لیتے ہیں چنانچہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں یاد دلایا کہ نبی کریم ﷺ نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کے بھیجے کا حکم دیا تھا، اور آپ ہی نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا تھا تو ان لوگوں نے فرمان نبوی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔^❹
و:..... جس چیز کی دعوت دی جائے عملاً کر کے دکھایا جائے:

لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے قصے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی سیکھا کہ جس چیز کی دعوت دی جائے اسے عملاً کر کے دکھانے کی اہمیت ہوتی ہے چنانچہ انھیں معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر صرف اصرار ہی نہیں کیا بلکہ عملاً ان کو امیر ماننے کا ثبوت پیش کیا، یہ چیز درج ذیل دونوں باتوں سے ثابت ہوتی ہے:

☆ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہ اصرار پیدل چلنا جب کہ وہ سوار تھے اور ان کی عمر بیس سال کی تھی اور جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے مطالبہ کیا کہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے سواری سے اترنے کی

❶ تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص ۲۲۷)

❷ قصۃ بعث ابی بکر جیش أسامة (ص ۴۴)

❸ فتح الباری (۱/۱۶۶)

❹ قصۃ بعث ابی بکر جیش أسامة (ص ۴۶)

❺ قصۃ بعث ابی بکر جیش أسامة (ص ۵۲)

اجازت دیں، تو آپ دونوں میں سے کسی پر بھی راضی نہ ہوئے۔ بلکہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے سوار رہنے پر اصرار کیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ پیدل چل کر لشکر کو یہ پیغام دے رہے تھے: مسلمانو! دیکھو میں ابو بکر خلیفہ رسول ہونے کے باوجود اسامہ کو امیر تسلیم کرتے ہوئے پیدل چل رہا ہوں اور وہ سوار ہیں۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ضرورت کے پیش نظر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ وہ آپ کے ساتھ مدینہ ہی میں رہ جائیں، لیکن آپ نے اس کا حکم نہیں دیا، بلکہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے دیں، اس کے ذریعے سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر ماننے اور ان کا احترام کرنے کی عملی تصویر پیش کی۔ آپ کا یہ فعل لشکر کو اس بات کا پیغام دیتا ہے کہ وہ اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مانیں اور ان کے احکامات کو بجالائیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قول و عمل کے امتزاج کا جو اہتمام کیا اسلام اسی کا حکم دیتا ہے، اسی لیے جو لوگ اپنے کو بھلا کر دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی زجر و توبخ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ❶

﴿اِنَّ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْيَدِ وَ تَنْفُسُهُمْ فِى الْفُسْكَمِ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴﴾

(البقرة: ۴۴)

”کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟“

ھ:..... اسلام میں نوجوانوں کا مقام و مرتبہ:

اس قصے سے اسلام کی خدمت میں نوجوانوں کے عظیم مقام و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ اس وقت لوگوں کی رائے میں سپر پاور سلطنت روم سے لڑنے کے لیے تیاری کی گئی، لشکر کا امیر رسول اللہ ﷺ نے ایک نوجوان صحابی اسامہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، اس وقت ان کی عمر بیس یا اٹھارہ سال تھی، لوگوں کی رائے مخالف ہونے کے باوجود ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے منصب پر باقی رکھا، اللہ کے فضل سے یہ نوجوان قائد اپنی مہم سے مال غنیمت لیے فاتحانہ شان سے واپس ہوئے، اس میں نوجوانوں کو اسلام کی خدمت میں اپنے عظیم مقام و مرتبہ کو پہچاننے کی دعوت دی گئی ہے۔ ❷ داعیوں اور تربیت کے ذمہ داروں کو اس جانب پوری توجہ دینی چاہیے، اور نوجوانوں کو مواقع فراہم کرنا چاہیے تاکہ دین کی خدمت میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ یہ نبوی طریقہ امت میں حرکت و نشاط پیدا کرتا رہے گا، اور مسلمانوں کے تہذیبی کردار کو ادا کرنے کے لیے انھیں مختلف توانائیاں فراہم کرنے میں اپنا رول ادا کرتا رہے گا۔

❶ قصۃ بعث ابی بکر جیش أسامة (ص ۷۰)

❷ قصۃ بعث ابی بکر جیش أسامة (ص ۶۶)

و:..... اسلام میں جہاد کے بہترین آداب:

لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے قصے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے جہاد کے بہترین آداب کو سیکھا، یہ آداب اس وصیت میں موجود ہیں جو وصیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر اسامہ کو رخصت کرتے ہوئے فرمائی تھی، جس طرح نبی کریم ﷺ رخصت کرتے ہوئے کمانڈروں اور لشکروں کو وصیت کرتے تھے، اسی طریقے کو اپناتے ہوئے ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی لشکروں کو وصیتیں کرتے تھے۔ ❶ مذکورہ وصیت سے اسلامی جہاد کے اصل مقصد (اسلام کی جانب دعوت دینا) کا پتہ چلتا ہے، جب قومیں اسلامی لشکر کو دیکھیں گی کہ وہ ان وصیتوں پر سختی سے کاربند ہے تو وہ بہ رضا و رغبت دین اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گی۔ ❷

ز:..... اسلامی حکومت کی ہیبت میں لشکر اسامہ کا دخل:

لشکر اسامہ مال غنیمت لیے فاتحانہ شان سے واپس آیا، اور رومیوں کو اس حد تک مرعوب کیا کہ ہر قل نے حمص میں پادریوں کو جمع کرنے کے بعد ان سے کہا: اسی بات سے میں نے تمہیں ڈرایا تھا، لیکن تم نے میری بات نہ مانی، عرب ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے آئے، تم پر حملہ آور ہوئے اور بغیر کوئی زخم کھائے صحیح سالم واپس لوٹ گئے۔ اسی طرح شمال کے عرب قبائل پر اسلامی حکومت کی طاقت و قوت کا رعب و دبدبہ چھا گیا، اس لڑائی کا مسلمانوں کی زندگی اور ان کے خلاف انقلاب برپا کرنے کی سوچ رکھنے والے عربوں کی زندگی، نیز ان رومیوں کی زندگی میں بڑا اثر رہا، جن کے علاقے ان کی سرحدوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ ❸ اس لشکر نے اپنے کردار سے وہ کارنامہ انجام دیا جو اپنی قوت و طاقت سے انجام نہ دے سکا، چنانچہ مرتدین اقدام سے باز آ گئے، جو اکٹھے ہوئے تھے منتشر ہو گئے، جو لوگ مسلمانوں کے خلاف ہو جانے والے تھے وہ اس سے باز آئے، فوجوں اور اسلحہ سے پہلے رعب و دبدبہ نے اپنا کام کیا۔ ❹

بلاشبہ اس لشکر کو بھیجنا مسلمانوں کے لیے ایک نعمت سے کم نہ تھا، اس لیے کہ اس کی وجہ سے شمال میں مرتدین کا مورچہ نہایت کمزور ہو گیا، نتیجتاً مسلمانوں کے لیے اس فاتح مورچے کو شکست دینا عراق میں دشمنوں کے مورچے کو شکست دینے سے زیادہ آسان ہو گیا۔

ان تمام باتوں سے اس بات کی تاکید اور تائید ہوتی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس مشکل کا حل تلاش کرنے والوں

❶ قصۃ بعث امی بکر جيش أسامة (ص ۸۰)

❷ تاریخ الدعوة إلى الإسلام (ص ۲۶۹)

❸ الصديق لهيكل باشا (ص ۱۰۷)

❹ عبقرية الصديق للعقاد (ص ۱۰۷)

میں سب سے زیادہ گہری نظر اور سمجھ والے تھے۔^①

واقعات بتلاتے ہیں کہ مشکلات سے نمٹنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین سے کافی حد تک متاثر تھے، چنانچہ وہ اپنی خلافت میں سب سے اچھی سمجھ، گہری نظر رکھنے والے اور مسلمانوں کے اتحاد کے سب سے زیادہ حریص تھے۔

ہ:.....مرتدین سے جنگیں:

مرتدین کے خلاف جنگ کے سلسلے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے بالکل درست تھی، اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے لیے حالات بھی اسی رائے کا تقاضا کر رہے تھے، اس کے علاوہ کسی دوسری رائے میں ناکامی، نقصان، شکست اور جاہلیت کی جانب لوٹ جانے کے علاوہ کچھ نہ ہوتا، اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہوتی، پھر مرتدین کے خلاف جنگ سے متعلق ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سخت موقف نہ ہوتا تو تاریخ بدل جاتی، تاریخ کا رخ مڑ جاتا، وقت کی رفتار پیچھے کی طرف مڑ جاتی، اور روئے زمین پر جاہلیت اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ لوٹ آتی۔^②

آپ کی شدید دینی غیرت اور اسلام کی صحیح سمجھ آپ کے اس قول سے واضح ہے:

((قَدْ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّينُ اَيْنُقْصُ وَاَنَا حَيٌّ))^③

”وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، دین پورا ہو چکا ہے، کیا میں جیتے ہی اس میں کمی آنے دوں گا؟“

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف جنگ سے متعلق تمام صحابہ کی آراء کو سنا، اور اس بنا پر کہ آپ رائے کی پختگی اور قوت فیصلہ کے مالک تھے جنگ کا پختہ ارادہ کر لیا، اور صحیح رائے واضح ہو جانے کے بعد ایک لمحہ بھی تردد نہیں کیا، اور متردد نہ ہونا اس عظیم خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر کی جانی پہچانی عادت تھی۔^④

مسلمان آپ کی رائے پر مطمئن ہو گئے، آپ کی بات مان لی، اسے درست قرار دیا، اور آپ کا یہ قول:

((وَاللّٰهُ لَوْ مَنَعُونِيْ عَقَالًا كَانُوا يُؤْذِنُوْنِيْ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِقَاتِلْتَهُمْ عَلٰی

منعه .))^⑤

”اللہ کی قسم ایک رسی بھی جو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ میں دیتے تھے اگر اس کو روک لیں

گے تو میں ان سے قتال کروں گا۔“

① حركة الردة ، د . على العتوم (ص ۱۶۸)

② الشورى بين الاصلالة والمعاصرة (ص ۸۶)

③ المرتضى لأبى الحسن على الندوى (ص ۷۰) ، مشكاة المصابيح (رقم ۶۰۳۴) .

④ الشورى بين الاصلالة والمعاصرة (ص ۸۷)

⑤ صحيح البخارى (رقم ۶۹۲۴)

تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو گیا، گردش ایام اسے مٹانہ سکی، صدیوں کا امتداد اور زمانے کی رکاوٹیں ہم تک پہنچنے سے اسے روک نہ سکیں، مرتدین کے خلاف جنگ میں آپ نے سیاسی حکمت و دانائی سے کام لیا، علمی، اعلامی، جاسوسی، دعوتی اور نفسیاتی اسالیب پر مبنی حکیمانہ منصوبہ بندی کا استعمال کیا، فتحیاب فوجوں کو بھیجا جنہوں نے جزیرۃ العرب سے ارتداد کی تحریک کا قلع قمع کر دیا۔

حسن رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ تعامل سے متعلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تفقہ کو سیکھا، اسی طرح مرتدین کے خلاف جہاد سے متعلق غلبہ و قوت کے بعض فقہی جواب کو بھی سیکھا، ان میں سے بعض اہم جوانب درج ذیل ہیں:

☆ جزیرۃ العرب میں حکومتی نظم و نسق قائم ہونا: بلاشبہ ارتداد کی جنگیں، اس کے اسباب اور ان کا خاتمہ کرنے کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تفقہ، یہ تمام چیزیں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ذہن میں گھر کر گئیں، اور سنماع یا مشاہدہ کے ذریعے سے آپ کی ثقافت کا حصہ بن گئیں۔

☆ اسی طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصروں کے ذہنوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خارجی سیاست کے خدوخال واضح تھے، آپ نے اسلامی حکومت کی خارجی سیاست کے اغراض و مقاصد کو متعین کر دیا تھا۔ ان میں سے بعض اہم مقاصد یہ ہیں:

- دوسری قوموں میں اسلامی حکومت کی ہیبت قائم کرنا۔
- مفتوح قوموں کے مابین عدل و انصاف قائم کرنا اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔
- مفتوح قوموں پر جبر و اکراہ نہ کرنا۔
- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جس جہاد کا حکم دیا ہے اسے باقی رکھنا۔
- ☆ اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگی منصوبہ بندی کے خدوخال حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصروں کے ادب و ثقافت کا حصہ بن گئے تھے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر جنگی منصوبہ کا خاکہ تیار کیا اور اسی کے مطابق عمل کیا اور یہ ٹھوس منصوبہ من جانب اللہ مسلمانوں کی مدد اور غلبہ کے اسباب میں سے اہم سبب رہا۔ اس خاکہ کی بعض اہم چیزیں یہ ہیں:
- دشمن کے علاقے جب تک مسلمانوں کے ماتحت نہ ہو جائیں ان میں دور تک نہ گھسا جائے۔
- تیاری کرنا اور قوتوں کو یکجا کرنا۔
- لشکروں کے لیے ملک بھیجنے کے کام کو منظم کرنا۔
- جنگ کا مقصد متعین کرنا۔

● جنگی تدبیروں کی تحفیز کے مقامات کو افضلیت اہمیت دینا۔

● میدان جنگ سے ہٹ کر رہنا۔

● جنگ کے طریقوں کو ترقی یافتہ بنانا۔

● کمانڈروں کو پیغام رسانی اور ان سے پیغام کے حصول کے ذرائع کی حفاظت۔

☆ خلیفہ کی زیر کی ❶: چنانچہ ابتدائی فتوحات میں اسلامی جنگی منصوبوں میں زیر کی و چالاک کی، فہم و فراست اور تدبیر والی عقل کے مالک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امتیازی کردار رہا، جنگی منصوبہ بندی میں ان کی وسیع تر سمجھ میں نبی کریم ﷺ کی لمبی صحبت معاون رہی، آپ نبوی تعلیم و تربیت کے فیض یافتہ تھے، چنانچہ آپ کو بہت سارے علوم اور مختلف تجربات حاصل تھے، وفات نبوی کے بعد خلافت کی ذمہ داریوں کو بہت اچھے ڈھنگ سے نبھایا، آپ کو بیدار بصیرت حاصل رہی، لشکروں کو قیمتی نصیحتوں سے نوازتے رہے، بروقت کمک بھیجتے رہے، جن سے مجاہدین کو مدد ملتی رہے، ان میں بلند ہمت اور حوصلہ پیدا ہوتا رہے۔ ❷ بلاشبہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی تربیت کتاب اللہ اور نبوی طریقے کی روشنی میں ہوئی۔ آپ نے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقوں کو اچھی طرح اپنایا، ان میں سرفہرست ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ثانیاً:..... عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں

عمر رضی اللہ عنہ اہل بیت کی بڑی قدر کرتے تھے، انھیں اپنے اہل خانہ اور بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے، اس سلسلے میں ان کے بہت سارے واقعات ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ اجازت کے حق دار ہیں:

حسین بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن مجھ سے کہا: اے میرے لاڈلے کاش تم ہمارے پاس آتے رہتے، ایک دن میں آیا آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنہائی میں تھے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما دروازے پر تھے، انھیں اجازت نہیں دی گئی، چنانچہ میں بھی لوٹ گیا بعد میں پھر ان کی مجھ سے ملاقات ہوئی، کہا: اے میرے لاڈلے میں تمھیں اپنے پاس آنا نہیں دیکھتا، میں نے کہا: میں آیا تھا، آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنہائی میں تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کو لوٹتے ہوئے دیکھا تو میں بھی لوٹ گیا، تو آپ نے فرمایا: تم عبد اللہ بن عمر سے زیادہ اجازت کے حق دار ہو، ہمارے سروں میں جو بھی دینی سمجھ اور بصیرت ہے یہ اللہ کی پھر تم لوگوں کی دین ہے، اور

❶ الانشراح و رفع الضیق فی سیرۃ ابی بکر الصدیق

❷ تاریخ الدعوة الاسلامیة (ص ۳۲۶)

آپ نے اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھ دیا۔^①

۲۔ اللہ کی قسم جو جوڑے میں نے تمہیں پہنائے ہیں مجھے اچھے نہیں لگ رہے ہیں:

ابن سعد جعفر بن محمد باقر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وہ علی بن حسین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یمن سے کچھ جوڑے کپڑے آئے، آپ نے لوگوں کو پہنادیے، لوگ جوڑوں میں واپس گئے، آپ قبر بنوی اور مسجد بنوی کے منبر کے مابین بیٹھے ہوئے تھے، لوگ آپ کے پاس آ کر سلام کرتے رہے، آپ کو دعائیں دیتے رہے، حسن و حسین رضی اللہ عنہما اپنی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گھر سے نکل کر لوگوں کے پاس سے گزرنے لگے، انھیں وہ جوڑے نہیں ملے تھے، عمر رضی اللہ عنہ چلے گئے اور فرمایا: اللہ کی قسم جو جوڑے میں نے تمہیں پہنائے ہیں مجھے اچھے نہیں لگ رہے ہیں، لوگوں نے کہا: اے امیر المؤمنین آپ نے اپنی رعایا ہی کو پہنایا ہے اور اچھا کیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ان دونوں بچوں کی وجہ سے، یہ لوگوں کے پاس سے گزر رہے ہیں اور ان پر کوئی جوڑا نہیں، گویا جوڑے ان سے بڑھ کر رہے اور یہ ان سے کمتر رہے، چنانچہ آپ نے یمن کے گورنر کو لکھا کہ حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کے لیے دو جوڑے جلد از جلد بھیجو، چنانچہ دو جوڑے بھیج گئے اور آپ نے انھیں پہنائے۔^②

۳۔ عطیات میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور بنو ہاشم کو مقدم رکھنا:

ابو جعفر سے مروی ہے کہ فتوحات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا حصہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا، بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھا ہوئے، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اپنی ذات سے ابتدا کیجیے، آپ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم میں اس شخص سے ابتدا کروں گا جو رسول اللہ ﷺ سے اور آپ کے قبیلے بنو ہاشم سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ آپ نے عباس رضی اللہ عنہ کا حصہ مقرر کیا، پھر علی رضی اللہ عنہ کا، یہاں تک کہ پانچ قبائل کے درمیان ترتیب قائم کی، اور اخیر میں بنو عدی بن کعب تک پہنچے، ترتیب یوں رکھی گئی کہ بنو ہاشم میں جو لوگ بدر میں شریک تھے ان کے لیے عطیات مقرر کیے، پھر بنو امیہ کے لوگوں کے لیے جو بدر میں شریک ہوئے، پھر جو زیادہ قریب تھا اسے، پھر اسے جو اس سے زیادہ قریب تھا ان سب کے حصے دیے۔^③

رسول اللہ ﷺ سے قربت کی وجہ سے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے ان کے والد کا حصہ (جو اہل بدر کا حصہ تھا) مقرر کیا گیا، چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے پانچ ہزار درہم مقرر کیے۔^④

① المرتضیٰ (ص ۱۱) کنز العمال (۷/۱۰۵)، الإصابة (۱/۱۳۳)

② المرتضیٰ ص ۱۱، الإصابة ۱/۱۰۶

③ الخراج لأبی یوسف ص ۲۴-۲۵، المرتضیٰ ص ۱۱۸

④ تاریخ دمشق الكبير ۶/۱۴

اس واقعہ سے عموماً اہل بیت سے اور خصوصاً حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے عمر رضی اللہ عنہ کی محبت کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے، اس لیے کہ عطیات کے سلسلے میں ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرتے ہوئے انھیں سادات صحابہ کے پہلے طبقے میں رکھا، یہ محض ان دونوں سے محبت اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ان دونوں کے مقام و مرتبہ کے احترام کا نتیجہ تھا۔

۴۔ وفات نبوی کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کا برتاؤ:

اسلم عدوی سے مروی ہے کہتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کی گئی، تو علی و زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر مشورہ کرتے، جب عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا پتہ چلا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، اور کہا: اے صاحبزادی رسول ﷺ آپ کے والد سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی میرے نزدیک محبوب نہیں، اور ان سے مزید کچھ گفتگو کی، اور آپ کے والد کے بعد آپ سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی میرے نزدیک محبوب نہیں، اس کے بعد علی و زبیر رضی اللہ عنہما فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انھوں نے کہا: آپ دونوں لوٹ جائیں، پھر وہ دونوں ان کے پاس لوٹ کر نہیں گئے، یہاں تک کہ دونوں نے بیعت کر لی۔ ①

صحیح اور ثابت شدہ بات یہی ہے اور یہ بات اپنی سند کی صحت کے ساتھ ساتھ اس نسل کے مزاج اور اس کے لیے اللہ کے ترکیہ سے میل کھاتی ہے۔ شیعہ راویوں نے جھوٹ اور بہتان گھڑ کر اس روایت میں شامل کر دیا ہے، اور کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمھارے پاس یہ لوگ آئے تو ان کے اس گھر میں ہوتے ہوئے اس گھر کو آگ لگا دوں گا، اس لیے کہ بیعت نہ کر کے ان لوگوں نے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر دیا ہے، پھر ان کے پاس سے چلے گئے، جب وہ دونوں ان کے پاس دوبارہ آئے تو ان سے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے تھے، اور اس بات پر اللہ کی قسم کھائی ہے کہ اگر تم لوگ اس گھر میں دوبارہ آئے تو تمھارے اس میں ہوتے ہوئے وہ اس گھر کو ضرور جلادیں گے، اور اللہ کی قسم وہ اپنی قسم کو سچ کر دکھائیں گے، اس لیے میرے پاس سے چلے جاؤ پھر لوہ کے مت آنا، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، اور بیعت کے بعد ہی ان کے پاس دوبارہ آئے۔ ②

عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ باطل قصہ ثابت نہیں ہے، اس بات کا دعویٰ کہ انھوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کو جلادینے کا ارادہ کیا تھا سراسر جھوٹ ہے۔ طبری نے اپنی کتاب ”الکامل للإمامۃ“ ③ میں طبری کی اس اور اسی طرح کی دوسری جھوٹی باتوں کو جابر جعفی سے نقل کیا ہے، جب کہ یہی کی ”المیزان“ ④ اور ابن حجر کی

① المصنف لابن ابی شیبہ ۱۴ / ۱۵۶۷ اس کی سند صحیح ہے۔

② عقائد الثلاثة و السبعین فرقة لابی محمد الیمینی ۱ / ۱۴۰

③ دلائل الإمامۃ (ص ۲۰) نقلاً عن عقائد الثلاثة و السبعین ۱ / ۱۴۰

④ المیزان ۱ / ۲۷۹

”تہذیب التہذیب“ ① کے مطابق وہ تمام محدثین کے نزدیک کذاب (بہت جھوٹا) ہے۔

بعض لوگوں کا یہ بھی زعم باطل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہا کو اس قدر مارا کہ ”حسن“ کی شکل میں جو حمل آپ کے بطن میں تھا ساقط ہو گیا، یہ ایسا جھوٹ ہے جس کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انھیں یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ لوگ حقیقت میں علی رضی اللہ عنہ کو اس طرح مطعون کر رہے ہیں کہ ان پر عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق خاموش رہنے اور بزدلی کا ثبوت دینے کی تہمت لگا رہے ہیں، جب کہ وہ بہادر ترین صحابہ کرام میں سے تھے۔ ②

بعض عقل مند شیعہ نے اس ہذیان سرائی اور جھوٹ کی صحت کا انکار کیا ہے۔ ③ اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مسند امام احمد کی گزری ہوئی صحیح روایت کے مطابق ”حسن“ نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے تھے۔

۵۔ ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کی عمر رضی اللہ عنہ سے شادی:

اہل بیت کی اللہ کے رسول ﷺ سے قرابت کی بناء پر ان سے عمر رضی اللہ عنہ کی جو محبت تھی دوسروں سے نہیں تھی، نیز رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت کے اعزاز اور ان کے حقوق کی رعایت کی وصیت کی تھی، اسی بناء پر عمر رضی اللہ عنہ نے علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہا کو پیغام نکاح دیا، اور ان کی چاہت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم روئے زمین پر ان کے ساتھ میں سب سے اچھی رفاقت نبھاؤں گا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بلاشبہ آپ ایسا کریں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ مہاجرین کے پاس آئے اور مارے خوشی کے کہنے لگے: مجھے شادی کی مبارکباد دیجیے۔ پھر ان سے اپنی شادی کا سبب بتایا کہ آپ نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ قیامت کے دن ہر رشتہ و نسب ختم ہو جائے گا سوائے میرے رشتے اور نسب کے، تو میں نے اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین رشتے کو پسند کیا۔ ④

ابومعاذ اسماعیلی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس مبارک شادی سے متعلق اہل سنت و اہل تشیع کے مصادر و مراجع میں جو کچھ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما سے عمر رضی اللہ عنہ کی شادی ایک حقیقت ہے، چنانچہ میں نے اپنی کتاب ”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شخصیت و کارنامے“ (طبع الفرقان ٹرسٹ)

① تہذیب التہذیب ۴۷/۲

② حقبة من التاريخ ص ۲۲۴

③ مختصر التحفة الاثني عشرية ص ۲۵۲

④ المستدرک للحاکم ۱/۳، اس کی سند حسن ہے، امام ذہبی کہتے ہیں: منقطع ہے۔ بیہقی نے مجمع الزوائد ۳/۱۷۳ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ طبرانی نے اس کو ”الکبیر“ اور ”الاوسط“ میں نقل کیا، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے حسن بن ہبل کے اور بعض لوگوں نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میں ان کی سیرت اور عہد فاروقی میں ان کی زندگی کے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

۶۔ مدائن کے اموال غنیمت:

جب ۱۶ھ میں مدائن فتح ہوا، وہاں سے اموال غنیمت آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو ایک ایک ہزار اور اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پانچ سو دہم دیے۔^① اس واقعے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے تھے اور انھیں مقدم رکھتے تھے۔

☆ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تفقہ کا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر اثر:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت خلافت راشدہ کی نہج پر قائم ہوئی، مشکلات کے حل، نوپیش آمدہ مسائل میں اجتہاد، اور حکومت کے اداروں کو ترقی دینے میں توفیق الہی کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عبقریت کا بڑا دخل رہا، آپ کی ثقافت اور آپ کے عہد کی ادبیات سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے متاثر ہونے میں آپ کے والد علی رضی اللہ عنہ کی عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے قربت معاون رہی، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ فاروقی حکومت کی مجلس شوریٰ کے نمایاں ممبر تھے، بلکہ وہی مستشار اول تھے، آپ کے فضل، تفقہ اور حکمت کے عمر رضی اللہ عنہ معترف تھے آپ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں آپ کے بارے میں ان کا قول ہے:

((أقضانا علي .))^②

”قضا اور فیصلوں میں ہم میں سے سب سے زیادہ اہل علی رضی اللہ عنہ ہیں۔“

عہد فاروقی میں حکومتی، مالی اور عدالتی امور میں علی رضی اللہ عنہ کے بہت سارے اجتہادات تھے، جن پر امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، آپ ان سے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں مشورہ کرتے، بیت المقدس اور مدائن کی فتح کے موقع پر، نہادند کی جانب لشکر کشی اور اہل فارس سے جنگ کے موقع پر، رومیوں سے جنگ کے موقع پر، ہجری سال کی ابتداء کہاں سے ہو اس کی تعیین کے موقع پر، اس کے علاوہ بہت سارے مواقع پر آپ سے مشورہ کیا۔^③

علی رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر آپ کے خیر خواہ، مستشار، آپ سے محبت کرنے والے اور آپ کی فکر رکھنے والے تھے۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے، ان کے مابین دو طرفہ محبت والفت اور اعتماد تھا، اس کے باوجود دشمنان اسلام تاریخ کو مسخ کرنے میں لگے ہیں، اور اپنے مزاج و خیال کے مطابق بعض افسانے

① مقامات العلماء للغزالی ص ۱۶۱

② الاستیعاب فی معرفة الأصحاب ص ۱۱۰۲

③ علی بن ابی طالب مستشار أمين للخلفاء الراشدين ص ۹۹

گھڑتے ہیں تاکہ خلفائے راشدین کے عہد کی تصویر کشی اس طرح کریں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے گھات میں لگا رہتا تھا تاکہ ان کا کام تمام کر دیں، ان کے معاملات پردوں کے پیچھے انجام پاتے تھے۔^①

عہد فاروقی کا گہرائی سے جائزہ لینے والا عمر و علی رضی اللہ عنہما کے مابین خصوصی تعلقات اور واضح و خوش گوار تعاون کا اچھی طرح پتہ چلا سکتا ہے، تمام مسائل و مشکلات میں علی رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے مستشار اول تھے، علی رضی اللہ عنہ کی ہر رائے کو عمر رضی اللہ عنہ نے انشراح صدر کے ساتھ نافذ کیا، علی رضی اللہ عنہ آپ کے تمام امور و احوال میں نہایت مخلص خیر خواہ تھے۔^②

بلاشبہ علی و عمر رضی اللہ عنہما کے مابین ان تعلقات کی حسن بنیئت اور آپ کے ہم عصروں پر تربیتی، علمی اور ثقافتی چھاپ تھی، عمر و علی رضی اللہ عنہما کے مابین مضبوط تعلقات کی بہت ساری دلیلیں ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ میرے بھائی اور میرے دوست نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے:

علی رضی اللہ عنہ عدن کا بنا ہوا کپڑا پہنے نکلے تو کہا:

”میرے بھائی، ساتھی اور گہرے دوست امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے۔“^③

ابو اسفر سے مروی ہے کہتے ہیں: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہ کپڑا پہنے ہوئے تھے جسے آپ بہ کثرت پہنا کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا: اے امیر المؤمنین کیا آپ اس کپڑے کو زیادہ پہنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میرے ساتھی اور گہرے دوست عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے۔ آپ اللہ کے لیے مخلص رہے تو اللہ نے آپ کی خیر خواہی کی، پھر رو پڑے۔^④

اس طرح کے واقعات کی روشنی میں حسن، علی و اہل بیت اور عمر رضی اللہ عنہ کے مابین دوطرفہ محبت کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔

☆ شہادت کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کا قول:

صحیح بخاری میں وارد ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ چار پائی پر رکھا گیا، تو جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے لوگ گھیرے ہوئے دعائیں کر رہے تھے، ایسی حالت میں ایک شخص نے میرا کندھا پکڑ کر مجھے حیرت میں ڈال دیا، وہ علی رضی اللہ عنہ تھے، عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے رحمت کی اور فرمایا: آپ نے اپنے پیچھے کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑا جس کے اعمال میرے نزدیک آپ کے اعمال سے زیادہ محبوب ہوں کہ اس طرح کے اعمال

① علی بن ابی طالب مستشار أمين للخلفاء الراشدين ص ۹۹

② فقه السيرة النبوية للبوطي ص ۵۲۹

③ المختصر من كتاب الموافقة ص ۱۴۰

④ المصنف لابن ابی شيبه ۲۹/۱۲

کر کے میں اللہ سے ملاقات کرنا چاہوں، اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ کر دے گا، مجھے یاد آتا ہے کہ میں اکثر نبی کریم ﷺ کو کہتے سنتا تھا:

((ذَهَبْتُ أَنَا وَابُوبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَلْتُ أَنَا وَابُوبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ أَنَا وَابُوبَكْرٍ وَعُمَرُ)) ❶

”میں، ابو بکر اور عمر گئے اور میں، ابو بکر اور عمر داخل ہوئے اور میں، ابو بکر اور عمر نکلے۔“

☆ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہرنا ناپسند کرتے تھے اس لیے میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں:

جب جنگ جمل سے علی رضی اللہ عنہ فارغ ہوئے، بصرہ آئے، عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ جانے لگیں تو ان کے ساتھ کچھ دور چل کر انھیں رخصت کیا، پھر بصرہ سے کوفہ گئے، وہاں آپ بروز سوموار ۱۲/۳۶ھ کو پہنچے، آپ سے کہا گیا: آپ قصر ایض میں ٹھہریں، آپ نے فرمایا: نہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہرنا ناپسند کرتے تھے، اس لیے میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں، چنانچہ آپ مکانوں کے مابین کھلی جگہ میں ٹھہرے، اور جامع اعظم میں دو رکعت نماز پڑھی۔ ❷

☆ اہل بیت کی عمر رضی اللہ عنہ سے محبت:

عمر رضی اللہ عنہ سے اہل بیت کی محبت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی شخصیت چوں کہ ان کے نزدیک محبوب و ہر دل عزیز تھی، وہ لوگ آپ کے بہترین کارناموں، اچھے اخلاق اور اسلام کی نمایاں خدمات کا احترام کرتے تھے، نیز ان مضبوط دوستانہ تعلقات کا پاس و لحاظ رکھتے تھے جو آپ کو اہل بیت اور ان سے سرکاری رشتے سے جوڑتے تھے، انھی وجوہ و اسباب کی بناء پر وہ لوگ اپنے بچوں کا نام آپ کے نام پر رکھتے تھے، چنانچہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے بچے کا نام آپ کے نام پر رکھا، ام حبیب بنت ربیعہ بکریہ کے لطف سے پیدا ہونے والے اپنے بیٹے کا نام آپ نے عمر رکھا۔ ❸

کتاب ”الفصول“ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد کے تذکرے میں وارد ہے: اور تغلبیہ کے لطف سے عمر ہیں، وہ صہباء بنت ربیعہ ہیں، آپ ان قیدیوں میں سے تھیں جو ”عین التمر“ پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حملے کے نتیجے میں قید ہوئے تھے، مذکور عمر ۸۵ سال زندہ رہے، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آدمی وراثت کے حق دار بنے، ایسا اس لیے کہ آپ کے تمام گنگے بھائی عبداللہ، جعفر، عثمان آپ سے پہلے حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید

❶ صحیح البخاری رقم ۳۶۸۵

❷ تاریخ الخلافة الراشدة، محمد کنعان ص ۳۸۳

❸ تاریخ البعقوبی ۲/۲۱۳، الشیعة واهل البيت ص ۱۳۳

کر دیے گئے چنانچہ آپ ان سب کے وارث ہوئے۔ ❶

عمر بن العاصؓ سے محبت کے سلسلے میں حسن بن علیؑ نے بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا۔ ❷

اسی طرح حسین بن علیؑ نے بھی اپنے بیٹے کا نام عمر رکھا، حسین بن علیؑ کے بعد آپ کے صاحبزادے علی زین العابدین نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا۔ ❸

اہل بیت کے یہ ائمہ جو نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اس طرح عمر بن علیؑ کے لیے اپنے سینوں میں چھپی محبت و دوستی کا اظہار آپ کی وفات کے کافی عرصہ بعد کرتے تھے، اس طرح اس نام نیز ابو بکر و عثمان (رضی اللہ عنہم) جیسے ناموں کا راہ حق پر چلنے والے اہل بیت میں رواج رہا، آج تک اہل سنت و جماعت کا یہی منہج ہے، اسی طرح ہاشمی خاندانوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امہات المؤمنین کے نام ملتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کا نام طلحہ، عبدالرحمن، عائشہ اور ام سلمہ رکھا، آج ہم شیعوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ حسن و حسین بن علیؑ اور اہل بیت کے ائمہ کی اقتداء کریں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے، اور اپنے بعض بچوں اور بچیوں کا نام خلفائے راشدین اور امہات المؤمنین کے ناموں پر رکھتے تھے۔ ❹

☆ عمر بن علیؑ کے بارے میں عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کا قول:

حفص بن قیس سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن حسن سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا: مسح کرو، کیوں کہ عمر بن علیؑ نے مسح کیا، کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ مسح کرتے ہیں؟ تو فرمایا: خاموش رہو، میں تم کو عمر بن علیؑ کے بارے میں بتا رہا ہوں، اور تم مجھ سے میری رائے پوچھ رہے ہو، عمر بن علیؑ مجھ سے اور روئے زمین کے اور تمام لوگوں سے بہتر تھے، تو میں نے کہا: اے ابو محمد کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ یہ بطور تقیہ کہہ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے (جب کہ ہم لوگ قبر نبوی اور منبر کے درمیان تھے) فرمایا:

”اے اللہ میرا یہی قول خلوت میں بھی ہے اور جلوت میں بھی، میرے بعد میرے خلاف کسی کی بات نہ سنی جائے، پھر فرمایا: کس کا یہ زعم باطل ہے کہ علی بن علیؑ مظلوم و مقبور تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے

❶ الفصول المهمة ص ۱۴۳، الشیعة و اهل البيت ص ۱۳۳

❷ الشیعة و اهل البيت ص ۱۳۳

❸ الشیعة و اهل البيت ص ۱۳۴

❹ اذہبوا فانتم الرافضة، عبدالعزیز الزبیری ص ۲۳۰

آپ کو ایک بات کا حکم دیا اور آپ اس حکم کو بجا نہیں لائے، علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کے لیے یہ زعم باطل کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ایک بات کا حکم دیا اور آپ اس کو بجا نہیں لائے۔“ ۱

ثالثاً..... عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں

شروع ہی سے عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا اسلامی دعوت سے گہرا ربط رہا، حیات نبوی کی ہر چھوٹی بڑی بات سے آگاہ تھے، شیخین کے دور میں خلافت کے تمام احوال سے آپ کو آگاہی تھی، دوسرے لفظوں میں موجودہ اصطلاح کے مطابق آپ اسلامی حکومت کی تاسیس میں برابر شریک رہے۔

عثمان بن عفان اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت جس منہج پر ہوئی وہ منجانب اللہ نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید ہے، اور دوسری چیز جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر کافی موثر رہی اور آپ کی منجانب اللہ عطا کردہ صلاحیتوں کو جلا بخشی، آپ کی خوابیدہ طاقتوں کو ابھارا، آپ کو مہذب بنایا وہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور نبوی مدرسہ میں آپ ﷺ کی شاگردی رہی، چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہتے، آپ نبوی مدرسہ میں بشریت کے ہادی و رہنما سے مختلف علوم و معارف سیکھنے کے حریص تھے۔

جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کا سبب آپ کی سستی یا راہ فرار اختیار کرنا نہیں تھا جیسا کہ آپ پر تنقید کرنے والے بعض نفس پرستوں کا زعم باطل ہے، آپ کا ارادہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا نہیں تھا، اس لیے کہ جنگ بدر میں شرکت کی بنا پر اہل بدر کو جو فضیلت حاصل ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع ہے، آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بغرض شرکت نکلے، لیکن آپ ﷺ نے اپنی سخت بیمار مٹی ”رقیہ“ کی دیکھ رکھ کے لیے آپ کو واپس کر دیا وہ اسی بیماری میں اللہ کو پیاری ہو گئیں، چنانچہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری ہی کے باعث شریک نہ ہو سکے، اور اسی اطاعت ہی کے باعث آپ ﷺ نے آپ کا حصہ اور اجر و ثواب مقرر کیا اور مال غنیمت، فضیلت اور اجر و ثواب میں آپ کو صحابہ کرام کے ساتھ شریک کیا۔

طبری نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کی بہت ساری خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ اس بات کی خصوصیت کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کر رہے تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ غائب تھے تو نبی کریم ﷺ کے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام قرار دیا گیا۔

۱۔ النہی عن سب الأوصحاب و ما فیہ من الإثم و العقاب ، لمحمد عبدالواحد المقدسی ص ۵۷

۲۔ اس بات کی خصوصیت کہ مکہ میں موجود قیدی مسلمانوں تک رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو پہنچانے کے لیے آپ ہی کو مکلف کیا گیا، اور انھیں جب آپ ﷺ نے پیغام دے کر بھیجا تو طواف نہ کرنے میں ان کی رائے کی درستی کی آپ ﷺ نے شہادت دی۔^①

۳۔ فتح مکہ کے موقع پر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں آپ کی سفارش رسول اللہ ﷺ نے قبول کی۔^②

مدینہ میں عثمان بنی النضر کی معاشرتی زندگی کے اہم واقعات میں سے رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے شادی کرنا، عبد اللہ بن عثمان بنی النضر کی وفات، بھرام کلثوم بنتی النضر کا وفات پا جانا ہے۔

حکومت کے قیام میں آپ کی اقتصادی ساجھے داریوں سے رومہ نامی کنوئیں کو بیس ہزار درہم میں خرید کر تمام مالداروں، غریبوں اور مسافروں کے لیے عام کر دینا، مسجد نبوی کی توسیع اور ”جیش عمرہ“ پر بہت زیادہ خرچ کرنا ہے۔

دوسروں کے ساتھ آپ کی فضیلت میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں، اور کچھ حدیثیں صرف آپ کی فضیلت میں وارد ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس فتنے کی خبر دی تھی جس میں آپ قتل کیے گئے۔ دور صدیقی میں آپ اہل شوریٰ اور ایسے صحابہ کرام میں سے تھے جن سے اہم امور میں مشورہ لیا جاتا تھا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک آپ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے مقام پر تھے، عمر رضی اللہ عنہ ٹھوس موقف اور سختیوں میں مشہور تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ نرمی اور بہ اطمینان سوچنے سمجھنے میں مشہور تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ صدیقی خلافت کے وزیر اور عثمان رضی اللہ عنہ اس کے ناظم عمومی اور کاہنوں کے رئیس تھے، عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی آپ کا بڑا مقام و مرتبہ تھا، لوگ جب عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بات پوچھنا چاہتے تو آپ عثمان اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجتے، عثمان رضی اللہ عنہ ردیف کے لقب سے جانے جاتے تھے، اور عربوں کے نزدیک یہ لقب امیر کے بعد دوسرے شخص کے لیے ہوتا تھا، جب یہ دونوں کوئی کام انجام نہ دے پاتے تو لوگ ان کے ساتھ تیسرے شخص عباس رضی اللہ عنہ کو لگا دیتے۔^③

دور عثمانی میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما عالم شباب میں تھے آپ عمر کے اس مرحلے میں تھے کہ تمام حالات کی آگاہی رکھیں، رونما ہونے والے واقعات، خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے ارد گرد رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

① المناقب النضرۃ فی المناقب العشرۃ (ص ۴۹۰، ۴۹۱)

② أضواء البیان فی تاریخ القرآن، لصابر ابوسلیمان ص ۷۹

③ تیسیر الکرم المنان فی سیرۃ عثمان للصلابی .

سیاست سے سبق سیکھیں، چنانچہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے درج ذیل اہم اسباق کو سیکھا:

۱۔ خلیفہ کی تعیین میں عمر رضی اللہ عنہ کا تفقہ:

آخری سانس تک عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امت کے اتحاد اور اس کے مستقبل کی فکر تھی، جب کہ آپ شدید زخموں کی تکلیف میں مبتلا تھے، بلاشبہ یہ تاریخی لمحات تھے، جو عمر فاروق کے پختہ ایمان، اخلاص اور ایثار کا پتہ دے رہے تھے۔^①

ان مشکل ترین لمحات میں عمر رضی اللہ عنہ نے نئے خلیفہ کے انتخاب کی ایک نئی شکل ایجاد کی، یہ چیز اسلامی حکومت کی سیاست میں آپ کے تفقہ کی واضح دلیل و علامت ہے، آپ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے کسی کے خلیفہ بنائے جانے کی تصریح نہیں کی تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ سے مشورہ کر کے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا، عمر رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر تھے آپ سے خلیفہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا، آپ کچھ دیر تک غور و فکر کرتے رہے پھر فیصلہ کیا کہ حالات کے تقاضے کے مطابق ایک نیا طریقہ اپنایا جائے، جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو تمام لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور آپ کے زیادہ حق دار ہونے کے قائل تھے، اس لیے اختلاف کی گنجائش شاذ و نادر تھی، بالخصوص اس لیے بھی کہ قولا و عملا نبی کریم ﷺ نے امت کو اس جانب توجہ دلائی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تو آپ کو معلوم تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق تھے کہ آپ کے بعد خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے میں عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قوی اور افضل ہیں، چنانچہ کبار صحابہ سے مشورہ کے بعد آپ کو خلیفہ مقرر کر دیا، کسی نے آپ کی رائے کی مخالفت نہیں کی، اس طرح عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اجتماع منعقد ہو گیا۔^②

آپ نے خلیفہ کے انتخاب کے نئے طریقے میں ایک مخصوص تعداد کی مجلس شوریٰ بنائی اس میں چھ ایسے صحابہ تھے جو فرق مراتب کے ساتھ ذمہ داری سنبھالنے کے اہل تھے، آپ نے انھیں طریقہ انتخاب سے آگاہ کیا، مدت مقرر کی اور اس بات کی وضاحت کی کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے کتنے ووٹ چاہئیں۔ ووٹ برابر ہونے کی صورت میں مجلس شوریٰ میں حکم مقرر کیا کہ ان کا ووٹ ترجیحی ہوگا، مجلس شوریٰ میں انتخاب کی کارروائیوں کی دیکھ رکھ کے لیے، اجتماعی فیصلے کے مخالفین کو سزا دینے کے لیے، گڑبڑ کو روکنے کے لیے آپ نے ایک فوجی دستہ مقرر کیا، وہ دستہ اہل حل و عقد کی مجلس میں کسی کو جانے اور وہاں کی کارروائیوں کو سننے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔^③

① الخلیفۃ الفاروق عمر بن الخطاب للعانی ص ۱۶۱

② أولیات الفاروق للقرشی ص ۱۲۲

③ أولیات الفاروق ص ۱۲۴

سابقہ اجمالی باتوں کی تفصیل یہ ہے:

ا:..... مجلس شوریٰ کے لیے آپ کی مقرر کردہ تعداد اور ان کے نام:

ان کی تعداد چھ تھی، ان کے نام یہ ہیں: علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہم عشرہ مبشرہ میں سے تھے انھیں شاید آپ نے اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ وہ قبیلہ بنو عدی کے تھے۔^①

عمر رضی اللہ عنہ اپنے اعزہ و اقارب سے امارت و خلافت کو دور رکھنے کے حریص تھے جب کہ ان میں اس کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود تھے، اس لیے آپ نے اپنے قریبی سعید بن زید کا نام خلافت کے امیدواروں کی فہرست میں شامل نہیں کیا۔^②

ب:..... خلیفہ کا طریقہ انتخاب:

آپ نے اہل شوریٰ کو حکم دیا کہ ان میں سے کسی کے گھر میں وہ لوگ اکٹھے ہوں اور باہمی مشورہ کریں، ان کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی صرف مشیر کی حیثیت سے حاضر تھے، انھیں کوئی اور اختیار نہیں تھا، باہمی مشورہ کے موقع پر صہیب رومی رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کرتے تھے، آپ نے ان سے کہا: آپ ان تین دنوں میں امامت کے ذمہ دار ہوں گے تا آنکہ آپ چھ میں سے کسی کو امامت کا ذمہ دار بنادیں اور جسے عمر رضی اللہ عنہ اس کی ذمہ داری دیں گے اسی کو خلافت کا ذمہ دار بنائیں گے۔^③ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو انتخابی کارروائیوں کا نگران مقرر کیا۔^④

ت:..... انتخاب یا مشاورت کی مدت:

عمر رضی اللہ عنہ نے تین دن کی مدت مقرر کی، یہ مدت کافی ہے، اگر مدت اس سے زیادہ ہو تو اختلافات کے وسیع ہونے کا خوف ہوگا، اسی لیے آپ نے فرمایا تھا:

”جو تھے دن تمہارا امیر مقرر ہوگا۔“^⑤

ث:..... خلیفہ کے انتخاب کے لیے مطلوبہ ووٹوں کی تعداد:

فقہ راویوں کی سند سے ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

① البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۴۲

② الخلفاء الراشدون للخالدی ص ۹۸

③ الخلافة و الخلفاء الراشدون للہنساوی ص ۲۱۳

④ أشهر مشاہیر الاسلام فی الحرب و السیاسة ص ۶۴۸

⑤ الطبقات لابن سعد ۳/ ۳۶۴

”آپ تین دن لوگوں کی امامت کرائیں، یہ لوگ کسی گھر میں اکٹھے ہوں، جب یہ لوگ کسی شخص پر اتفاق کریں تو مخالفت کرنے والے کا سر قلم کر دو۔“^①

ان لوگوں کے مخالفت کرنے اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے والے کو عمر رضی اللہ عنہ نے اسی قول نبوی پر عمل کرتے ہوئے قتل کرنے کا حکم دیا تھا:

((مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ مِنْكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَشَقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَأَقْتُلُوهُ.))^②

”تم اگر کسی شخص پر متفق ہو ایسی حالت میں کوئی آکر تمہارے اندر اختلاف پیدا کرنا چاہے یا تمہاری جماعت کو منتشر کرنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔“

کتب تاریخ میں جو یہ روایت آئی ہے کہ آپ نے انھیں اکٹھا ہونے اور باہمی مشورہ کرنے کا حکم دیا اور لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کر دی کہ جب ان میں سے پانچ کسی شخص پر متفق ہو جائیں، ایک انکار کرے تو تلوار سے اس کی گردن مار دو، اور اگر چار کسی کو منتخب کر لیں، دو انکار کریں تو ان کی گردن مار دو،^③ اس روایت کی سند صحیح نہیں ہے، یہ ان عجیب و غریب روایتوں میں سے ہے جنہیں رافضی شیعہ ابو مخنف نے صحیح روایتوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرتوں کی مخالفت کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ چند صحابی ہیں اور ان فضائل اور مقام و مرتبہ کو جانتے ہوئے آپ ہی نے انھیں اس کام کے لیے منتخب کیا ہے۔^④

ابن سعد سے منقول ہے کہ ”عمر رضی اللہ عنہ نے انصار سے کہا: ان لوگوں کو تین دن کے لیے کسی گھر میں داخل کر دو، اگر معاملے کو ٹھیک کر لیتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ ان کی گردن مار دو۔“^⑤

یہ روایت منقطع ہے، اس کی سند میں سماک بن حرب نامی راوی ضعیف ہیں، آخری عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔^⑥

ج:..... اختلاف کی صورت میں فیصل:

آپ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ مجلس میں عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) بھی حاضر ہوں، انھیں کوئی اختیار نہیں ہوگا

② صحیح مسلم ۳/ ۱۴۸۰

① الطبقات لابن سعد ۳/ ۳۶۴

④ مرویات أبي مخنف في تاريخ الطبري، د. يحيى ص ۱۷۵

③ تاريخ الطبري ۵/ ۲۲۶

⑤ الطبقات لابن سعد ۳/ ۳۴۲

⑥ مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري ص ۱۷۶

سوائے اس کے کہ اگر تین کسی ایک کو منتخب کریں اور تین کسی دوسرے کو تو عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو حکم و فیصلہ بنائیں، فریقین میں سے جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ کریں تو وہ اپنے میں سے کسی شخص کا انتخاب کرے، اگر لوگ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلے کو ناپسند کریں تو اس فریق کے ساتھ ہو جاؤ جس میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں، ان کا وصف بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کیا ہی اچھی رائے والے اور عقلمند ہیں انھیں الہی حفاظت حاصل ہے، اس لیے ان کی بات مانو۔^①

ح:..... اسلامی فوج کا ایک گروہ انتخاب کی نگرانی کرتا ہے اور گڑ بڑ کو روکتا ہے:

عمر رضی اللہ عنہ نے ابوطالبہ رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے ان سے کہا: اے ابوطالبہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے ذریعہ سے اسلام کو غلبہ عطا کیا، اس لیے انصار میں سے پچاس لوگوں کو منتخب کر لو، اور ان سے مطالبہ کرو کہ اپنے میں سے ایک آدمی کو (گروہ کا امیر) منتخب کر لیں^② اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا: جب تم لوگ مجھے دفن کر دو تو ان لوگوں کو ایک گھر میں جمع کرو تا کہ وہ لوگ اپنے میں سے ایک آدمی کو (اپنے گروہ کا امیر) منتخب کر لیں۔

خ:..... افضل کے ہوتے ہوئے مفضل کو ذمہ دار بنانے کا جواز:

شوری کے فوائد میں سے افضل کے ہوتے ہوئے مفضل کو ذمہ دار بنانے کا جواز ہے، اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ میں چھ لوگوں کو شامل کیا جب کہ آپ کو معلوم تھا کہ ان میں سے بعض دوسرے سے افضل تھے۔ یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے گورنروں کی تعین سے بھی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ آپ اس میں صرف دینی فضیلت کی رعایت نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شرعی سیاست کی بصیرت اور غیر شرعی سیاست سے دوری کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے معاویہ، مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو گورنر مقرر کیا جب کہ دین و علم میں ان لوگوں سے افضل لوگ موجود تھے، جیسے شام میں ابوالدرداء اور کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔^③

ش:..... عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طریق کار میں تعین و عدم تعین دونوں کو شامل رکھا:

عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ مشاورت کی تکمیل صرف چھ لوگوں سے نہیں ہو سکتی، بلکہ ضروری ہے کہ خلافت کا کون مستحق ہے اس سلسلے میں مدینہ والوں کی رائے لی جائے، اس لیے ان کے لیے تین دن کی مدت مقرر کی، تاکہ وہ باہمی مشورہ اور بحث و مباحثہ کر سکیں تاکہ آپ کے بعد خلیفہ کی خلافت پر دار الحجرہ مدینہ میں موجود اکثر لوگوں کا اتفاق ہو سکے، اس میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، اور مدینہ کے علاوہ دوسری جگہوں میں جو لوگ تھے وہ

① تاریخ الطبری ۳۲۵/۵

② تاریخ الطبری ۳۲۵/۵، تاریخ الطبری: ۳۲۵/۵

③ المدینۃ النبویۃ فجر الاسلام والعصر الراشدی ۹۷/۲

مدینہ کے صحابہ کرام جس پر متفق ہو جائیں اس کو ماننے والے تھے۔ ۲۳ھ تک مدینہ منورہ صحابہ کرام خصوصاً کبار صحابہ کا گڑھ رہا، اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے پاس ہی رکھا اور مفتوحہ علاقوں کی جانب نہیں جانے دیا۔^①

ک:..... مجلس شوریٰ اعلیٰ ترین سیاسی کمیٹی تھی:

بلاشبہ عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اہل شوریٰ کو یہ ذمہ داری دی کہ اپنے میں سے خلیفہ منتخب کریں، اور یہ ایک اہم بات ہے کہ اہل شوریٰ میں سے کسی نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی اس قرار داد کی مخالفت نہیں کی، اور دوسرے صحابہ میں سے بھی کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، ہمارے پاس موجود نصوص اسی بات پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ ہمیں نہیں معلوم کہ اس زمانے میں کسی نے بھی کوئی دوسرا منصوبہ پیش کیا ہو، یا عمر رضی اللہ عنہ کے شورائی طریق کار کی آپ کی زندگی کے آخری اوقات میں یا آپ کی وفات کے بعد مخالفت کی گئی ہو، بلکہ تمام لوگوں نے اس طریق کار کو پسند کیا اور انھیں اسی میں مسلمانوں کی مصلحت نظر آئی۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اعلیٰ ترین سیاسی کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمہ خلیفہ منتخب کرنا تھا، عمر رضی اللہ عنہ کی عبقریت کا مقرر کردہ یہ نیا دستوری نظام بالخصوص اس کا شورائی پہلو اسلام کے بنیادی اصول و مبادی سے متعارض نہیں تھا، اس لیے کہ نتیجے کے لحاظ سے اصل اعتبار اس عام بیعت کا تھا جو جامع مسجد میں انجام پذیر ہوئی۔ اس بناء پر بعض لوگوں کے ذہنوں میں جو یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو کس نے یہ حق دیا؟ اس طریق کار میں عمر رضی اللہ عنہ کی دلیل کیا ہے؟ وہ بے معنی ہیں۔

ہمیں یہ جان لینا کافی ہے کہ مسلمانوں نے اس طریق کار کو مانا، اسے پسند کیا، اس پر کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں کیا گیا، اس طرح ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اس کی صحت اور نفاذ پر اجماع (جو تشریع کے مصادر میں سے ہے) منقطع ہے۔^②

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں، ہمیں یہ بھی یقین کرنا چاہیے کہ مجلس شوریٰ اعلیٰ ترین سیاسی کمیٹی تھی جسے عہد خلافت راشدہ میں اسلامی نظام حکومت نے مقرر کیا تھا، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس کمیٹی میں عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے مقرر کردہ لوگوں میں وہ خصوصیات تھیں جو دوسرے لوگوں میں نہیں تھیں۔ یہ خصوصیات انھیں منجانب اللہ عطا ہوئی تھیں اور انھیں ان خصوصیات سے رسول اللہ ﷺ نے مطلع کیا تھا، چنانچہ مومنوں کا عقیدہ ہے کہ کوئی دوسرا مسلمان عشرہ مبشرہ کے تقویٰ اور امانت کے درجہ کو نہیں پاسکتا۔

اس طرح عمر رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے، آپ نے مصیبت اور سرکرات الموت کی پروا نہ کرتے ہوئے

① المدینة النبوية فجر الإسلام والعصر الراشدي ۹۷/۲

② نظام الحكم في الشريعة والتاريخ للفاسمي ۱/۲۲۷، ۲۲۸

مسلمانوں کے معاملے کو اچھی طرح حل کیا، اور ایک نئے شورائی نظام کی بنیاد ڈالی، اس میں کوئی شک نہیں کہ شورائی کی اصل قرآن اور قوی و فعلی حدیثوں سے ثابت ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عمل رہا، اس لیے عمر رضی اللہ عنہ شورائی کی اصل کو نئے سرے سے وجود میں لانے والے نہیں تھے، آپ کا نیا کام خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ کار متعین کرنا اور شورائی کے لیے محدود عدد کی مجلس تشکیل دینا ہے، اس کام کو نہ تو رسول اللہ ﷺ نے انجام دیا اور نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی بلکہ اسے سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ نے انجام دیا، اور یہ بہت ہی اچھا کام تھا، اس لیے کہ اس وقت صحابہ کے حالات کے موافق یہ سب سے افضل طریق کار تھا۔ ❶

امور خلافت کے تفقہ میں یہ خوشگوار ترقی، سیاسی بصیرت اور حالات کے مطابق علمی اجتہادات، ان تمام چیزوں کا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت، ان کی وسعت فہمی اور بالغ نظری میں اہم کردار رہا، اسی بناء پر آپ نے بھی ایک اسلوب اختیار کیا، اور اختلاف و انتشار کے بعد امت کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ نادر اور عمبری شخصیتیں بے بنیاد وجود میں نہیں آتیں۔ آپ کی شخصیت اسلامی تہذیب و ثقافت کو پروان چڑھانے میں سابقہ لوگوں کی کوششوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ اور وسیع تجربات کا نتیجہ تھی۔

۲۔ مجلس شورائی کی کارروائیوں کو چلانے میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا منہج:

عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے سلسلے میں مجلس شورائی کی کارروائیوں کو چلانے میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے منہج کو حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے بہت قریب سے دیکھا، یہ منہج درج ذیل نکات پر مشتمل تھا:

۱۔..... مجلس شورائی کا مشاورت کے لیے اجتماع:

عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے فوراً بعد مجلس شورائی اور حکومت کی مجلس اعلیٰ کے ممبران ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے، دوسرے قول کے مطابق ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوئے تاکہ عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے سب سے اہم مسئلے میں کوئی فیصلہ لے سکیں، لوگوں نے گفتگو کی، تفصیل سے اپنی آراء کا اظہار کیا، اور توفیق الہی سے ایسے فیصلے پر پہنچے جسے عام و خاص تمام مسلمانوں نے پسند کیا۔ ❷

ب۔..... عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے کی دعوت دیتے ہیں:

جب اہل شورائی جمع ہوئے تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ لوگ اپنا معاملہ اپنے میں سے تین کے حوالے کر دیں، چنانچہ زیرِ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا معاملہ علی (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کرتا ہوں، طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

❶ اولیات الفاروق ص ۱۲۷

❷ عثمان بن عفان، لصادق عرجون ص ۶۲، ۶۳

میں اپنا معاملہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کرتا ہوں، سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا معاملہ عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کرتا ہوں، اب امید وار تین رہے:

۱۔ علی بن ابی طالب ۲۔ عثمان بن عفان

۳۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ دونوں حضرات میں سے جو بھی خلافت سے اپنی براءت ظاہر کرے ہم اسی کو خلافت دیں گے اور اللہ اس کا نگران و نگہبان ہوگا، اور اسلام کے حقوق کی ذمہ داری اس پر لازم ہوگی، آپ دونوں میں سے ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے خیال میں کون افضل ہے۔ اس پر علی و عثمان رضی اللہ عنہما چپ رہے تو عبدالرحمن بن عوف نے کہا: کیا آپ دونوں یہ معاملہ مجھے سونپ رہے ہیں، اللہ کی قسم آپ دونوں میں سے جو افضل ہوگا اس کے سلسلے میں کوتاہی نہیں کروں گا؟ دونوں نے کہا: ہاں۔^۱

ج:..... عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو شوروی کی کاررائیوں کو چلانے کا اختیار سونپ دینا:

اتوار کی صبح چھ امیدواروں کے اجتماع کے ختم ہوتے ہی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ملاقاتوں اور مشوروں کا سلسلہ شروع کر دیا، چار محرم بدھ کی فجر تک پورے تین دن یہ سلسلہ جاری رہا، اسی وقت ان کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ مہلت ختم ہو رہی تھی۔ آپ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ابتداء کرتے ہوئے کہا: اگر میں آپ کے لیے بیعت نہ کروں تو آپ خلافت کا حقدار کس کو سمجھتے ہیں؟ تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ پھر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس گئے، ان سے مشورہ کیا، مدینہ میں کبار صحابہ اور فوج کے قائدین میں سے جس سے بھی آپ کی ملاقات ہوتی، جو بھی مدینہ آتا ہر ایک سے آپ مشورہ کرتے، آپ نے پردوں کے پیچھے عورتوں سے مشورہ کیا، ان تمام نے اپنی رائے کا اظہار کیا، اس طرح آپ نے مدینہ کے عام مسلمانوں، بچوں اور غلاموں سے مشورہ کیا، وہ لوگ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حق میں مشورہ دے رہے تھے اور بعض لوگ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں۔

بدھ کی آدھی رات کو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے بھانجے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، دستک دی، مسور رضی اللہ عنہ کو سوتا پایا، دروازہ پٹینے پر جاگے، تو ان سے کہا: تم سو رہے ہو، اللہ کی قسم میں ان تین راتوں میں اچھی طرح سو نہیں سکا ہوں، جاؤ زیر وسعد (رضی اللہ عنہ) کو بلا لاؤ، وہ انھیں آپ کے پاس بلا کر لائے، آپ نے ان سے مشورہ کیا پھر مجھے بلایا کہا جاؤ علی (رضی اللہ عنہ) کو بلا لاؤ، میں انھیں بلا کر لایا، آدھی رات تک آپ ان سے تنہائی میں گفتگو کرتے رہے، پھر علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے چلے گئے، پھر آپ نے کہا: جاؤ عثمان (رضی اللہ عنہ) کو بلا لاؤ، انھیں بلا

کر لایا، ان سے اذان فجر تک تنہائی میں گفتگو کرتے رہے۔^①

ح:..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق:

آخری ذی الحجہ ۲۳ء مطابق ۶ نومبر ۶۳۴ء کی صلاۃ فجر (جس کے امام صحیب رومی رضی اللہ عنہ تھے) کے بعد عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وہی عمامہ پہنے آئے جسے آپ کو رسول اللہ ﷺ نے پہنایا تھا، شورئی کے لوگ منبر کے پاس موجود تھے، آپ نے مدینہ میں موجود مہاجرین و انصار اور فوجوں کے قائدین کو بلوایا، ان میں سے امیر شام معاویہ، امیر حمص عمیر بن سعد، امیر مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم تھے، یہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس حج میں شریک تھے، اور آپ ہی کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔^②

صحیح بخاری کی روایت میں ہے:

”جب لوگ صبح کی نماز پڑھ چکے، اور مجلس شورئی کے لوگ منبر کے پاس جمع ہو گئے تو مدینہ میں موجود مہاجرین و انصار کو اور فوجوں کے قائدین کو بلوایا، یہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس حج میں شریک تھے، جب لوگ جمع ہو گئے تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے فرمایا:

((أَمَّا بَعْدُ يَا عَلِيُّ إِنِّي قَدْ نَظَرْتُ فِي أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ أَرَهُمْ يَعْدِلُونَ بِعُثْمَانَ، فَلَا تَجْعَلَنَّ عَلَى نَفْسِكَ سَبِيلًا فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ مُحَاطِبًا عُثْمَانَ: أَبَايَعُكَ عَلَى سُنَّةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِمْ فَبَايَعَهُ النَّاسُ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ وَأُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ وَالْمُسْلِمُونَ.))^③

”حمد و صلاۃ کے بعد، اے علی میں نے لوگوں کا جائزہ لیا ہے، وہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، اس لیے آپ اپنی ملامت کا راستہ نہ کھولے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں اللہ و رسول ﷺ اور آپ کے بعد دونوں خلیفہ کے طریقے پر آپ کے لیے بیعت کر رہا ہوں، پھر مہاجرین و انصار، فوجوں کے قائدین اور عام مسلمانوں نے آپ کے لیے بیعت کی۔“

صاحب ”التمہید و البیان“ کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پہلے علی

بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔^④

① صحیح البخاری، کتاب الاحکام، رقم ۷۲۰۷

② شہید الدار ص ۳۷، بیعت کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ ③ صحیح البخاری، کتاب الاحکام رقم ۷۲۰۷

④ التمہید و البیان ص ۲۶

س:..... شورئی کے منصوبہ کی تعمید میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی:

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جس طریقے سے شورئی کے منصوبے کو نافذ کیا اس سے آپ کی عقل مندی، شرافت نفس اپنی ذاتی منفعت اور خاص مصلحت پر مسلمانوں کی عام مصلحت کو ترجیح دینے کا پتہ چلتا ہے، دنیا کے جس اعلیٰ ترین منصب کا انسان خواہش مند ہوتا ہے آپ نے اسے بد رضا و رغبت ترک کر دیا تاکہ مسلمانوں کو متحد کر دیں، مسلمانوں کے حاکم و خلیفہ کو منتخب کرنے کے لیے شورائی نظام کو پہلی مرتبہ نافذ کیا، آپ نے غور و فکر، صبر، ٹھوس موقف اور حسن تدبیر سے کام لیا، جس کی بناء پر آپ اپنی عظیم ذمہ داری کو نبھانے میں کامیاب رہے۔

آپ نے درج ذیل کارروائیوں کو انجام دیا:

- ☆ عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے مقررہ مدت میں منعقد ہونے والی مجلس شورئی کی پہلی میٹنگ میں آپ نے اپنے پروگرام کو بالتفصیل بیان کر دیا، اس طرح آپ مجلس شورئی کے تمام ممبران کو اپنی رائے ظاہر کرنے پر آمادہ کر سکے، ان میں سے ہر ایک کی رائے جان کر آپ نے علی وجہ البصیرت اپنی ذمہ داری کو نبھایا۔
- ☆ حق خلافت سے دستبردار ہو کر اپنے آپ کو الگ کر لیا تاکہ بدگمانیوں کو دور کر دیں اور پختہ اعتماد حاصل کر لیں۔

☆ مجلس شورئی کے ممبران میں سے ہر ممبر کی چاہت کے انجام پر غور کرنے لگے، ان کے ساتھ برابر تبادلہ خیالات کرتے رہے، تا آنکہ قریب قریب جزوی انتخاب تک پہنچ گئے، جس میں عثمان رضی اللہ عنہ کو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا ووٹ حاصل ہو گیا، جس سے آپ کو محسوس ہوا کہ حاضر ممبران کی اکثریت انھی کے ساتھ ہے۔

☆ عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کی دوسرے کے بارے میں کیا رائے ہے یہ جاننے کی کوشش کی، اس لیے کہ یہ دونوں عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ امیدواروں میں زیادہ اہمیت کے حامل تھے، چنانچہ آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اگر ان دونوں میں سے کسی کو خلافت نہیں ملتی ہے تو اپنے ساتھی کے ہم پلہ کسی دوسرے کو نہیں سمجھتے۔

☆ مجلس شورئی سے ہٹ کر امت کے جو خاص اور اصحاب رائے لوگ تھے، ان کی رائے معلوم کرنے لگے، پھر عام اور کمزور لوگوں کی رائے لی تو آپ کو معلوم ہوا کہ اکثر لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہمسر کسی دوسرے کو نہیں سمجھتے، چنانچہ آپ نے اور عام لوگوں نے انھی کے لیے بیعت کی۔^①

حکومت کے اعلیٰ منصب سے کنارہ کش ہو کر، خلافت کی لالچ کو ترک کر کے اپنی بے نفسی کے اظہار، استقامت، امانت اور حکمت و دانائی کی بدولت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں کامیاب رہے، مجلس

شورئی کی پوری مہارت سے قیادت کی اور سب سے معزز عہدے سے الگ تھلگ رہے۔^①
امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بہترین کارناموں میں سے یہ ہے کہ شورئی کے وقت آپ نے اپنے آپ کو خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے سے الگ رکھا، اور اہل حل و عقد کی رائے کے مطابق امت کے لیے خلیفہ کو منتخب کیا، چنانچہ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں پوری امت کو تیار کر لیا، اگر آپ کو اس کی چاہت ہوتی تو خود خلیفہ بن جاتے، یا اپنے چچا زاد بھائی اور سب سے قریبی شخص سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیتے۔“^②

اس طرح خلفائے راشدین کے عہد میں شورئی کی ایک نئی شکل وجود میں آئی اور وہ یہ کہ مجلس شورئی کے توسط سے خلیفہ منتخب کیا جائے، مجلس شورئی عام مشورہ کے بعد اپنے میں سے کسی ایک کی تعیین کرے، پھر عام بیعت لی جائے۔^③ یہی وہ باتیں ہیں جو شورئی میں پیش آئیں اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ان کا مشاہدہ کیا۔

ان شیعہ باطل روایات کا کوئی اعتبار نہیں جو شورئی کے واقعہ میں داخل کر دی گئی ہیں اور اسلامی تاریخ کی شبیہ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، مستشرقین نے انھیں روایتوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا، بڑے پیمانے پر اس کی نشر و اشاعت کی، انھیں سے انھی موجودہ مورخین و مفکرین کی اکثریت متاثر ہو گئی اور روایات کی چھان بین نہیں کی، ان کی سند اور متن کی تحقیق نہیں کی، چنانچہ مسلمانوں کے مابین یہ روایتیں رواج پا گئیں۔

رافضی شیعہ مورخین نے شورئی کے، اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنائے جانے کے واقعے کو بڑی اہمیت دی ہے اس میں بہت ساری باطل اور جھوٹی باتوں کو شامل کر دیا ہے، ان میں سے بعض لوگوں نے خاص کتابیں تالیف کی ہیں۔ ابو جحف نے ”کتاب شورئی“ تالیف کی، اسی طرح ابن عقدہ اور ابن بابویہ نے۔^④ شورئی، بیعت عثمان اور خلیفہ بنانے کی تاریخ کے سلسلے میں ابن سعد نے واقعہ کی طریق سے نور روایتیں نقل کی ہیں۔^⑤ عبید اللہ بن موسیٰ کے طریق سے ایک روایت آئی ہے جس میں عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت، مجلس شورئی میں چھ نبی آدمیوں کی تعیین، خلیفہ بننے کی صورت میں علی و عثمان رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو آپ کی وصیت، نیز اس سلسلے میں صہیب رضی اللہ عنہ کو آپ کی وصیت کا تذکرہ ہے۔^⑥

① مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، العدد (۱۰) ص ۲۵۵

② سیر أعلام النبلاء (۸۶/۱)

③ دراسات فی عہد النبوة و الخلافة الراشدة ص ۲۷۸

④ الذریعة إلى تصانیف الشیعة ۱۴/۲۴۶

⑤ الطبقات الکبریٰ ۳/۶۳، ۶۷

⑥ مذکورہ مرجع ۳/۳۴۰

بلاذری نے ابو مخنف اور ہشام کلبی سے بیعت عثمان رضی اللہ عنہ اور شوریٰ کے تذکرہ کو نقل کیا ہے۔^①

ابن ابی الحدید نے احمد بن عبدالعزیز جوہری کے طریق سے شوریٰ کے بعض واقعات کو نقل کیا ہے^② اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اسے واقدی کی کتاب ”کتاب الشوریٰ“ سے نقل کیا ہے۔^③ شیعہ روایتوں میں بہت ساری بے سرو پا باتیں داخل کر دی گئی ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

☆ مسلمانوں کے معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طرفداری کی تہمت لگانا:

شیعی روایتوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مسلمانوں کے معاملے میں طرفداری کی تہمت لگائی ہے، اور اس کا تذکرہ کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اس بات پر رضا مند نہیں تھے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ خلیفہ کا انتخاب کریں۔ چنانچہ ابو مخنف، ہشام کلبی اور احمد جوہری سے مروی ہے کہ برابری کی صورت میں عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ترجیحی ووٹ کا حق دیا اور علی رضی اللہ عنہ کو یہ محسوس ہونے لگا کہ خلافت ان کے ہاتھوں سے جارہی ہے اس لیے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کو سسرالی رشتہ کے سبب ترجیح دیں گے۔^④

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عثمان اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین کسی بھی خاندانی ربط کی نفی کرتے ہوئے کہا ہے: عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نہ تو عثمان رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے نہ ہی چچا زاد بھائی ہی بلکہ ان کے قبیلے ہی سے نہیں تھے، عبدالرحمن قبیلہ بنو زہرہ کے تھے، اور عثمان رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو امیہ کے، اور بنو ہاشم کی جانب بنو زہرہ کا میلان بنو امیہ سے زیادہ تھا، بنو زہرہ میں نبی کریم ﷺ کا تنہیال تھا، انھی میں سے عبدالرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((هذا خالي فلْيُرِنِي امرؤ خاله))^⑤

”یہ میرے ماموں ہیں، کوئی بھی مجھے ان کے جیسا اپنا ماموں دکھائے۔“

نبی کریم ﷺ نے نہ تو مہاجر و مہاجر کے مابین مواخات کرائی اور نہ ہی انصار و انصار کے مابین، آپ نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخات کرائی، چنانچہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ و سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے مابین مواخات کرائی۔^⑥ اس سلسلے کی حدیث مشہور اور صحاح وغیرہ میں موجود ہے، اہل علم اس سے آگاہ ہیں۔^⑦

② شرح نہج البلاغہ ۹/۴۹، ۵۰، ۵۸

① أسباب الأشراف ۵/۱۸، ۱۹

③ شرح نہج البلاغہ ۹/۱۵، عثمان بن عفان للصلابی ص ۷۳

④ أثر التشيع على الروايات التاريخية ص ۳۲۲

⑤ صحيح مسنن الترمذی (۳/۲۲۰) رقم (۴۰۱۸)

⑥ صحيح البخاری کتاب مناقب الأنصار رقم ۳۷۸۰

⑦ منهاج السنة النبوية ۶/۲۷۱، ۲۷۲

شیعی روایتوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر سسرالی رشتہ کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں طرفداری کی تہمت لگائی، اور ان میں ایک طرف اس بات کا خیال نہیں رکھا گیا کہ نسبی تعلق سسرالی تعلق سے مضبوط ہوتا ہے نیز دوسری طرف ان میں قرن اول کے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی خصوصیات کا خیال نہیں کیا گیا کہ ان کی بنیاد نہ تو نسبی رشتے پر ہوتی تھی اور نہ سسرالی رشتے پر ہی، عبدالرحمن بن عوف اور عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین سسرالی رشتہ اس طرح تھا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ولید رضی اللہ عنہ کی بہن عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہ سے شادی کی تھی۔ ❶

☆ اموی گروہ اور ہاشمی گروہ:

ابوحنفہ کی روایت اثناء بیعت میں بنو ہاشم و بنو امیہ کے مابین رسہ کشی کی جانب اشارہ کرتی ہے، یہ غلط ہے کسی بھی صحیح یا ضعیف روایت میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ ❷

بعض مورخین شیعی روایات کے پیچھے چل پڑے ہیں اور انھی پر اپنے غلط تجزیات کی بنیاد رکھی ہے، چنانچہ انھوں نے نئے خلیفہ کی تعیین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشورے کو قبائلی اختلاف کا رنگ دے دیا ہے اور یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ لوگ اموی اور ہاشمی دو گروہ میں بٹ گئے تھے، یہ کوشش سراسر غلط ہے، اور اس استنباط کی کوئی دلیل نہیں ہے، ایسی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس ماحول میں نہیں پائی جاسکتی جس میں ایک مہاجر اپنے والد، بھائی، چچا زاد بھائی اور قبیلہ والوں کے خلاف (اسلامی بنیادوں پر) ایک انصاری کے ساتھ ہو جاتا تھا، ایسی بات وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے، جو اپنے دین کی بقا کے لیے دنیا کی ہر چیز قربان کر دیتے تھے، یہ بات ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شایان شان نہیں تھی جنھیں نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مروی بہت سے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کا مقام اس سے کہیں بلند و بالا تھا کہ وہ اپنے معاملات کو حل کرنے میں اس تنگ نظری کا ثبوت دیں، معاملہ قبائلی یا خاندانی نمائندگی کا نہیں تھا بلکہ یہ لوگ اپنے اسلامی مقام و مرتبہ کے باعث شوریٰ کے مہبران تھے۔ ❸

☆ جھوٹ اور بہتان تراشی کی بنیاد پر حسن رضی اللہ عنہ کے والد کی جانب منسوب اقوال:

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن جریر وغیرہ جیسے بہت سارے مورخین کچھ مجہول لوگوں سے جو یہ باتیں روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا تھا ”خدا عتسی“ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے، اور

❶ الطبقات الکبریٰ ۱/۲۷۷

❷ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری ص ۱۷۷، ۱۷۸

❸ الخلفاء الراشدون، أمین القضاة، ص ۷۸، ۷۹

تم نے انھیں خلیفہ اس لیے بنایا کہ وہ تمہارے سسرالی رشتہ دار ہیں، تم سے ہر دن اپنے معاملے میں مشورہ کرتے ہیں، اور یہ کہ علی رضی اللہ عنہ نے پس و پیش سے کام لیا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ يَبْغِضُ اللَّهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَمَنْ أُوِّفِيَ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح: ۱۰)

”جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔“

اس طرح کی دوسری باتیں بھی جو صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں، وہ سب کی سب ناقابل قبول باتیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ثابت شدہ چیزیں ان چیزوں کے خلاف ہیں جن کا تصور بہت سارے شیعہ اور کم عقل واعظین رکھتے ہیں، جو صحیح ضعیف اور کھری و کھوٹی روایتوں کے مابین تمیز نہیں کر سکتے۔ والسلمہ الموفق للصواب۔ ❶

عہد نبوی نیز عہد خلافت راشدہ کی چھان بین سے جو اہم نتائج سامنے آئے انھی میں سے یہ نتیجہ بھی ہے کہ ان صحیح روایات کے ساتھ ساتھ جو تدین اور ایک دوسرے سے محبت کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کچی تصویر پیش کرتی ہیں ان کے بالکل متضاد روایتیں بھی ملتی ہیں، جھوٹے دشمنان اسلام، اسلام کی دشمنی میں ان کو پھیلانے کے حریص رہے ہیں، مستشرقین اور ان کے زلہ باروں نے انھیں خوب رائج کیا، نادانی میں بعض علما بھی اس کے مرتکب ہو گئے۔

اس طرح کی روایتیں لازمی طور سے امت کو کمزور کرتی ہیں اور آنے والی نسلوں کو سلف صالحین میں لائق اقتداء نمونے کے فقدان کا احساس دلاتی ہیں، اس لیے اس امت کے باغیرت اہل قلم پر لازم ہے کہ وہ اس طرح کی سراسر جھوٹی روایتوں کو واضح کریں، اور ان کتابوں سے روکیں جو انھیں پھیلاتی اور رواج دیتی ہیں اور صحیح روایتوں کو بیان کریں، اور ان پر مشتمل کتابوں کو رواج دیں تاکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے دفاع کر سکیں اور اللہ کی رضا حاصل کر سکیں۔

۳۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی رائے:

خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی رائے وہی تھی جو تمام صحابہ کرام کی تھی، عربی

خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ کی خلافت کی صحت پر اجماع ہے، اس سلسلے میں کسی کو بھی اختلاف یا اعتراض نہیں تھا، سب نے اس کو تسلیم کیا تھا، ابوالحسن اشعری کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ اصحاب شوریٰ کے عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے سے ان کی خلافت ثابت ہو جاتی ہے، لوگوں نے آپ کو منتخب کیا، آپ کی خلافت کو پسند کیا، آپ کی انصاف پسندی اور فضیلت پر سب نے اتفاق کیا۔^①

خلافت کی ترتیب کے بارے میں اہل سنت و اہل حدیث کے عقیدے کو بیان کرتے ہوئے عثمان صابونی کہتے ہیں:

”وہ لوگ سب سے پہلے خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں، پھر خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے، پھر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے، جس پر تمام اہل شوریٰ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا اور اسے پسند کیا تا آنکہ آپ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔“^②

۴۔ فتح افریقہ کے لیے جیش عبادلہ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی شرکت:

فتوحات کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کا پر عزم و پختہ منصوبہ درج ذیل چیزوں پر مشتمل تھا:

- ۱۔ سرکش اہل فارس اور رومیوں کو زیر کرنا۔
- ۲۔ ان علاقوں میں اسلامی حکومت کا اعادہ۔
- ۳۔ ان علاقوں کے ماوراء علاقوں کو فتح کرنے کے لیے برابر جہاد کرتے رہنا تاکہ انھیں مکہ نہ پہنچ سکے۔
- ۴۔ مستقل فوجی چھاؤنیاں تیار کرنا جن میں اسلامی علاقوں کی حفاظت کے لیے اسلامی لشکر تیار رہے۔
- ۵۔ اسلامی لشکر کی ضرورت کے پیش نظر بحری فوج تیار کرنا۔

عہد عثمانی میں اسلامی فوجی چھاؤنیاں بڑے صوبوں کی راجدھانیاں تھیں، عراق کی فوجی چھاؤنی کوفہ اور بصرہ تھی، شام کی فوجی چھاؤنی دمشق تھی، مصر کی فوجی چھاؤنی فسطاط تھی۔ ان فوجی چھاؤنیوں کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی حفاظت، فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنا، اسلام کی نشر و اشاعت تھیں، عہد عثمانی میں فتوحات کے مشہور سپہ سالاروں میں سے اخف بن قیس، سلیمان بن ربیعہ، عبدالرحمن بن ربیعہ اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

ان فتوحات سے مسلمانوں کو جو اسباق حاصل ہوئے ان میں سے چند یہ ہیں: مدد اور غلبہ عطا کرنے میں مومنوں سے اللہ کا کیا ہوا وعدہ سچ ثابت ہونا، جنگ و سیاست کی تدبیروں کا بتدریج ترقی کرنا، سمندری سفر اور سمندری جنگ کا وجود میں آنا، دشمنوں کی سراغ رسانی کر کے معلومات اکٹھا کرنا، دشمنوں کے مقابلے کے لیے

① الإبانة عن أصول الديانة ص ۶۸

② عقيدة السلف وأصحاب الحديث ضمن الرسائل المنيرة ۱/ ۱۳۹

اتحاد کا حریف بنونا وغیرہ۔

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے جب افریقہ فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، چنانچہ ”ریاض النفوس“ میں ہے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مصر کے لیے ان کے مقرر کردہ گورنر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا خط آیا:

”مسلمان افریقہ کی سرحدوں پر حملہ کرتے ہیں، اپنے دشمنوں سے مال غنیمت حاصل کرتے ہیں، وہ اسلامی حدود کے قریب ہیں۔“

اس کے بعد افریقہ کو فتح کرنے کے لیے اسلامی لشکر کو بھیجنے کے سلسلے میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے اپنی رغبت ظاہر کی، اس بارے میں ان کا قول ہے: اے ابن مخرمہ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: ان کو فتح کرنے کے لیے لشکر بھیج دیجیے، انھوں نے فرمایا: آج میں اکابر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کروں گا، جس پر ان کا یا ان کی اکثریت کا اتفاق ہو گا وہی کروں گا، علی، طلحہ، زبیر، عباس رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگوں کا تذکرہ کر کے کہا کہ ان کے پاس جاؤ چنانچہ وہ ان میں سے ہر ایک سے مسجد میں تنہا تنہا ملے، پھر ابوالاعور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان سے عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالاعور آپ افریقہ کی جانب لشکر کشی کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے: میں جب تک زندہ رہوں گا کسی مسلمان کو افریقیوں سے لڑنے نہیں بھیجوں گا، اس لیے میں آپ کو عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف کوئی دوسری رائے نہیں دوں گا۔ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم ہم ان سے نہیں ڈرتے، وہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا پسند کریں گے، لڑیں گے نہیں۔ آپ کی اس رائے کی مخالفت ان کے علاوہ کسی اور نے نہ کی۔ پھر آپ نے لوگوں سے خطاب کیا، اور افریقہ کی جانب لشکر کشی کی ترغیب دلائی، چنانچہ عبداللہ بن زبیر، ابوذر غفاری، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر، حسن، حسین اور ان کے علاوہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نکل کھڑے ہوئے۔^①

افریقہ کی فتوحات میں مسلمانوں نے ہر طرح کی قربانیاں دیں، ان میں سے بہت سے شہید ہوئے، عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں افریقہ میں وفات پانے والوں میں سے مشہور شاعر ابو ذؤبیہ ہذلی ہیں، انھی کا قول ہے:

وإذا المنية أنشبت أظفارها

ألفيت كل تميمه لا تنفع

”اور جب موت آپنچے تو کوئی تعویذ نفع نہیں دے سکتا۔“

① ریاض النفوس (۱/۸۰)، الجہاد و القتال لہیکل ۱/۵۵۶

و تجلدى للشاتمين أريهم

أنى لريب الدهر لا أتضعع

”برا کہنے والوں کی باتوں پر صبر کر، میں انھیں دکھلا دوں گا کہ میں گردش زمانہ سے نہیں ٹھہراتا۔“

دشمنوں پر بڑی فتح کے بعد حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی مبارک جماعت کے ساتھ دار الخلافہ واپس ہوئے،

اسلامی حکومت کے وسیع ہونے اور دین اسلام کے پھیلنے پر ان کا دل شاداں و فرحان تھا۔ ❶

۵۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ سے متعلق علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف:

قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنے کے بہت سارے اسباب تھے، جیسے مالداروں اور معاشرے میں اس کی تاثیر، معاشرتی تبدیلی کی کیفیت، عثمان رضی اللہ عنہ کا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آنا، مدینہ سے کبار صحابہ کا نکل جانا، باطنی عصبیت، حاسدوں کی سازش، عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف قابل مواخذہ چیزوں کی تعیین کے لیے پختہ تدبیر، لوگوں میں بیجان برپا کرنے والے وسائل و اسالیب کا استعمال، فتنے برپا کرنے میں سبائیت کی تاثیر وغیرہ، میں نے اپنی کتاب ”تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان، شخصیتہ و عصرہ“ میں ان اسباب کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

دشمنان اسلام نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے فتنہ میں لوگوں کو برا بھلا کرنے والے وسائل و اسالیب کا استعمال کیا، جیسے افواہیں اڑانا، افواہ والی بات کو بکثرت بار بار دہرانا، لوگوں کے سامنے خلیفہ سے بحث و مباحثہ اور مناظرہ کرنا نیز انھیں مشتعل کرنا، گورنروں پر تنقید کرنا، عائشہ، علی، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب جھوٹے خطوط تیار کرنا، اس بات کا پروپیگنڈا کرنا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد انھی کے لیے وصیت کی گئی تھی، بصرہ، کوفہ، مصر ہر جگہ سے چار گروہوں کو تیار کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے ہی سے تدبیر کی گئی تھی، اہل مدینہ کو اس دھوکے میں ڈال دیا کہ وہ لوگ صحابہ ہی کے بلانے پر آئے ہیں اور معاملات کو اس حد تک بڑھایا کہ قتل کی نوبت آ گئی۔ ❷

ان وسائل کے ساتھ ساتھ بہت سارے نعروں کا استعمال کیا جیسے:

۱۔ اللہ اکبر پکارنا۔

۲۔ یہ کہ وہ مظالم کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔

❶ لبیبا من الفتح العربی حتی انتقال الخلافة الفاطمية للدكتور صالح مصطفى ص ۴۱، الشرف و التسامی

بحركة الفتح الاسلامی للصلابی ص ۱۹

❷ دراسات فی عهد النبوة و الخلافة الراشدة ص ۴۰۱

۳۔ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

۴۔ گورنروں کو بدلنے اور انھیں معزول کرنے کا مطالبہ، پھر مطالبہ عثمانؓ کے ہٹانے تک جا پہنچا، پھر انھیں مزید جرأت و ہمت ہوئی اور جلد از جلد خلیفہ کے قتل کا مطالبہ کرنے لگے، بالخصوص انھیں جب یہ معلوم ہوا کہ دوسرے شہر والے خلیفہ کی مدد کے لیے آرہے ہیں تو خلیفہ کا ناطقہ بند کرنے کی گرجموشی اور کسی بھی طریقے سے ان کو قتل کر دینے کی خواہش مزید بڑھ گئی۔^①

ان حوادث اور ان کے بعد جنگ جمل و جنگ صفین وغیرہ کے حوادث کے پیچھے عبداللہ بن سبا کی قیادت میں سبائی تحریک کام کر رہی تھی۔ میں نے اپنی کتابوں ”تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان“ اور ”أسمی المطالب فی سیرۃ علی بن أبی طالب“ میں عبداللہ بن سبا کی حقیقت کو واضح کاف کیا ہے، مزید معلومات کے لیے ان کا مراجعہ کیا جائے۔

میں نے اپنی کتاب ”تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان“ میں ان شبہات کا جائزہ لیا ہے جنھیں زبردستی تاریخ عثمانی کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ میں نے ان کے جھوٹ اور بطلان کو واضح اور قطعی دلیلوں سے ثابت کیا ہے، بلاشبہ عثمانؓ وہ مظلوم خلیفہ ہیں جن پر ان کے اوائل دشمنوں نے تہمتیں لگائیں اور متاخرین نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

☆ فتنے کی ابتداء میں علیؓ کا موقف:

علیؓ خلیفہ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے رہے، انھیں مشورے دیتے رہے، ان کی خیر خواہی کرتے رہے، خلیفہ المسلمین عثمانؓ کی اطاعت و فرماں برداری اور سخت ہونے کے باوجود ان کے احکام کی بجا آوری کو بیان کرتے ہوئے علیؓ نے فرمایا:

((لَوْ سَرَرَنِي عُثْمَانُ إِلَى صِرَارٍ))^②

((لَسَمِعْتُ وَأَطَعْتُ))^③

”اگر عثمانؓ مجھے (باغیوں کے مقابلے کے لیے) مقام صرار جانے کا حکم دیں تو میں بجا آوری

کے لیے تیار ہوں۔“

عثمانؓ کے قتل کے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے جب سرکشی کرنے والے ذوالمرہہ میں پہنچے تو عثمانؓ نے

① دراسات فی عہد النبوة و الخلافة الراشدة ص ۴۰۲

② صرار: وہ مقام جہاں باغی اکٹھے ہوئے تھے۔

③ مصنف ابن أبی شیبہ ۱۵/۲۲۵۔ اس کی سند صحیح ہے۔

ان کے پاس علی رضی اللہ عنہ نیز ایک اور آدمی کو جن کا نام روایتوں میں مذکور نہیں ہے بھیجا، علی رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کر کے کہا: تمہیں اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کا وعدہ دیا جا رہا ہے، تم اپنی تمام ناراضیاں بھلا دو گے، چنانچہ وہ اس پر متفق ہو گئے۔ ❶ دوسری روایت کے مطابق ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ سے اور علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے دو تین بار زور آزمائی کی، پھر ان لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، امیر المومنین کے قاصد تم پر کتاب اللہ کو پیش کر رہے ہیں، ❷ چنانچہ انھوں نے اسے قبول کر کے ان پانچ چیزوں پر صلح کر لی:

- ۱۔ جلا وطن کیے ہوئے کو واپس بلایا جائے۔
- ۲۔ محروم کو دیا جائے۔
- ۳۔ مال نے کو پورا پورا دیا جائے اور تقسیم میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔
- ۴۔ امین و قوی شخص کو گورنر بنایا جائے۔
- ۵۔ ابن عامر کو دوبارہ بصرہ کا گورنر بنایا جائے اور ابوموسیٰ کو کوفہ کا گورنر باقی رکھا جائے۔ ❸

اور ان چیزوں کو دستاویزی شکل میں لکھا گیا۔

اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر وفد کے ساتھ علیحدہ علیحدہ صلح کی، پھر وفد اپنے علاقوں کی جانب لوٹ گئے۔ ❹ اس صلح اور بہ حالت رضا مندی تمام لوگوں کی واپسی سے فتنہ برپا کرنے والوں کو معلوم ہوا کہ ان کا منصوبہ ناکام ہو رہا ہے، ان کے گھٹیا مقاصد پر پانی پھر رہا ہے تو انھوں نے فتنے کو بھڑکانے اور زندہ کرنے کے لیے ایک دوسرا منصوبہ بنایا جو عثمان رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے مابین ہونے والی مصالحت کو تار تار کر دے، درج ذیل باتوں سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے:

اہل مصر جب لوٹ رہے تھے تو ایک اونٹ سوار کو اپنے سامنے آتے اور جدا ہوتے کئی بار دیکھا، گویا اس کا مقصد تھا کہ مجھے پکڑ لو، چنانچہ ان لوگوں نے اسے پکڑ کر کہا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ کہا: مجھے امیر المومنین کی طرف سے گورنر کے پاس قاصد بنا کر بھیجا گیا ہے، انھوں نے خط کھولا تو اس میں ان کو پھانسی دینے، یا قتل کر دینے، یا ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ دینے کا حکم تھا، تو وہ دوبارہ مدینہ لوٹ آئے۔ ❺

عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ خط کو لکھنے سے انکار کرتے ہوئے کہا: دو باتیں ہیں: یا تو تم دو مسلمانوں سے گواہی دلاؤ، یا میں اللہ کی قسم کھاؤں کہ نہ تو میں نے یہ خط لکھا نہ لکھایا ہے، اور نہ مجھے علم ہے، ایسا ہوتا ہے کہ کسی کی جانب

❶ تاریخ دمشق ترجمۃ عثمان ص ۳۲۸، تاریخ خلیفہ ص ۱۶۹

❷ فتنۃ مقتل عثمان ۱/۱۲۹

❸ تاریخ الطبری ۵/۳۷۹

❹ فتنۃ مقتل عثمان ۱/۱۲۹

❺ فتنۃ مقتل عثمان ۱/۳۲۹

منسوب خط لکھ دیا جائے اور مہر لگا دی جائے، لیکن ان لوگوں نے اپنے خفیہ مقصد کے پیش نظر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے باوجود ان کی تصدیق نہیں کی۔^①

یہ خط جس کے بارے میں منحرف سرکش باغیوں کا خیال تھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے اور اس پر نخیلی مہر لگی ہے، اسے آپ کا غلام مصر کے گورنر ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ کے ایک اونٹ پر لے جا رہا تھا، اس میں ان باغیوں کے قتل کا حکم تھا، یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب سر اسرجھوٹا اور جعلی خط تھا، اس کی بہت سی دلیلوں میں سے یہ ہے^② کہ عراقی جب عراق جا رہے تھے تو انھیں اس معاملے کا کیسے پتہ چل گیا، جب کہ ان کے اور مصریوں (جنھوں نے جھوٹے خط کو پکڑا تھا) کے مابین لمبی مسافت ہے، عراقی مشرق میں ہیں اور مصری مغرب میں، اس کے باوجود وہ سب کے سب ایک ہی وقت میں واپس آئے گویا ان کے مابین کوئی مقررہ وعدہ تھا، ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ جعلی خط تیار کرنے والے کسی اور سوار کو کرایہ پر لے کر عراقیوں کے پاس بھیج دیا ہوتا کہ وہ انھیں خبر دے کہ مصریوں نے ایک ایسا خط پکڑا ہے جس میں عثمان رضی اللہ عنہ منحرف مصریوں کو قتل کر دینے کا پیغام بھیج رہے تھے۔ اسی سے دلیل پکڑتے ہوئے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: اے کوفہ و بصرہ والو! تمہیں اس خط کا پتہ کیسے چلا جسے مصر والوں نے پکڑا تھا جب کہ تم کافی دور جا چکے تھے، پھر ہماری طرف لوٹ آئے، بلکہ علی رضی اللہ عنہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اللہ کی قسم اس معاملے کی سازش مدینہ ہی میں کی گئی تھی۔^③

یہ پہلا جعلی خط نہیں تھا جسے مجرموں نے تیار کیا تھا بلکہ امہات المومنین نیز علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب بہت سارے جعلی خطوط تیار کیے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی کہ انھوں نے لوگوں کو خط لکھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کا حکم دیا ہے، چنانچہ وہ اس کا انکار کرتے ہوئے کہتی ہیں:

”اللہ کی قسم یہاں بیٹھنے تک میں نے ان کے پاس کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔“^④

اعمش اس سلسلے میں کہتے ہیں:

”لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خط ان کی جانب منسوب کر کے لکھا گیا تھا۔“^⑤

مدینہ آنے والے باغیوں کی علی رضی اللہ عنہ پر تہمت تھی کہ انھوں نے ان کے پاس خط لکھ کر مدینہ آنے کی دعوت دی ہے، چنانچہ ان کی تہمت کا انکار کرتے اور قسم کھاتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

① فتنۃ مقتل عثمان ۵/ ۱۳۲، البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۱۹۱

② تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان للصلابی ص ۴۱۰

③ تاریخ الطبری ۵/ ۳۵۹

④ تحقیق مواقف الصحابة ۱/ ۳۳۴

⑤ تاریخ خلیفۃ بن خیاط ص ۱۶۹

((وَاللّٰهُ مَا كَتَبْتُ اِلَيْكُمْ كِتَابًا.))^①

”اللہ کی قسم میں نے تمہیں کوئی خط نہیں لکھا۔“

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب یہ بات منسوب کی گئی کہ انھوں نے لوگوں کو خط لکھ کر اپنے پاس آنے کا حکم اس لیے دیا کہ محمد ﷺ کے دین کو بگاڑ دیا گیا ہے اور اسے چھوڑ دیا گیا ہے اور مدینہ میں جہاد دور سرحدوں کی حفاظت سے بہتر ہے۔^②

ابن کثیر رحمہ اللہ اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جھوٹی تہمت ہے، ان کی جانب منسوب جعلی خطوط لکھے گئے تھے، چنانچہ علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی جانب سے قاتلین عثمان خوارج کی طرف جعلی خطوط لکھے گئے، جن کا ان لوگوں نے انکار کیا ہے، اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب جعلی خط لکھا گیا نہ آپ نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ آپ کو اس کا علم تھا۔“^③

ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس بات کی تائید طبری اور خلیفہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ کبار صحابہ علی، عائشہ اور زبیر رضی اللہ عنہم نے بذات خود صحیح روایتوں کے مطابق ان جعلی خطوط کا انکار کیا ہے۔^④

جن مجرم ہاتھوں نے صحابہ کی جانب منسوب جھوٹے اور جعلی خطوط تیار کیے تھے انھی ہاتھوں ہی نے فتنوں کی آگ شروع سے آخر تک بھڑکائی تھی، اتنا لمبا چوڑا فساد پھیلایا تھا، انھوں نے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب جھوٹی باتوں کو گھڑا تھا اور پھیلایا تھا، اور لوگوں کو بار بار سنا کر ذہن میں بٹھایا تھا، تا آنکہ معمولی قسم کے لوگوں نے بھی ان باتوں کو قبول کر لیا، پھر انھوں نے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب یہ جعلی خط تیار کیا تاکہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے جائیں۔

اس سبائی یہودی سازش کا نشانہ صرف شہید ہونے والے عثمان رضی اللہ عنہ ہی نہ تھے بلکہ ان سے پہلے اس کا نشانہ بذات خود اسلام تھا، پھر محرف اور بگاڑی ہوئی تاریخ، اور اس تاریخ کو پڑھنے والی آئندہ نسلیں بھی اس حاسد، نفس پرست، لالچی اور غیبت یہودی اور اس کے کارندوں کے نشانے پر تھیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اسلامی نسلیں اپنی صحیح تاریخ سے آگاہ ہو سکیں اور اپنی عظیم شخصیات کی سیرتوں کو جان سکیں؟ بلکہ عصر حاضر میں مسلمان اہل قلم کے لیے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ وہ اللہ سے ڈریں اور تحقیق و تدقیق

① تحقیق مواقف الصحابة ۱/ ۳۳۵، البداية والنهاية ۷/ ۱۹۱

② تحقیق مواقف الصحابة ۱/ ۳۳۵، البداية والنهاية ۷/ ۱۷۵

③ تحقیق مواقف الصحابة ۱/ ۳۳۵

④ البداية والنهاية ۷/ ۱۷۵

سے پہلے بے گناہوں کی تنقید و تنقیص کی جرأت نہ کریں تاکہ دوسروں کی طرح وہ بھی غلطی کے مرتکب نہ ہوں۔ ❶

☆ اثنائے محاصرہ میں علی و حسنؓ کا موقف:

عثمانؓ کا محاصرہ سخت کر دیا گیا تا آنکہ نماز کے لیے مسجد میں جانے سے روک دیا گیا، حکم نبوی کے مطابق آپ اس مصیبت پر صبر کرتے رہے، قضا و قدر پر ایمان رکھتے ہوئے اس مصیبت کا حل تلاش کرتے رہے، چنانچہ کبھی آپ لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے خونِ مسلم کی حرمت کو واضح کرتے اور یہ بتاتے کہ بغیر کسی شرعی سبب کے اس کا بہانا حلال نہیں ہے، کبھی لوگوں سے گفتگو کرتے، اپنے فضائل اور اسلام کے لیے اپنی جلیل القدر خدمات کا ذکر کرتے اور اس پر عشرہ مبشرہؓ میں سے بچے ہوئے لوگوں کو گواہ بناتے۔ ❷

گویا آپ یہ کہتے کہ جس کے فضائل اور اعمال یہ ہوں کیا ممکن ہے کہ وہ دنیا کا لالچی ہو اور اسے آخرت پر ترجیح دے؟ کیا یہ بات معقول ہو سکتی ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرے، امت کے جان و مال سے کھلوڑ کرے جب کہ وہ عند اللہ اس کے انجام سے واقف ہو؟ آپ کی تربیت نبی کریم ﷺ کی دیکھ رکھ میں ہوئی تھی، آپ ﷺ نے آپ اور آپ جیسے افاضل صحابہ کرامؓ کا ترکیہ کیا تھا، جب آپ کی عمر ستر (۷۰) سال سے تجاوز کر کے اسی (۸۰) کے قریب پہنچ چکی تھی تو کیا آپ کا معاملہ ایسا ہو سکتا ہے؟

مدینہ پر باغیوں کا تسلط سخت ہو چکا تھا، تا آنکہ اکثر اوقات وہی لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ❸ جب صحابہ کرامؓ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ معاملہ ان کی سوچ سے ہٹ کر ہے اور انھیں خوف لاحق ہو گیا کہ ایسا حادثہ رونما ہو سکتا ہے جس کا انجام اچھا نہ ہو اور انھیں یہ خبر پہنچی کہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے آپ کو اپنے دفاع کا اور مدینہ سے شورش پسندوں کو نکال دینے کا مشورہ دیا، لیکن اس خوف سے کہ آپ کے سبب کوئی خون بہے آپ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ ❹

عثمانؓ سے مشورہ کیے بغیر کبار صحابہ نے اپنے بچوں کو بھیج دیا، ان میں حسن بن علی اور عبد اللہ بن زبیرؓ تھے، عثمانؓ حسنؓ سے بہت محبت کرتے اور ان کی عزت کرتے تھے، جب فتنے کی ابتداء ہو چکی اور عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا گیا تو آپ نے حسنؓ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے گھر لوٹ جانے کو کہا تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ❺ عثمانؓ نے حسنؓ سے کہا: اے میرے اسلامی بھائی کے بیٹے لوٹ جاؤ تا آنکہ

❶ عثمان بن عفان الخليفة الشاكر الصابر ص ۲۳۸، ۲۳۹

❷ خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید علی ص ۸۵

❸ سیر اعلام النبلاء ۳/ ۵۱۵

❹ فتنہ مقتل عثمان ۱/ ۱۶۷، المسند (۱/ ۳۹۶)، احمد شاكر

منجانب اللہ جو ہونا ہو وہ ہو جائے۔^①

صحیح روایتوں میں ہے کہ جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں شہید کیا گیا اس دن اس گھر سے حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں لے جایا گیا۔^② اسی طرح حسن رضی اللہ عنہ کے علاوہ عبداللہ بن زبیر، محمد بن حاطب، مروان بن حکم رضی اللہ عنہم بھی زخمی ہوئے، ان کے ساتھ حسین بن علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم تھے۔^③

علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے سب سے زیادہ دفاع کرنے والوں میں سے تھے، مروان بن حکم نے اس کی شہادت دی ہے۔^④ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا: میرے پاس پانچ سوزرہ پوش ہیں، آپ مجھے اجازت دیں میں لوگوں سے آپ کو پچاؤں گا، آپ نے کوئی ایسا کام انجام نہیں دیا ہے جس سے آپ کا خون حلال ہو جائے، تو آپ نے فرمایا: اللہ آپ کا بھلا کرے، مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے سب کوئی خون پیے۔^⑤

متعدد روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اثنائے محاصرہ میں آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعاون رہے، انہی روایتوں میں سے یہ ہے کہ باغی عثمان رضی اللہ عنہ تک پانی نہیں پہنچنے دیتے تھے، قریب تھا کہ آپ کے اہل و عیال پیاس سے مر جائیں، علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس تین مشکیزے پانی بھیجا جو بہ مشکل آپ تک پہنچا، اس کے پہنچانے میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے چند غلام زخمی ہو گئے۔^⑥

حالات تیزی سے بدلتے رہے، شورش کرنے والے عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھ دوڑے اور آپ کو قتل کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کہ ان کی اکثریت مسجد میں تھی یہ جان کاہ خبر پہنچی تو ان کے ہوش ٹھکانے نہ رہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں اور بھتیجیوں سے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ کیسے قتل کر دیے گئے جب کہ تم دروازے پر تھے؟ حسن رضی اللہ عنہ کو تھپڑ رسید کیا جب کہ وہ زخمی تھے،^⑦ حسین رضی اللہ عنہ کو سینے پر مارا، ابن زبیر و ابن طلحہ رضی اللہ عنہما کو سخت ست کہا اور ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے اپنے گھر چلے گئے:

① تاریخ المدینة لابن شیبہ ۱۲۰۸/۴

② الرياض النضرة نقلاً عن الحسن بن علی و دوره السياسي ص ۴۶

③ الطبقات لابن سعد ۱۲۸/۸، اس کی سند صحیح ہے۔

④ تاریخ خلیفہ ص ۱۷۴

⑤ تاریخ الاسلام للذہبی ص ۴۶۰-۴۶۱، اس کی سند قوی ہے۔

⑥ تاریخ دمشق ص ۴۰۳

⑦ أنساب الأشراف للبلاذری ۷۶/۵

⑧ الأحاد و الثماني لابن أبي عاصم ۱۲۵/۱ نقلاً عن خلافة علی ص ۸۷

((تَبَا لَكُمْ سَائِرَ الدَّهْرِ ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكُمْ مِنْ دَمِهِ أَنْ يَكُونَ قَتْلْتُ أَوْ مَا لَأْتُ عَلَى قَتْلِهِ)) ❶

”تمھاری مسلسل برہادی ہو، اے اللہ! میں تیرے حضور ان کے خون سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، نہ تو میں نے قتل کیا ہے اور نہ ہی ان کے قتل میں تعاون کیا ہے۔“

علی رضی اللہ عنہ کا موقف یہی رہا، خیر خواہی کرتے، مشورہ دیتے اور اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے، اثنائے تنہ میں آپ کا اچھی طرح ساتھ دیا، آپ کی جانب سے بھرپور دفاع کیا، کبھی آپ کو برا نہیں کہا، خلیفہ اور باغیوں کے مابین خلج کو پاٹنے اور صلح کرانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن معاملہ آپ کے بس سے باہر تھا، اللہ کی مشیت تھی کہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت نصیب ہوا، ❷ اور باغی گناہ کے مرتکب ہوں۔

امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا انکار کرتے اور آپ کے خون سے براءت کا اظہار کرتے اور اپنی تقریروں وغیرہ میں قسم کھایا کرتے تھے کہ نہ تو انھوں نے قتل کیا نہ ہی قتل کا حکم دیا، نہ تو اس سلسلے میں تعاون کیا، اور نہ ہی اس پر راضی تھے۔ آپ کے متعلق یہ بات قطعی طریقوں سے ثابت ہے۔ ❸ اس کے برخلاف بعض لوگوں کا زعم باطل تھا کہ آپ قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر راضی تھے۔ ❹

اس قتل سے متعلق بعض روایتوں کا ذکر کرنے کے بعد امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((فَأَمَّا الَّذِي ادَّعَاهُ الْمُبْتَدِعَةُ مِنْ مَعُونَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَإِنَّهُ

كُذِبَ وَ زُورٌ ، فَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ بِخِلَافِهِ .)) ❺

”بدعتیوں کی جانب سے اس قتل میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے تعاون کا دعویٰ سراسر جھوٹا ہے، اس

کے برخلاف روایتیں بہ تواتر وارد ہیں۔“

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”یہ سب کا سب جھوٹ اور علی رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے، علی رضی اللہ عنہ نہ تو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک رہے، نہ

اس کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر راضی تھے۔ ان سے یہ باتیں منقول ہیں اور وہ سچے اور نیک انسان

ہیں۔“ ❻

❶ مصنف ابن ابی شیبہ ۲۰۹/۱۵، اس کی سند صحیح ہے۔

❷ خلافة علی بن ابی طالب، علی عبدالحمید ص ۸۷ ❸ البداية و النہایة ۲۰۲/۷

❹ العقيدة فی أهل البيت بین الإفراط و التفریط ص ۱۲۹، حق الیقین، عبدالحمید شبر، ص ۱۸۹

❺ مستدرک للحاکم (۱۰۳/۳)

❻ منهاج السنة ۴۰۶/۴

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: اے اللہ! میں تیرے حضور قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔^①

قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنے سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کو بعض کتب تاریخ نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے، ایسا ان روایتوں کے باعث ہوا جنھیں بہت سارے مورخین نے ذکر کیا ہے۔ تاریخ طبری وغیرہ میں ابوحنیفہ، واقدی، ابن اعثم وغیرہ کی جو روایتیں اس فتنے کے حالات بیان کرتی ہیں ان کا مطالعہ کرنے والا یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس فتنے اور سازش کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے۔

ابوحنیفہ شیبعی میلان والا تھا اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کو متہم کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا تھا کہ خلیفہ کی ہی غلطیاں زیادہ تھیں اسی لیے وہ اس کے مستحق ہوئے، اور اپنی روایتوں میں طلحہ رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا باغی اور آپ کے خلاف حملہ آور قرار دیتا تھا، واقدی کی بھی روایتیں ابوحنیفہ کی روایتوں سے مختلف نہیں ہیں، ایسی بہت ساری روایتیں وارد ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمت لگائی گئی ہے کہ وہی لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کرنے والے تھے، انھی لوگوں نے فتنہ کو بڑھاوا دیا تھا، لوگوں کو برا بھلا کیا تھا، جب کہ یہ سب سراسر جھوٹ ہے۔^②

ان ضعیف و موضوع روایتوں کے برخلاف بحمد اللہ کتب احادیث نے ان صحیح روایتوں کو محفوظ رکھا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عثمان رضی اللہ عنہ کے معاونین، آپ کا دفاع کرنے والے، آپ کے قتل سے بری، اور قتل کے بعد آپ کے خون کا مطالبہ کرنے والے تھے، اس طرح یہ بات بعید از قاس ہو جاتی ہے کہ ان کا اس فتنہ کو برپا کرنے میں کوئی کردار تھا۔^③

تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہیں، جو اس کے خلاف کہتا ہے اس کی بات سراسر باطل ہے اس کی وہ کوئی صحیح دلیل نہیں دے سکتا، اسی لیے خلیفہ اپنی ”تاریخ“ میں عبدالاعلیٰ بن یثیم کی روایت کو نقل کرتے ہیں، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں مہاجرین و انصار میں سے کوئی تھا؟ فرمایا: نہیں، وہ مصر کے اکھڑ لوگ تھے۔

امام نووی کہتے ہیں:

”قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی بھی صحابی شریک نہیں تھا، انھیں قبائل کے شورش پسند، بیوقوف، لچے اور لاشوں نے قتل کیا، مصر ہی سے انھوں نے اپنا گروپ تیار کیا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا، موجود صحابہ

① العقیدۃ فی اہل البیت (ص ۱۳۰)، اس کی سند حسن ہے۔ الطبقات الکبریٰ (۳/۳)

② تحقیق مواقف الصحابة ۱۶-۱۷/۲

③ تحقیق مواقف الصحابة ۱۶-۱۷/۲

کرام رضی اللہ عنہم ان کو روکنے سے قاصر رہے، چنانچہ انھوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا تا آنکہ آپ کو قتل کر دیا گیا۔^①

ان کے بارے میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مختلف علاقوں کے شورش پسند تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ قبائل کے در بدر کردہ لوگ تھے۔^②

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ فساد، خوراج، گمراہ باغی اور سرکش تھے۔^③ امام ذہبی کہتے ہیں کہ وہ ظلم و جفا اور برائی کے سردار تھے۔^④ شذرات میں ابن عماد حنبلی کہتے ہیں کہ وہ قبائل کے ادبаш اور گھٹیا لوگ تھے۔^⑤ محاصرہ سے لے کر ظلماء خلیفہ کے قتل تک ان لوگوں کے تصرفات ان اوصاف پر دلالت کرتے ہیں، انہی کا کھانا پانی روکا جا رہا ہے، جنھوں نے اپنا ذاتی مال (کتناں خریدنے میں) خرچ کیا تھا جس سے سیرابی کے لیے مسلمانوں کو مفت پانی ملتا تھا۔^⑥ مسلمان جب بھی قحط سالی یا کسی دوسری پریشانی سے دوچار ہوتے وہی اپنا بہت سا مال خرچ کرتے، لوگوں پر جب بھی کوئی مصیبت یا آفت آتی تو آپ ہمیشہ ان کی مدد کرتے تھے۔^⑦

علی رضی اللہ عنہ محاصرین کو زبرد و توجیح کرتے ہوئے مذکورہ احوال کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

”لوگو! تمھارا یہ کام نہ تو مومنوں کا کام ہے اور نہ ہی کافروں کا، تم ان کا کھانا پانی مت روکو، اہل روم و فارس بھی قیدیوں کو کھانا پانی دیتے ہیں۔“^⑧

تاریخی واقعات اور صحیح روایات عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف براہیختہ کرنے اور آپ کے خلاف فتنہ برپا کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بری قرار دیتی ہیں۔^⑨ تفصیل کے لیے میری کتاب ”تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان“ دیکھی جائے۔^⑩

① شہید الدار عثمان بن عفان ص ۱۴۸

② شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۴۸/۱۵

③ منهاج السنة ۱۸۹/۲-۲۰۶

④ دول الإسلام للذہبی ۱۲/۱

⑤ تحقیق مواقف الصحابة (۱/۴۸۲) شذرات الذهب ۱/۴۰

⑥ تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان للصلابی ص ۴۵۰

⑦ التمهید و البیان ص ۴۲۴

⑧ تاریخ الطبری ۵/۴۰۰

⑨ تحقیق مواقف الصحابة ۱۸/۲

⑩ ص ۴۵۱-۴۶۶

رابعاً:..... حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے والد کے عہد میں

مختلف علاقوں اور قبائل سے آنے والے ادبائش اور شریر باغیوں (جن کے کچھ دینی کارنامے نہ تھے) کے ہاتھوں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت بہ طریقہ انتخاب پوری ہوئی، بروز جمعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ ① کو ظلماً آپ کو قتل کر دیے جانے کے بعد مدینہ میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کر لی، اس لیے کہ علی الاطلاق اس وقت آپ سے افضل کوئی نہیں تھا، عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد آپ نے اپنے لیے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی آپ کو اس کا لالچ تھا، اسی لیے مدینہ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار کے بعد ہی اور اس اندیشے کے پیش نظر آپ نے اسے قبول کر لیا تھا کہ کہیں فتنے اور نہ بڑھ جائیں، اس کے باوجود جنگ جمل و جنگ صفین جیسے فتنوں کے بعد (جنہیں حاکم دین اسلام ابن سبا اور اس کے کارندوں نے برپا کیا تھا) بعض نادانوں کی تنقید سے نہ بچ سکے، بعض اہل علم نے علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنے کی کیفیت کو روایت کیا ہے۔ ② میں نے ان روایات کو بالتفصیل اپنی کتاب ”اسمى المطالب فى سيرة أمير المؤمنين على بن أبي طالب“ میں ذکر کیا ہے۔

اہل سنت و الجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے علی رضی اللہ عنہ متعین تھے، اس لیے مہاجرین و انصار نے آپ کے لیے اسی بنا پر بیعت کر لی تھی کہ بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ سب سے افضل، سب سے پہلے اسلام لانے والے، سب سے زیادہ علم والے، نبی کریم ﷺ سے نسبی طور پر سب سے زیادہ قریب، سب سے بہادر، اللہ و رسول کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ فضیلتوں والے، سب سے افضل کارناموں والے، سب سے بلند مقام و مرتبہ والے، صورت و سیرت میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اس لیے کسی دوسرے کے بجائے وہی خلافت کے لیے مستحق تھے۔

مدینہ میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاجماع آپ کی خلافت کے لیے بیعت کی تھی، اس لیے اس وقت آپ خلیفہ برحق تھے، تمام لوگوں پر آپ کی اطاعت واجب تھی، اور آپ کی مخالفت و بغاوت حرام تھی، بہت سارے اہل علم نے آپ کی خلافت پر اجماع نقل کیا ہے، ان میں سے ابن سعد ③، ابن قدامہ ④، ابوالحسن

① الطبقات الكبرى لابن سعد (۳/ ۳۱)

② عقيدة اهل السنة فى الصحابة الكرام ۲/ ۷۷۷

③ الطبقات الكبرى ۳/ ۳۱

④ منهاج القاصدين فى فضل الخلفاء الراشدين ص ۷۷، ۷۸ نقلاً عن عقيدة اهل السنة فى الصحابة (۲/ ۶۸۹)

اشعری ❶، ابو نعیم اصفہانی ❷، ابو منصور بغدادی ❸، زہری ❹، عبد الملک جوینی ❺، ابو عبد اللہ بن بطہ ❻، غزالی ❼، ابو بکر بن العربی ❽، ابن تیمیہ ❾ اور ابن حجر ❿ ہیں۔

اجماع سے متعلق مذکورہ اقوال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اپنے زمانے میں آپ کے خلافت کا زیادہ حقدار ہونے اور اس کے صحیح ہونے پر اجماع منعقد ہے، اس لیے کہ روئے زمین پر خلافت کا آپ سے زیادہ حقدار کوئی نہیں تھا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت بر محل اور مناسب وقت پر ملی۔

۱۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ چلے جانا:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کی مدینہ کے بعض صحابہ تائید نہیں کرتے تھے، اس کا پتہ اس وقت چلا جب آپ نے شام جانے کا ارادہ کیا تا کہ وہاں کے لوگوں سے ملیں اور دیکھیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کیا کرنے والے ہیں ❶ آپ کی رائے تھی کہ اس مرحلے میں مدینہ میں وہ عناصر نہیں ہیں جو دوسرے شہروں میں ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ افراد و اموال عراق میں ہیں۔ ❷ چنانچہ ابویوب رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو خلیفہ سے کہا: اے امیر المومنین! کاش آپ یہیں رہتے اس لیے کہ یہ مضبوط قلعہ ہے، رسول اللہ ﷺ کی جائے ہجرت ہے، اسی میں آپ کی قبر، آپ کا منبر اور اسلام کا سرچشمہ ہے، اگر عرب آپ کے لیے ٹھیک ٹھاک رہے تو آپ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے اور اگر کچھ لوگ آپ کے خلاف ہو گئے تو ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دینا، ان حالات میں اگر آپ مدینہ سے چلنے پر مجبور ہو گئے تو آپ چلے جانے پر معذور ہوں گے۔ چنانچہ خلیفہ نے ابویوب رضی اللہ عنہ کا مشورہ مان لیا، اور مدینہ ہی میں رہنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور دوسرے علاقوں کے لیے

❶ الإبانة عن أصول الديانة ص ۷۸، مقالات الإسلامیین (۳۴۶/۱)

❷ کتاب الإمامة والرد علی الرافضة (ص ۳۶۰، ۳۶۱)

❸ کتاب اصول الدین (ص ۲۸۶، ۲۸۷)

❹ الاعتقاد ص ۱۹۳

❺ کتاب الإرشاد إلى قواطع الأدلة فی اصول الاعتقاد (ص ۳۶۲، ۳۶۳)

❻ لوامع الأنوار البهیة للسفارینی ۲/۲۴۶، عقیده أهل انسة (۲/۶۹۲)

❼ الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۵۴

❽ العواصم من القواصم ص ۱۴۲

❾ الوصیة الکبریٰ ص ۲۳

❿ فتح الباری ۷/۷۲

❶ الثقات لابن حبان ۲/۲۸۳، الأنصار فی العصر الراشدی (ص ۱۶۱)

❷ الثقات لابن حبان ۲/۲۸۳، الأنصار فی العصر الراشدی (ص ۱۶۱)

گورنروں کو بھیج دیا۔^① لیکن بہت سی سیاسی تبدیلیوں کے پیش نظر آپ مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مدینہ سے نکل کر کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا تاکہ اہل شام سے قریب رہیں۔^②

جب آپ نکلنے کی تیاری کر رہے تھے تو آپ کو عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بصرہ کی جانب خروج کی خبر ملی، چنانچہ آپ نے اہل مدینہ سے کوچ کرنے کا مطالبہ کیا، اور انھیں اپنی مدد کی دعوت دی، علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں کچھ بازاری قسم کے لوگوں کے باعث نیز ان کے ساتھ طریقہ تعامل کے سبب کچھ اہل مدینہ کوچ کرنے سے کترارہے تھے، بہت سارے اہل مدینہ کی رائے تھی کہ ابھی فتنہ باقی ہے اس لیے توقف ضروری ہے تاکہ معاملات مزید واضح ہو جائیں، وہ کہتے تھے اللہ کی قسم ہمیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے، اس معاملے میں ہمیں اشتباہ ہے، ہم رکے رہیں گے یہاں تک کہ معاملہ صاف اور واضح ہو جائے۔

طبری نے روایت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سات سو آدمیوں کی فوج لے کر شام کی جانب نکل کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ اہل بصرہ و کوفہ میں سے تیز طرار لوگ چھپے طور پر نکل پڑے۔^③

امیر المومنین کی دعوت قبول کرنے سے بہت سارے اہل مدینہ کے کترانے کی بہت ساری دلیلیں ہیں ان میں سے خلیفہ کے وہ خطبے ہیں جن میں آپ نے اس کترانے کی شکایت کی ہے۔^④

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اپنے والد کو نصیحت:

امیر المومنین مدینہ سے نکلے، مقام ”ربذہ“^⑤ پہنچ کر اپنے ساتھیوں سمیت پڑاؤ ڈالا، آپ کے پاس بہت سارے مسلمان آئے جن کی تعداد دو سو تک تھی۔^⑥

مقام ”ربذہ“ میں آپ کے پاس آپ کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ روتے ہوئے گئے، مسلمانوں کے اختلاف و انتشار کے باعث آپ پر حزن و ملال نمایاں تھا، انھوں نے اپنے والد سے کہا: میں نے آپ کو بعض کام کرنے کے لیے کہا تو آپ نے میری باتیں نہ مانیں، آپ کسی دن کسی بیابان میں اس حال میں قتل کر دیے جائیں گے کہ آپ کا کوئی مددگار نہ ہوگا، تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ابھی تم بچے ہو، تم نے کن کاموں کو کرنے کے لیے کہا اور میں نے انکار کر دیا؟ کہا: جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا میں نے آپ کو مدینہ سے چلے جانے کے لیے کہا تاکہ ان کے

① الثقات لابن حبان ۲/ ۲۸۳، الأنصار فی العصر الراشدی (ص ۱۶۱)

② استشہاد عثمان و وقعة الجمل ص ۱۸۳

③ تاریخ الطبری ۵/ ۴۸۱

④ الطبقات (۲/ ۲۳۷)، الأنصار فی العصر الراشدی (ص ۱۶۳)

⑤ مدینہ سے دو سو چالیس کلومیٹر پر واقع ہے۔

⑥ أنساب الأشراف ۲/ ۴۵، خلافة علی بن أبی طالب ص ۱۴۳

قتل کے وقت آپ مدینہ میں نہ رہیں، پھر ان کے قتل کے دن کہا کہ جب تک تمام علاقوں اور عربوں کے وفود اور ہرجگہ کی بیعت نہیں آجاتی آپ بیعت نہ لیں، پھر جس وقت یہ دونوں لڑ رہے تھے میں نے آپ سے کہا کہ آپ گھر میں بیٹھے رہیے یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں، اگر فساد برپا ہوتا بھی تو دوسروں کے ہاتھوں، آپ نے ان تمام کاموں میں میری بات نہ مانی، تو آپ نے فرمایا: اے میرے لخت جگر، رہی تمھاری یہ بات کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے کے وقت میں مدینہ سے نکل جاتا تو اللہ کی قسم انھیں کی طرح ہمارا بھی محاصرہ کر لیا گیا تھا، تمھاری یہ بات کہ جب تک تمام علاقوں کی بیعت نہیں آجاتی آپ بیعت نہ لیں تو معاملہ دراصل مدینہ والوں کا معاملہ تھا، ہمیں یہ پسند نہیں تھا کہ معاملہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے، رہی تمھاری طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے خروج کے وقت کی بات تو یہ چیز مسلمانوں کو کمزور کر رہی تھی، اللہ کی قسم جب سے میں خلیفہ بنایا گیا ہوں اسی وقت سے میں مجبور و کمزور ہوں کسی مناسب صورت حال تک رسائی نہیں ہو پا رہی ہے، رہی تمھاری بات کہ اپنے گھر میں بیٹھے رہیے، تو اپنی ضروری ذمہ داریوں کے باعث میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں، یا تم مجھے کس حالت میں دیکھنا چاہتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس بجو کے مانند ہو جاؤں جس کا گھیراؤ کر لیا گیا ہو اور ”دَبَابِ دَبَاب“ کہہ کر اسے بلایا جا رہا ہو، جب میں اپنی ذمہ داریوں کو نہیں نبھاؤں گا تو کون نبھائے گا، اس لیے اے میرے لخت جگر تم ان باتوں سے باز آ جاؤ۔

اس واقعے سے اپنے بیٹے کے لیے امیر المومنین کے حسن تربیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح آپ نے کوئی دباؤ ڈالے بغیر انھیں اپنی بات کہنے دی۔ پھر امیر المومنین نے ہر اعتراض کا جواب دیا، اسی طرح اس سے حسن رضی اللہ عنہ کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ بہر قیمت امن و امان برقرار رکھنا اور قوت کے استعمال سے دور رہنا چاہیے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حق پر رہ کر اس مشکل مرحلے میں پختہ عزم والے تھے، کوئی بھی آپ کو اپنے پختہ عزم سے ہٹانہ سکا، قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی تحفیذ میں توقف کرنے والے تھے، انتظار کر رہے تھے کہ معاملہ ٹھیک ہو جائے پھر قاتلین عثمان کے بارے میں سوچیں، چنانچہ جب زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے ان پر قصاص قائم کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے معذرت کی کہ وہ لوگ کثیر تعداد میں ہیں، ان کی ایک معتد بہ طاقت ہے، آپ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ صبر سے کام لیں حالات درست ہو جائیں گے جب امن و امان بحال ہو جائے گا تو حقوق واپس لیے جائیں گے، ایسا اس لیے کہا کہ حالات مصلحتوں کے حصول کے موافق نہیں تھے، امیر المومنین نے دو برائیوں میں سے کمتر کو اختیار کرنے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: قاتلین عثمان رضی اللہ عنہما

۱ اس لفظ کو ایک بجو دوسرے بجو کو بلانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

سے ابھی چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کی جو میں دعوت دے رہا ہوں وہ جنگ اور اختلاف و انتشار کی برائی سے بہتر ہے۔^①
امیر المؤمنین کی رائے تھی کہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ قصاص کو مؤخر کر دیا جائے چھوڑا نہ جائے، اس لیے آپ نے اسے مؤخر کر دیا، قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ انتظار کر رہے تھے کہ امن بحال ہو جائے، لوگ متحد ہو جائیں، آپ کے وارثین کی جانب سے قصاص کا مطالبہ کیا جائے، قصاص کے طلب کرنے والے اور قصاص جن سے مطلوب تھا دونوں فریق حاضر ہوں، دعویٰ اور جواب دعویٰ پیش ہو، دلیل پیش کی جائے اور عدالت میں فیصلہ کیا جائے۔^②

امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قصاص جب فتنہ اور اختلاف و انتشار کا باعث بنے تو امام کو اسے مؤخر کرنا جائز ہے۔^③ رہی امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی کی بات جو لوگوں میں پھیلائی گئی تو امام طحاوی اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے ایسے سرکش خوارج تھے جن کی تعین مشکل تھی اور ایسے بھی تھے جن کا قبیلہ ان کی مدد کر رہا تھا، اور ایسے بھی تھے کہ جن کے لیے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو سکی تھی، اور ایسے بھی تھے جو اپنے دلی نفاق کو ظاہر نہ کر سکے تھے۔“^④

بہر حال ان کے سلسلے میں آپ محتاط اور ان کے فعل سے براءت کا اظہار کرنے والے تھے، ان سے مستغنی ہونا بلکہ امکانی صورت میں ان سے قصاص لینا چاہتے تھے۔ اپنی کتاب ”أسمی المطالب فی سیرۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب“ میں میں نے اسے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

۳۔ اہل کوفہ کو لشکر کشی پر آمادہ کرنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مؤثر ہونا:

امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بہ حیثیت خلیفہ اپنی تمام صلاحیتوں کو استعمال کرتے تھے، آپ میں پختہ عزم و حوصلہ تھا، کوئی آپ کو آپ کے عزم سے پھیر نہیں سکتا تھا، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے مقام ”ربذہ“ سے اہل کوفہ کو کوچ کرنے کا پیغام بھیجا، اپنی مدد کے لیے انھیں بلایا، آپ کے دونوں قاصد محمد بن ابوبکر صدیق اور محمد بن جعفر تھے، لیکن یہ دونوں اپنی مہم میں کامیاب نہ ہو سکے اس لیے کہ والی کوفہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انھیں کوچ کرنے اور بحالت فتنہ جنگ کرنے سے روک دیا، اور فتنے سے الگ رہنے سے متعلق آپ نے رسول اللہ ﷺ کی جو حدیثیں سن رکھی تھیں انھیں سنا دیں۔^⑤

② تحقیق مواقف الصحابة ۱۵۶/۲

① تاریخ الطبری ۵/۶۰

③ أحكام القرآن لابن العربي ۲/۱۷۱۸

④ شرح الطحاوی (ص ۵۶۶)

⑤ تاریخ الطبری ۵/۵۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/۱۲۔ اس کی سند حسن ہے۔

اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے لوگوں پر مؤثر ہونے کے باعث وہ بھی اپنی مہم میں ناکام رہے، پھر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ جلد واپس نہ آئے تو عمار بن یاسر اور حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کے بدلے قرظہ بن کعب کو والی مقرر کیا۔^① اہل کوفہ کو متنبہ کرنے میں قعقار بن عمرو رضی اللہ عنہ کا اہم کردار تھا، چنانچہ انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”میں تمھارا خیر خواہ اور تم پر مہربان ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تم صحیح راستے پر آ جاؤ، میں تم سے ایک کچی اور حقیقی بات کہہ رہا ہوں کہ ایک خلافت ضروری ہے جو لوگوں کو منظم رکھے، ظالم کو روکے، مظلوم کی عزت کرے، یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں، کوچ کی دعوت میں وہ عدل و انصاف سے کام لے رہے ہیں، وہ اصلاح کی دعوت دے رہے ہیں، اس لیے کوچ کرو، اس معاملے سے تم اچھی طرح آگاہ و واقف رہو۔“^②

اس سلسلے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی کافی مؤثر رہے، چنانچہ لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”لوگو! اپنے امیر کی پکار پر لبیک کہو، اپنے بھائیوں کی جانب چل پڑو، اس معاملے کے لیے کوچ کرنے والے ملیں گے، اللہ کی قسم! اگر کوچ کرنے والے صاحب عقل و دانش ہوں تو نتیجہ و انجام بہتر ہوگا، اس لیے آپ لوگ ہماری دعوت قبول کر لیں اور اپنی و ہماری مصیبت میں ہماری مدد کریں۔“^③

بہت سارے اہل کوفہ نے دعوت پر لبیک کہا، چھ سات ہزار کی تعداد میں عمار و حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کی جانب چل پڑے، پھر بصرہ سے قبیلہ عبدالقیس کے دو ہزار آدمی ان کے ساتھ مل گئے، اس کے بعد دوسرے قبائل کے لوگ آپ کے پاس آتے رہے تا آنکہ جنگ کے وقت آپ کی فوج کی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی۔^④ ”ذی قار“ میں جب اہل کوفہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے ملے تو آپ نے ان سے کہا:

”اے اہل کوفہ تم مجھ اور ان کے بادشاہوں کی شان و شوکت کے مالک ہو گئے، تم نے ان کی فوجوں کو تتر بتر کر دیا، تا آنکہ ان کا ورثہ تمھیں مل گیا، تم نے اپنی سلطنت کی اعانت کی، لوگ لوٹتے ہوئے

① سیر أعلام النبلاء ۳/ ۴۸۶، خلافة علی بن أبي طالب (ص ۴۴) عبد الحمید

② فتح الباری ۱۳/ ۲۵، التاريخ الصغير ۱۰۹/ ۱

③ تاریخ الطبری ۵/ ۱۶۵

④ مصنف عبدالرزاق ۵/ ۴۵۶، ۴۵۷

مال غنیمت حاصل کیے، میں نے تمہیں دعوت دی ہے تم ہمارے ساتھ اہل بصرہ کو لے کر آؤ، اگر مخالفین لوٹ گئے تو ہم یہی چاہتے ہیں، اگر نہیں لوٹتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے اور ان سے الگ رہیں گے یہاں تک کہ وہ ہم پر ظلم کرنے لگیں، ہم ان شاء اللہ اصلاح کو فساد پر ترجیح دیں گے، اصل طاقت و قوت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“^۱

۴۔ صلح کی کوششیں:

علی رضی اللہ عنہ اس بات کے خواہاں تھے کہ یہ اختلاف و فتنہ پر امن طریقے سے ختم ہو جائے، مسلمانوں کو بھرپور صلح کرنا اور جنگ کی برائی سے بچا لیا جائے، یہی حال طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کا تھا، صلح کی کوششوں میں بہت سارے صحابہ اور کبار تابعین شریک رہے، سب سے مشہور کوشش قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی تھی، انھوں نے طلحہ، زبیر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کی، وہ سب ان کی رائے سے متاثر ہوئے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قاتلین عثمان کے معاملے میں قعقاع رضی اللہ عنہ کی رائے پوچھی، تو انھوں نے کہا: اس معاملے کا علاج پرسکون ہونے میں ہے، قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں توقف ضروری ہے، اگر آپ لوگ علی رضی اللہ عنہ کی بات مان لیتے اور ان کے ساتھ متفق ہو جاتے ہیں تو یہ بھلائی کی علامت اور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر قادر ہونے کی نشانی ہے، اور اگر نہیں مانتے اور جنگ پر اصرار کرتے ہیں تو یہ برائی کی اور اس ملک کے ختم ہو جانے کی علامت ہے، عافیت کو ترجیح دیں آپ لوگوں کو عافیت مل جائے گی، پہلے ہی کی طرح آپ لوگ اچھائیوں کا منبع بنیں، ہمیں پریشانی میں نہ ڈالیں کہ آپ بھی اسی میں پڑ جائیں اور نتیجتاً اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ لوگوں کو ہلاک کر دے، اللہ کی قسم میں آپ لوگوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ یہ بات پوری نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ اس امت کے اہم لوگوں کو ہلاک کر دے جس کے اسباب کم ہو گئے ہیں، جو بہت بڑی آفت میں مبتلا ہو گئی ہے، یہ ایک آدمی کے دوسرے آدمی کو قتل کرنے یا ایک جماعت کا ایک آدمی کو قتل کرنے یا ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے کو قتل کرنے کا معاملہ نہیں ہے۔

وہ لوگ قعقاع رضی اللہ عنہ کی مخلصانہ سچی اور مطمئن کردینے والی گفتگو پر مطمئن ہو گئے اور ان کی صلح کی دعوت کو قبول کر لیا، اور کہا: تم نے اچھی اور درست بات کہی ہے، آپ جاییے اگر علی رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور ان کی بھی یہی رائے ہوتی ہے تو یہ معاملہ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا، قعقاع رضی اللہ عنہ مقام ”ذی قار“ کی جانب علی رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی مہم میں کامیاب ہو کر لوٹے، علی رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ جو گفتگو ہوئی اس سے آگاہ کیا، آپ نے اسے پسند کیا، قریب تھا کہ سب کی پسند یا عدم پسند کا خیال کیے بغیر لوگ صلح کر لیتے۔^۲

۵۔ جنگ جمل میں لڑائی بھڑکانے میں سبائیوں کا کردار:

جب قعتاق بنی ہشام نے لوٹ کر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو اپنی گفتگو سے آگاہ کیا، تو اس کی تاکید کے لیے علی رضی اللہ عنہ نے عائشہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے پاس دو قاصد بھیجے، ① دونوں نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ کر بتایا کہ معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ قعتاق بتا رہا ہے ہیں چنانچہ آپ چلے، علی رضی اللہ عنہ کیا کوچ کیا، ان کے سامنے پڑاؤ ڈالا، قبائل سے ترکان کے سامنے پڑاؤ ڈالا، مضروالے مضروالوں کے سامنے، ربیعہ والے ربیعہ والوں کے سامنے، یحییٰ والے یحییٰ والوں کے سامنے، ان کا ارادہ اور گفتگو صرف صلح کی تھی۔ ②

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جب کوچ کا ارادہ کیا تو اپنے اہم فیصلے کا اعلان کیا کہ میں کل کوچ کرنے والا ہوں تو تم سب ہی بصرہ کی طرف کوچ کرو، خبردار کل کوئی بھی ایسا شخص کوچ نہ کرے جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی طرح کا تعاون کیا ہو۔ ③

علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے سرکش خوارج میں سے ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کی شناخت نہ ہو سکی تھی، ایسے بھی تھے جن کا قبیلہ ان کی مدد کر رہا تھا، ایسے بھی تھے جن کے خلاف کوئی شرعی شہادت نہیں مل رہی تھی، ایسے بھی تھے جو اپنے دلوں میں چھپے نفاق کو ظاہر نہ کر سکے تھے۔ ④

سبائیوں کی شدید خواہش تھی کہ فتنہ برپا کیا جائے اور اس کی آگ بھڑکائی جائے تاکہ ان سے قصاص نہ لیا جائے۔ ⑤ جب لوگوں نے سفر ختم کر کے پڑاؤ ڈالے اور مطمئن ہو گئے تو علی اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم نکلے، کچھ باتوں پر ان کا ابتداء ہی میں اتفاق تھا، دیگر مختلف فیہ امور پر گفتگو ہوئی، اس نتیجے پر پہنچے کہ معاملہ جب واضح ہونے لگا ہے تو ترک قتال اور صلح سے بہتر کوئی چیز نہیں، اسی بات پر مجلس درخواست ہو گئی۔ علی رضی اللہ عنہ اپنے گروہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اپنے گروہ کی جانب چلے گئے، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے ساتھیوں کے سرداروں کو اور علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والوں کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے سرداروں کو یہ پیغام پہنچا دیا، لوگ صلح و عافیت کی نیت سے رات گزاری، انھیں صلح کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا، ان میں سے بعض بعض کے سامنے تھے، ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے تھے، ان کی نیت صرف صلح کی تھی، فتنہ برپا کرنے والوں کی رات بڑی پریشانی میں گزر رہی تھی، اس لیے کہ ان کی ہلاکت بہت قریب تھی پوری رات مشورہ کرتے رہے ان میں سے کسی نے کہا: طلحہ و

② تاریخ الطبری ۵/۳۹

① تاریخ الطبری ۵/۲۵

③ تاریخ الطبری ۵/۲۵

④ تاریخ الطبری ۵/۲۶

⑤ تاریخ الطبری ۵/۵۲، تحقیق مواقف الصحابة ۲/۱۲۰

زبیر (رضی اللہ عنہ) کی رائے ہم پہلے سے جانتے ہیں، علی رضی اللہ عنہ کی رائے ہم آج جان سکے جب انھوں نے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ کل کوچ کریں، لیکن ان کے ساتھ کوئی ایسا شخص کوچ نہ کرے جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی طرح کا تعاون کیا ہے، اللہ کی قسم ہمارے بارے میں لوگوں کی رائے ایک ہے۔ اُن ان لوگوں کی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت ہو جاتی ہے تو ہمارا خون بے گار۔^①

ان کے مشیر لونڈی کے بچے عبداللہ بن سبائے نے کہا: تمھاری عزت لوگوں کے ساتھ ملے رہنے میں ہے۔ ان کے ساتھ مل کر رہو، کل جب لوگ اکٹھے ہوں تو جنگ کی آگ بھڑکا دو، انھیں غور و فکر کا موقع نہ دو، اور جب تم ان کے ساتھ رہو گے تو وہ ضرور حمایت کریں گے، اس طرح اللہ تعالیٰ علی، زبیر، طلحہ (رضی اللہ عنہم) اور ان کی رائے سے متفق لوگوں کو تمھارے قتل سے غافل کر دے گا، اس لیے یہی رائے قائم کر کے اس طرح یہاں سے نکلو کہ لوگوں کو پتہ نہ چل سکے۔^②

چنانچہ وہ راز داری میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی رائے پر متفق ہو گئے، اور تاریکی ہی میں اس طرح نکل پڑے کہ ان کے پڑوسیوں کو پتہ نہ چل سکا، ان میں سے قبیلہ مضر والے مضر والوں کی جانب، ربیعہ والے ربیعہ والوں کی جانب، یمن والے یمن والوں کی جانب نکل پڑے، اور تمکواریوں سے حملہ کر دیا، چنانچہ اہل بصرہ اور تمام لوگ اچانک حملہ کرنے والوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اور زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہو گئے اور جنگ برپا ہو گئی۔^③ میں نے اپنی کتاب ”أسمی المطالب فی سیرة امیر المومنین علی بن أبی طالب“ میں جنگ جمل کی تفصیلات کو ذکر کیا ہے۔

جنگ جمل کے پیچھے سبائیوں کا ہاتھ تھا اس پر تقریباً علماء کا اجماع ہے، چاہے ان علما نے ان کا تذکرہ مفسد سے کیا ہو، یا ابوباش یا قاتل، یا بے وقوف یا شورش پسند یا سبائی سے۔^④ درج ذیل نصوص اس بات کی تائید کرتے ہیں:

۱: عمر بن شبہ کی ”اخبار بصرہ“ میں وارد ہے کہ جن لوگوں کی جانب قتل عثمان رضی اللہ عنہ کو منسوب کیا جاتا ہے انھیں اس بات کا خوف لاحق ہو گیا کہ دونوں فریق ان کے قتل کر دینے پر صلح کر لیں گے اس لیے انھوں نے ان کے مابین جنگ کی آگ بھڑکا دی، تا آنکہ جو ہونا تھا ہوا۔^⑤

② تاریخ الطبری ۵/۲۷

① تاریخ الطبری ۵/۲۶

③ تاریخ الطبری ۵/۴۱

④ عبد اللہ بن سبائہ و أثره فی أحداث الفتنہ فی صدر الإسلام (ص ۱۹۴)

⑤ فتح الباری ۱۳/۵۶

ب: امام طحاوی کا قول ہے: ”علی وطلحہ رضی اللہ عنہما کے نہ چاہتے ہوئے جنگ جمل کا فتنہ برپا ہو گیا۔ سابقین کے نہ چاہتے ہوئے اسے مفسدوں نے برپا کر دیا۔“ ❶

ت: باقانی کا قول ہے: ”صلح کی بات طے ہو گئی، رضا مندی پر اجتماع کا اختتام ہوا، قاتلین عثمان کو خوف لاحق ہوا کہ وہ پکڑے جائیں گے، اس لیے اکٹھے ہوئے، مشورہ کیا، اس پر متفق ہو گئے کہ وہ دو گروہوں میں ہو جائیں اور فجر سے پہلے ہی دونوں فریقوں میں جنگ چھیڑ دیں، اور لوگوں کے ساتھ مل جائیں، اس طرح علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے والا گروہ چیچا کہ علی رضی اللہ عنہ نے غداری کر دی، اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہنے والا گروہ چیچا کہ علی رضی اللہ عنہ نے غداری کر دی، ان کی یہ سازش کامیاب رہی اور جنگ چھڑ گئی، ہر فریق اپنا دفاع اور اپنے خون کی حفاظت کر رہا تھا، اس طرح دفاع کرنا فریقین کی جانب سے درست تھا اور اس میں اللہ کی اطاعت تھی، یہی مشہور اور صحیح بات ہے، ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔“ ❷

ث: قاضی عبدالجبار نے علما کے اقوال نقل کیے ہیں کہ علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم ترک جنگ کے معاملے میں غور و فکر کرنے اور مصالحت پر متفق تھے۔ دشمنان عثمان رضی اللہ عنہ کو جو فوج میں موجود تھے یہ بات پسند نہ آئی، انھیں خوف لاحق ہو گیا کہ سب کی توجہ انھی کی جانب ہو جائے گی (یعنی ان سے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے) چنانچہ انھوں نے اس چیز کی سازش کی جو معروف ہے اور یہ سازش پوری ہو کر رہی۔ ❸

ج: ابوبکر ابن العربی کا قول ہے: علی رضی اللہ عنہ بصرہ آئے، دونوں فریق قریب ہوئے تاکہ تبادلہ خیالات کریں، لیکن نفس پرستوں نے انھیں ایسا کرنے نہیں دیا، جلد بازی میں خون بہانے لگے اور لڑائی بھڑک اٹھی، گھٹیا قسم کے لوگوں کا ہنگامہ زیادہ ہو گیا، یہ سب اس لیے تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ چھپے رہ جائیں، ان کے خلاف نہ تو دلیل قائم ہو سکے اور نہ ہی حقیقت حال واضح ہو سکے۔ ایک ہی فوجی فوج کے منصوبے کو بگاڑ کر رکھ دینا ہے تو ہزاروں فوجیوں کی بات ہی الگ ہے۔ ❹

ح: ابن حزم کا قول ہے: اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ جمع ہوئے اور لڑے نہیں، جب رات ہوئی تو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ یہ بہلاوا دے پھسلاوا اور چال ان کے خلاف ہے، چنانچہ انھوں نے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی فوج پر شب خون مارا، ان پر تلواروں سے حملہ کیا، لوگوں نے اپنا دفاع کیا تا آنکہ علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے بھڑ

❶ شرح العقيدة الطحاوية (ص ۵۴۶)

❷ التمهيد (ص ۲۳۳)

❸ تثبيت دلائل النبوة للهمداني ص ۲۹۹

❹ العواصم من القواصم ص ۱۵۶، ۱۵۷

گئے، پھر انھوں نے اپنا دفاع کیا، ہر فریق بلاشبہ یہ سوچتا تھا کہ دوسرے فریق نے جنگ شروع کی ہے، معاملہ بالکل الجھ کر رہ گیا، ہر فریق اپنے دفاع سے بڑھ کر کچھ نہ کر سکا۔ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ برابر جنگ کی آگ بھڑکا رہے تھے، دونوں فریق اپنی غرض و غایت اور مقصد میں حق پر تھے، زیرِ رضی اللہ عنہ جنگ کو اپنے حال پر چھوڑ کر واپس چلے گئے، طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے تھے اس مڈبھیڑ کی حقیقت نہیں جان پارہے تھے کہ ایک انجنانا تیر انھیں لگا، یہ تیر آپ کی پنڈلی کے اس زخم کی جگہ لگا جو زخم کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے جنگ احد میں لگا تھا، چنانچہ لوٹے اور اسی وقت آپ کا انتقال ہو گیا۔ زیرِ رضی اللہ عنہ کو جنگ سے لوٹتے ہوئے بصرہ سے ایک دن سے کم کی دوری پر واقع مقام ”وادی السباع“ میں شہید کر دیا گیا، معاملہ ایسا تھا۔^①

خ: امام ذہبی کہتے ہیں: جنگ جمل کو دونوں فریقوں کے بیوقوفوں نے بھڑکایا تھا۔^② نیز کہتے ہیں: دونوں فریق مصالحت پر آمادہ تھے، علی وطلحہ رضی اللہ عنہما میں سے کوئی بھی جنگ نہیں چاہتا تھا، بلکہ وہ اتحاد کی بات کرنا چاہتے تھے، ایسے میں دونوں فریق کے اوباشوں نے تیر اندازی شروع کر دی، جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور لوگ برا بیچتے ہو گئے۔^③

اور ”دول الاسلام“ میں کہتے ہیں: شورش پسندوں کی جانب سے جنگ چھڑ گئی، اور معاملہ علی، طلحہ اور زیرِ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ سے نکل گیا۔^④

ڈاکٹر سلیمان بن حمد عودہ کہتے ہیں: ”اس کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنگ جمل میں سبائیوں کے کردار کی صراحت کرنے والی طبری کی روایت مذکورہ عموماً کی تخصیص کرے اور ان علما کے اقوال میں وارد گروہوں سے کون مراد ہیں؟ بالتحید بیان کر دے، اس میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں، اور اگر شورش کرنے والے ان گروہوں کا تعلق براہِ راست سبائیوں سے نہ رہا ہو، ان کے مقاصد بھی مختلف رہے ہوں، تب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان گروہوں نے زمین ہموار کی، ابن سبا اور اس کے ہم نوا سبائیوں نے اس کا استعمال کیا، جیسا کہ بعض شورش برپا کرنے والی تحریکوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ مفسدوں کا استعمال کرتی ہیں۔“^⑤

جنگ جمل کے دن حسن رضی اللہ عنہ مینہ میں تھے، دوسرے قول کے مطابق میسرہ میں تھے، آپ جنگ کو ناپسند کرتے اور اپنے والد کو اسے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔^⑥

① الفصل فی الملل و النحل ۴/ ۱۵۷، ۱۵۸

② العبر ۱/ ۳۷، عبد اللہ بن سبأ للعودة ص ۱۹۵

③ تاریخ الاسلام ۱/ ۱۵، عبد اللہ بن سبأ للعودة (ص ۱۹۵)

④ دول الإسلام ۱/ ۱۵، عبد اللہ بن سبأ للعودة ص ۱۹۵

⑤ الوافی بالوفیات للصدفی ۱۲/ ۱۰۹

⑥ عبد اللہ بن سبأ للعودة ص ۱۹۶

۶۔ جنگ جمل میں مقتولین کی تعداد:

اس تباہ کن لڑائی میں بہت سارے لوگ قتل ہوئے، ان کی تعداد بیان کرنے میں روایتیں مختلف ہیں، مسعودی نے ذکر کیا کہ اس اختلاف کا سبب راویوں کا میلان ہے۔^①

خلیفہ بن خیاط نے جنگ جمل کے مقتولین کے ناموں کی فہرست ذکر کی ہے تو وہ تقریباً سو تھے، اگر ہم مان لیں کہ ان کی تعداد سو کے بجائے دو سو تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ جمل کے مقتولین کی تعداد دو سو سے تجاوز نہیں ہے اور یہی تعداد ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث کے نزدیک ان کے رسالہ ”استشهاد عثمان و وقعة الجمل فی مرویات سیف بن عمر فی تاریخ الطبری دراسة نقدية“^② میں رائج قرار پائی ہے۔ ابونخف کی اس روایت میں کہ مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچی ہے،^③ مبالغہ ہے، یہ ذکر کر کے کہ یہ بیس ہزار صرف بصرہ کے تھے، اس جھوٹے کی سوچ تھی کہ اس نے اچھا کیا ہے حالاں کہ اس نے برا کیا ہے۔^④

سیف بن عمر ذکر کرتا ہے کہ ان کی تعداد دس ہزار تھی آدھے اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے اور آدھے اصحاب عائشہ رضی اللہ عنہا میں سے تھے۔ ایک دوسری روایت میں کہتا ہے: اور کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ ہزار تھی، پانچ ہزار اہل کوفہ سے تھے، اور دس ہزار اہل بصرہ سے تھے، ان میں سے آدھے جنگ کے پہلے مرحلے میں قتل کیے گئے اور آدھے دوسرے مرحلے میں۔^⑤ دونوں روایتیں منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں اور ان میں مبالغہ بھی ہے۔ عمر بن شبہ ذکر کرتے ہیں کہ مقتولین کی تعداد چھ ہزار سے زیادہ تھی مگر یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔^⑥

یعقوبی نے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا اس لیے کہ اس نے مقتولین کی تعداد بیس ہزار سے زائد بتلائی ہے۔^⑦ ان اعداد میں بہت زیادہ مبالغہ ہے اور میں نے اپنی کتاب ”أسمی المطالب فی سیرة أمیر المومنین علی بن ابی طالب“ میں مبالغہ کے اسباب کو ذکر کیا ہے۔

۷۔ جنگ کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اعلان:

جنگ جیسے ہی رکنے لگی علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اعلان کرنے والے نے اعلان کر دیا کہ کسی زخمی کا کام تمام نہ کریں، کسی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کا پیچھا نہ کریں، کسی گھر میں نہ داخل ہوں، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون

① مروج الذهب ۳/ ۳۶۷

② استشهاد عثمان و وقعة الجمل ص ۲۱۵

③ تاریخ خلیفہ ص ۱۸۶، اس کی سند مرسل ہے۔

④ تاریخ خلیفہ ص ۱۸۶ ⑤ تاریخ الطبری ۵/ ۵۴۲-۵۵۵

⑥ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۶، اس کی سند منقطع ہے۔

⑦ مصنف ابن ابی شیبہ ۷/ ۵۴۶، فتح الباری ۱۳/ ۶۲

ہوگا، جو اپنا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہوگا، فوج کو مال غنیمت میں وہی ہتھیار اور گھوڑے ملیں گے جو میدان جنگ میں لائے گئے تھے، اس کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔ امیر المومنین کی جانب سے اعلان کرنے والا اہل بصرہ میں سے ان لوگوں کے درمیان جو آپ سے برسر پیکار تھے اعلان کیا کہ ان میں سے جو بھی اپنا سامان آپ کے کسی فوجی کے پاس پائے تو وہ اسے لے لے۔^①

۸۔ آپ کا مقتولین کا معائنہ کرنا اور ان کے لیے دعائے رحمت کرنا:

معمر کہ ختم ہونے پر امیر المومنین علیؑ چند صحابہ کے ساتھ مقتولین کا معائنہ کرنے نکلے، محمد بن طلحہ سجاد کو دیکھ کر کہا: "إنا لله و إنا إليه راجعون" اللہ کی قسم وہ نیک جوان تھا، پھر پریشان اور غمگین حالت میں بیٹھ گئے، مقتولین کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کی، ان میں سے کئی لوگوں کی بھلائیوں اور نیکیوں کا تذکرہ کر کے ان کی تعریف کی۔^②

۹۔ حضرت طلحہؓ کے قتل پر آپ کا متاثر ہونا:

حضرت علیؑ جب مقتولین کے درمیان گھوم رہے تھے، تو طلحہؓ کو مقتول پایا، ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرنے لگے^③ اور فرمایا: اے ابو محمد میرے لیے یہ انتہائی دردناک بات ہے کہ میں تمہیں اس وادی میں پڑا ہوا پاؤں، پھر فرمایا: میں اپنی ذرا ذرا سی باتوں کے بارے میں اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں، میں تمنا کرتا ہوں کہ کاش میں بیس سال پہلے دنیا سے رخصت ہو گیا ہوتا۔^④

۱۰۔ حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں آپ کی رائے:

جب حضرت زبیرؓ کو عمرو بن جرموز نے دھوکے سے قتل کر دیا تو ان کا سرتن سے جدا کر دیا اور اسے لے کر علیؑ کے پاس پہنچا، اس کو توقع تھی کہ یہ اس کا کارنامہ سمجھا جائے گا اور علیؑ کے یہاں وہ مرتبہ پائے گا، لیکن جب اس شخص نے اجازت طلب کی تو علیؑ نے فرمایا: ابن صفیہ (زبیرؓ) کے قاتل کو جہنم کی خوش خبری سناؤ، پھر علیؑ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لکل نبی حواری و حواری الزبیر))^⑤

① استشہاد عثمان و وقعة الجمل ص ۲۰۲

② مصنف ابن أبي شيبة ۲۶۱/۱۵، المستدرک ۱۰۳/۳، ۱۰۴۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے، خلافة علی بن ابی طالب (ص ۱۶۹)

③ البداية والنهاية ۲۵۸/۷

④ تاریخ الاسلام، عهد الخلفاء الراشدين ص ۵۲۸

⑤ فضائل الصحابة ۹۲۰/۲

”ہر نبی کے خواری (معاون و مددگار) ہوتے ہیں، میرے خواری زیر ہیں۔“

اور جب علی رضی اللہ عنہ نے زیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کو دیکھا تو فرمایا:

”اس تلوار نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک سے بہت ساری پریشانیوں کو دور کیا ہے۔“^①

دوسری روایت میں ہے کہ امیر المومنین نے عمرو بن جرموز کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی اور اجازت طلب کرنے والے سے کہا: ابن صفیہ (زیر رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو جہنم کی خوش خبری سنا دو۔^② کہا جاتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عمرو بن جرموز نے خودکشی کر لی۔ دوسری روایت کے مطابق وہ عراق پر مصعب بن زیر رضی اللہ عنہما کے امیر بننے تک زندہ رہا، چنانچہ وہ آپ سے روپوش ہو گیا، مصعب رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ عمرو بن جرموز یہاں چھپا ہے، کیا وہ آپ کو مطلوب ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سے کہو کہ وہ کھلم کھلا رہے وہ مامون ہے، اللہ کی قسم میں اس سے زیر رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہیں لوں گا وہ زیر رضی اللہ عنہ کا ہمسر بنانے کے لائق نہیں۔^③

امیر المومنین نے جنگ جمل کی شام کو قیدیوں کو ایک خاص جگہ میں رکھا، فجر کی نماز پڑھ کر موسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ کو طلب کیا، ان کا استقبال کرتے ہوئے ان کو اپنے قریب کر کے اپنے پاس بٹھایا، ان سے ان کے اور بھائیوں کے حالات پوچھے، پھر ان سے کہا: آپ کی زمین کو قبضہ کرنے کے ارادے سے ہم نے اپنے قبضہ میں نہیں لیا ہے، بلکہ اس ڈر سے قبضہ میں لیا ہے کہ اسے دوسرے لوگ اچک نہ لیں، آپ نے اس کا غلہ دیا اور کہا: اے میرے برادر زادہم آپ کی ضرورت پوری کرنے کے لیے تیار ہیں، اسی طرح آپ نے ان کے بھائی عمران بن طلحہ کے ساتھ کیا، چنانچہ ان دونوں نے آپ کے لیے بیعت کر لی، جب قیدیوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کرنے کے لیے گئے، چنانچہ آپ نے ان سے اور دوسروں سے ایک ایک قبیلہ کر کے بیعت لی۔^④

اسی طرح آپ نے مروان بن حکم کے بارے میں پوچھا اور فرمایا: میرا ان سے قریبی رشتہ ہے، ساتھ ہی وہ نوجوانان قریش کے سردار ہیں، مروان نے حسن، حسین اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ ان کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ سے بات چیت کریں، تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ مامون ہیں، جہاں چاہیں رہیں، لیکن اس عزت افزائی اور شرافت کے بالمقابل ان کی طبیعت جا کر بیعت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئی۔^⑤

① البدایہ والنہایہ ۷/ ۲۶۱

② الطبقات ۳/ ۱۰۵، اس کی سند حسن ہے، خلافت علی (ص ۱۶۴) عبد الحمید

③ البدایہ والنہایہ ۷/ ۲۶۱

④ الطبقات ۳/ ۲۲۴، اس کی سند حسن ہے، المستدرک ۳/ ۳۷۶، ۳۷۷

⑤ سنن سعید بن منصور ۲/ ۳۳۷، اس کی سند حسن ہے۔

مروان بن حکم نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے اس کارنامے کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: غالب ہونے کی صورت میں میں نے آپ کے والد سے زیادہ شریف شخص کو نہیں دیکھا، جنگ جمل میں جیسے ہی ہم پیڑ پھیر کر بھاگے آپ کی جانب سے اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے گا، زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔^①

۱۱۔ علی رضی اللہ عنہ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کو عزت و احترام کے ساتھ رخصت کرنا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے سواری، زاد سفر اور دیگر اسباب مہیا کر کے بڑے احترام سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کیا، آپ کے ساتھ آنے والوں میں جو بچے تھے ان سب کو آپ کے ساتھ بھیجا سوائے ان کے جو رکنا چاہتے تھے، بصرہ کی معزز چالیس خواتین کو ان کی ہمراہی کے لیے منتخب کیا اور کہا: اے محمد ابن حنفیہ تیار ہو جاؤ اور انھیں پہنچانے جاؤ، چنانچہ جس روز انھوں نے سفر کیا، علی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس پہنچے اور کھڑے رہے اور لوگ بھی آئے، عائشہ رضی اللہ عنہا کو لوگوں نے رخصت کیا، آپ نے بھی انھیں رخصت کیا اور فرمایا: اے میرے بچو! ہم میں کوئی ایک دوسرے کا گلہ اور شکایت نہ کرے، اس سلسلے کی کسی بات کے باعث ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے، اللہ کی قسم ہمارے اور علی کے مابین پچھلے دنوں اگر کچھ غلط فہمی یا شکوہ شکایت رہی تو صرف اسی قدر جتنا ایک خاتون اور اس کے دیوروں کے مابین کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اور وہ میری عزیزانہ شکایت یا تاثر کے باوجود صلحائے امت میں سے ہیں، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! واللہ ام المومنین نے سچ فرمایا، ہمارے اور ان کے درمیان صرف اسی قدر بات تھی، وہ تمہارے نبی کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں، علی رضی اللہ عنہ ان کو رخصت کرتے ہوئے ان کے ساتھ میلوں گئے، اپنے بچوں کو چھوڑ کر اس دن کا پورا وقت ان کی خدمت میں گزارا۔ یہ واقعہ روز شنبہ یکم رجب ۳۶ھ کا ہے۔^②

۱۲۔ جو کچھ ہوا اس پر ان کی ندامت:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں اسلام کی سبقت حاصل تھی جنگ میں شرکت پر نادم ہوئے، چنانچہ طلحہ و زبیر اور علی رضی اللہ عنہم وغیرہ نادم ہوئے۔ جنگ جمل کے دن ان کا لڑائی کا ارادہ نہیں تھا، لیکن ان کی چاہت کے بغیر لڑائی چھڑ گئی۔^③

۱۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب انھوں نے لوگوں کو تلواروں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو کہا:

① کتاب اهل البغی من الحاوی الکبیر للماوردی ص ۱۱

② المتنفی من منهاج الاعتدال ص ۲۲۲

③ تاریخ الطبری ۵ / ۵۸۱

((لَوَدِدْتُ أَنِّي مِتُّ قَبْلَ هَذَا بِعَشْرِينَ سَنَةً.)) ❶

”میری خواہش ہے کہ اس حادثے سے بیس سال پہلے وفات پا جاتا۔“

ب: نعیم بن حماد نے اپنی سند سے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب لڑائی شباب پر تھی تو میری آڑ میں ہو کر کہہ رہے تھے:

”اے حسن میری خواہش ہے کہ میں اس حادثے سے بیس سال قبل وفات پا جاتا۔“ ❷

ت: حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ایک معاملے کو حل کرنا چاہا، تو معاملات پے در پے پیش آتے رہے، چنانچہ آپ کو چھکارا نہ ملا۔ ❸

ث: سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو جب کہ تلواریں چل رہی تھیں کہتے سنا کہ اے حسن! کیا یہ سب باتیں ہم میں پائی جا رہی ہیں، کاش میں بیس یا چالیس سال قبل وفات پا جاتا۔ ❹

ج: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ جنگ میں حصہ لیا، اور نہ ہی جنگ کے لیے نکلی تھیں، وہ صرف مسلمانوں کے مابین مصالحت کی غرض سے نکلی تھیں، ان کا خیال تھا کہ ان کے نکلنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہے، بعد میں انھیں معلوم ہوا کہ نہ نکلنا بہتر تھا، جب انھیں اپنا نکلنا یاد آتا تو رونے لگتیں تا آنکہ آپ کا دوپٹہ بھیگ جاتا۔ اس طرح عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں اسلام کی سبقت حاصل تھی جنگ میں شرکت پر نادم ہوئے، چنانچہ طلحہ، زبیر اور علی رضی اللہ عنہم وغیرہ نادم ہوئے۔ جنگ جمل کے دن ان کا لڑائی کا ارادہ نہیں تھا، لیکن ان کی چاہت کے بغیر لڑائی چھڑ گئی۔ ❺

ح: امام ذہبی کہتے ہیں: بلاشبہ عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ جانے اور جنگ جمل میں شریک ہونے پر سخت نادم تھیں، انھوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ ❻

جنگ جمل (جس میں حسن رضی اللہ عنہ شریک تھے) کی تفصیلات کے لیے میری کتاب ”أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب“ کا مراجعہ کیا جائے۔

❶ الفتن، نعیم بن حماد ۸۰ / ۱

❷ الفتن ۸۰ / ۱

❸ الفتن ۸۱ / ۱

❹ أحداث و أحادیث فتنه المهرج ص ۲۱۷

❺ المنتقى من منهاج الاعتدال ص ۲۲۲، ۲۲۳

❻ سير أعلام النبلاء ۱۷۷ / ۲

خ: جنگ جمل کے دردناک واقعات کے تذکرہ کو ختم کرنے سے پہلے اس سے حاصل شدہ اہم سبق کو ہم ذکر کر رہے ہیں وہ یہ کہ اتحاد کی کسی مخلصانہ کوشش یا ایسی کوشش جس سے دشمنوں کی مصلحتیں مار کھاتی ہوں، ایسی کوشش کو ناکام بنانے میں ان کی سازشوں اور مکر و فریب پر نگاہ رکھنی ضروری ہے، ایسی حالت میں جب ہم عام آراء پر متفق ہو جائیں تو ان کے لیے منصوبے تیار کریں، ان کے نفاذ کی اور انھیں ناکام بنانے میں دشمنوں کو روکنے کی لازمی تدبیروں کو اختیار کریں اور اگر ہم دشمنوں کے خطرات اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ان کی کوششوں سے غافل ہو جائیں گے تو مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہو سکتا، حسن رضی اللہ عنہ نے اس اہم سبق سے فائدہ اٹھایا اور اپنے مصالحانہ منصوبے میں اس کی تطبیق کی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

جنگ صفین

جنگ صفین ان بڑے واقعات میں سے ہے جن کا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے عہد میں مشاہدہ کیا تھا، آپ کو امیر المومنین علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات کا تفصیلی علم تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی و عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے، جب علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے انھیں معزول کر کے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو گورنر بنانا چاہا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے قبول نہ کیا بلکہ معذرت کی اور اپنے مابین قرابت اور سسرالی رشتہ کا ذکر کیا۔ ❶ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان پر لازم نہ قرار دیتے ہوئے ان کی معذرت قبول کر لی۔

ایسی روایتیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے الگ تھلگ ہو جانے اور ساتھ نہ دینے پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی ان سے جھڑپ ہو گئی، تو ایسی روایتیں محرف اور جھوٹی ہیں۔ ❷

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی شام کی گورنری کا حاصل وہی ہے جسے امام ذہبی نے سفیان بن عیینہ کے طریق سے روایت کیا ہے، عمر بن نافع اپنے والد نافع سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ نے میرے پاس یہ پیغام بھیجا: اے ابوعبدالرحمن اہل شام آپ کی بات مانتے ہیں، میں نے آپ کو ان کا گورنر بنا دیا۔ ہے اس لیے آپ وہاں چلے جایے، تو میں نے کہا: میں اللہ کا اور رسول اللہ ﷺ سے اپنی قربت و صحبت کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے چھٹکارا دے دیں، علی رضی اللہ عنہ نہ مانے، پھر میں نے حصہ رضی اللہ عنہما کا واسطہ استعمال کیا پھر بھی نہ مانے تو میں راتوں رات مکہ چلا گیا۔ ❸

❶ المصنف لابن أبي شيبة ٤٧٢/٧، اس کی سند صحیح ہے۔

❷ استشهاد عثمان و وقعة الجمل، خالد الغيث ص ١٦٠

❸ سير أعلام النبلاء ٢٢٤/٣، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کی بیعت کر کے آپ کی اطاعت قبول کر چکے تھے ورنہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں آپ انھیں گورزر کیسے بناتے؟ شام کی گورزری سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی معذرت کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بدلے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا، وہ حدود شام پر پہنچے ہی تھے کہ انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے سواروں نے روک لیا اور کہا: اگر آپ کو عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے تو ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں، اور اگر کسی دوسرے نے بھیجا ہے تو لوٹ جائیں۔^①

عثمان رضی اللہ عنہ کے مطلوبانہ قتل پر شام والوں کا غیظ و غضب ابال کھا رہا تھا، ان کے پاس آپ کی خون آلود قمیص اور آپ کی بیوی نائلہ کی آپ کے دفاع میں کٹی ہوئی انگلیاں پہنچ چکی تھیں، آپ کی شہادت کا واقعہ بڑا ہی دردناک تھا، اس نے شعور و احساس اور دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

انھیں مدینہ، مدینہ پر شورش کرنے والوں کے قابض ہو جانے، اور بنی امیہ کے مکہ چلے جانے کی خبریں پہنچتی رہیں، اس طرح کے حالات و واقعات نے اہل شام اور سرفہرست معاویہ رضی اللہ عنہ کو متاثر کیا، ان کا خیال تھا کہ قاتلین عثمان سے بدلہ کی ذمہ داری انھی پر ہے، وہی آپ کے ولی دم ہیں، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۝﴾

(الاسراء: ۳۳)

”اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی

ہے پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا گیا ہے۔“

اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے ان سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں خطاب کیا کہ وہ ظلماً ان بے وقوف منافقوں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے جنھوں نے خون حرام کا احترام نہ کیا، بلکہ ہلد حرام اور حرمت والے مہینہ میں اسے بہا دیا، نتیجتاً لوگ برا بیچتے ہو گئے، ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں، ان میں سے چند رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے، چنانچہ مرہ بن کعب نامی صحابی اٹھے اور کہا: اگر میں نے حدیث رسول ﷺ نہ سنی ہوتی تو گفتگو نہ کرتا، آپ نے فتنوں اور ان کی قربت کا تذکرہ کیا، اسی وقت کپڑوں میں لپٹے ایک شخص کا گزر ہوا تو آپ نے کہا: یہ اس وقت ہدایت پر ہوں گے، میں ان کے پاس گیا تو وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، میں نے ان کی جانب متوجہ ہو کر کہا: آپ ہیں؟ کہا: ہاں۔^②

ایک دوسری حدیث ہے جو قاتلین عثمان سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے اور اس مقصد کے حصول

① تہذیب تاریخ دمشق ۴/ ۳۹، خلافت علی بن ابی طالب (ص ۱۱۰) عبدالحمید

② صحیح سنن ابن ماجہ ۱/ ۲۴

کا پختہ ارادہ کرنے میں مؤثر اور محرک رہی، وہ حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے پیغام دیا، پیغام کا آخری حصہ یہ تھا کہ آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے تین بار فرمایا: اے عثمان! اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کی خلعت پہنائے گا اگر منافقین چاہیں کہ آپ اسے اتار دو تو تم اسے مرتے دم تک نہ اتارنا۔ تو میں نے ان سے کہا: اے ام المومنین یہ بات آپ سے کہاں اوجھل رہ گئی؟ کہا: واللہ میں بھول گئی، مجھے یاد نہ آیا۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی، تو وہ اس پر راضی نہ ہوئے تا آنکہ ام المومنین کے پاس لکھ بھیجا کہ آپ میرے پاس یہ بات لکھ کر بھیجیں چنانچہ انھوں نے ان کے پاس لکھ کر بھیجا۔^①

قاتلین کے بارے میں حکم الہی کی تنفیذ کی شدید حرص اہم سبب تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں اہل شام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے تیار نہ تھے، اس کا سبب معاویہ رضی اللہ عنہ کی شام کی گورنری کا لالچ یا ان کی جانب سے کسی ناحق چیز کا مطالبہ نہیں تھا، اس لیے کہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ خلافت کا معاملہ شوریٰ کے چھ لوگوں میں تھا، اور علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل اور خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔^②

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے یحییٰ بن سلیمان بعضی نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے، ابو مسلم خولانی سے مروی ہے کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کر رہے ہیں کیا آپ ان کے برابر ہیں؟ تو جواباً کہا: واللہ نہیں، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ علم والے ہیں، خلافت کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں، لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کیے گئے ہیں، میں ان کا چچا زاد بھائی اور ان کے خون کا مطالبہ کرنے والا ہوں، چنانچہ تم سب ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ قاتلین عثمان کو میرے حوالے کر دیں، اور میں ان کو اپنے قبضہ میں کر لوں، چنانچہ ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے گفتگو کی، تو آپ نے انھیں ان کے حوالے نہیں کیا۔^③ دوسری روایت میں ہے: ان لوگوں نے آپ کے پاس آ کر گفتگو کی تو آپ نے کہا: وہ بیعت کر لیں اور ان کے بارے میں مجھ سے فیصلہ طلب کریں، تو معاویہ رضی اللہ عنہ تیار نہیں ہوئے۔^④

۱۔ کیا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف معاویہ رضی اللہ عنہ کا خروج دنیاوی لالچ کے سبب تھا؟

جو روایتیں یہ تصویر پیش کرتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کو نہ قبول کرنا ذاتی و دنیاوی

① مسند أحمد باقی مسند الأنصار رقم ۲۴۰۴۵، یہ حدیث صحیح ہے۔

② خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید ص ۱۱۲

③ فتح الباری ۱۳/۹۲، البدایة والنهاية ۸/۱۲۹

④ فتح الباری ۱۳/۹۲، استشهاد عثمان (ص ۱۶۰)

مصلحتوں کے باعث تھا، بنی ہاشم و بنی امیہ کے مابین جاہلی تنافس اور دشمنی کے باعث تھا، یا اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمتوں، افتراء پر دازیوں اور طعن و تشنیع کو پیش کرتی ہیں، اور انہی پر موجودہ اہل قلم جیسے عقاد نے ”عسقریہ علی“ میں، عبدالعزیز دوری نے ”تاریخ صدر الاسلام“ کے مقدمہ میں اعتماد کیا ہے اور انہی کو اپنے باطل تجزیات کی بنیاد بنایا ہے ایسی سب روایتیں متروک ہیں، ان کے راوی عدالت و ضبط میں مطعون ہیں۔ ❶ ہر زمانے میں لوگوں کے مابین یہ بات مشہور رہی ہے کہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف کا سبب معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت کا خواہاں ہونا تھا، ان کا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج اور ان کی اطاعت قبول نہ کرنے کا سبب انھیں شام کی گورنری سے معزول کر دینا تھا، ان باتوں کو شیعی مؤرخین نے اور کتاب ”الإمامة و السياسة“ نے ذکر کیا ہے جسے غلط طور پر ابن قتیبہ دینوری کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے، یہ کتاب ابن قتیبہ کی نہیں ہے، درج ذیل دلیلیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مذکورہ کتاب کو ابن قتیبہ کی جانب غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے:

☆ جن لوگوں نے ابن قتیبہ کا سوانحی خاکہ لکھا ہے کسی نے بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا ہے کہ انھوں نے تاریخ میں ”الإمامة و السياسة“ نامی کتاب لکھی ہے، انھوں نے تاریخی کتاب صرف ”المعارف“ لکھی ہے۔

☆ کتاب کی ورق گردانی کرنے والا سمجھے گا کہ ابن قتیبہ نے دمشق و مغرب میں قیام کیا ہے جب کہ وہ بغداد سے نکل کر صرف دینور گئے تھے۔

☆ ”الإمامة و السياسة“ کا اسلوب و منہج ابن قتیبہ کی کتابوں کے اسلوب و منہج سے بالکل مختلف ہے، ابن قتیبہ کا منہج ہے کہ دینی کتابوں کا طویل مقدمہ لکھتے ہیں، اس میں اپنے منہج اور سبب تالیف کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ”الإمامة و السياسة“ کا منہج اس کے برخلاف ہے، اس کا مقدمہ بہت مختصر ہے، صرف تین سطر کا ہے، ساتھ ہی ساتھ اسلوب بھی مختلف ہے، ابن قتیبہ کی کتابوں کا یہ طریقہ نہیں رہا ہے۔

☆ صاحب کتاب ابولیلیٰ سے اس انداز میں روایت کرتے ہیں کہ اس سے دونوں کی باہمی ملاقات کا پتہ چلتا ہے، ابن ابی لیلیٰ: محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فقیہ ہیں جو کوفہ کے قاضی رہے، ۱۳۸ھ میں وفات پائی اور یہ بات قطعی ہے کہ ابن قتیبہ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے، یعنی ابن ابی لیلیٰ کی وفات کے ۵۳ سال بعد۔

☆ اس کی اکثر روایتیں صیغہ تمریض کے ساتھ وارد ہیں، اس میں اکثر و بیشتر اس طرح کی عبارتیں آئی ہیں: ”ذکروا عن بعض المصریین“، ”ذکروا عن محمد بن سلیمان عن مشایخ أهل مصر“، ”حدثنا بعض مشایخ أهل المغرب“، ”ذکروا عن بعض المشیخة“،

”حدثنا بعض المشيخة“ اس طرح کی عبارتیں اور ترکیبیں ابن قتیبہ کے اسلوب اور عبارتوں سے بہت مختلف ہیں اور ان کی کتابوں میں وارد نہیں ہیں۔^①

☆ ابن قتیبہ کا علما کے نزدیک ایک اہم مقام ہے، وہ ان کے نزدیک اہل سنت میں سے اور اپنے علم و دین میں ثقہ ہیں:

((يقول السلفي كان ابن قتيبة من الثقات و أهل السنة - و يقول ابن حزم: كان ثقة في دينه و علمه ، و تبعه في ذلك الخطيب البغدادي ، و يقول عنه ابن تيمية: وإن ابن قتيبة من المنتسبين إلى أحمد و إسحاق و المتصرين لمذاهب أهل السنة المشهورة))^②

”سلفی کہتے ہیں کہ ابن قتیبہ ثقہ اور اہل سنت میں سے تھے۔ ابن حزم کہتے ہیں: اپنے دین و علم میں ثقہ تھے۔ یہی رائے خطیب بغدادی کی ہے۔ ان کے بارے میں ابن تیمیہ کہتے ہیں: ابن قتیبہ احمد و اسحاق کی جانب اپنی نسبت کرنے والے اور اہل سنت کی مشہور رایوں کے مؤید تھے۔“

جس شخص کا محقق علما کے نزدیک یہ مقام ہو، کیا وہ ”الإمامة و السياسة“ جیسی کتاب کا مصنف ہو سکتا ہے؟ جس نے تاریخ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب غلط باتوں کو منسوب کر دیا ہے۔^③

☆ ”الإمامة و السياسة“ کے مؤلف نے صحابہ کرام پر سخت تنقید کی ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بزدل اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حاسد قرار دیا ہے، نیز ذکر کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر اس لیے ناراض ہو گئے کہ انھوں نے خیبر میں مرحب یہودی کو قتل کر دیا، اور یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا۔^④

☆ ”الإمامة و السياسة“ کا مؤلف تینوں خلیفہ ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں صرف پچیس صفحات لکھتا ہے، اور صحابہ کے مابین فتنوں کا ذکر دو سو صفحات میں کرتا ہے، اس طرح مؤلف نے روشن و تابناک تاریخ کو بہت مختصر کر دیا ہے اور ایسی جھوٹی تاریخ سے صفحات کو سیاہ کر دیا ہے جس کا بہت تھوڑا سا حصہ صحیح ہے۔

① عقيدة الإمام ابن قتيبة، على العلياني ص ٩٠

② لسان الميزان ٣/ ٣٥٧، تحقيق مواقف الصحابة ١٤٤/ ٢

③ تحقيق مواقف الصحابة ١٤٤/ ٢

④ الإمامة والسياسة ١/ ٥٤، ٥٥

☆ ”مختصر الإثنی عشرية“ میں محمود شكري آلوسی کہتے ہیں: شیعہ کے مکر و فریب میں سے یہ بھی ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ”معتبر ناموں پر غور کرتے ہیں، ان میں سے جس کسی کا نام و لقب اپنے میں سے کسی کے نام و لقب کے موافق پایا تو شیعی روایت کو اس کی جانب منسوب کر دیا، اہل سنت میں سے جسے آگاہی نہیں ہوتی ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ ان کا امام ہے، اس کے قول و روایت پر اعتماد و بھروسہ کر لیتا ہے۔ جیسے ”سدي“ اس نام کے دو آدمی ہیں، ایک ”سدي کبير“ دوسرا ”سدي صغير“۔ ”سدي کبير“ اہل سنت کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں، اور ”سدي صغير“ جموں اور حدیثوں کو گھڑنے والوں میں سے ہے۔ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ اہل سنت کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں اور ”المعارف“ نامی کتاب کے مصنف ہیں، چنانچہ عبد اللہ بن قتیبہ نے بھی گمراہ کرنے کے لیے ”المعارف“ نامی کتاب تصنیف کی۔^①

اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ ”الإمامة والسياسة“ نامی کتاب شیعی ابن قتیبہ کی ہے، سنی اور ثقہ ابن قتیبہ کی نہیں ہے، ناموں کی مشابہت کی وجہ سے لوگوں کو ان دونوں کے مابین اشتباہ ہو گیا ہے۔^② بہت سارے موجودہ اہل قلم نے اسی کتاب پر اعتماد کر کے بہت سارے صحابہ کرام کی سیرتوں کو داغدار کرنے میں ہاتھ بٹایا ہے، اسی لیے تحقیق و تدقیق اور دلائل پر مبنی علمی طریقے سے اس کتاب سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ ”الإمامة والسياسة“ کے مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا، اس کی دلیل میں وہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں ابن کواء نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

”آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام سے دور ہیں، ان کے والد گروہ بندی کی جڑ ہیں، انھوں نے بغیر مشورہ کیے خلافت کا دعویٰ کر دیا، اگر دعوائے خلافت کے بارے میں آپ سے سچ بولتے ہیں تو ان کو خلافت سے دور کر دینا درست ہے، اور اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کا ان سے گفتگو کرنا حرام ہے۔“^③

یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے، بلکہ گھڑی ہوئی بات ہے، کتب تاریخ و ادب میں بہت سی ایسی ضعیف اور موضوع روایتیں بھری پڑی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف محض بادشاہت، سرداری اور خلافت کے لیے تھا۔^④

① مختصر التحفة الإثنی عشرية للألوسی ص ۳۲

② عقيدة الإمام ابن قتیبہ ص ۹۳

③ الإمامة والسياسة ۱/ ۱۱۳

④ تحقیق مواقف الصحابة في الفتنة ۲/ ۱۴۵

صحیح بات یہ ہے کہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف کی بنیاد اس بات پر تھی کہ علی رضی اللہ عنہ کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی بیعت قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے بعد واجب ہوتی ہے یا پہلے، اس کا خلافت سے کوئی تعلق نہ تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ رہنے والے شام کے لوگوں کی رائے تھی کہ پہلے قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے پھر وہ لوگ بیعت کر لیں گے۔^①

قاضی ابن العربی کا قول ہے:

”اہل شام و اہل عراق کے مابین جنگ کا سبب ان کی رائے کا اختلاف تھا، اہل عراق علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اور امام سے متعلق اتحاد کی دعوت دیتے تھے، اہل شام قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے، اور کہتے تھے، ہم قاتلوں کو پناہ دینے والے کے لیے بیعت نہیں کریں گے۔“^②

”لمع الأدلة“ میں امام الحرمین جوینی کا قول ہے:

”معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی لیکن آپ کی خلافت کے منکر نہ تھے اور نہ ہی اپنے لیے اس کے دعویدار تھے، وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرتے تھے، اور ان کے خیال میں وہ اپنے مطالبے میں حق بجانب تھے، جب کہ وہ غلطی پر تھے۔“^③

یہی کا قول ہے:

”معاویہ علی رضی اللہ عنہما کے مابین جو جنگ ہوئی وہ اس لیے نہیں ہوئی کہ خلافت کے بارے میں ان کے مابین جھگڑا تھا اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زیادہ حق دار ہونے پر اجماع ہے، اس لیے فتنہ اس بنا پر برپا نہیں ہوا بلکہ اس لیے برپا ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پہلے قصاص کا مطالبہ کیا تو علی رضی اللہ عنہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔“^④

متعدد روایتیں یہ بتلاتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے اور اس بات کی صراحت کر رہے تھے کہ اکثر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لے لیا گیا تو وہ علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لالچ میں علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی اور قصاص کے مطالبے کو بہانہ بنایا تھا، تو اگر علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان سے قصاص لے لیا ہوتا تو ایسی صورت میں اس کے

① المعاصم من القواصم ص ۱۶۲

② المعاصم من القواصم ص ۱۶۲

③ لمع الأدلة فی عقائد أهل السنة والجماعة ص ۱۱۵

④ الصواعق المحرقة ۲/۶۲۲

علاوہ اور کیا ہوتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے اور ان کی اطاعت قبول کر لیتے، اس لیے کہ وہ اس فتنے میں اپنے اس موقف پر جتے رہے، اسی طرح جو جنگ میں ان کا ساتھ دے رہے تھے اسی بنیاد پر دے رہے تھے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جائے، اگر اس کے علاوہ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے جی میں کوئی مقصد چھپائے تھے تو یہ جان پر کھیلنے کی بات تھی، اس کام کو کوئی لالچ والا شخص انجام نہیں دے سکتا۔^①

معاویہ رضی اللہ عنہ جب کاتبِ وقی، بردباری میں مشہور اور مسلمانوں کے سرداروں میں سے تھے، صحابی ہونے کا شرف انھیں حاصل تھا تو یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ وہ ختم ہونے والی بادشاہت کے لیے شرعی خلیفہ سے جنگ کریں گے اور مسلمانوں کا خون بہائیں گے، انھی کا قول ہے:

”اللہ کی قسم جب مجھے اللہ وغیر اللہ کے مابین اختیار دیا جاتا ہے تو میں اللہ ہی کو اختیار کرتا ہوں۔“^②

آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ثابت ہے:

((اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا وَاهْدِ بِهِ .))^③

”اے اللہ انھیں ہدایت یافتہ بنا اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دے۔“

نیز فرمایا:

((اللَّهُمَّ عَلَّمَهُ الْكِتَابَ وَفِهِ الْعَذَابَ .))^④

”اے اللہ انھیں اپنی کتاب کا علم سکھا اور عذاب سے بچا۔“

قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق آپ کی رائے کی غلطی یہ تھی کہ قاتلین عثمان سے قصاص لینے سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ ان شورش کرنے والوں کے ساتھ اپنے سابقہ سلوک و برتاؤ کی بناء پر معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے خائف تھے، وہ سب آپ کے قتل کے حریص تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ قاتلین عثمان کو آپ کے حوالے کر دیا جائے جب کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ قصاص کا طالب کوئی فیصلہ صادر کرے، بلکہ پہلے اطاعت قبول کرے، پھر حاکمِ وقت کے پاس اپنا دعویٰ پیش کرے اور اپنے حق کا مطالبہ کرے۔^⑤

اس بات پر ائمہ فتویٰ کا اتفاق ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی دوسرے سے حاکم یا اس کے مقرر کردہ شخص کے بغیر اپنا قصاص لے، اس لیے کہ ایسا کرنا فتنہ کا باعث اور لاقانونیت کے پھیلنے کا سبب ہوگا۔^⑥

② سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۵۱

① تحقیق مواقف الصحابة ۲/ ۱۵۰

③ صحيح سنن الترمذی للالبانی رقم ۳۰۱۸ (۳/ ۲۳۶)

④ فضائل الصحابة ۲/ ۹۱۳، اس کی سند صحیح ہے۔

⑤ تحقیق مواقف الصحابة ۲/ ۱۵۱

⑥ تفسیر القرطبی ۲/ ۲۵۶

کہا جاسکتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے، ان کا ظن غالب تھا کہ وہی حق پر ہیں، چنانچہ اہل شام کو جمع کر کے انھیں خطاب کیا اور یاد دلایا کہ وہی عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی ہیں، انھیں ظلماً قتل کیا گیا ہے، انھیں یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۚ إِنَّكَ كَانَ مَنصُورًا ۝﴾

(الاسراء: ۳۳)

”اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا گیا ہے۔“

پھر کہا: میں چاہتا ہوں کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تم مجھے اپنی رائے سے آگاہ کرو، چنانچہ اہل شام اٹھ کھڑے ہوئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا جو مطالبہ آپ کا تھا اس کے لیے تیار ہو گئے اس سلسلے میں آپ سے بیعت کی، اس بات کا پختہ عہد کیا کہ اپنی جان و مال قربان کر دیں گے تا آنکہ ان کو قصاص مل جائے یا اللہ تعالیٰ انھیں فنا کر دے۔^①

حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ان بڑے بڑے واقعات کا مشاہدہ کیا اور فتنہ سے متعلق ہر صحابی کی رائے سے آگاہی حاصل کی، آپ کا رجحان تھا کہ جہاں تک ہو سکے امن و صلح اختیار کرنا چاہیے۔

۲۔ جنگ صفین کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے اور اہل شام پر لعنت بھیجنے سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا منع کرنا:

علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ صفین چھڑ گئی (میں نے اس کی پوری تفصیلات اپنی کتاب ”اسمی المطالب فی سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب“ میں ذکر کی ہیں) لڑائی میں تیزی آگئی، اہل عراق، اہل شام پر غالب آنے لگے، ان کی صفیں منتشر ہو گئیں، قریب تھا کہ شکست کھا جائیں، ایسے میں اہل شام نے نیزوں پر مصاحف کو اٹھا کر کہا: ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کتاب فیصلہ کرنے والی ہے، لوگ ہلاک ہو رہے ہیں، اہل شام کے بعد شام کی اور اہل عراق کے بعد عراق کی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟ جب لوگوں نے اٹھائے ہوئے مصاحف کو دیکھا تو کہا: کتاب اللہ کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اس کی بات مان لیتے ہیں۔^②

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کی تاکید کے بغیر کتاب اللہ کی تحکیم کی دعوت دینا، نیز معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت و اطاعت کو قبول کرنے کی تاکید کے بغیر تحکیم کی دعوت کو قبول کر لینا یہ تبدیلی

① صفین لابن مزاحم ص ۳۲، تحقیق مواقف الصحابة ۱۵۲/۲

② تنزیہ خال المومنین معاویہ بن ابی سفیان (ص ۳۶) نقلاً عن تاریخ الطبری

جنگ صفین کے نتیجے میں ہوئی، اس لیے کہ جس جنگ نے بہت سارے مسلمانوں کو ہلاک کر دیا اس کے نتیجے میں یہ اجتماعی رائے سامنے آئی کہ جنگ اور خون ریزی کو بند کرنا ایسی ضرورت ہے جو دشمن کے مقابلے میں امت کی شان و شوکت اور قوت کو محفوظ رکھنے کا تقاضا ہے، یہ امت کی زندگی و بیداری اور فیصلوں میں اس کے رول کا ثبوت ہے۔^①

امیر المومنین علیؓ نے جنگ صفین کو روک دیا، تحکیم پر راضی ہو گئے، اسے فتح تصور کیا اور کوفہ لوٹ گئے، اور تحکیم سے اختلاف کو ختم کرنے، اتحاد پیدا کرنے، حکومت کو مضبوط کرنے، اور نئے سرے سے فتوحات کا سلسلہ شروع کرنے کی بہت ساری امیدیں باندھیں، جنگ صفین کی کارروائیاں ختم ہونے کے بعد امیر المومنین علیؓ مقتولین کا معائنہ کر رہے تھے اسی اثنا میں اپنے اور معاویہؓ کے مقتولین کے پاس کھڑے ہو کر کہا: اللہ تعالیٰ دونوں فریقوں کے لوگوں کی مغفرت کرے۔^②

یزید بن اضم سے مروی ہے کہ جب علیؓ و معاویہؓ کے مابین صلح ہو گئی تو اپنے مقتولین کے پاس پہنچے اور فرمایا: یہ لوگ جنت میں ہوں گے، پھر معاویہؓ کے مقتولین کے پاس گئے تو فرمایا: یہ لوگ جنت میں ہوں گے، معاملہ میرا اور معاویہ کا ہوگا۔^③ ان کے بارے میں کہتے تھے: ”وہ لوگ مومن ہیں“^④ اہل صفین و اہل جمل کے بارے میں آپ کا قول ایک جیسا ہے۔^⑤

مروی ہے کہ علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے دو ساتھی اہل شام کو برا بھلا کہتے اور لعن طعن کرتے ہیں تو انھیں پیغام بھیج دیا کہ اس حرکت سے باز آ جاؤ، چنانچہ وہ دونوں آپ کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے کہا: اللہ کی قسم کیوں نہیں، دونوں نے کہا: تو آپ ہمیں ان کے سب و شتم اور لعن طعن سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے کہا: تم لوگوں کا لعن طعن کرنے والا ہونا مجھے پسند نہیں ہے، بلکہ تم لوگ کہو:

((اللَّهُمَّ احْقِنْ دِمَاءَنَا وَ دِمَاءَهُمْ وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَ بَيْنَهُمْ وَ أَبْعِدْهُمْ مِنْ ضَلَالَتِهِمْ حَتَّى يَعْرِفَ الْحَقُّ مِنْ جَهْلِهِ وَ يَرَعَوْى عَنِ الْغَيِّ مِنْ لَجَجٍ بِهِ .))^⑥

① دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين ص ۳۸

② خلافة علی بن ابی طالب، عبد الحمید ص ۲۵۰

③ مصنف ابن ابی شیبہ ۳۰۳/۱۵، اس کی سند حسن ہے۔

④ تاریخ دمشق (۱/۳۲۹، ۳۳۱)، خلافة علی (ص ۲۵۱)

⑤ خلافة علی، عبد الحمید علی (ص ۲۵۱)، تنزیہ خال المؤمنین (ص ۱۶۹)

⑥ الاخبار الطوال (ص ۱۶۵) نقلاً عن تحقیق مواقف الصحابة ۲/۲۳۲

”اے اللہ تو ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ کر دے اور ہمارے باہمی معاملات ٹھیک کر دے، انھیں اپنی غلطی سے دور کر دے، تاکہ حق نہ جانے والا اسے جان لے اور گمراہی سے چمٹے رہنے والے اس سے باز آ جائیں۔“

رہی یہ بات کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے قنوت میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت بھیجتے تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے قنوت میں علی، ابن عباس، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم پر لعنت بھیجتے تھے، تو یہ بات سنداً صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں ابوحنیفہ لوط بن یحییٰ ہے جو اپنی روایتوں میں ثقہ نہیں ہے۔

اسی طرح شیعوں کی سب سے صحیح کتاب میں وارد ہے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے سے روکتے تھے، جو لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہتے تھے ان کو اس سے روکا اور کہا: میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ تم لوگ برا بھلا کہنے والے بنو، بلکہ اگر تم لوگ ان کے کارناموں کو بیان کرتے اور ان کے حالات کا تذکرہ کرتے تو یہ زیادہ اچھی بات ہوتی، تم انھیں برا بھلا کہنے کے بجائے یہ کہو:

((اَللّٰهُمَّ احْقِنْ دِمَاءَنَا وَ دِمَاءَهُمْ وَ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَ بَيْنَهُمْ.)) ❶

”اے اللہ تو ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ کر دے اور ہمارے باہمی معاملات ٹھیک کر دے۔“

شیعوں کی نظر میں سب سے صحیح کتاب کا یہ اعتراف ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنا اور ان کی تکفیر کرنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا طریقہ نہیں تھا۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ ان واقعات کے معاصر تھے، اہل شام کے متعلق اپنے والد کے موقف کو دیکھا اور سنا تھا، اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ درست نظریہ اتحاد امت کے لیے صلح کے منصوبہ کا خاکہ تیار کرنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا معاون رہا، اور مذکورہ منصوبہ اللہ کے فضل پھر مقاصد اسلام کی ان کی گہری سمجھ اور مصالح و مفاسد کی دقیق معرفت کے بروقت پایہ تکمیل کو پہنچا۔

۳۔ جنگ صفین میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قتل اور مسلمانوں پر اس کا اثر:

عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث رسول ﷺ: ”تَقْتُلُكَ الْفِتْنَةُ الْبَاسِغِيَّةُ“ ❶ (تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا) صحیح اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، جنگ صفین میں عمار رضی اللہ عنہ کا قتل کافی مؤثر رہا، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سردار تھے، جہاں آپ جاتے تو وہ آپ کے پیچھے ہوتے، خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں

❶ نہج البلاغہ ص ۳۲۳

❷ اصول مذهب الشیعة ۲/ ۹۳۴

❸ صحیح مسلم رقم ۲۹۱۶

حاضر ہوئے تھے، لیکن لڑائی میں شریک نہیں تھے، جب عمار رضی اللہ عنہ کو قتل ہوتے دیکھا تو تلوار بے نیام کر لی اور اہل شام سے لڑنے لگے اس لیے کہ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث رسول ﷺ ”تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ سنی تھی اور لڑتے رہے تا آنکہ قتل کر دیے گئے۔ ❶

عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فوجی قائدین جیسے عمرو بن عاص، ان کے بیٹے عبداللہ، ابوالاعور سہلی رضی اللہ عنہم (جو پانی کے راستے پر تھے اور لوگوں کی سیرابی کا انتظام کر رہے تھے اور یہ تنہا چشمہ تھا جس سے دونوں فریق سیراب ہو رہے تھے) پر کافی اثر رہا، چنانچہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قتل کے بارے میں ان کی گفتگو اس طرح ہوئی:

”عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے کہا: ہم نے اس آدمی کو قتل کر دیا ہے جب کہ ان کے بارے میں قول رسول ہے: ”تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ اس کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم نے اس آدمی کو قتل کر دیا جب کہ ان کے بارے میں مذکورہ قول رسول ہے۔ جو اب معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: چپ رہو، تم میں رائے کی چٹنگی نہیں ہے، کیا ہم نے انھیں قتل کیا ہے؟ انھیں تو ان کے لانے والے نے قتل کیا ہے۔ ❷ اہل شام کے مابین معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل پھونس میں آگ کی طرح پھیل گئی۔“

ایک دوسری صحیح روایت میں وارد ہے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا: عمار (رضی اللہ عنہ) قتل کر دیے گئے، جب کہ ان کے بارے میں قول رسول ہے: ”تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گھبرائے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ پڑھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: عمار (رضی اللہ عنہ) قتل کر دیے گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو کیا ہوا؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: ”تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں رائے کی چٹنگی نہیں ہے، کیا ہم نے انھیں قتل کیا ہے؟ انھیں علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے قتل کیا ہے، انھیں لے کر آئے اور ہمارے نیزوں یا دوسرے قول کے مطابق تلواروں کے درمیان ڈال دیا۔ ❸

ایک دوسری صحیح روایت میں ہے: عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں دو آدمی جھگڑا کرتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، دونوں میں سے ہر ایک کہتا تھا: انھیں میں نے قتل کیا ہے، اس پر عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے

❶ خلافة علي ص ۲۱۱، مجمع الزوائد ۷۲۴۲

❷ مصنف عبدالرزاق ۱۱/۲۴۰، اس کی سند صحیح ہے۔

❸ مصنف عبدالرزاق ۱۱/۲۴۰ بسند صحیح

کہا: ان کے بارے میں تم میں سے ایک دوسرے سے راضی ہو جائے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: ”تَقْتُلُهُ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ“ اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے ساتھ تمہارا کیا معاملہ ہوگا؟ جواب دیا: میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم زندگی بھر اپنے والد کی اطاعت کرو، اسی لیے میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں، جنگ نہیں کروں گا۔^①

سابقہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ فقیہ صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حق بات اور خیر خواہی کے حریص تھے، ان کا خیال تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج باغی گروہ ہے، مختلف موقعوں پر آپ نے اس خیال کا اظہار کیا، بلاشبہ اس حدیث کے باعث عمار رضی اللہ عنہ کا قتل اہل شام میں کافی اثر انداز ہوا مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کی نامناسب تاویل کردی، یہ بات درست نہیں ہے کہ جو لوگ عمار رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں لائے تھے وہی ان کے قاتل ہیں۔^② علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاویل کا الزامی جواب دیتے ہوئے کہا: اس طرح تو رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں، اس لیے کہ آپ ہی ان کو جنگ احد میں لے گئے تھے، یہ علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایسا الزامی جواب اور دلیل ہے جس پر کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔^③

عمار رضی اللہ عنہ کا قتل عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر بھی اثر انداز ہوا، بلکہ اسی بنا پر وہ جنگ ختم کرانے کی کوشش کرنے لگے،^④ اور کہا: کاش میں بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔^⑤

صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں، نبی کریم ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان کی دھول جھاڑنے لگے اور کہا:

((وَيَحْ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوهُ إِلَى النَّارِ، قَالَ عَمَّارٌ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْفِتَنِ.))^⑥

”عمار رضی اللہ عنہ پر افسوس ہے انھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا، وہ انھیں جنت کی جانب بلائیں گے، اور

وہ سب انھیں جہنم کی جانب بلائیں گے، عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔“

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ کا یہ قول تَقْتُلُ عَمَّارٍ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ بہ تواتر ثابت

① مسند أحمد ۱۱/۱۳۸، ۱۳۹

② خلافة علي بن أبي طالب، عبد الحميد علي ص ۳۲۵

③ التذكرة ۲/۲۲۳

④ معاوية بن أبي سفيان، الغضبان ص ۲۱۵

⑤ أسباب الأشراف ۱/۱۷۰، عمرو بن العاص، الغضبان ص ۶۰۳

⑥ صحيح البخاری رقم ۴۴۷

ہے، یہ مستقبل کی خبر اور آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے اور یہ صحیح ترین حدیثوں میں سے ہے۔^①
حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ذہبی کہتے ہیں: اس سلسلے کی حدیث متعدد صحابیوں سے مروی ہے اس لیے وہ متواتر ہے۔^②

۴۔ علما کے نزدیک عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث رسول ”تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ کا مفہوم:

ا: ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے: یہ حدیث نبوت کی دلیل، علی و عمار رضی اللہ عنہما کی واضح فضیلت اور ان نواصب کی تردید پر مشتمل ہے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ جنگوں میں علی رضی اللہ عنہ حق پر نہیں تھے۔^③ نیز انھی کا قول ہے: تَقْتُلُ عَمَارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ والی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اس لیے کہ اصحاب معاویہ نے انھیں قتل کیا۔^④

ب: امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے: صفین کے دن وہ جہاں جاتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پیچھے ہوتے اس لیے کہ اس حدیث کے باعث انھیں علم تھا کہ وہ صحیح گروہ کے ساتھ ہوں گے۔^⑤

ت: ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے: علی و اصحاب علی رضی اللہ عنہم اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں حق سے زیادہ قریب تھے، اصحاب معاویہ باغی گروہ تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت ہے کہتے ہیں کہ ابوقحادہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ”تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ باغی گروہ تمھیں قتل کرے گا۔^⑥ نیز انھی کا قول ہے: امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے ہوئے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قتل کر دیا اسی سے قول رسول ”تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ کا راز کھلا، اور یہ بات واضح ہوگئی کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ بغاوت کرنے والے تھے، نیز نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بھی واضح ہوگئی۔^⑦

ث: امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول ہے: وہ مومنوں کا ایک گروہ ہے جس نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی، جیسا کہ عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں قول رسول ”تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ اس بات پر صراحت سے دلالت کرتا ہے۔^⑧

② سیر أعلام النبلاء ۱/ ۴۲۱

① الاستيعاب ۳/ ۱۱۴۰

④ فتح الباری ۱/ ۶۴۶

③ صحيح مسلم رقم ۵۹۱۶

⑥ تهذيب الأسماء واللغات ۲/ ۳۸

⑤ فتح الباری ۱۳/ ۹۲

⑦ البداية والنهاية ۷/ ۲۷۷

⑦ البداية والنهاية ۶/ ۲۲۰

⑧ سیر أعلام النبلاء ۸/ ۲۰۹

ج: قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ اس آیت ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ آیت مسلمانوں سے جنگ کرنے اور تاویل کرنے والوں سے لڑنے میں اصل و بنیاد ہے اسی پر صحابہ کرام کا اعتماد تھا، اس امت کے اعیان نے اسی کا سہارا لیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے قول: ”تَقْتُلُ عَمَّارَانَ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ“ میں اسی آیت کو مراد لیا ہے۔^①

ح: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: یہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت اور آپ کی اطاعت کے وجوب کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی اطاعت کی دعوت دینے والا جنت کی دعوت دینے والا ہے اور آپ سے جنگ کی دعوت دینے والا اگرچہ تاویل کرنے والا ہو جہنم کی دعوت دینے والا ہے، وہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جائز نہ تھی، اسی بنا پر تاویل کرتے ہوئے ان سے جنگ کرنے والا حق پر نہیں تھا، اور بلا تاویل جنگ کرنے والا باغی تھا، اس لیے ہمارے نزدیک صحیح ترین بات یہی ہے کہ جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی وہ حق پر نہیں تھے، یہی ہمارے ائمہ کا مذہب ہے، اور ان فقہاء کا مذہب ہے جنھوں نے اس کی بناء پر تاویل کرنے والے باغیوں سے لڑنے کو جائز قرار دیا ہے۔^②

نیز انھی کا قول ہے: یہ جانتے ہوئے کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، اور یہ کہ حدیث کے مطابق عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گردہ نے قتل کیا ہے، ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم منجانب اللہ آنے والی تمام باتوں پر ایمان رکھیں، پورے پورے حق کا اقرار کریں، ہماری خواہش نفس کا کوئی دخل نہ ہو، بغیر علم کے ہم بات نہ کریں، بلکہ علم و عدل کا راستہ اپنائیں یہی اتباع کتاب و سنت ہے۔ بعض حق کو تھام لینا اور بعض کو چھوڑ دینا ہی اختلاف و انتشار کی جڑ ہے۔^③

خ: عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ حدیث عمار ”تَقْتُلُ عَمَّارَانَ الْفِتْنَةُ الْبَاغِيَّةُ“ کے بارے میں کہتے ہیں: انھیں معاویہ و اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہم نے جنگ صفین میں قتل کر دیا اس لیے وہ لوگ باغی ہیں، لیکن مجتہد ہیں، ان کا خیال تھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مطالبے میں حق پر ہیں۔^④

د: سعید حوی کا قول ہے: عمار رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں نصوص صراحت سے وارد ہیں کہ انھیں باغی گردہ قتل کرے گا، ان کے قتل کے بعد باغیوں کو پتہ چل گیا کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرنا واجب تھا، اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پیچھے رہ جانے پر افسوس کا اظہار کیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ باغیوں کے خلاف خلیفہ برحق کی مدد نہ کر سکے۔ یہی فقہاء کا فتویٰ ہے۔^⑤ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پختہ یقین تھا کہ ان

② مجموع الفتاویٰ ۴/ ۳۷

① احکام القرآن ۴/ ۱۷۱۷

④ فتاویٰ و مقالات متنوعة ۶/ ۸۷

③ مجموع الفتاویٰ ۴/ ۴۵۹، ۴۵۰

⑤ الأساس فی السنة ۴/ ۱۷۱۰

کے والد حق پر تھے۔

۵۔ ان جنگوں سے متعلق حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا موقف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین برپا ہونے والی جنگوں سے متعلق اہل سنت والجماعت کا جو موقف ہے وہی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا موقف تھا، وہ یہ کہ قابل ذکر باتوں کو چھوڑ کر ان کے درمیان رونما ہونے والے اختلاف پر خاموشی برتی جائے، اس لیے کہ اس سلسلے میں زیادہ کرید کرنا ایک فریق کی دشمنی، کینہ اور بغض کو جنم دے گا، ان کی رائے ہے کہ ہر مسلمان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرے ان کے حق میں رضی اللہ عنہم کہے، ان کے لیے دعائے رحمت کرے، ان کے فضائل کا پاس و لحاظ رکھے، ان کے کارناموں کا اعتراف کرے، جو کچھ ان کے مابین رونما ہوا اجتہاد کی بنیاد پر ہوا، صحیح اور غلط دونوں صورتوں میں ثواب کے مستحق ہیں، فرق اتنا ہے کہ صحیح اجتہاد والے کا ثواب غلط اجتہاد والے کے ثواب سے دوگنا ہوگا، قاتل و مقتول دونوں طرح کے صحابہ کرام جنت میں ہوں گے، اہل سنت والجماعت نے ان کے اختلافات کی گہرائی میں جانے سے روکا ہے۔^①

قبل اس کے کہ اس سلسلے میں اہل سنت کے اقوال ذکر کروں بعض ان نصوص کا ذکر کر رہا ہوں جن میں صحابہ کے اوصاف اور ان کے مابین برپا ہونی والی جنگوں کی جانب اشارہ ہے:

۱۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَكَاتِلُوا النَّبِیَّ تَبِیْغِي حَتَّىٰ تَخْضِعَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الحجرات: ۹)

”اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کر دیا کرو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے، لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ جب مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین میل ملاپ کرایا جائے اس لیے کہ وہ سب بھائی بھائی ہیں، اس طرح کی لڑائی انھیں دائرہ ایمان سے خارج نہیں کرتی، اور جب عام مسلمانوں کے مابین لڑائی انھیں ایمان سے خارج نہیں کرتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد کی آیت ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ میں انھیں ایمان کے وصف سے متصف کرتے ہوئے

”الْمُؤْمِنُونَ“ کہا ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جنگ جمل وغیرہ میں لڑ پڑے تھے اس ایمان کے وصف کے زیادہ مستحق ہیں جس کا اس آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے وہ اپنے رب کے نزدیک حقیقی مومن رہیں گے، اور اجتہادی غلطی کی بناء پر ان کے مابین رونما ہونے والی لڑائی ان کے ایمان کو کسی حال میں ختم نہیں کر سکتی۔ ❶

ب: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَمَرُّ مَارِقَةٌ عِنْدَ فِرْقَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ تَقْتُلُهُمْ أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ.)) ❷

”مسلمانوں کے ایک فریق میں سے ایک گروہ خروج کرے گا انھیں حق کا زیادہ مستحق فریق قتل کرے گا۔“

حدیث میں جس اختلاف کی جانب اشارہ کیا گیا ہے وہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کا باہمی اختلاف ہے، دونوں فریقوں کو مسلمان کہا گیا ہے، اور دونوں کا تعلق حق سے جوڑا گیا ہے، یہ حدیث نبوت کی ایک دلیل ہے اس لیے کہ خبر نبوی کے مطابق ہی واقعہ پیش آیا، اس میں اہل شام و اہل عراق دونوں فریقوں کو مسلمان کہا گیا ہے، اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہم حق سے زیادہ قریب ہیں، یہی اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بھی خیال تھا کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے، انھیں اپنے اجتہاد کا اجر ان شاء اللہ ملے گا، لیکن علی خلیفہ برحق تھے انھیں دو ہر اجر ملے گا جیسا کہ صحیح بخاری میں وارد ہے:

((إِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرُهُ.)) ❸

”جب حاکم وقت اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست نکلے تو اس کو دو ہر اجر ملے گا، اور جب اس کا اجتہاد درست نہ ثابت ہو تو اس کو ایک اجر ملے گا۔“

ج: ((عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ جَاءَ الْحَسَنُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ابْنِي هَذَا

سَيِّدًا، وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.)) ❹

”ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ خطاب کر رہے تھے اسی دوران میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما پہنچ گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا یہ لاڈلا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

❶ العواصم من القواصم ص ۱۶۹، ۱۷۰، احکام القرآن (۴/۱۷۱۷)

❷ صحیح مسلم ۷۴۵/۱

❸ صحیح البخاری مع فتح الباری ۳۱۸/۱۳

❹ صحیح البخاری کتاب الفتن ۷۱۰۹

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی جانب سے اہل عراق و اہل شام دونوں گروہوں کے اسلام کی شہادت موجود ہے، اس میں علی و اصحاب علی رضی اللہ عنہم اور معاویہ و اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دینے والے خوارج کی واضح تردید ہے، اس لیے کہ اس میں سب کے مسلمان ہونے کی شہادت ہے۔ اسی لیے سفیان بن عیینہ کہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا قول: ”فَسَيِّئِينَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ ہمیں بہت اچھا لگتا ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں: انھیں اس لیے اچھا لگتا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے سب کو مسلمان کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ذریعہ سے اس طرح سچ ثابت ہوئی کہ آپ نے خلافت سے دستبردار ہو کر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔ ❶

مذکورہ حدیثوں میں اہل عراق (جو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) اور اہل شام (جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) کی جانب اشارہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سب کو اپنا امتی بتایا ہے، ❷ سب کا تعلق حق سے جوڑا ہے، سب کے ایمان کی شہادت دی ہے، ان کے مابین برپا ہونے والی جنگ کے باعث وہ دائرۃ ایمان سے خارج نہیں ہوئے، سب کے سب اس فرمان الہی کے عموم میں داخل ہیں:

﴿وَإِنْ كَانَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ أُمَّةٌ لَّنْ نَّجْعِلَ مِنْهُنَّ أُمَمًا مِّنْهُنَّ﴾ (الحجرات: ۹)

”اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین میل ملاپ کرادو۔“

ہم بیان کر چکے ہیں کہ آیت کا مفہوم ان سب کو شامل ہے اس لیے جنگ کے باعث نہ تو وہ کافر ہوئے اور نہ فاسق، بلکہ وہ تاویل کرنے والے مجتہد تھے، اس جنگ سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کا حکم بھی گزر چکا ہے، اس لیے ہر مسلمان اور اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے والے پر واجب ہے کہ صحابہ کرام کے مابین رونما ہونے والی جنگوں کے بارے میں وہی عقیدہ رکھے جو اہل سنت و الجماعت کا ہے جن کے ائمہ میں سے امیر المومنین علی اور آپ کے دونوں صاحبزادے حسن و حسین رضی اللہ عنہم ہیں، اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ ان کے مابین جو کچھ ہوا اس پر خاموشی برقی جائے، اور قابل ذکر باتوں کو چھوڑ کر دوسری باتوں کو نہ کرید ا جائے۔

۶۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جنگ نہروان نے خوارج کو بہت گہرا زخم پہنچایا، جیسے جیسے ایام گزرتے گئے ان کی تکلیف اور افسوس بڑھتا گیا، چنانچہ ان کی ایک جماعت نے علی رضی اللہ عنہ کو اچانک قتل کر دینے کی سازش کی تاکہ نہروان میں اپنے مقتول بھائیوں کا بدلہ لے لیں، چنانچہ عبدالرحمن بن ملجم دھوکے سے امیر المومنین کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا، محمد بن

❶ الاعتقاد للبيهقي ص ۱۹۸، فتح الباری ۱۳/۶۶

❷ صحيح مسلم ۷۴۶/۲

حنفیہ امیر المومنین کے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”جس رات علی رضی اللہ عنہ زخمی کیے گئے، میں اللہ کی قسم اس رات مسجد اعظم میں نماز پڑھ رہا تھا، جس میں شہر کے بہت سارے لوگ محراب سے قریب نماز پڑھ رہے تھے، کوئی قیام میں ہے، کوئی رکوع کوئی سجدے میں، شروع رات سے آخر تک پڑھتے ہوئے تھک نہیں رہے تھے، ایسے میں علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے نکلے، آپ لوگوں کو نماز کی جانب بلانے کے لیے ”الْصَّلَاةُ، الْصَّلَاةُ“ کہنے لگے، مجھے نہیں معلوم کہ آپ محراب سے نکل کر یہ کلمات کہے یا وہاں سے نہیں نکلے، اتنے میں میں نے ایک چمک دیکھی، اور ”أَلْحُكْمُ لِلَّهِ يَا عَلِيُّ لَا لَكَ وَلَا لِأَصْحَابِكَ“ (اے علی! حکم اللہ کے لیے ہے نہ کہ تمہارا اور تمہارے اصحاب کا) کے کلمات سنے، پھر ایک تلوار دیکھی بعدہ دوسری تلوار دیکھی، پھر میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: دیکھو کمبخت بھاگنے نہ پائے، لوگ نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا، میں وہاں رہا تا آنکہ عبدالرحمن بن ملجم کو پکڑ کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا گیا، میں لوگوں کے ساتھ آپ کے پاس گیا تو علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: جان کے بدلے جان، اگر میں مر گیا تو اسے قتل کر دینا جیسا کہ اس نے مجھے قتل کیا ہے، اور اگر بچ گیا تو میں اس کے بارے میں غور کروں گا۔“^①

تاریخ میں آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کی وجہ سے لوگ گھبرائے ہوئے حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، لوگ آپ کے پاس تھے، اور مشکیں بندھا ابن ملجم بھی آپ کے سامنے تھا اتنے میں ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا نے روتے ہوئے آواز دی: اے اللہ کے دشمن میرے والد کا کچھ بگڑنے والا نہیں، اللہ تعالیٰ تمہی کو رسوا کرنے والا ہے، اس پر اس نے کہا: ”تو کس کا رونارور رہی ہے؟ اللہ کی قسم میں نے اسے ایک ہزار میں خریدا ہے، ایک ہزار میں زہر آلود کیا ہے، اگر یہ وار شہر کے تمام لوگوں پر پڑا ہوتا تو کوئی بھی نہ بچتا۔“^②

علی رضی اللہ عنہ کے لیے تمام اطباء اکٹھے کیے گئے، ان میں سب سے ماہر طبیب اشیر بن عمر سکونی تھے، جو کسری کے طبیب تھے، چنانچہ اشیر نے بکری کا گرم پھیپھڑا لیا، اس کا عرق نکالا، علی رضی اللہ عنہ کے زخم میں اسے داخل کیا، پھر اسے نکالا تو اس پر بھیجے کی سفیدی تھی، یہ علامت تھی کہ زخم دماغ تک پہنچ گیا ہے تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں آپ کی دیکھ رکھ کر دوں گا، لیکن آپ موت سے نہیں بچ سکیں گے۔“^③

① تاریخ الطبری ۶/۶۲

② تاریخ الطبری ۶/۶۲

③ الاستیعاب ۳/۱۱۲۸

کہا جاتا ہے کہ جندب بن عبد اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر پوچھا: اے امیر المومنین اگر آپ وفات پا جاتے ہیں۔ اللہ کرے کہ آپ وفات نہ پائیں۔ تو کیا ہم حسن رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا: نہ میں حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں، تم لوگ صاحب بصیرت ہو۔^① اس اثر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خلیفہ کے انتخاب میں امت کو حق حاصل ہے، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے۔

۷۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو وصیت:

امیر المومنین نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر کہا: میں تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، دنیا اگرچہ تمہیں چاہے تم دنیا کو نہ چاہو، کسی چیز کی محرومی پرست رونا، حق بات کہو، یتیموں پر رحم کرو، پریشان حال کی مدد کرو، آخرت کی تیاری کرو، ظالم سے لڑنے والے مظلوم کی مدد کرنے والے بنو، کتاب اللہ کی پیروی کرو، اللہ کی راہ میں کسی کی ملامت کی پروا مت کرو، پھر محمد بن حنفیہ کو دیکھ کر پوچھا: تمہارے دونوں بھائیوں کو جو میں نے وصیت کی ہے کیا تو نے اسے محفوظ کر لیا ہے؟^② انھوں نے کہا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: وہی وصیت تمہیں بھی کرتا ہوں، اور تمہیں اس کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کا احترام کرنا اس لیے کہ ان کا تم پر بڑا حق ہے، ان دونوں کی بات ماننا، ان کے بغیر کسی معاملے میں قطعی فیصلہ نہ کرنا، پھر فرمایا: میں تم دونوں کو ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، وہ تمہارے علاقائی بھائی ہیں، تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے والد ان سے محبت کرتے ہیں۔

حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے لاڈلے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، وقت پر نماز ادا کرو، فرض ہونے پر زکوٰۃ ادا کرو، اچھی طرح وضو کرو اس لیے کہ بغیر وضو نماز نہیں ہوتی اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں ہوتی، تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ غلطیوں کو معاف کر دو، غصہ کو پی جاؤ، صلہ رحمی کرو، جہالت پر بردباری سے کام لو، دین میں تفقہ حاصل کرو، معاملے کی چھان بین کیا کرو، قرآن کی حفاظت کرو، پڑوسی سے اچھا سلوک کرو، بھلی بات کا حکم دو، بری بات سے روکو، فحش کاموں سے بچو۔^③

آپ نے وفات کے وقت درج ذیل وصیت کی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے، انھوں نے اس بات کی وصیت کی کہ وہ شہادت دیتے ہیں کہ معبود برحق صرف اللہ کی ذات ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، انھیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجتا کہ مشرکوں کے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے تمام دنیوں پر

① تاریخ الطبری ۶۲/۶

② تاریخ الطبری ۶۲/۶

③ تاریخ الطبری ۶۳/۶

غالب کرے، میری نماز، میری ساری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے، میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

پھر اے حسن میں تمہیں اور اپنے تمام اہل و عیال کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تمہیں موت آئے تو بحالت اسلام آئے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، اختلاف نہ کرو، میں نے ابوالقاسم رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((إِنْ صَلَّاحَ ذَاتِ الْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ))

”افضل باہمی تعلقات کو ٹھیک رکھنا عام نماز اور روزے سے افضل ہے۔“

صلہ رحمی کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا محاسبہ آسان کرے گا، قبیہوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان کا منہ بند مت کرو، تمہاری موجودگی میں وہ ضائع نہ ہونے پائیں، اپنے پڑوسیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان کے بارے میں تمہارے نبی وصیت کرتے رہے تا آنکہ ہم سوچنے لگے کہ عنقریب آپ انہیں وارث بنا دیں گے، قرآن کریم کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اس پر عمل کرنے میں کوئی دوسرا تم پر سبقت نہ لے جائے، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ وہ دین کا ستون ہے، خانہ کعبہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اپنی زندگی بھر اسے مت چھوڑنا، اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو اس کی دیکھ رکھ نہ ہوگی، جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، زکوٰۃ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ زکوٰۃ اللہ کے غصہ کو ختم کر دیتی ہے، اپنے نبی کے ذمیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تمہارے درمیان ان پر ظلم نہ ہونے پائے، صحابہ کرام کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تعالیٰ نے خود ان کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے، فقراء و مساکین کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے کھانے پینے میں انہیں شریک کرو، اپنے غلام و لونڈیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، نماز کی حفاظت کرنا، نماز کی حفاظت کرنا، اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے مت ڈرنا، جو تم پر حملہ کرے گا اور تمہارے خلاف بغاوت کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں ان سے بچائے گا، فرمان الہی کے مطابق اچھی بات کہو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک مت کرنا کہ برے لوگ ذمہ دار بنا دیے جائیں، پھر تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں، باہمی تعلقات باقی رکھنا، ایک دوسرے پر خرچ کرنا، اختلاف، قطع تعلقات اور دوسروں کے پیچھے پڑنے سے بچنا، بھلائی و تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرنا، برائی و ظلم پر مدد نہ کرنا، اللہ سے ڈرتے رہنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے، اللہ تمہاری حفاظت کرے، میں تمہیں اللہ کے حوالے کر رہا

ہوں، اور السلام علیکم ورحمة اللہ کہہ رہا ہوں۔“

پھر کلمہ لا إله إلا اللہ کے علاوہ کچھ زبان سے نہ کہہ سکے تاکہ آپ کی روح پرواز کر گئی۔ ❶

ایک دوسری روایت میں ہے:

”اے میرے لاڈلے! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ غائب و حاضر میں اللہ سے ڈرتے رہو، خوشی اور ناراضی دونوں صورتوں میں حق بات کہو، مالدار کی اور محتاجی میں میانہ روی اختیار کرو، دوست دشمن کے ساتھ انصاف سے کام لو، نشاط و سستی میں کام کرتے رہو، تنگی اور کشادگی ہر حال میں اللہ سے راضی رہو۔

اے میرے لاڈلے جس پریشانی کے بعد جنت ہو وہ پریشانی نہیں، جس آسانی کے بعد جہنم ہو وہ آسانی نہیں، جنت کو چھوڑ کر ہر نعمت کمتر ہے، اور جہنم کو چھوڑ کر ہر پریشانی عافیت جیسی ہے۔

اے میرے لاڈلے جس نے اپنے ذاتی عیوب کو دیکھا اسے دوسروں کے عیوب کو دیکھنے کی فرصت نہیں ملی، جو اللہ کی تقسیم پر راضی رہا اسے کسی چیز کے فوت ہو جانے پر افسوس نہیں ہوا، جو بغاوت کی تلوار بے نیام کرتا ہے اسی سے وہ قتل کر دیا جاتا ہے، جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے خود اس میں گر جاتا ہے، جو اپنے بھائی کو تنگ کرتا ہے وہ خود لوگوں کے سامنے تنگ ہو جاتا ہے، جو اپنی غلطی کو بھلا دیتا ہے دوسرے کی غلطی کو عظیم سمجھتا ہے، جو خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے گمراہ ہو جاتا ہے، جو صرف اپنی عقل سے کام لیتا ہے لغزش کھا جاتا ہے، جو تکبر کرنے لگتا ہے رسوا ہو جاتا ہے، جو نااہل لوگوں کے ساتھ رہنے لگتا ہے ذلیل ہو جاتا ہے، جو برائی کی جگہوں میں جاتا ہے متہم ہو جاتا ہے، جو علما کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے اس کی عزت کی جاتی ہے، جو بکثرت ہنسی مذاق کرتا ہے لوگوں کی نگاہوں میں وہ بے وزن ہو جاتا ہے، جو کسی چیز کو بکثرت انجام دیتا ہے اسی سے مشہور ہو جاتا ہے، جس کی باتیں زیادہ ہوں گی اس کی غلطیاں زیادہ ہوں گی، جس کی غلطیاں زیادہ ہوں گی اس کی حیا کم ہو جائے گی، جس کی حیا کم ہو جائے گی اس کا خوف الہی کم ہو جائے گا، جس کا خوف الہی کم ہو جائے گا اس کا دل مردہ ہو جائے گا، جس کا دل مردہ ہو جائے گا جہنم میں داخل ہوگا۔

اے میرے لاڈلے! احسن ادب بہترین ورثہ ہے، حسن اخلاق بہترین ساتھی ہے، اے میرے لاڈلے! عافیت کے دس حصے ہیں، نو حصے ذکر الہی کو چھوڑ کر بقیہ باتوں کی خاموشی میں ہے، ایک حصہ بے وقوفوں سے کنارہ کشی میں ہے، اے میرے لاڈلے! غربی کی زینت صبر ہے، مالدار کی

زینت شکر ہے۔

اے میرے لاڈلے! اسلام سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں، تقویٰ سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں، خوفِ الہی سے بڑھ کر کوئی محفوظ پناہ گاہ نہیں، توبہ سے بڑھ کر کوئی کامیاب سفارشی نہیں، عافیت سے بڑھ کر کوئی خوبصورت لباس نہیں، لالچ پریشانی کی کتنی ہے، عمل سے پہلے تدبیر آپ کو ندامت سے بچائے گی، لوگوں پر ظلم آخرت کا نہایت برا زادِ سفر ہے، خوش خبری ان کے لیے ہے جن کا علم و عمل، محبت و دشمنی، کسی چیز کو اختیار کرنا و چھوڑنا اور گفتگو و خاموشی اور قول و عمل سب خالصتاً اللہ کے لیے ہو۔“ ❶

۸۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کا مثلہ کرنے سے روکنا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

”اس حملہ آور شخص کو جیل میں ڈال دو، اگر میں مر گیا تو اسے قتل کر دینا اور اگر زندہ رہا تو زخموں کے بدلے متعین ہیں۔“ ❷

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اے کھلاؤ پلاؤ، اچھی طرح قید میں رکھو، اگر میں ٹھیک ہو گیا تو میں اپنا ولی دم ہوں، چاہوں گا تو معاف کر دوں گا اور اگر چاہوں گا تو بدلہ لوں گا۔“ ❸

ایک دوسری روایت میں آپ کے اس قول کی زیادتی ہے:

”اگر میں مر گیا تو میرے قتل کی طرح اسے قتل کر دینا، زیادتی نہ کرنا، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ ❹

علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو مثلہ کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

”اے بنو عبدالمطلب میں تمہیں مسلمانوں کے خون سے کھلوڑا کرتے اور یہ کہتے نہ پاؤں کہ امیر المومنین قتل کر دیے گئے، امیر المومنین قتل کر دیے گئے، خبردار (قاتل کے علاوہ) کوئی قتل نہ کیا جائے، اے حسن خیال رکھنا جس نے تلوار سے یہ حملہ کیا ہے اس کے بدلے میں اسے تلوار سے مارنا اور اس کا مثلہ مت کرنا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے:

❶ الشہب اللامعة فی السیاسة النافعة لابن رضوان (۶۳۲، ۶۳۳)

❷ فضائل الصحابة ۲/ ۵۶۰، اس کی سند حسن ہے۔

❸ المحن لابن أبي العرب ص ۹۴، خلافة علی (ص ۴۳۹) عبدالحمید عنی

❹ الطبقات ۳/ ۳۵

((إِيَّاكُمْ وَالْمَثَلَةَ وَلَوْ أَنَّهَا بِالْكَلْبِ الْعَقُورِ)) ❶

”تم مثلاً کرنے سے بچو چاہے کات کھانے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔“

قاتل کے معاملے میں امیر المومنین کی وصیت سے متعلق صحیح وضعیف مختلف روایتیں آئی ہیں، چنانچہ وہ روایت جس میں علی رضی اللہ عنہ نے کبخت کو قتل کرنے کے بعد جلادینے کا حکم دیا ہے اس کی سند ضعیف ہے، بقیہ دوسری روایتوں میں صرف علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ وفات پا جاتے ہیں تو اسے قتل کر دیا جائے، اس کے علاوہ دوسری باتوں سے آپ نے روکا ہے، یہ روایتیں ایک دوسری کی مؤید ہیں اور لائق استدلال ہیں۔ امیر المومنین نے اسے مرتد قرار دے کر اس کے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ اس بنا پر جب بعض مسلمانوں نے اسے قتل کرنا چاہا تو آپ نے انہیں روکا اور کہا: اس شخص کو قتل نہ کرو، اگر میں ٹھیک ہو گیا تو رخصوں کے بدلے متعین ہیں، اور اگر وفات پا گیا تو اسے قتل کر دینا۔ ❷

مشہور تاریخی روایت میں ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ وفات پا گئے، حسن رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کو بلا بھیجا، تو اس نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ ایک بات پسند کریں گے؟ اللہ کی قسم میں نے اللہ سے جو بھی عہد کیا پورا کیا ہے، میں نے عظیم شہداء کے پاس اللہ سے عہد کیا تھا کہ میں علی اور معاویہ کو قتل کروں گا یا اسی راہ میں مر جاؤں گا، اس لیے اگر آپ چاہیں تو مجھے اور ان کو چھوڑ دیں، میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر میں انہیں قتل نہ کر سکا یا قتل کر کے بچ گیا تو دونوں صورتوں میں آپ کے پاس آکر اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دوں گا، اس سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا آگ دیکھ کر کہہ رہے ہو، ایسا نہیں ہوگا، پھر اس کو سامنے کیا اور قتل کر دیا، ❸ پھر لوگ اسے لے گئے اور آگ سے جلا دیا، لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ ❹

صحیح روایت کے مطابق جو حسن، حسین اور ابنائے آل بیت رضی اللہ عنہم کے شایان شان ہے وہ یہ ہے کہ عبدالرحمن بن ملجم سے متعلق امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کیا۔ اس سے شرعی قصاص کے نفاذ اور مثلاً سے منع کرنے کے بارے میں اسلامی اخلاق کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ جب آپ کی تدفین ہو گئی تو ابن ملجم کو لائے، لوگ اکٹھے ہوئے، پٹرول اور چٹائیاں لے کر آئے، محمد بن حنفیہ، حسین اور عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہم نے کہا: ہمیں اس سے اپنا دل ٹھنڈا کرنے دیں، چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ پاؤں کو کاٹ دیے، اس پر اس نے نہ تو گریہ وزاری کی اور نہ ہی کچھ کہا، پھر اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی اس پر بھی گریہ وزاری نہ کی اور کہنے لگا تم اپنے چچا کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر رہے ہو نیز سورہ علق کی تلاوت شروع کر دی، اور اسے ختم کر دیا جب کہ اس کی دونوں

❶ منهاج السنة ۵/ ۲۴۵

❷ تاریخ الطبری ۶/ ۶۴

❸ خلافة علي بن أبي طالب (ص ۴۴۰) عبدالحمید علی

❹ تاریخ الطبری ۶/ ۶۴

آنکھیں بہ رہی تھیں، پھر حکم دیا کہ اس کی زبان کاٹ دی جائے تو گریہ وزاری کرنے لگا، اس سلسلے میں اس سے پوچھا گیا تو کہا: یہ گریہ وزاری نہیں ہے، لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں دنیا میں ہوش و حواس میں رہ کر اللہ کو یاد نہ کر سکوں، چنانچہ اس کی زبان کو کاٹ دیا پھر اسے جلا دیا، اس کا رنگ گندی، چہرہ خوبصورت، دانتوں کے مابین کشادگی، بال کانوں کی لوتک اور پیشانی پر سجدوں کی نشانی تھی۔^①

ابن ملجم شیعوں کے نزدیک آخرت میں سب سے بد بخت انسان ہوگا، ہم اہل سنت کو اس کے جہنمی ہونے کی امید ہے نہ کہ جیسا خوارج کہتے ہیں، اس کا حکم عثمان، زبیر، طلحہ، سعید بن جبیر، عمار، خارجہ اور حسین رضی اللہ عنہم کے قاتلوں جیسا ہے، ان تمام سے ہم براءت کا اظہار کرتے ہیں، اللہ کے واسطے ان سے بغض رکھتے ہیں، ان کے معاملوں کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔^②

۹۔ والد کے قتل کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا خطبہ:

عمر بن حفصی سے مروی ہے کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے کہا: تم سے ایسا آدمی جدا ہو گیا جس پر نہ پہلے کے لوگ علم کے باب میں سبقت لے جاسکے، اور نہ بعد کے لوگ اس کے علمی مقام کو پاسکے، رسول اللہ ﷺ انھیں علم جہاد دے کر بھیجتے تو فتیابی کے بعد لوٹتے تھے، اپنی تنخواہ کے ساتھ ساتھ سو درہم جسے اپنے اہل خانہ کی خادمہ کے لیے جمع کر رہے تھے، کے علاوہ کوئی سونا، چاندی چھوڑ کر نہیں گئے۔^③

۱۰۔ علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر کا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اثر:

جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو رونے لگے، اس پر ان کی اہلیہ نے ان سے کہا: آپ ان پر رو رہے ہیں جب کہ آپ نے ان سے جنگ کی ہے؟ جواباً آپ نے کہا: تم پر افسوس ہے، تمہیں نہیں معلوم کہ لوگوں نے کس صاحب فضل و فقہ اور علم کو کھود دیا ہے۔^④

معاویہ رضی اللہ عنہ نو آمدہ مسائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو لکھ کر پوچھتے تھے، جب آپ کو ان کے قتل کی خبر پہنچی تو کہا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے وفات پا جانے سے علم و فقہ کا ایک اچھا خاصا حصہ جاتا رہا، اس پر ان کے بھائی عتبہ نے کہا: آپ کی یہ بات اہل شام نہ سن لیں، تو آپ نے فرمایا: چپ رہو۔^⑤

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ضرار صدائی سے علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنے کا مطالبہ کیا، انھوں نے کہا: مجھے معاف رکھیں، آپ نے فرمایا: تم ضرور اوصاف بیان کرو، تو کہا کہ جب بیان کرنا ضروری ٹھہرا تو:

① طبقات ابن سعد ۳/ ۳۹، الأخبار الطوال ص ۲۱۵

② تاریخ الإسلام، عہد الخلفاء الراشدین ص ۶۵۴ ③ فضائل الصحابة ۲/ ۷۳۷، اس کی سند صحیح ہے۔

④ البدایہ و النہایہ ۸/ ۱۳۳ ⑤ الاستیعاب ۳/ ۱۱۰۸

”اللہ کی قسم آپ دور ہیں، مضبوط اعصاب والے تھے، حکیمانہ گفتگو کرتے، عادلانہ فیصلہ کرتے، آپ سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے، دنیا اور اس کی چمک دمک سے وحشت محسوس کرتے، رات اور اس کی تاریکی سے آپ کو انسیت تھی، کافی آنسو بہانے والے اور دیر تک سوچنے والے تھے، آپ کو کوتاہ لباس اور معمولی کھانا پسند تھا، آپ ہم میں ہماری طرح رہتے، ہمارے سوالوں کا جواب دیتے، ہمارے پوچھنے پر ہمیں بتلاتے، اور ہم اللہ کی قسم ہمارے مابین قربت کے باوجود آپ کی ہیبت کے باعث آپ سے بات نہیں کر پاتے، دین پسندوں کا آپ احترام کرتے، مسکینوں کو اپنے قریب کرتے، قوی شخص کو غلط کام نہ کرنے دیتے، ضعیف آپ کے عدل و انصاف سے مایوس نہ ہوتا، میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ ایک مرتبہ رات کی تاریکی میں میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی پکڑے سانپ ڈسے ہوئے شخص کی طرح تڑپ رہے ہیں، غمزہ شخص کی طرح رو رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں: اے دنیا! تو میرے علاوہ کسی دوسرے کو دھوکہ دے، تو میری جانب بڑھنے والی یا میری مشتاق ہو تو دور ہو جا، میں نے تجھے تین طلاق دے دی ہے، جس میں رجعت نہیں ہے، تیری عمر چھوٹی ہے، تیری اہمیت کم ہے، مجھے زادِ سفر کی کمی، سفر کی دوری اور راستہ کے پُر خطر ہونے پر افسوس ہے۔“

اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا: اللہ تعالیٰ ابوالحسن پر رحم کرے، آپ ایسے ہی تھے، اے ضرار ان کی وفات پر تمہیں کتنا غم ہے؟ کہا: اس عورت کے غم جیسا جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا گیا ہو۔^①

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ کے پاس بیٹھے تھے، میں سلام کر کے بیٹھ گیا، میں بیٹھا ہی تھا کہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کولایا گیا، انھیں ایک گھر میں داخل کیا گیا اور دروازہ بند کر دیا گیا، میں دیکھ رہا تھا، بہت جلد ہی علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے: رب کعبہ کی قسم! فیصلہ میرے حق میں ہوا، پھر جلد ہی معاویہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے: رب کعبہ کی قسم مجھے بخش دیا گیا۔^②

ابن عساکر نے ابوزرہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا: میں معاویہ سے بغض رکھتا ہوں، تو انھوں نے اس سے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ہے تو اس پر ابوزرہ نے کہا: تم پر افسوس ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے رب رحیم ہیں، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے فریق مخالف کریم ہیں، پھر ان کے مابین تمھارا کیا دخل ہے۔^③



② البدایة والنهاية ۸ / ۱۳۳

① الاستيعاب ۳ / ۱۱۰۸

③ البدایة والنهاية ۸ / ۱۳۳

دوسری فصل

بیعت، اہم اوصاف، کارنامے اور
اُمت کے اتحاد میں کردار

حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی بیعت

آپ کے اہم اوصاف

معاشرتی زندگی میں آپ کے بعض کارنامے

آپ کا مصالحت پر مبنی منصوبہ جس کے نتیجے میں امت کا
اتحاد برقرار رہا

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ دنیا سے غداروں اور خائنوں
کے ہاتھوں شہید ہوئے، آپ نے اتحادِ امت کا بہت
بڑا کارنامہ انجام دیا اور بے مثال مصالحتی منصوبہ پیش
کیا اور چہار دانگ عالم میں اللہ کے دین کی نشر و اشاعت
میں اس کے تہذیبی کردار کو لوٹا دیا،
امت اسلامیہ اس جلیل القدر سردار کی
قرض دار رہے گی۔

(۱)

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت عبدالرحمن بن ملجم خارجی کے ہاتھوں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رمضان ۴۰ھ میں انجام پائی۔^①

حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے بعد لوگوں نے منتخب کیا۔ خود امیر المومنین نے اپنے بعد کسی کو متعین نہیں کیا تھا۔ عبداللہ بن سبغ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے: ”یہ (داڑھی) اس (سر کے خون) سے رنگی جائے گی، تو بد بخت میرے بارے میں کس چیز کا انتظار کر رہا ہے، لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین! ہمیں اس کے بارے میں بتائیے ہم اس کے اقرباء کا خاتمہ کر دیں، آپ نے فرمایا: تب تو اللہ کی قسم! تم لوگ میرے بدلے میں میرے قاتل کے علاوہ کو قتل کر دو گے۔ لوگوں نے کہا: آپ اپنا خلیفہ مقرر کر دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، میں تمہیں ویسے چھوڑ کر جاؤں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے تھے، لوگوں نے کہا: ملاقات ہونے پر آپ اپنے رب سے کیا کہیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں کہوں گا: ((اللَّهُمَّ تَرَكْتَنِي فِيهِمْ مَا بَدَأَ لَكَ ثُمَّ قَبَضْتَنِي إِلَيْكَ وَ أَنْتَ فِيهِمْ فَإِنْ شِئْتَ أَصْلَحْتَهُمْ وَإِنْ شِئْتَ أَفْسَدْتَهُمْ.)) اے اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان کے درمیان چھوڑے رکھا، پھر تو نے مجھے اٹھالیا جب کہ تو ان کے ساتھ ہے، اگر چاہے تو ان کی اصلاح کر دے، اور اگر چاہے تو ان کو بگاڑ دے۔“^②

دوسری روایت میں ہے: میں کہوں گا: اے اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان کا خلیفہ باقی رکھا، پھر تو نے مجھے اٹھالیا، میں انہیں تیرے حوالے کر کے آگیا۔^③

علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی صلاۃ جنازہ پڑھائی، کوفہ میں آپ کی تدفین ہوئی، سب سے پہلے آپ سے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، آپ سے کہا: اپنا ہاتھ پھیلائیے، میں آپ سے کتاب اللہ و سنت رسول، اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے والوں سے قتال پر بیعت کرتا ہوں، ان سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: بیعت صرف کتاب اللہ و سنت رسول پر ہونی چاہیے، ہر شرط اس میں موجود ہے، چنانچہ انھوں نے بیعت

① الطبقات ۳/ ۳۵-۳۸، تحقیق د. احسان عباس

② مسند أحمد ۲/ ۳۲۵، حدیث حسن لغیرہ ہے۔

③ کشف الاستار عن زوائد البزار ۳/ ۲۰۴

کر لی، خاموش رہے، پھر دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کی۔ ❶

اہل عراق نے جب بیعت کا ارادہ کیا تو حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ان سے شرط لگاتے ہوئے کہا: تم لوگوں میں سمع و طاعت کا جذبہ ہے میں جن سے جنگ نہیں کروں گا ان سے تم لوگ بھی جنگ نہیں کرو گے، اور جن سے میں جنگ کروں گا ان سے تم بھی جنگ کرو گے۔ ❷

دوسری روایت کے مطابق آپ نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! میں تم سے ایک شرط پر بیعت لوں گا، لوگوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں جن سے جنگ نہیں کروں گا، ان سے تم لوگ بھی جنگ نہیں کرو گے، اور جن سے میں جنگ کروں گا ان سے تم بھی جنگ کرو گے۔ ❸

ابن سعد کی روایت میں ہے: حسن بن علی بن ابی طالب نے علی رضی اللہ عنہ کے بعد اہل عراق سے دو بیعتیں لیں، ایک خلافت کی، دوسری بیعت اس بات کی کہ جو کام وہ کریں گے وہی وہ سب کریں گے، اور جس چیز پر وہ راضی ہوں گے اس پر وہ سب راضی ہوں گے۔ ❹

سابقہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ بننے بنے بنی حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کی راہ ہموار کرنی شروع کر دی تھی، اس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کا تجزیہ کرنے سے درج ذیل نتائج و فوائد سامنے آتے ہیں:

اولاً:..... خلافت حسن رضی اللہ عنہ کی تخصیص کا قضیہ باطل ہے:

بیعت حسن رضی اللہ عنہ پر گفتگو کرتے وقت ایک ایسا قضیہ ہمارے سامنے آتا ہے جسے شیعہ امامیہ بڑے شد و مد سے رواج دیتے ہیں اور وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے خلافت حسن رضی اللہ عنہ کی تخصیص کا قضیہ ہے۔ ❺

اس کا شمار امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر افتراء پر دازیوں میں ہوتا ہے، اس لیے کہ اس بارے میں کوئی منقول چیز ثابت نہیں ہے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امامت نبوت کے مانند ہے، اس کے سلسلے میں رسول ﷺ کی زبانی من جانب اللہ تخصیص ضروری ہے، اور نبوت ہی کی طرح وہ من جانب اللہ خاص لطف و کرم ہے اور ہر دور میں منجانب اللہ ایک امام ہونا ضروری ہے، جس کی اطاعت فرض ہو، انسانوں کو امام کے انتخاب و تعیین کا حق نہیں ہے، بلکہ امام کو بھی اپنے بعد کے امام کی تعیین کا حق نہیں ہے، اور انھوں نے اپنے ائمہ کی طرف سے اس بارے میں دسیوں

❶ تاریخ الطبری ۷۳/۶

❷ الطبقات، تحقیق د. محمد السلمي ۱/۲۸۶، ۲۸۷

❸ الطبقات ۱/۳۱۶، ۳۱۷

❹ فرق الشيعة للنويعتي ص ۲۴، مرويات خلافة معاوية.

روایتیں وضع کر لی ہیں، انہی روایتوں میں سے وہ روایت بھی ہے جسے وہ امام محمد باقر کی جانب منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

”کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ معاملہ (امامت) ہمارے دائرہ اختیار میں ہے کہ جسے چاہیں امام بنا دیں؟ نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یکے بعد دیگرے لوگ مقرر ہیں تا آنکہ امامت صاحب امامت تک پہنچے۔“^①

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد ائمہ کی تخصیص کی ہے، انھیں نام کے ساتھ مقرر کر دیا ہے، اور وہ بارہ امام ہیں، ان میں نہ کمی ہوگی اور نہ زیادتی، اور وہ درج ذیل لوگ ہیں:

۱۔ علی بن ابی طالب المرتضیٰ رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ

۲۔ حسن بن علی الزکی رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ

۳۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہ متوفی ۶۱ھ

۴۔ علی بن حسین زین العابدین متوفی ۹۵ھ

۵۔ محمد بن علی الباقر متوفی ۱۱۲ھ

۶۔ جعفر بن محمد الصادق متوفی ۱۴۸ھ

۷۔ موسیٰ بن جعفر کاظم متوفی ۱۸۳ھ

۸۔ علی بن موسیٰ الرضا متوفی ۲۰۳ھ

۹۔ محمد بن علی الجواد متوفی ۲۲۰ھ

۱۰۔ علی بن محمد الہادی متوفی ۲۵۴ھ

۱۱۔ حسن بن علی العسکری متوفی ۲۵۶ھ

۱۲۔ محمد بن حسن المہدی متوفی ۲۶۰ھ

وصیت کے عقیدہ کی جڑ اور بنیاد عبداللہ بن سبا ہے، لیکن وہ وصیت کا معاملہ علی رضی اللہ عنہ تک محدود رکھتا تھا، بعد کے لوگوں نے اسے آپ کی چند اولاد میں عام کر دیا، جب کہ رافضی شیعہ بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ کام کر رہے تھے، یہ لوگ اس کا سختی سے انکار کرتے تھے، جیسا کہ خود امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کیا، اسی لیے آل بیت پر افترا پردازی کرنے والوں نے ”تقیہ“ کا عقیدہ گھڑ لیا تاکہ آسانی سے اپنے عقائد و نظریات کی نشر و اشاعت کر سکیں، اور ان کے متبعین اہل بیت کے سچے اور اعلان کردہ موقف سے محفوظ رہیں۔^②

وصیت نہایت خطرناک چیز ہے جسے شیعوں نے گھڑ لیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے بعد براہ راست علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی، ان سے پہلے کے خلفاء نے ان کا حق غصب کر لیا، ان کی کتاب ”الکافی“ میں ہے کہ جو اپنے امام کو پہچانے بغیر مر گیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔^①

لیکن خلفائے راشدین کی تاریخ کو کھنگالنے کے بعد ہمیں نہ تو خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں وصیت کا ذکر ملتا ہے، نہ ہی خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں، خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری سالوں میں فتنہ کی ابتداء کے وقت ہمیں اس کے ظہور کی ابتداء ملتی ہے، یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کانوں تک پہنچی تو اس کی تردید کی اور اس کے جھوٹ کو واضح کیا، ان میں سب سے مشہور علی بن ابی طالب و ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھے۔

پھر رفتہ رفتہ یہ بات خلافت علی رضی اللہ عنہ میں ایک عقیدہ و نظریہ کی صورت اختیار کر گئی، جس وصیت کا رافضی شیعہ انکار کرتے ہیں، ان کے علمائے یہ بات ثابت کی ہے کہ اسے عبداللہ بن سبا نے گھڑا ہے جیسا کہ نوختی اور کشی نے ذکر کیا ہے، میں نے اپنی کتاب ”أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب“ میں اس کی تفصیلات کو ذکر کیا ہے۔

ان کے اس زعم باطل کی تردید کے لیے صحابہ سے صحیح روایتیں کافی ہیں، تردید کرنے والوں میں علی رضی اللہ عنہ خود بھی ہیں۔ چند روایتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جب اس بات کا تذکرہ کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کی ہے، تو آپ نے کہا: کب ان کے لیے وصیت کی؟ میں آپ کو اپنے سینے سے سہارا دیے ہوئے تھی، آپ نے طشت طلب کیا، آپ میری گود میں جھک گئے، مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ آپ کی وفات ہو گئی، تو کب وصیت کر دی؟^②

عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ صراحت کہ نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت نہیں کی ہے، عدم وصیت کی سب سے بڑی دلیل ہے، نبی کریم ﷺ کا آپ کی گود میں انتقال ہوا اگر آپ نے وصیت کی ہوتی تو آپ سب سے زیادہ جاننے والی ہوتیں۔^③

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آپ کی اس بیماری میں عیادت کے بعد باہر آئے جس میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ لوگوں (صحابہ) نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ

① أصول الكافي: ۱۶/۲۔ ۱۷۔

② صحيح البخاري، كتاب الوصايا (رقم ۱۴۷۱)

③ بذل المجهود في إثبات مشابهة الرافضة لليهود ۱/ ۱۹۰

آج کیسے ہیں؟ آپ نے کہا: بجز اللہ ٹھیک ہیں، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اللہ کی قسم تم تین دن کے بعد دوسرے کے تابع ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاؤ گے، اللہ کی قسم مجھے تو ایسے آثار نظر آ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس مرض سے شفا یاب نہیں ہو سکیں گے، موت کے وقت بنو عبدالمطلب کے چہروں کی مجھے خوب شناخت ہے، اب ہمیں آپ کے پاس چلنا چاہیے، اور آپ سے پوچھنا چاہیے کہ ہمارے بعد خلافت کسے ملے گی؟ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا اور اگر کوئی دوسرا مستحق ہوگا تو وہ بھی معلوم ہو جائے گا اور آپ ﷺ ہمارے متعلق اپنے خلیفہ کو ممکن ہے کچھ وصیتیں کر دیں، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم اگر ہم نے اس وقت آپ سے اس کے متعلق کچھ پوچھا اور آپ نے انکار کر دیا تو پھر لوگ ہمیں ہمیشہ کے لیے اس سے محروم کر دیں گے، میں تو اللہ کی قسم ہرگز رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھوں گا۔ ❶

آپ کے مذکورہ قول میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ صحابہ کرام فرامین نبویہ کو لازماً نافذ کرتے تھے، اگر آپ کی کوئی وصیت ہوتی تو کوئی اس سے پیچھے نہ ہٹتا، اور سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار پوری آزادی اور دلیری سے ”منا امیر و منکم امیر“ ❷ نہ کہتے، جس کے لیے وصیت ہوتی اس کے لیے بیعت کر لیتے، یا کم از کم ان میں سے بعض اس کا تذکرہ کرتے۔

اور اگر وصیت ہوتی تو علی رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ سے یوں کہتے:

”ہم آپ ﷺ سے کیسے پوچھیں کہ خلافت کن لوگوں میں ہوگی جب کہ آپ نے میرے لیے خلافت کی وصیت کر دی ہے؟“

رسول اللہ ﷺ اسی دن وفات پا گئے۔

جب اس سلسلے میں کوئی صحیح چیز نہیں ملی تو اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ تخصیص کا دعویٰ بے بنیاد ہے، اور علی رضی اللہ عنہ کی تخصیص کے سلسلے میں جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ سب علی رضی اللہ عنہ کی اس صریح نص کے مخالف ہونے کے باعث مردود و ناقابل قبول ہے۔ ان کی تمام سمعی دلیلیں یا تو دعویٰ پر دلالت نہیں کرتیں یا دلالت کرتی ہیں لیکن وہ موضوع و من گھڑت ہیں۔ ❸

۳۔ (ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں) علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ لوگوں کے

❶ صحیح البخاری، کتاب المغازی (رقم ۴۴۴۷)

❷ صحیح البخاری، کتاب الحدود رقم ۶۸۳۰

❸ الإمامة والرد علی الرافضة، تحقیق علی ناصر الفقیہی ص ۲۳۸

لیے کوئی چیز خاص کی ہے؟ آپ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے کوئی ایسی چیز خاص نہیں کی ہے جسے اور لوگوں میں عام نہ کیا ہو، سوائے اس کے جو میری اس تلوار کی نیام میں ہے، چنانچہ آپ نے ایک تحریر نکالی جس میں لکھا تھا:

((لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَلَعَنَ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ آوَى مُحَدِّثًا.)) ❶

”جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے، جو زمین کی حد بندی کے نشان کو مٹا دے اس پر لعنت ہے، جو اپنے والد پر لعنت بھیجے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔“

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”صحیحین وغیرہ میں علی رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث رافضی فرقہ کے اس زعم باطل کی کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی“ تردید کرتی ہے، اگر معاملہ ان کے زعم کے مطابق ہوتا تو صحابہ اس کا انکار نہ کرتے، وہ سب تو اللہ کے اور اس کے رسول کی حیات میں اور وفات کے بعد بھی مطیع و فرمانبردار تھے، وہ من مانی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کے مقدم کیے ہوئے شخص کے علاوہ کسی اور کو وہ مقدم کریں، اور جس کی تقدیم پر آپ نے تخصیص کی ہو اسے مؤخر کر دیں، ایسا نہیں ہو سکتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو ایسا سوچتا ہے، وہ انہیں گناہ، رسول اللہ ﷺ کی دشمنی پر اتفاق کرنے اور آپ کے حکم اور تخصیص کی مخالفت کی جانب منسوب کرتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی تعریف نازل فرمائی ہے، جو شخص بھی اس مقام کو پہنچ جاتا ہے، ائمہ اعلام کا اجماع ہے کہ وہ اسلام کا قلاوہ اتار پھینکتا ہے اور کافر ہو جاتا ہے۔ ❷

امام نووی فرماتے ہیں اس میں علی رضی اللہ عنہ کی وصیت اور دوسری من گھڑت باتوں کے بارے میں رد و انقض اور امای شیعہ کا جو باطل عقیدہ ہے اس کی تردید ہے۔ ❸

۴۔ عمرو بن سفیان سے مروی ہے کہتے ہیں: جنگ جمل کے دن جب علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے آئے تو فرمایا: لوگو! رسول اللہ ﷺ نے اس خلافت کے سلسلے میں ہمیں کوئی حکم نہیں دیا ہے، تا آنکہ اپنی رائے سے ہم نے باہم مشورہ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، چنانچہ آپ نے لوگوں کو درست کیا اور خود درست رہے تا آنکہ آخرت کی راہ لی۔ ❹

❶ صحیح مسلم ۳/۱۵۶۷، (رقم ۱۹۷۸)

❷ البدایہ و النہایہ ۵/۲۲۱

❸ شرح صحیح مسلم ۱۳/۱۵۱

❹ الاعتقاد ص ۱۸۴، دلائل النبوة میں یہی کہتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔

۵۔ امام ابو بکرؓ اپنی سند سے شقیق بن سلمہ کی حدیث روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ علی بن ابی طالبؓ سے پوچھا گیا: کیا آپ اپنے بعد خلیفہ کی تعیین نہیں کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کی تعیین نہیں کی کہ میں کروں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی بھلائی چاہے گا تو انھیں ان کے افضل شخص پر اکٹھا کر دے گا، جیسا کہ انھیں ان کے نبی کے بعد ان کے افضل شخص پر اکٹھا کر دیا تھا۔ ①

یہ واضح دلیل ہے کہ تخصیص کے دعویٰ کو ان رافضیوں نے گھڑ لیا تھا جن کے دل علی و اہل بیت سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغض و عناد سے بھرے ہوئے تھے، وہ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ محض اس لیے کرتے تھے کہ اسلام کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر سکیں۔ ②

ان قطعی نصوص سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ من گھڑت وصیت کی کوئی بنیاد نہیں ہے، اور جس بنیاد پر شیعوں نے اعتماد کیا ہے وہ عبد اللہ بن سبا کی گھڑی ہوئی ہے، سب سے پہلے اسی نے وصیت کو جنم دیا، پھر اس کے لیے سندیں اور حدیثیں گھڑی گئیں، پھر بہتان تراشی اور غلط طریقے سے رسول اللہ ﷺ کی جانب انھیں منسوب کر دیا گیا، اس سے ان کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنا تھا کہ وہ سب فرمان نبوی کی مخالفت کرتے ہیں اور اس بارے میں ان کا اجماع ہے، پھر اس کے ذریعہ سے ان کے نقل کردہ قرآن و حدیث کو مطعون کرنا تھا۔ ③

حلی کی تردید کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تخصیص محدثین کی کسی معتد کتاب میں نہیں ہے، اس کے باطل ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں: اس ادعائی تخصیص سے متعلق ہمیں کوئی روایت نہیں ملی ہے سوائے ایک مجہول شخص کی روایت کے جس کی کنیت ابو الحمراء ہے، اللہ کی مخلوق میں وہ کون ہے ہمیں معلوم نہیں۔ ④

ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں: ”یہاں اس بات کا پتہ چل گیا کہ شیعہ جس تخصیص کا دعویٰ کرتے ہیں اسے نہ تو پہلے کسی محدث نے سنا ہے نہ بعد میں، اسی لیے محدثین جس طرح غلط طریقے سے منقول دوسری چیزوں کے جھوٹ کو جانتے ہیں اس منقول چیز کے جھوٹے ہونے کو لازمی طور پر جانتے ہیں۔“ ⑤

① الاعتقاد ص ۱۸۴، اس کی سند جید ہے۔

② عقیدۃ اہل السنۃ فی الصحابۃ ۲/ ۶۲۰

③ خلافت علی بن ابی طالب (ص ۶۵) عبد الحمید

④ المنہاج ۷/ ۵۰

⑤ المنہاج ۸/ ۳۶۲، الفصل ۴/ ۱۶۱

بعد میں ایسے غلو پسند شیعہ آئے جنہوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے متعلق عبد اللہ بن سبا کے نظریہ کو زندہ کیا پھر اسے علی و حسین رضی اللہ عنہما کی نسل کے دوسرے لوگوں پر عام کر دیا تاکہ لوگوں کے جذبات کو ابھارا جاسکے، لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی جاسکے، اور اس کی آڑ میں وہ اسلامی حکومت کے خلاف اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں، سب سے پہلے جس نے یہ بات پھیلائی شروع کی کہ امامت اہل بیت کے چند مخصوص لوگوں میں منحصر ہے، وہ شیطان الطاق ہے جسے شیعہ ”مومن الطاق“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔^①

زید بن علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے بلا بھیجا تاکہ اس افواہ کی حقیقت سے آگاہ ہوں، چنانچہ اس سے زید بن علی نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارا خیال ہے کہ آل محمد میں ایسا امام ہوتا رہے گا جس کی اطاعت فرض ہوگی، شیطان الطاق نے کہا: ہاں، اور تمہارے والد علی بن حسین ان میں سے ایک تھے، اس پر انہوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ گرم لقمے کو ٹھنڈا کر لیتے تھے پھر مجھے کھلاتے تھے، تم ہی بتاؤ کہ وہ لقمے کی گرمی سے میرے سلسلے میں خائف رہیں گے اور جہنم کی گرمی سے خائف نہ ہوں گے؟ شیطان الطاق کہتا ہے کہ میں نے ان سے کہا: تمہیں بتانا اس لیے ناپسند کیا ہو گا کہ تم کافر ہو جاؤ گے پھر وہ تمہاری شفاعت نہیں کر سکیں گے۔^②

ان کی ثقہ ترین کتب رجال میں مروی یہ قصہ واضح طور پر یہ بتلاتا ہے کہ امامت کا یہ نظریہ اس طرح مخفی طریقے سے لوگوں کے مابین رائج تھا کہ اہل بیت کے امام زید پر بھی مخفی رہا۔

محب الدین خطیب نے واضح کیا ہے کہ شیطان الطاق نے سب سے پہلے اس گمراہ عقیدہ کو گھڑا، امامت و تشریع کو اہل بیت کے مخصوص لوگوں میں محصور کر دیا اور ان کے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا۔^③ ہشام بن حکم متونی ۹۷۱ھ نامی شخص شیطان الطاق کا شریک کار رہا۔^④ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہشام و شیطان الطاق کے کچھ متبعین کی کوششوں سے کچھ متعین لوگوں میں امامت کے محصور کرنے کا عقیدہ کوفہ میں پھیل گیا تھا،^⑤ چند مخصوص لوگوں میں امامت کے محصور کرنے کے عقیدے کی بنیاد دوسری صدی ہجری میں ایک ایسے گروہ نے رکھا جو اہل بیت سے اپنے تعلق کا دعویدار ہے، جیسے شیطان الطاق، ہشام بن حکم وغیرہ۔^⑥

ائمہ کی تعداد سے متعلق شیعوں کے نظریات و آراء مختلف ہیں، مختصر التحفة الاثنی عشریہ میں ہے کہ شیعہ امامیہ ائمہ کے محصور ہونے کے قائل ہیں، لیکن ان کی مقدار میں ان کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک

① رجال الکشی ص ۱۸۶

② اصول الشیعة الإمامیة ۲/ ۸۰۰

③ مجلة الفتح ص ۵، العدد ۸۶۲، عام ۱۳۶۷ھ

④ اصول الشیعة الإمامیة ۳/ ۸۰۳

⑤ اصول الشیعة الإمامیة (۲/ ۸۰۵)، بحار الأنوار (۱/ ۲۵۹)

⑥ اصول الشیعة ۲/ ۸۰۶

پانچ، بعض کے نزدیک سات، بعض کے نزدیک آٹھ، بعض کے نزدیک بارہ، اور بعض کے نزدیک تیرہ ہیں۔^①

عجیب و غریب بات یہ ہے کہ نظریہ امامت کے قائلین کئی فرقوں میں بٹ گئے، ہر فرقہ اپنے امام کے بارے میں ایسی روایتیں نقل کرتا ہے جو دوسرے فرقے کے بالکل متضاد و متناقض ہیں، پھر انھیں علی رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کرتے ہیں، شیعوں کی کتابوں میں یہ اختلاف و تناقض منقول ہے، چاہے وہ اسماعیلیہ فرقے کی کتابیں ہوں جیسے تاشی اکبر کی ”مسائل الإمامة“ اور ابو حاتم رازی کی ”الزینة“ یا اثنا عشریہ فرقے کی کتابیں ہوں، جیسے اشعری کی ”المقالات و الفرق“ اور نوختی کی ”فرق الشیعة“

ان کے نزدیک امامت کا مسئلہ کوئی ایسا فرعی مسئلہ نہیں ہے جس میں اختلاف معمولی قسم کا ہو، بلکہ وہ دین کی بنیاد و جڑ ہے، جو ان کے امام پر ایمان نہ لائے وہ دین سے خارج ہے، اور اسی بنا پر ان میں سے بعض بعض کو کافرو ملعون قرار دیتے ہیں۔^②

فرقہ اثنا عشریہ کی رائے بعد میں اس بات پر ٹھہر گئی کہ امامت بارہ اماموں میں محصور ہے، جب کہ عہد نبوی و عہد خلفائے راشدین ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم میں اور خاندان نبوت بنو ہاشم میں کوئی بھی بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ تھا۔^③ بارہ اماموں کے عقیدہ کی ابتداء حسن عسکری کی وفات کے بعد ہوئی۔^④

متعینہ عدد میں اماموں کو محصور کرنے کا عقیدہ سراسر فاسد و باطل ہے، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد اس سے بری ہے، شیعوں کی معتد کتاب ”نہج البلاغة“ میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں:

”مجھے چھوڑ دو اور (اس خلافت کے لیے) میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈ لو، ہمارے سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس کے کئی رخ اور رنگ ہیں، جسے نہ قلوب برداشت کر سکتے ہیں، اور نہ ہی عقلیں اسے مان سکتی ہیں، (دیکھو) افق عالم پر گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، راستہ پہچاننے میں نہیں آتا، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری اس خواہش کو مان لوں تو تمہیں اس راستے پر لے چلوں گا جو میرے علم میں ہے، اور اس کے متعلق کسی کہنے والے کی بات اور کسی ملامت کرنے والے کی سرزنش پر کان نہیں دھروں گا۔ اور اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو تو پھر جیسے تم ہو میں بھی ویسا ہی ہوں، اور ہو سکتا ہے کہ جسے تم اپنا امیر بناؤ اس کی میں تم سے زیادہ سنوں اور مانوں، اور میرا (تمہارے دنیوی مفاد کے لیے) امیر ہونے سے وزیر ہونا بہتر ہے۔“^⑤

② اصول الشیعة الإمامیة ۸۰۷/۲

③ مختصر التحفة الاثنی عشریة ص ۱۹۳

④ اصول الشیعة الإمامیة ۸۰۸/۲

⑤ منهاج السنة ۱۱/۲

⑥ نہج البلاغة خطبہ (رقم ۹۲)، ص ۲۳۶

اگر علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر من جانب اللہ تنصیف ہوتی تو کسی بھی حال میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے جائز نہ ہوتا کہ لوگوں سے کہیں ”ذُعُونَنِي وَالتَّمِسُوا غَيْرِي“ (مجھے چھوڑ کر دوسرے کو تلاش کرو) اور: ”أَنَا نَكُحُّكُمْ وَزِيرًا خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنِّي أَمِيرًا“ (تمہارے لیے میرا وزیر ہونا خلیفہ ہونے سے بہتر ہے) ایسا کیسے ہو سکتا ہے، جب کہ لوگ آپ کو چاہتے تھے اور آپ سے بیعت کرنے آرہے تھے۔ ❶

”نهج البلاغة“ میں اس سے بھی زیادہ صریح اور واضح قول موجود ہے:

”جن لوگوں نے ابوبکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے لیے بیعت کی تھی انہوں نے میرے ہاتھ پر انہی اصولوں کے مطابق بیعت کی ہے جن اصولوں پر وہ ان کی بیعت کر چکے تھے اور اس کی بنا پر جو حاضر ہے اسے نظر ثانی کا حق نہیں، اور جو بروقت موجود نہ ہوا اسے رد کرنے کا اختیار نہیں اور شورائی کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے، ان کا اگر کسی پر اتفاق ہو جائے اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی، اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے، اور اگر انکار کرے تو اس سے لڑیں گے کیوں کہ وہ مومنوں کے طریقے سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہو گیا ہے، اور جدھر وہ پھر گیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسے ادھر ہی پھیر دے گا۔“ ❷

امیر المومنین نے اس عبارت سے چند قابل توجہ حقائق کی جانب اشارہ کیا ہے:

☆ آپ نے واضح کر دیا کہ مجلس شورائی میں مہاجرین و انصار صحابہ کرام ہوں گے، وہی اصحاب حل و عقد ہوں گے۔

☆ ان کا کسی شخص پر متفق ہونا اللہ کی رضا کا باعث اور من جانب اللہ ان کی موافقت کی علامت ہوگا۔

☆ ان کے زمانے میں ان کے بغیر، اور ان کے انتخاب کے بغیر امامت و خلافت منعقد نہیں ہوگی۔

☆ ان کی بات کا انکار اور ان کی حکم عدولی، بدعتی، باغی اور غیر ایمانی راہ اختیار کرنے والا ہی کر سکتا ہے، یہ اہم

تصریحات شیعہ اثنا عشریہ پر کس طرح مخفی رہیں۔ ❸

تنصیف کا مسئلہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہے، اور چند لوگوں میں امامت کو محصور کرنے کا مسئلہ کتاب و سنت کی روشنی میں مردود ہے، اسی طرح عقل اور حقیقت واقعہ بھی اسے قبول نہیں کرتی، اس لیے کہ متعینہ عدد کے ختم ہو جانے کے بعد کیا امت بغیر امام کے رہے گی؟ اثنا عشریہ کے نزدیک ائمہ کا زمانہ ڈھائی صدی سے کچھ زیادہ

❶ ثم أبصرت الحقيقة ص ۱۵۸ ❷ نهج البلاغة ص ۵۲۶ (رقم ۶)

❸ ثم أبصرت الحقيقة ص ۱۶۱

ہے، امر واقع یہ ہے کہ وہ سب اس وقت سے اب تک بغیر امام کے ہیں، ان کی اس حالت سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ان کے خیال میں امام معصوم کے وجود کے لیے جو ضروری سبب اور مصلحت ہے وہ اسے مفقود پاتے ہیں اور یہ سراسر تناقض و تضاد ہے، اسی لیے شیعہ نے مسئلہ حصر ائمہ کے اشکال سے بچنے کے لیے ایک نئے مسئلے کو جنم دیا کہ مجتہد امام کا نائب ہوگا، نیابت کی حدود میں ان کے اقوال مختلف ہیں، عصر حاضر میں اپنے دین کی اس بنیاد کو مکمل طور سے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، اور حاکم وقت کی تعیین انتخاب کے طریقے سے کرنے لگے، حصر عدد کو چھوڑ کر حصر نوع کے قائل ہو گئے، چنانچہ ان کے نزدیک ملک کا سربراہ صرف شیعہ فقیہ ہو سکتا ہے، جب کہ وہ بالفعل وبال اتفاق غیر معصوم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی نص صریح ہوتی ہے جو اسے امامت کا اہل بناتی ہو۔

انھوں نے اپنے اس طرز عمل سے اس نظریہ امامت کو منسوخ کر دیا جس کی وجہ سے انھوں نے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا تھا، چنانچہ ان کے نزدیک ایک عام آدمی جو اہل بیت میں سے نہ ہو اپنے فقیہ ہونے کے ناتے اس بات کا اہل ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت و قیادت کرے۔

احمد کا تب نے شوریٰ سے لے کر ولایت فقیہ تک شیعہ سیاسی فکر کے ارتقاء کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور شوریٰ کے بارے میں اس نے گفتگو کی ہے اور واضح طور پر بیان کیا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی جانب بلانے میں اپنے بارے میں رسول اللہ ﷺ یا اپنے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے کسی نص پر اعتماد نہیں کیا، نیز بتایا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ شوریٰ نظام اور خلیفہ کے انتخاب میں امت کے حق کے قائل تھے، آپ کا یہ نظریہ دوبارہ اس وقت کھل کر سامنے آیا جب آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے، اور ان پر یہ شرط عائد کی کہ مسلمانوں کے مابین شوریٰ نظام لوٹنا چاہیے۔

اگر خلافت کا تعلق منجانب اللہ تھیں سے یا رسول اللہ ﷺ کی تعیین سے ہوتا تو کسی بھی حال میں حسن رضی اللہ عنہ کے لیے جائز نہ ہوتا کہ کسی کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جاتے، اس کے بعد ان کے لیے یہ بھی جائز نہ ہوتا کہ وہ معاویہ کے ہاتھ پر خود بیعت کرتے یا اپنے ساتھیوں کو ان کی بیعت کی دعوت دیتے، ان کے لیے یہ بھی جائز نہ ہوتا کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ سے چشم پوشی کرتے، بلکہ اپنے بعد ان کی تعیین کی جانب ضرور اشارہ کرتے، لیکن حسن رضی اللہ عنہ نے ایسا کچھ نہ کیا، بلکہ آپ کا طرز عمل بتاتا ہے کہ آپ شوریٰ نظام کے تحت خلیفہ کے انتخاب میں مسلمانوں کے حق کے قائل تھے، اسی طرح حسین رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری لمحات تک ان کی بیعت پر برقرار رہے اور امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کوفہ کے شیعوں کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کریں، اور صاف واضح کر دیا کہ ان کے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ایسا عہد و

بیان ہے جو توڑا نہیں جاسکتا، معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد، جنھوں نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلافت سوپ دی تھی، آپ نے لوگوں کو اپنی جانب بلایا، یزید کی بیعت کا انکار کیا، عراق جانے پر مصر رہے تا آنکہ ۶۱ھ میں آپ کو کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ ❶

ثانیاً:..... شیعہ اثنا عشریہ کی دلیلیں:

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یکون اثنا عشر امیرا“ بارہ امیر ہوں گے، پھر آپ نے ایک بات کہی جسے میں نہ سن سکا، تو میرے والد نے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے ”کلہم من قریش“ ❷ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً.))

”اسلام بارہ خلیفوں تک غالب رہے گا۔“

پھر آپ نے ایک کہی جسے میں نہ سمجھ سکا، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ آپ نے فرمایا ہے: ”کلہم من قریش“ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ ❸

حدیث کے یہ الفاظ بھی وارد ہیں:

((لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَنِيعًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً.)) ❹

”یہ دین بارہ خلیفوں تک غالب اور طاقتور رہے گا۔“

حدیث کے دوسرے الفاظ یہ بھی ہیں:

((لَا يَزَالُ أَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمْ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا.)) ❺

”بارہ لوگوں کی خلافت تک لوگوں کا معاملہ غالب رہے گا۔“

سنن ابی داؤد کی روایت ہے:

((لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا حَتَّى يَكُونَ عَلَيْكُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً، كُلُّهُمْ تَجْتَمِعُ

❶ تطور الفكر السياسي الشيعي من الشورى إلى ولاية الفقيه ص ۱۷، ۱۸

❷ صحيح البخاری، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف ۸/ ۱۲۷

❸ صحيح مسلم، کتاب الإمارة، باب الناس تبع لقریش و الخلافة فی قریش، ۲/ ۱۴۵۳

❹ صحيح مسلم، کتاب الإمارة ۲/ ۱۴۵۳

❺ صحيح مسلم کتاب الإمارة ۲/ ۱۴۵۳

عَلَيْهِ الْأُمَّةُ.)) ❶

”بارہ خلیفوں تک یہ دین مضبوطی سے قائم رہے گا، ان تمام پر امت کے لوگوں کا اتفاق ہوگا۔“
امام ابو داؤد نے جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو اسود بن سعید کے طریق سے بھی روایت کیا ہے اس میں ان الفاظ کی زیادتی ہے:

((فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ أَتَتْهُ قُرَيْشٌ فَقَالُوا: ثُمَّ يَكُونُ مَاذَا قَالَ: اَلْهَرَجُ.)) ❷

”جب آپ گھر لوٹے تو قریش کے لوگ آپ کے پاس آئے اور پوچھا: پھر کیا ہوگا، آپ نے فرمایا:
فتنة وفساد، قتل و غارت گری ہوگی۔“

شیعہ اثنا عشریہ اس حدیث سے چٹے ہوئے ہیں اور اسی سے اہل سنت کے خلاف دلیل قائم کرتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ کتب حدیث میں وارد احادیث پر یقین رکھتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ اہل سنت جس حدیث کو مانتے ہیں اسی سے ان کے خلاف دلیل قائم کریں، اس حدیث میں معروضی انداز میں پوری غیر جانبداری سے غور کرنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حدیث میں مذکور بارہ آدمیوں کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ وہ خلیفہ ہوں گے، ان کے عہد میں اسلام غالب و طاقتور ہوگا، لوگوں کا ان پر اتفاق ہوگا، ان کے عہد میں لوگوں کا معاملہ درست اور غالب رہے گا۔

لیکن یہ اوصاف ان لوگوں پر منطبق نہیں ہوتے جن کی امامت کے شیعہ اثنا عشریہ دعویٰ دار ہیں، ان میں سے صرف امیر المؤمنین علی و حسن رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوئے، خود شیعوں کی نظر میں ان بارہ میں سے کسی ایک کی مدت میں امت کا معاملہ درست نہیں رہا، بلکہ خراب رہا، ان پر ظالم بلکہ کافر حکمران مقرر ہوتے رہے۔ ❸ ائمہ خود اپنے دینی امور میں ”تقیہ“ کی آڑ لیتے تھے۔ ❹ علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت بھی ”تقیہ“ کا دور تھا، جیسا کہ اس کی صراحت ان کے شیخ ”المفید“ نے کی ہے۔ ❺ چنانچہ آپ قرآن کو غالب نہ رکھ سکے، اور بعض اسلامی احکام کو نافذ نہ کر سکے جیسا کہ اس کی صراحت ان کے شیخ ”الجزائری“ نے کی ہے، ❻ اور دین میں چھوٹ دے کر صحابہ کا تعاون و حمایت حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے جیسا کہ اس کا اقرار ان کے شیخ ”المرتضیٰ“ ❷ نے کیا ہے۔ اس لیے حدیث ایک طرف ہے،

❶ سنن ابی داؤد، کتاب المہدی ۴/ ۷۱

❷ سنن ابی داؤد ۴/ ۷۲، فتح الباری (۱۳/ ۲۱۱)

❸ منهاج السنة ۴/ ۲۱۰، المنتقى ص ۵۳۳

❹ أصول الشيعة الإمامية ۲/ ۸۱۶

❺ أصول الشيعة الإمامية ۲/ ۸۱۶

❻ أصول الشيعة الإمامية ۲/ ۸۱۶

❼ أصول الشيعة الإمامية ۲/ ۸۱۶

اور ان لوگوں کی باطل رائے دوسری طرف ہے، پھر دوسری بات یہ کہ اس حدیث میں ائمہ کے اس مخصوص تعداد میں منحصر ہونے کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ آپ کی پیشین گوئی ہے کہ اسلام ان لوگوں کے زمانے میں غالب رہے گا اور خلفائے راشدین و بنو امیہ کا زمانہ غلبہ و قوت کا زمانہ رہا۔^① اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”بعد کے مقابلے میں بنو امیہ کے زمانے میں اسلام اور اس کے قوانین زیادہ غالب اور وسیع تر تھے۔“ پھر آپ نے اس حدیث سے دلیل پیش کی:

((لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ .))

”بارہ خلیفوں تک یہ اسلام غالب رہے گا، وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔“

پھر کہا:

”معاملہ ایسا ہی ہوا، چنانچہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم خلیفہ ہوئے، پھر وہ لوگ خلیفہ ہوئے جن پر لوگوں کا اتفاق رہا، اور انھیں غلبہ و قوت حاصل رہی، یعنی معاویہ، ان کے لڑکے یزید، پھر عبدالملک نیز ان کے چار بیٹے اور انھی کے درمیان عمر بن عبدالعزیز رہے، اس کے بعد کمی ہونے لگی جو آج تک باقی ہے۔“

پھر آپ نے اس کی شرح کی۔^②

پھر آپ نے حدیث کے اس کڑے ”كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ“ کے بارے میں کہا:

”اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بارہ خلفاء علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ اگر خاص ہوتے تو ان کا کوئی امتیازی وصف بیان کیا جاتا، آپ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ سب کے سب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے اور نہ یہ کہا کہ سب عرب میں سے ہوں گے، اگر ان کا امتیاز یہ ہوتا کہ وہ بنو ہاشم یا علی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہوں گے تو اس کا تذکرہ کیا گیا ہوتا، جب آپ نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ مطلقاً قریش سے ہوں گے تو وہ کسی خاص قبیلہ کے نہیں ہوں گے، بلکہ بنو تیم، بنو عدی، بنو عبد شمس اور بنو ہاشم قبائل سے خلفائے راشدین کا تعلق تھا۔“^③

اس طرح حدیث میں وارد اوصاف میں سے صرف عدد ہی ان کے بارہ اماموں پر منطبق ہوتا ہے، اور عدد کا

کوئی مطلب نہیں ہوتا ہے۔^④

② منهاج السنة ۴/۲۰۶

① أصول الشيعة الإمامية ۲/۸۱۶

③ منهاج السنة ۴/۲۱۱

④ اصول الشيعة ۲/۸۱۸

ثالثاً:.....امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت اور خلافت سے متعلق اہل سنت کی رائے:

امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی بیعت کے بعد حجاز، یمن اور عراق وغیرہ کے تقریباً سات مہینے، دوسرے قول کے مطابق آٹھ مہینے، تیسرے قول کے مطابق چھ مہینے خلیفہ رہے۔ اس مدت میں آپ کی خلافت صحیح معنوں میں خلافت راشدہ تھی، اس لیے کہ یہ مدت اس خلافت راشدہ کی مدت کا مکملہ ہے جس کے بارے میں نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ اس کی مدت تیس سال ہوگی، پھر ملوکیت کا زمانہ آجائے گا۔❶

امام ترمذی نے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

((الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مَلِكٌ بَعْدَ ذَلِكَ .))❷

”میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔“

اس حدیث پر ابن کثیر رحمہ اللہ گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت پر تیس سال پورے ہو جاتے ہیں، آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر یہاں تک پورے تیس سال ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی، اور یہ آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔❸ اس طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما پانچویں خلیفہ راشد قرار پاتے ہیں۔“❹

امام احمد رحمہ اللہ نے سفینہ فیہ فیہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

((الْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ عَامًا ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَ ذَلِكَ الْمُلْكُ .))❺

”خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔“

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ان لفظوں میں روایت کیا ہے:

((خِلَافَةُ النَّبِيِّ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يُوتِي اللَّهُ الْمُلْكَ (أَوْ مَلَكُهُ) مَنْ يَشَاءُ .))❻

”خلافت علیٰ منہاج النبوة تیس سال رہے گی پھر اللہ تعالیٰ سلطنت یا اپنی سلطنت جسے چاہے گا دے گا۔“

❶ عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابۃ ۲/ ۷۴۳

❷ سنن الترمذی مع شرحہا تحفۃ الاحوذی ۶/ ۳۹۵، ۳۹۶، یہ حدیث حسن ہے۔

❸ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۱۳۴

❹ مآثر الأنافۃ ۱/ ۱۰۵، مرویات خلافت معاویہ للخالد الغیث ص ۱۵۵

❺ فضائل الصحابۃ (۲/ ۴۷۷)، اس کی سند حسن ہے۔

❻ سنن ابی داؤد (۳/ ۸۷۹)، سنن ابی داؤد (۲/ ۵۱۵)

آپ ﷺ کے بعد تیس سالوں میں خلفائے اربعہ وحسن رضی اللہ عنہ ہی تھے، ”الخِلاَفَةُ فِي أُمْتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً“ کی شرح کرتے ہوئے بہت سارے علما نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافت علی منہاج النبوۃ میں داخل اور اس کا تکملہ ہے۔ چنانچہ ان کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ ابوبکر ابن العربی کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ کا یہ سچا وعدہ ”أَلْخِلاَفَةُ فِي أُمْتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَعُودُ مُلْكًا“ صحیح ثابت ہوا، چنانچہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کی خلافت اور حسن رضی اللہ عنہ کی آٹھ مہینے کی خلافت تیس سال سے نہ ایک دن زیادہ ہوتی ہے اور نہ کم۔ ہم تمام چیزوں کا علم رکھنے والے رب کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں جس کے علاوہ کوئی حقیقی رب نہیں۔ ❶

۲۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے: تیس سالوں میں چاروں خلفاء کی مدت خلافت اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کے چند مہینے ہی شامل ہیں اور حدیث کے کلمے ”أَلْخِلاَفَةُ ثَلَاثُونَ سَنَةً“ میں خلافت سے مراد خلافت علی منہاج النبوۃ ہے جیسا کہ اس کی تفسیر دوسری روایتوں میں اس طرح آئی ہے:

((خِلاَفَةُ النَّبِيِّ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا)) ❷

”میرے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ تیس سال رہے گی پھر ملوکیت ہوگی۔“

۳۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے: اس بات کی دلیل کہ وہ (حسن رضی اللہ عنہ) خلفائے راشدین میں سے ہیں، وہ حدیث ہے جسے میں نے سفینہ نبی ﷺ کے طریق سے نبوت کی نشانیوں میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”أَلْخِلاَفَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا۔“ اور تیس سال حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کو لے کر پورے ہوتے ہیں۔ ❸

۴۔ شارح الطحاویہ رحمہ اللہ کا قول ہے: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت دو سال تین مہینے، عمر رضی اللہ عنہ کی ساڑھے دس سال، عثمان رضی اللہ عنہ کی بارہ سال، علی رضی اللہ عنہ کی چار سال نو مہینے، حسن رضی اللہ عنہ کی چھ مہینے تھی۔ ❹

۵۔ مناوی رحمہ اللہ نے قول رسول ﷺ ”إِنِّي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهُ يَصْلِحُ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ ❺ (میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا) کو ذکر کرنے کے بعد کہا: اور معاملہ ایسا ہی ہوا، آپ کے والد کے بعد جب آپ

❶ أحكام القرآن لابن العربي ۴ / ۱۷۲۰

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۲ / ۲۰۱

❸ البداية والنهاية ۱۱ / ۱۳۴

❹ شرح الطحاویہ ص ۵۴۵

❺ صحیح البخاری ۷ / ۹۴

کے لیے بیعت کی گئی، اور آپ چھ مہینے تک خلیفہ برحق رہے جو ان تیس سالوں کا تکملہ ہے جن کے بارے میں آپ ﷺ نے خبر دی ہے، تو یہ مدت مدت خلافت ہے، اس کے بعد ملوکیت ہے۔^①

۶۔ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے: وہ اپنے نانا کی تصریح کے مطابق آخری خلیفہ راشد ہیں، اپنے والد کے قتل کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے خلیفہ ہوئے، آپ چھ مہینے چند دن تک اس پیشین گوئی کو سچ ثابت کرتے ہوئے خلیفہ برحق، سچے اور عدل پسند حاکم رہے، جس میں آپ کے نانا رسول صادق و مصدق ﷺ نے فرمایا تھا: ”الخلافة بعدی ثلاثون سنة.“ یہ چھ مہینے ان تیس سالوں کا تکملہ ہیں، اس طرح آپ کی خلافت پرنص موجود ہے اور اس پر اجماع ہے، اس لیے اس کے برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔^②

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت برحق ہے، اور اس خلافت علی منہاج النبوة کی تکمیل ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ اس کی مدت تیس سال ہوگی۔^③ رابعاً:..... والد کے قتل کے بعد کے وہ خطبے جن کی نسبت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب صحیح نہیں ہے:

اس بحث کو یہاں اس لیے ذکر کر رہا ہوں تاکہ باطل بتا کر لوگوں کو اس سے روکا جائے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

عرفت الشر لا للشر لكن لتوقيه

و من لا يعرف الشر من الخير يقع فيه

”میں نے برائی کی معرفت صرف برائی سے بچنے کے لیے حاصل کی ہے، جو برائی کو بھلائی سے الگ

نہیں کر سکتا اس کا مرتکب ہو جاتا ہے۔“

شیعہ اثنا عشریہ نے بہت سارے خطبوں کو گھڑ کر غلط طریقے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب کر دیا

ہے، چند نمونے پیش خدمت ہیں:

((أيها الناس من عرفني فقد عرفني، و من لم يعرفني فأنا الحسن بن علي-

أنا البشير، أنا ابن النذير، أنا ابن الداعي إلى الله عز وجل بإذنه، أنا ابن

السراج المنير، وأنا من أهل البيت الذين أذهب الله عنهم الرجس و

طهرهم تطهيراً، والذين افترض الله مودتهم في كتابه إذ يقول (وَمَنْ يَقْتَرِفْ

حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا) (الشورى: ٢٣) فاقتراف الحسنة مودتنا أهل

① فيض القدير ٢/ ٤٠٩

② الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقه ٢/ ٣٩٧

③ عقيدة أهل السنة في الصحابة ٢/ ٧٤٨

البیت .)) ❶

”جو مجھے پہچانتا ہے پہچانتا ہے، جو نہیں پہچانتا ہے وہ جان لے کہ میں حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) ہوں، میں بشیر ہوں، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر کا بیٹا ہوں، میں اہل بیت میں سے ہوں، جن کی (ہر قسم کی) گندگی کو اللہ نے دور کر دیا ہے اور انھیں خوب اچھی طرح پاک کر دیا ہے، جن کی محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرض کرتے ہوئے کہا ہے جو شخص کوئی بھلائی کمائے گا ہم اس کے لیے اس نیکی میں اور نیکی بڑھا دیں گے، یہاں نیکی کرنے سے مراد ہم اہل بیت کی محبت ہے۔“

(حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں) ابوالاسود دؤلی کا ایک خطبہ گھڑتے ہوئے کہا ہے:

((ثم بکی حتی اختلفت أضلاعه ثم قال: وقد أوصی بالإمامة بعده إلی ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابنه و سليله و شبیهه فی خلقه و هدیہ و إنسی لأرجو أن یجبر الله به ما و هی ، و یسد به ما انشلم و یجمع به الشمل و یطفی به نیران الفتنة فبايعوه ترشدوا .))

”پھر وہ (ابوالاسود دؤلی) اس شدت سے رونے لگے کہ ان کی پسلیاں حرکت کرنے لگیں، پھر کہا: آپ (علی رضی اللہ عنہ) نے اپنے بعد نواسہ رسول، اپنے بیٹے، اخلاق و اطوار میں اپنے شبیہ کے لیے امامت کی وصیت کی، مجھے بلاشبہ امید ہے کہ امت کو لاحق کمزوری اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے دور کر دے گا اور جو دراڑ پڑ گئی ہے ختم کر دے گا، آپ کے ذریعہ سے اتفاق و اتحاد پیدا کر کے فتنے کی آگ کو بجھا دے گا، اس لیے ان کے لیے بیعت کر لو رشد و ہدایت پر رہو گے۔“

چنانچہ تمام شیعہ نے بیعت کر لی، صرف انھی لوگوں نے بیعت نہیں کی جو عثمانی رائے رکھتے تھے، اور وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ ❷

ان لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیجے گئے حسن رضی اللہ عنہ کے ان طویل خطوط کا ذکر کیا ہے جن میں آپ انھیں اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہیں، اپنی دلیل دیتے ہیں، اپنے زیادہ حق دار ہونے کو ثابت کرتے ہیں، حالانکہ یہ خطوط سند اور متن کے اعتبار سے ثابت نہیں ہیں، وہ صرف صحیح سندوں سے عاری شیعوں کی کتابوں میں مذکور ہیں، ساتھ ہی ان باتوں سے متعارض ہیں جو حسن رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت کے بارے میں ثابت ہیں۔ ❸

❶ مقاتل الطالبیین لأبی الفرج الاصفہانی ص ۵۱، ۵۲

❷ الأغانی لأبی الفرج الاصفہانی ۱/ ۱۲۱

❸ الوثائق السياسية والإدارية العائدة للعصر الأموی محمد ماهر حمادة ۹۰-۹۵

ان کتابوں کے بارے میں علمائے اہل سنت نے مفصل گفتگو کی ہے، ان کی خامیوں اور خرابیوں کو واضح کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کتابیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلقات، معاملات اور عقائد میں لائق حجت نہیں ہیں، سابقہ نصوص کے رد کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اصفہانی کی کتابوں ”مقاتل الطالبیین“ اور ”الأغانی“ سے ماخوذ ہیں۔ اصفہانی اور اس کی کتاب کے بارے میں علمائے کلام نے کلام کیا ہے۔

اصفہانی مؤلف کتاب ”الأغانی“

ابوالفرج اصفہانی کی کتاب ”الأغانی“ ادب، قصے، کہانیوں، گانوں اور خرافات و بے شرمی پر مشتمل کتاب ہے، کوئی علمی، تاریخی اور فقہی کتاب نہیں ہے، اہل ادب و تاریخ کے یہاں اس کا بڑا شہرہ اور چرچا ہے، علما نے عصر قدیم میں اس کے بارے میں کلام کیا ہے ان کے اقوال درج ذیل ہیں:

☆ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا قول ہے: ابوالفرج اصفہانی بہت جھوٹا شخص تھا، وہ بہت سارے صحیفوں کو خریدتا تھا اس کی تمام روایتیں انھی صحیفوں سے ماخوذ ہوتی تھیں۔

☆ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا قول ہے: اس جیسے شخص کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، اس کی کتابوں میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو اسے لازماً فاسق قرار دیتی ہیں اور شراب کی قباحت کو کم کر دیتی ہیں، بسا اوقات اسی چیز کو وہ اپنے بارے میں بیان کرتا ہے، جو کتاب ”الأغانی“ کو غور سے دیکھے گا اسے اس میں ہر قبیح و منکر چیز ملے گی۔ ❶

☆ امام ذہبی کا قول ہے: میں نے اپنے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو پایا کہ آپ اسے (اصفہانی کو) نقل و روایت میں ضعیف اور متہم قرار دیتے تھے، اور یہ کہ جو کچھ وہ ذکر کرتا تھا اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا تھا۔ ❷

اس کے بارے میں بعض معاصرین کے اقوال:

☆ فلپ حتی کی کتاب The History of Arabs کے مصادر کا جائزہ لیتے ہوئے شوقی ابو ظلیل کہتے ہیں: ”حتی نے اصفہانی کی کتاب ”الأغانی“ پر اعتماد کیا ہے، جب کہ وہ کوئی معتمد علیہ تاریخی کتاب نہیں ہے، وہ تو ادب کی کتاب ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی بھی ادبی کتاب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، بلکہ صاحب کتاب اگر ثقہ ہو اور نقل و روایت میں امین ہو تو اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، کتاب ”الأغانی“ جسے حتی نے معتمد تاریخی مرجع مانا ہے اس کے مؤلف کی ادبی و تاریخی امانت متہم ہے۔ ”میزان الاعتدال فی نقد الرجال“ میں ہے کہ اصفہانی ”حدثنا“ و ”أخبرنا“ کے ذریعہ سے اپنی کتاب ”الأغانی“ میں عجیب و غریب چیزیں ذکر کرتا ہے، جو بھی ”الأغانی“ پڑھے گا وہ

عباسیوں کی زندگی کو لبو و لعب، بے حیائی، گانوں اور شرابوں سے بھرپور پائے گا، یہ باتیں مولف کی زندگی اور اس کے خیالات سے ہم آہنگ ہیں، جو بھی تاریخ کی صحیح کتابوں کا مراجعہ کرے گا تو وہ صورت حال بالکل مختلف پائے گا کہ ان کی زندگی علم و ادب اور جہاد کی زندگی تھی، اس لیے کتاب ”الاعغانی“ لائق حجت تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔“^①

☆ ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل مشہور کا قول ہے: ایک اہم معاملے کا تذکرہ جسے بعض باحنین جانتے ہیں ضروری ہے وہ یہ کہ ابوالفرج کے شیعہ رجحانات و خیالات کا اس کی اس کتاب میں نمایاں کردار رہا ہے۔ ڈاکٹر محمد احمد خلف اللہ اپنی کتاب ”ابوالفرج الاصفہانی“ کے خاتمہ میں کہتے ہیں:

”ابوالفرج کے (شیعی) خیالات و رجحانات سے ہمیں واقفیت ہو چکی، اس لیے ہمیں ان سے بچنا چاہیے، اس شخص کی روایتوں پر جب جب اعتماد کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ کبھی وہ گمراہ کرنے والا ہوتا ہے، کبھی اس کی ذاتی رائے اور رجحان کا دخل ہوتا ہے۔ تاریخ میں ذاتی رجحانات کا حکم بالکل واضح ہے، اس حکم کے مطابق بسا اوقات وہ دوسروں پر اپنی رغبت تھوپ دیتا ہے، صرف خبروں کے ذکر ہی میں نہیں بلکہ خبروں کو چھپانے میں بھی۔“^②

بعض لوگ سوال کرتے ہیں: اس کتاب سے اتنی تفصیلی ممانعت کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ممانعت کے بہت سارے اسباب ہیں جو درج ذیل ہیں:

- ۱۔ اس کتاب کی دور دور تک شہرت کے باعث۔
 - ۲۔ اس پر بہت سارے اہل مغرب کے اعتماد کے باعث۔
 - ۳۔ اس کتاب کے اسلام، خلفاء، صحابہ کرام اور صالح و عادل فرماں رواؤں کی تنقید کی خبروں پر مشتمل ہونے کے باعث۔
 - ۴۔ بہت سارے معاصرین کی اس حرص کے باعث کہ وہ اس کتاب میں مذکور باتوں کو ثابت کریں کہ وہ درست اور سچی ہیں، جیسا کہ شفیق جبری نے اپنی کتاب ”دراسة الاعغانی“ میں کیا ہے جسے اس نے طہ حسین کی ہمت افزائی کے نتیجے میں لکھا ہے۔
- خلاصہ یہ ہے کہ ادبی اہمیت اور مؤثر و قوی اسلوب کے باوجود اس کتاب کی خبریں اور اس کے مواد غور طلب اور تنقید و تنقیح کے محتاج ہیں۔^③

① موضوعیہ فلیب حنی فی کتابہ تاریخ العرب المطول ص ۱۸۷

② ابوالفرج الاصفہانی ص ۲۳۵، کتب حذر منها العلماء ۲/ ۳۰ ③ کتب حذر منها العلماء ۲/ ۳۰، ۳۱

☆ ”السيف اليماني في نحر الأصفهاني“ کے مقدمے میں ولید اعظمی کہتے ہیں:

یہاں سے میں کتاب ”الأغاني“ پر نئے سرے سے غور کرنے لگا، جب تضعیف و توثیق، جرح و تعدیل کی کتابوں کا مراجعہ کیا تو پتہ چلا کہ اصفہانی قابل اطمینان نہیں ہے، ہمارے محقق علما کبار کے نزدیک وہ ثقہ نہیں ہے، میں نے اپنی عمر کے مکمل دو سال کتاب الأغاني پر لگائے، اس کے نصوص و اقوال کی چھان پھٹ کرتا رہا، ہر خبر کا جائزہ لیتا رہا، اس کی ایک ایک سطر اور ایک ایک کلمے کی جانچ پڑتال کی، اس کی خامیوں اور خرابیوں کو اجاگر کیا، سرحدوں کی حفاظت پر مامور مجاہدین کی طرح میں نے اس پر صبر کیا، نتیجتاً سینوں میں کینہ و شعوبیت کی آگ کو ہانڈی کی طرح جوش مارتے ہوئے پایا، دشمنوں کی تیروں کا نشانہ ہم ہیں، ان کی ہم پر بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ میں شاعر کا یہ شعر دہرانے لگا:

لو كان سهما واحدا لا تقيته

ولكنه سهم، و ثان و ثالث

’اگر ایک تیر ہوتی تو میں اس سے بچاؤ کر لیتا، لیکن تیروں کی بوچھاڑ ہے۔‘

بنابریں میں پوری طرح مستعد ہو گیا کہ حقیقت و غیر حقیقت، شہد و زہر کو الگ الگ کر دوں، اصفہانی نے جن لوگوں سے روایت کیا ہے ان کا جائزہ لینے لگا، اسماء الرجال کی کتابوں میں انھیں تلاش کرنے لگا، ان کے بارے میں وارد اقوال کو پڑھنے لگا تو ان میں ہر طرح کی خرابی پائی، انھیں کذاب، مجروح اور مطعون پایا، ان کذابوں کو چھانٹ کر الگ کیا، ان کا تعارف کرایا، پھر اصفہانی نے ہر راوی سے جو روایتیں درج کی ہیں ان کا احصاء کرنے لگا، چنانچہ دیکھا کہ ان کذابوں پر اس حد تک اعتماد کیا ہے اور ان سے اتنی روایت اور استفادہ کیا ہے کہ میں مبہوت ہو کر رہ گیا، اور اپنے آپ کو پایا کہ میں ایک دور دراز اور خوفناک وادی میں ہوں، ایک نہایت تکلیف دہ تاریک غار میں داخل ہو گیا ہوں۔

جب یہ راوی احادیث نبویہ کی روایت میں جھوٹ بول سکتے ہیں تو لوگوں کی خبروں کی بات ہی اور ہے، یہ مختلف مذاہب، فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے رجحانات و خیالات اور متعین انھیں اپنی جانب کھینچ لیتی ہیں، ان کے اہداف و مقاصد انھیں جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ کتاب ”الأغاني“، علم و فقہ اور تاریخ کے بجائے ادب، قصے، کہانیوں اور گانوں کی کتاب ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ اس میں موجود عیوب، دوسروں کی تنقیص و تخریج اور صریح جھوٹ پر خاموش رہا جائے۔

اصفہانی نے اس میں سیرت نبوی، تفسیر، فقہ اور ادب کی ساری خبروں کو جمع کیا ہے، جیسا کہ وہ (ولید اعظمی) کہتے ہیں۔ دوسری فصل میں اصفہانی نے اہل بیت کے بہت سارے واقعات اور اخبار کو ذکر کیا ہے، یہ خبریں ان کی برائیاں بیان کرتی ہیں، ان کی سیرت کو مجروح کرتی ہیں، ان آلِ بویہ کی خواہش کے مطابق ان کے معاملے کو کمزور ثابت کرتی ہیں جو جھوٹ اور غلط طور پر اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ دلاء آلِ بیت کے لیے ہونا چاہیے۔ ان خبروں کی میں نے چھان بین کی ہے، ہر واقعے پر مناسب نوٹ لکھا ہے۔

چوتھی فصل کو ایسی متفرق اخبار و حکایات کے لیے خاص کیا ہے جن میں اس نے اسلامی عقائد اور دین اسلام کو مطعون و ملعون قرار دیا ہے، جاہلیت کو اسلام سے افضل بتایا ہے، نماز، حج اور یومِ آخرت کا صراحۃً انکار کیا اور مذاق اڑایا ہے، برا مکہ کا دفاع کیا ہے، اہل فارس کی تعریف کی ہے، عرب اور مسلمانوں کے مشہور ترین لوگوں کو مختلف طریقے سے مطعون کیا ہے، ان خبروں کی بھی میں نے چھان بین کی ہے اور ہر ایک پر مناسب نوٹ لکھا ہے۔“ ①

خاتمہ میں کہتے ہیں: ابوالفرج اصفہانی کی کتاب ”الأغانی“ کے اس تفصیلی جائزے، اس کی خبروں سے واقفیت، ان کی چھان بین اور ہر ایک پر مناسب تعلیق کے بعد مجھے امید ہے کہ قاری کو اس کہنے اور حافذ شعوبی کے مقاصد کا پتہ چل گیا ہوگا، میں نے بہت سارے ایسے گندے اور گھناؤنے واقعات سے صرف نظر کیا ہے جنہیں عربوں اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن بھی نہیں لکھ سکتا ہے۔ ادب اور قصے کہانیوں کی آڑ میں ان کی بہت ساری کبار شخصیات پر لواطت اور ان کی شریف عورتوں پر ہم جنسی کی تہمت لگائی ہے، بہت سارے برے افعال اور مذموم عادات سے ان کا منہ کالا کر دیا ہے، تابناک تاریخ اور عمدہ اخلاق والے اس امت کے سلف کو برا بھلا کہنے کے بعد ہی یہ باتیں وجود میں آسکتی ہیں۔ ②

انور جندی کا قول ہے: مغرب زدہ بنانے کے مشن اور تہذیبی یلغار نے ”الأغانی“ اور ”ألف لیلة و لیلة“ دونوں کتابوں پر بڑا زور دیا ہے تاکہ انھیں اسلامی معاشرے کی تصویر کشی میں معتمد علیہ بنیادی مصادر و مراجع میں شامل کر دیں، دونوں کتابوں کے ان عیوب سے چشم پوشی کی ہے جن کی وجہ سے یہ موثق اور معتمد علیہ مراجع میں شامل نہیں ہو سکتیں، پہلی کتاب کا مؤلف اسلام کا دشمن شعوبی ہے۔ دوسری کتاب غیر معروف ہے۔

کتاب ”الأغانی“ میں سے زیادہ جلدوں پر مشتمل مفصل کتاب ہے، ابوالفرج اصفہانی نے اس کی تالیف محض اس مقصد سے کی ہے تاکہ راتوں میں قصہ گوئی کی محفلوں میں امراء اور بیکار و آسودہ حال لوگوں کو قصے

کہانیاں سنائے، اس کتاب سے علم و تاریخ مقصود نہیں ہے۔

اصفہانی خود عربوں اور مسلمانوں کے معاشرے کو پسند نہیں کرتا تھا، پیدائشی اور فکری طور پر اس کا میلان دشمنان اسلام، باطنیوں اور رافضیوں وغیرہ کی جانب تھا، اس کا یہ طرز عمل ایک سخت قسم کی جنگ تھی جو شعوبیوں نے اسلام و مسلمانوں کے خلاف چھیڑ رکھی تھی، تاکہ ان کے معاشرے کو تباہ کرنے کے لیے پہلے ان کی فکر کو تباہ کر دیا جائے، مغربیت کے غلبہ دار اور درآمد مغرب کی ادبی تنقید کے قائلین کی یہ کوشش رہی ہے کہ اس کتاب کو خوب شہرت اور رواج دیں اور ادبی تحریروں کے لیے اسے ایک قابل اعتبار مرجع اور اسلامی معاشرے کی تصویر کشی کا اہم ذریعہ بنادیں۔ ڈاکٹر طحسین (جزاء اللہ بما هو اہلہ) ان میں پیش پیش رہے، چنانچہ انھوں نے ”الاشافی“ کے قصوں پر اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں کے معاشرے اور ان کی تاریخ سے متعلق بہت سارے غلط حکم صادر کیے تاکہ ان کے ذریعہ سے اس مغربیت کے پرچار میں اپنا کردار ادا کر سکیں، جو اس صدی کی تیسری دہائی میں زور شعور سے پھیل رہی تھی۔^①

نیز (انور جندی) کہتے ہیں: اصفہانی کی سیرت کا اگر تھوڑا سا بھی جائزہ لیا جائے تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ شعوبی تھا، حصول مقصد کے لیے حیلہ سازی و مبالغہ آرائی میں معروف تھا، بہت سارے بائسن اور مورخین نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ مؤرخ نہیں تھا، اور اس کی کتاب تاریخی حیثیت کی حامل نہیں ہے، بلکہ وہ بازاروں اور کتابوں میں موجود گانوں اور لوگوں کے قصے کہانیوں کو جمع کرنے والا تھا، ایسا اس نے صرف اس لیے کیا کہ ان چیزوں کو اس اسلامی معاشرے کا ایک حصہ قرار دے دے جو بہت سارے سیاسی، اجتماعی اور فقہی پہلوؤں سے بھرپور معاشرہ تھا، بہت سے معاصرین و مورخین نے اس کے انحراف کی شہادت دی ہے، مورخ یوسفی نے ایسی شہادت دی ہے جو علما کی نظر میں موثق و معتبر مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: ابوالفرج بہت جھوٹا ہے، وہ اوراق بیچنے والوں کے بازار میں جاتا، جہاں کتابوں سے بھرپور کچھ وکانیں ہوتیں، وہاں سے بہت ساری چیزیں خرید کر گھر لاتا، پھر انھی سے اپنی روایتوں کو تیار کرتا۔^②

اس کے بارے میں صاحب ”معجم الأدباء“ کہتے ہیں: شراب نوشی، امر پرستی، عورتوں کے اوصاف بیان کرنے میں اس کا معاملہ اپنے ہم عصر اور اپنے سے پہلے کے ادباء و شعراء جیسا تھا، وہ شراب فروش تاجروں کے پاس جاتا، جن کی اکثریت یہود و نصاریٰ، صابیوں اور مجوسیوں کی تھی، شراب نوشی میں معروف تھا، جسم اور کپڑوں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا تھا۔^③

① مؤلفات فی المیزان ص ۱۰۰، کتب حذر العلماء منها ۲/۳۸

② معجم الأدباء ۵/۱۵۳

③ کتب حذر العلماء منها ۲/۳۸

انور جندی مزید کہتے ہیں: میں نہیں سمجھ پاتا کہ ایسی کتاب بائین کی نظر میں مرجع کیسے بن سکتی ہے؟ یا اس کی کوئی رائے یا قول قابل اطمینان کیسے ہو سکتا ہے؟ فکر اسلامی کے مناج نے ہمیں اس بات کا عادی بنا دیا ہے کہ اس پر کسی بھی لکھنے والے کے بارے میں دیکھیں، اگر وہ شریف، امین، اپنی حق گوئی و سچائی کے باعث لوگوں کے نزدیک محترم ہو تو ہم اس کی تحریر کو قبول کر لیں، ورنہ رد کر دیں وہ اپنی بعض تحریروں میں سچا ہو۔^①

پھر زیر عنوان ”کتاب مجنون و خلاعة“ کہتے ہیں: اصفہانی حد سے تجاوز کرنے والا تھا، لذتوں اور شہوتوں میں درجہ قباحت و شاعت تک پہنچ جاتا تھا، اس کی اس اخلاقی ساخت کا اس کی کتاب میں نمایاں اثر تھا، کتاب ”الأغانی“ بے حیائی و فحاشی کے واقعات سے بھری پڑی ہے، وہ جب ادباء و شعراء پر گفتگو کرتا ہے تو ان کے شخصی اخلاق کے کمزور پہلوؤں کا تذکرہ کرتا ہے اور سنجیدہ پہلوؤں کو نمایاں طور سے چھوڑ دیتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غسل، صفائی، ستھرائی، وقار اور سنجیدگی کی باتوں پر بہت کم توجہ دیتا تھا، اصفہانی کے اس پہلو نے اس پر اعتماد کرنے والے مصنفین کی بہت سی آراء کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ جرجی زیدان نے اپنی کتاب ”تاریخ آداب اللغة العربیة“ اور طاحسین نے اپنی کتاب ”حدیث الأربعاء“ میں جو کچھ لکھا ہے اس پر ایک طائرانہ نظر اس یقین کے لیے کافی ہوگی کہ کتاب ”الأغانی“ پر اعتماد ہی کے باعث ان دونوں بائین نے عصر عباسی کے عام لوگوں کے اخلاقی انحطاط کا ذکر کیا ہے اور یہ حکم لگایا ہے کہ عصر عباسی فسق و فجور اور بے حیائی و بیہودگی کا زمانہ تھا، بلاشبہ شعراء کی غلطیوں اور ادباء کی لغزشوں کی من جانب اصفہانی بکثرت تلاش و جستجو نے اس کتاب کو گناہ اور گمراہی کی باتوں سے بھر دیا ہے، اور لوگوں میں یہ غلط بات عام کر دی ہے کہ عبقریت کا تعلق عیش پرستی اور بیہودگی سے ہوتا ہے۔^②

یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ بائین اس بات پر مطمئن ہو جائیں کہ ”الأغانی“ کی روایتوں کو تاریخی اہمیت و حیثیت حاصل ہے، اور انہی کی اساس پر تاریخی حقائق کو مرتب کریں۔ مغربیت کی ترویج کا یہ نہایت خطرناک کارنامہ رہا ہے کہ اس نے بائین کو اس جانب متوجہ کر دیا کہ انہوں نے اسلامی معاشرے کی تصویر کشی میں ”الأغانی“ کو مرجع اور مصدر کی حیثیت دے دی، جب کہ اس کتاب میں صرف حقوق اللہ (کی پامالیوں) سے متعلق باتیں ہیں، معاشرے کے بہت سارے دوسرے سنجیدہ پہلوؤں کو چھوڑ دیا ہے، اس لیے اس کتاب پر بحیثیت مصدر اعتماد کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کی زندگی لہو و لعب والی تھی۔ طاحسین نے اس کی صراحت کی ہے اور بہت سارے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے، اور اس کے کھوٹ کو

① مؤلفات فی المیزان ص ۱۰۰-۱۰۳

② مؤلفات فی المیزان ص ۱۰۰-۱۰۳ نقلاً عن کتب حذر العلماء منها ۲/ ۴۰

ظاہر کیا ہے۔

اسی طرح مستشرق ”لامنس“ نے اپنی کتاب ”تاریخ بنی امیہ“ میں کتاب ”الأغانی“ پر اعتماد کیا ہے اور اسی طرح کی بات مستشرق ”ولہاؤزن“ نے اپنی کتاب ”الدولة العربیة و سقوطها“ میں ذکر کیا ہے۔

جبور عبدالنور نے اصفہانی کا دفاع کرتے ہوئے سوال کیا ہے: کیا یہ ضروری ہے کہ مورخ جب فاسق اور لذتوں اور شہوتوں میں حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو وہ مورخ ہی باقی نہ رہے؟ اپنی روایتوں، باتوں اور تحریروں میں سچا نہ ہو؟ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے: ہاں، اگر مغربی فکر میں ایسا نہیں ہے تو یہ دوسری بات ہے، ہماری اسلامی فکر میں ایسا ہی ہے۔ فکر اسلامی نے باحث کے علم اور اس کی شخصیت کے مابین ربط کی بنیاد پر بحث و نقد اور علم کے قواعد کو وضع کیا ہے، اگر اس کی زندگی میں انحراف، شخصیت میں اضطراب اور دین و اخلاق سے دوری ہو تو ہم اس کو ایک علمی مرجع کی حیثیت نہیں دیتے، اس کی شہادت کو قبول نہیں کرتے، اصفہانی کے موافقین و مخالفین سب اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس کی رائے ناقابل اعتبار اور اس کی شہادت ناقابل قبول ہے، اس کے فسق نے اس کی بہت ساری نفسانی خواہشات کو اس کی تحریروں میں داخل کر دیا ہے، اس کے اجتماعی، اعتقادی اور فکری انحراف کی بات ہی الگ ہے جس نے اس کی آراء کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، ساتھ ہی ساتھ کتاب ”الأغانی“ کوئی علمی مرجع نہیں ہے، بلکہ یہ دل بستگی، قصے اور کہانیوں کی کتاب ہے جو بعض عیش پرستوں کے خالی اوقات گزارنے کے لیے لکھی گئی ہے، اس لیے یہ کتاب کسی طرح علم کے لیے مصدر اور ادب و تاریخ کی بحث کے لیے مرجع نہیں ہو سکتی۔^① ہماری تاریخ کو بگاڑنے میں اس کا اہم کردار رہا ہے اس لیے اس سے آگاہ کرنا اور روکنا واجب تھا۔



(۲)

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے اہم اوصاف اور آپ کی اجتماعی زندگی

اولاً:..... آپ کے اہم اوصاف

حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کی شخصیت قائدانہ صلاحیت کی مالک تھی۔ آپ ربانی قائد کی صفات سے متصف تھے۔ ان اہم اوصاف میں سے بعض درج ذیل ہیں:

”اللہ اور یوم آخرت پر پختہ ایمان، شرعی علم، اللہ پر بھروسہ، دوسروں کے لیے نمونہ، سچائی، لیاقت و صلاحیت، بہادری، انسانیت، زہد، قربانی کا جذبہ، تواضع، نصیحت قبول کرنا، بردباری، صبر، بلند ہمتی، دور اندیشی، مضبوط نظم و نسق، عدل، مشکلات کے حل کی قدرت وغیرہ۔“

اللہ کی عطا کردہ ربانی قیادت کی صلاحیتوں کے باعث راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے اور تنفیذ کی صلاحیت رکھنے کے باوجود آپ نے اپنا مصالحانہ منصوبہ پیش کیا، آپ کی انفرادی کوششیں امت کے اتحاد پر منتج ہوئیں، جن اہم صفات پر ہم روشنی ڈالیں گے وہ یہ ہیں:

۱۔ علم:

حسن رضی اللہ عنہ نبوی گھرانے میں پلے بڑھے، چنانچہ بچپن میں آپ نے اپنے نانا ﷺ اور والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کا اثر قبول کیا، اپنے والد سے بہت سارا علم حاصل کیا، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتے تھے، ان میں آپ کے بچے اور آپ کے بچوں میں امیر المومنین حسن و حسین رضی اللہ عنہما شامل تھے، چنانچہ ان لوگوں نے آپ سے شرعی حکم بتانے کا منہج اور استنباط کا طریقہ سیکھا، جس کی خصوصیات یہ تھیں: ظاہر قرآن کا التزام، مطلق کو مقید پر محمول کرنا، مجمل کو منفر پر محمول کرنا، ناخ و منسوخ کا علم، لغت عرب پر عبور، ایک نص کو دوسرے نص کی مدد سے سمجھنا، مشکل چیز کے بارے میں استفسار، آیات کی مناسبت کا علم، عام کو خاص کرنا، عربوں کی عادات و حالات سے واقفیت، قوت فہم و وسعت ادراک وغیرہ۔ اسوۂ نبوی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصروں کے لیے تربیتی منہج رہا، چنانچہ اپنے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی قرآنی آیات کا آپ کے علم

اور آپ کی شخصیت سازی میں کافی اثر رہا، آپ کا دل پاک اور نفس صاف و ستھرا تھا اور آپ کی روح ان سے ہم آہنگ رہی۔ اس لیے آپ نے عالم وجود کی عظیم حقیقتوں کا ادراک کر لیا۔

آپ نے اپنے استاد عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ اور ابو عبدالرحمن سلمیٰ کے پاس قرآن حفظ کیا، جو کوفہ کے قاری تھے، اور ان کے والد صحابی تھے، انھوں نے علی، عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم سے حدیثوں کو روایت کیا ہے، انھی سے عاصم، عطاء، حسن اور حسین نے علم قراءت حاصل کیا، یہ صبح و شام دس دس آیتیں پڑھاتے تھے، آپ فقیہ تھے، عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں آپ کی وفات ہوئی، آپ ثقہ اور کثیر الحمدیث تھے۔“^①

عبداللہ بن مبارک، عطاء بن سائب سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم ابو عبدالرحمن سلمیٰ کے پاس گئے، آپ جاں کنی کی حالت میں تھے، ہم نے ان سے کہا: آپ بستر پر چلے جائیں، وہ زیادہ نرم ہوگا۔ انھوں نے کہا: مجھ سے فلاں شخص نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ.))^②

”جو بھی مصلیٰ پر بیٹھے نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے وہ نماز کے حکم میں ہوتا ہے۔“

ابن سعد کی روایت میں ہے:

((الْمَلَائِكَةُ تَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ.))

”فرشتے کہتے ہیں اے اللہ! اس کی مغفرت کر دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔“

ابو عبدالرحمن سلمیٰ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں ایسی حالت میں وفات پاؤں کہ میں اپنی مسجد میں

رہوں۔^③

قرآن کریم کی تعلیم میں آپ کا طریقہ وہی تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا، ابو عبدالرحمن سلمیٰ سے مروی ہے: کہتے ہیں کہ عثمان بن عفان، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ جیسے لوگ جو ہمیں قرآن پڑھاتے تھے، انھوں نے ہم سے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جب نبی کریم ﷺ سے دس آیتیں سیکھ لیتے تو ان میں موجود علم و عمل کو جب تک حاصل نہ کر لیتے آگے نہ بڑھتے تھے، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے قرآن، علم اور عمل سب ایک ساتھ سیکھا، اسی لیے ایک سورت کے یاد کرنے میں ان کا لمبا وقت لگ جاتا تھا۔^④ اسی طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مشہور ترین

① تہذیب التہذیب ۵/ ۱۸۳، ۱۸۴، الطبقات ۲/ ۱۷۳

② کتاب الزہد (رقم ۴۲۰) ص ۱۴۱، ۱۴۲

③ الفتاویٰ ۱۳/ ۱۷۷

④ الطبقات الکبریٰ ۶/ ۱۷۴، ۱۷۵

شاگرد ابو عبد الرحمن سلمی قرآن کریم کے سلسلے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے استاد مانے جاتے ہیں۔ ❶ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بھی قرآن کے حفظ و فہم اور اس پر عمل سے متعلق یہی طریقہ رہا۔

اللہ، کائنات، زندگی، جنت اور جہنم سے متعلق امیر المؤمنین حسن رضی اللہ عنہ کے خیالات:

اپنے والد کی تربیت اور قرآن کریم کے واسطے سے حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوئی، اس طرح اللہ، کائنات، زندگی، جنت و جہنم، قضا و قدر، انسان کی حقیقت اور شیطان کے ساتھ اس کی کشمکش سے متعلق حسن رضی اللہ عنہ کے خیالات قرآن کریم اور طریقہ نبوی سے مستفاد ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام نقائص سے مبرا اور لامتناہی کمالات سے متصف ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کی بیوی ہے نہ بچے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اس عبودیت و توحید کے مفہوم کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ ❷

☆ کائنات سے متعلق آپ کے خیالات ان آیتوں سے ماخوذ ہیں:

﴿قُلْ اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۝ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيْ مِنْ فَوْقِهَا وَ بَرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۚ سَوَّاهٖ لِّلسَّاعِدِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَاِلَآءِىَّ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا اَتَيْنَاكَ طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضَّهِنَّ سَبْعَ سَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا ۚ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحٍ ۚ وَ حِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝﴾

(فصلت: ۹-۱۲)

”آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کر دی، سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے، اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی، (صرف) چار دن میں، ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اس سے اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے، دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں، پس دو دن میں سات آسمان بنا دیے، اور ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام کی وحی بھیج دی اور ہم نے آسمان دنیا کو چرانگوں سے زینت دی

❶ تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان ص ۲۵

❷ منہج الرسول فی غرس الروح الجہادیۃ ص ۱۰-۱۶

اور نگہبانی کی، یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے۔“

☆ یہ زندگی جتنی بھی لمبی ہو اس کو ختم ہونا ہے اور متاع زندگی جتنی بھی عظیم ہو درحقیقت بہت مختصر اور حقیر ہے۔
ارشاد الہی ہے:

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أُنْزِلَتْهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ وَمِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُونَ عَلَيْهَا ۖ أَنهَامَا أَمْرًا لَّيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْن ۖ يَا لَآ أَمْسٍ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾ (یونس : ۲۴)

”پس دنیاوی زندگی کی حالت ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلیں، یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو چکی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم (عذاب) آ پڑا، سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی، ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔“

☆ جنت سے متعلق آپ کے خیالات قرآنی آیات سے مستفاد ہیں۔ چنانچہ یہی تصور آپ کے ذہن و دماغ پر چھایا رہتا تھا، آپ کی سیرت پڑھنے والے پر یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ آپ کے دل و دماغ کی گہرائی میں اللہ کے سامنے حاضری اور اس کے عذاب و عقاب کی سختی کا تصور رچا بسا تھا، کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ سے ہی آپ نے قضا و قدر کا مفہوم سمجھا تھا، اور یہ مفہوم آپ کے قلب و جگر میں پیوست تھا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ لَّيْسَ يُصِيبُنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝﴾

(التوبة : ۵۱)

”آپ کہہ دیجیے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کے کوئی چیز پہنچ نہیں سکتی، وہ ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔“

☆ قرآن کریم ہی سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو انسان اور شیطان کی کشمکش کی حقیقت کا پتہ چلا، یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ دشمن انسان پر ہر چہار جانب سے حملہ آور ہوتا ہے، معصیت الہی پر اسے اکساتا ہے اور اس میں نفسانی خواہشات کے جذبات کو برا بیختہ کرتا ہے، چنانچہ ابلیس لعین کے خلاف آپ اللہ کی مدد طلب کرتے، نتیجتاً

آپ اپنی زندگی میں اس کے خلاف کامیاب و کامران رہے۔

☆ آدم علیہ السلام کی غلطی سے آپ نے یہ سبق سیکھا کہ ایک مسلمان کو اپنے رب پر بھروسہ کرنا چاہیے، مومن کی زندگی میں توبہ و استغفار کی بڑی اہمیت ہے، حسد اور کبر و غرور سے بچنا ضروری ہے، ساتھیوں کے ساتھ اچھے اسلوب میں ہم کلام ہونا بہت ہی اہم ہے۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا﴾ (الاسراء: ۵۳)

”اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالائیں کیوں کہ شیطان آپس میں فساد ہے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حسن رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کی روشنی میں زندگی گزارنے کا اعزاز بخشا، چنانچہ آپ نے ایسی ہی زندگی گزاری، آپ نے اپنے اصول و فروع کو کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ سے اخذ کیا، آپ کا شمار ان ائمہ میں ہوتا ہے جو لوگوں کے لیے زندگی کی شاہراہ متعین کرتے ہیں اور جن کے اقوال و افعال اس کی زندگی میں لوگوں کے لیے نمونہ ہوا کرتے ہیں، آپ کو قرآن سے کافی شغف تھا، اسی لیے آپ کے خطبوں کی بنیاد قرآن پر ہی ہوتی تھی، چنانچہ آپ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، منبر پر سورہ ابراہیم پڑھنا شروع کر دی تا آنکہ اسے ختم کر دیا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپ جمعہ کے خطبہ میں سورہ ق کی تلاوت کیا کرتے تھے، چنانچہ امام مسلم نے ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے سورہ ق کو رسول اللہ ﷺ سے سن کر کیا ہے، آپ ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے اسے پڑھتے تھے۔ ❷

ابن ماجہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر سورہ ملک کی تلاوت کی، کئی واقعات کے ذریعہ سے آپ نے ہمیں نصیحت کی، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یا ابوذر رضی اللہ عنہ نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ میں نے اسے اب تک نہیں سنا تھا، آپ نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ❸

اسی لیے خطبے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

❶ الطبقات تحقیق السلمي ۱/ ۲۷۸، اس کی سند ضعیف ہے۔

❷ صحیح مسلم رقم ۸۷۳

❸ سنن ابن ماجہ رقم ۱۱۱۱، اس کی سند حسن ہے۔

”نبی کریم ﷺ اکثر قرآن کریم کے ذریعہ سے خطبہ دیا کرتے تھے۔“

اسی بناء پر حسن بن علیؑ قرآنی آیات کے ذریعہ سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور انھیں ان آیات کو سناتے تھے، اچھی آواز، خشوع و خضوع، تذکر اور اتقان کے ساتھ پڑھنے کا جو نبوی طریقہ تھا وہی طریقہ آپ بھی اپناتے تھے، نتیجتاً دل لرز جاتے، آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، سورہ ابراہیم جسے آپ نے منبر پر پورا پڑھا تھا، پر غور و خوض کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اہم موضوعات درج ذیل ہیں:

☆ بنیادی عقائد کو ثابت کرنا جیسے اللہ پر، رسولوں پر، قیامت پر اور حساب و کتاب پر ایمان لانا، توحید کو ثابت کرنا، آسمانوں اور زمین کے خالق معبود برحق کے اوصاف بیان کرنا، نزول قرآن کا مقصد یعنی لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی جانب لے جانے کو بیان کرنا، گمراہی سے بچانے، اللہ کی عبادت، فضائل اور بنیادی عقائد میں رسولوں کی دعوت کا متحد ہونا۔

☆ وعدہ اور وعید: کافروں کی مذمت اور کفر کے باعث انھیں سخت عذاب کی وعید اور دھمکی، مومنوں کو ان کے اچھے اعمال پر جنت کا وعدہ (آیت ۲، ۲۳، ۲۸ سے ۳۱ تک)

☆ افہام و تفہیم: آسانی کے لیے رسولوں کو انھی کی قوموں کی زبان میں بھیجنے کے بارے میں گفتگو۔ (آیت ۴۱)

☆ سابقہ رسولوں کے ساتھ ان کی قوموں کے برتاؤ کو بیان کر کے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا، اور ان کے اوپر آئے ہوئے عذابوں کو بیان کر کے نصیحت کرنا۔ (آیات ۱۸ تا ۱۹)

☆ موسیٰ علیہ السلام کی اپنے قوم سے گفتگو اور انھیں اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ (آیات ۸۳ تا ۸۵)

☆ تعمیر کعبہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی اہل مکہ کے لیے امن و امان، رزق، کعبہ کی جانب دلوں کے میلان، اپنے آپ کو اور اپنی آل و اولاد کو کی عبادت سے بچانے، بڑھاپے میں اولاد عطا کرنے پر رب کا شکر ادا کرنے، انھیں اور ان کی آل و اولاد کو نماز قائم کرنے کی توفیق دینے، اپنے، اپنے والدین اور تمام مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرنے سے متعلق دعائیں۔ (آیات ۳۵ تا ۴۱)

☆ آخرت میں جہنمیوں کے مابین گفتگو کا ایک منظر (آیات ۱۹ تا ۲۳)

☆ حق و ایمان کے کلمے اور باطل و گمراہی کے کلمے کی بہترین درخت اور خراب درخت سے مثال دینا۔

(آیات ۲۳ تا ۲۷)

☆ قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کرنا، ظالموں کو دھمکی دینا، ان کے انواع و اقسام کے عذاب کو بیان کرنا۔

(آیات ۴۲ تا ۵۲)

☆ قیامت تک عذاب کو مؤخر کرنے کی حکمت کو بیان کرنا، اور اسی پر سورت ختم ہوئی ہے۔ (آیات ۵۲ تا ۵۱)

یہ ہیں سورہ ابراہیم کے اہم موضوعات جسے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں منبر پر پڑھا تھا۔

اسی طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہ سونے کے لیے جب بستر پر لیٹتے تو سورہ کہف کی تلاوت کرتے تھے، اس سورت کی ابتداء قرآن کی صفت بیان کرنے سے شروع ہوتی ہے کہ وہ بالکل درست کتاب ہے، اس کے الفاظ و معانی میں کسی قسم کا اختلاف اور تضاد نہیں ہے، اور وہ بشارت دینے کے لیے نازل ہوئی ہے، پھر زینت و جمال اور ایسے عجائب کی جانب توجہ دلاتی ہے جو اللہ کی قدرت پر واضح طور سے دلالت کرتے ہیں، اس سورت میں اصحاب کہف، خضر و موسیٰ علیہم السلام اور ذوالقرنین کے قصوں کو بیان کیا گیا ہے۔

اصحاب کہف کا قصہ، ہدایت کی اتباع اور صحیح عقیدے کی راہ میں مال و دولت، دوست و احباب، اعزہ و اقارب، اہل و عیال اور وطن کی قربانیوں کی نہایت عمدہ اور بہترین مثال ہے، ایک بت پرست بادشاہ کی پکڑ سے بچنے کے لیے یہ مومن نوجوان اپنے دین کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے، اور پہاڑ کے ایک غار میں اکٹھے ہوئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تین سو نو ہجری سال تک سلا دیا، پھر انھیں اٹھایا تاکہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے دوبارہ پیدا کرنے اور اٹھانے پر اپنی قدرت کی دلیل قائم کر دے۔

قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تواضع اپنائیں، فقیر مومنوں کے ساتھ انھیں بیٹھیں، اور دین کی دعوت دینے کے لیے جا جا کر صرف مالداروں کے پاس نہ بیٹھیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ﴾ (الکہف: ۲۸)

”اور اپنے آپ کو انھی کے ساتھ رکھا کرو جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے حق کو ظاہر کرنے کے بعد کافروں کو دھمکی دی ہے اور آخرت میں ان کے لیے جو سخت عذاب تیار کر رکھا ہے اس کا تذکرہ کیا ہے، نیز اس کا ان جنتوں سے کیا ہے جنھیں اس نے صالح مومنوں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ (آیات ۳۰ تا ۳۱)

ساتھ سے اٹھتر نمبر کی آیات میں مذکور خضر و موسیٰ علیہم السلام کا قصہ حصول علم میں علما کے لیے تواضع کی ایک بہترین مثال ہے اور یہ کہ دین کے اصول و فروع کے علاوہ ایک نیک بندے کے پاس کچھ ایسی باتوں کا علم ہو سکتا ہے جو انبیاء کے پاس نہ ہو، اس کی دلیل کشتی میں سوراخ کر دینا، بچے کو قتل کرنے کا واقعہ پیش آنا، اور گرتی دیوار کو ٹھیک کر دینا ہے۔

تراسی سے ننانوے تک کی آیتوں میں مذکور ذوالقرنین کے قصہ میں حاکموں اور بادشاہوں کے لیے عبرت ہے، اس لیے کہ یہ بادشاہ متقی، عادل اور صالح ہونے کے باعث سد بنا سکا اور دنیا پر حکومت قائم کر سکا، اسی قصے کے انشاء میں امر واقع سے مستفاد تین بہترین قسم کی مثالیں یہ ظاہر کرنے کے لیے ملتی ہیں کہ حق کا تعلق حکومت و مالداری سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ایمان سے ہے، سب سے پہلی مثال دو باغ والوں کا قصہ ہے جس میں اپنے مال پر مغرور مالدار اور اپنے ایمان پر فخر کرنے والے فقیر کے مابین موازنہ کیا گیا ہے تاکہ غریب مومنوں اور مالدار مشرکوں کی حالت بیان کی جائے۔

دوسری مثال دنیاوی زندگی کی ہے تاکہ لوگوں کو آگاہ کیا جاسکے کہ یہ دنیا فنا اور ختم ہونے والا ہے، اس کے بعد ہی قیامت کے بعض ہیبت ناک مناظر کو ذکر کیا گیا ہے، جیسے پہاڑوں کا چلانا، لوگوں کو میدان محشر میں جمع کرنا، لوگوں میں ان کے نامہ اعمال کو تقسیم کرنا۔

تیسری مثال ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرنے کا واقعہ ہے، تاکہ کبر و غرور اور اس کے نتیجے میں شیطان کو راندہ درگاہ کرنے اور لوگوں کو اس کے شر سے آگاہ کرنے کے مابین اور اللہ کی عبودیت و تواضع اور اس کے نتیجے میں اللہ کی خوشنودی کے مابین موازنہ کیا جاسکے۔

اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ نصیحت و موعظت کے لیے، اللہ کی آیتوں سے اعراض کرنے پر ڈرانے، اور ان پر عمل کرنے پر بشارت دینے جیسی رسولوں کی ذمہ داریوں کو واضح کرنے کے لیے مثالوں کو بیان کرنے پر قرآن مجید میں کافی توجہ دی گئی ہے، سورت کا خاتمہ تین موضوعات پر ہوا ہے: پہلا کفار کے اعمال کے ناکارہ ہونے اور آخرت میں مفید نہ ہونے کا اعلان (۱۰۰-۱۰۶)۔ دوسرا نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو ابدی نعمتوں کی خوش خبری (۱۰۷-۱۰۸)۔ تیسرا یہ کہ اللہ کا علم لامتناہی و لامحدود ہے (۱۰۹-۱۱۰)۔ آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تواضع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الكهف: ۱۱۰)

”آپ کہہ دیجیے کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں، (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود بحق صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“

یعنی اے محمد! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں انسان ہونے میں تمہیں جیسا ہوں، نہ تو میں فرشتہ ہوں اور نہ

ہی معبود، مجھے صرف انہی چیزوں کا علم ہے جنہیں میرے رب نے مجھے بتایا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ معبود بحق صرف اللہ تعالیٰ کی تہا و بے نیاز ذات ہے، اس کی الوہیت میں کوئی بھی شریک نہیں، جس معبود کی تمہیں لازمی طور سے عبادت کرنی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾

(الکہف: ۱۱۰)

”تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے، اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“

یعنی جسے اللہ کی ملاقات پر ایمان ہو، اور اس کی اطاعت کے عوض ثواب کی امید ہو تو اسے نیک اعمال کے ذریعہ سے اس کی قربت حاصل کرنی اور صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اس کی عبادت میں کسی بھی دوسری مخلوق کو شریک کرنے سے بچنا چاہیے، چاہے وہ شرک جلی ہو جیسے بتوں کی پوجا، یا غیر اللہ کو پکارنا، یا کسی مخلوق کے لیے نذر ماننا یا اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ کوئی انسان ایسا فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہے جو اللہ کے لیے خاص ہے یا اللہ کے شایانِ شان خوف و امید اور محبت جیسی عبادتوں کو غیر اللہ کی جانب پھیر دینا، یا شرک خفی ہو جیسے ریا کاری، دکھاوے اور شہرت کے لیے کوئی کام کرنا۔^①

ریا کاری شرک اصغر ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ہے:

”تمہارے سلسلے میں مجھے سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے، لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا کاری، روز قیامت جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے رہا ہوگا فرمائے گا: ان کے پاس جاؤ جس کے لیے دنیا میں تم ریا کاری کرتے تھے اور دیکھو کیا تم ان کے پاس کوئی بدلہ پاتے ہو۔“^②

آیت کریمہ نے قبولیت اعمال کی دونوں شرطوں کو ذکر کیا ہے:

۱۔ اتباع رسول جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے: فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔

۲۔ عبادت صرف اللہ کی کی جائے، جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

((وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا))

ان معانی اور آیات کو حسن علیؑ ہر روز نہایت غور و فکر سے پڑھتے تھے، جن کا آپ کی ذات اور زندگی پر کافی

① التفسیر المنیر ۴۳/۱۶

② مسند أحمد ۵/۴۲۸، ۴۲۹ اس کی سند حسن ہے۔

اثر تھا، اسی طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما سیرت النبی کا کافی اہتمام کرتے تھے۔ سیرت النبی کا علم اس دور کی ثقافت کا اہم جز تھا، چنانچہ اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں: میرے والد ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے بارے میں بتلاتے تھے، ہم سے ان کا تذکرہ کرتے اور فرماتے: یہ تمہارے آباء و اجداد کے کارنامے ہیں، انہیں فراموش نہ کرو۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہمیں قرآن کی سورت کی مانند ہی مغازی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ❷

رہا معاملہ حدیث رسول کا تو آپ کے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں احادیث رسول ﷺ کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے، اس کے اسباب یہ ہیں کہ بقیہ خلفاء کے بعد آپ کی وفات ہوئی ہے، آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے، ایسے تابعین جو علم حاصل کرنے والے اور زیادہ سوال کرنے والے تھے مختلف مقامات میں پھیل چکے تھے، ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے جو احادیث کی روایت اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کے متقاضی تھے، چنانچہ راویوں نے آپ سے وہ تمام روایتیں پوری امانت و دیانت کے ساتھ نقل کیں جو انہیں ملیں، آپ سے آپ کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ نے بھرپور استفادہ کیا۔

حسن رضی اللہ عنہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے نانا رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی، لیکن آپ رضی اللہ عنہ سے بہت سارے واقعات اور احادیث کو آپ نے سیکھ لیا تھا، اور آپ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کر کے ان کو ذکر کیا ہے جیسا کہ میں نے پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو طلب علم پر ابھارتے چنانچہ آپ نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو بلا کر کہا: اے میرے بیٹو اور بھتیجو! تم آج چھوٹے ہو، عنقریب تم بڑے ہو جاؤ گے، اس لیے علم کو سیکھو، تم میں سے جو یاد کر لینے یا روایت کرنے سے قاصر ہو تو وہ لکھ کر اپنے گھر میں رکھو۔ ❸

آپ رضی اللہ عنہ قادر الکلام خطیب تھے۔ ایک دن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حسن کھڑے ہو، اور تقریر کر، انھوں نے کہا: آپ کو دیکھ کر تقریر کرتے ہوئے میں ڈرتا ہوں، چنانچہ آپ وہاں سے ہٹ کر ایسی جگہ چلے گئے جہاں سے آپ سن سکیں، اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکیں، چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد تقریر کی۔ ❹ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

❶ البداية والنهاية ۲/ ۲۴۲

❷ البداية والنهاية ۲/ ۲۴۲، السيرة النبوية للصلامي ۱/ ۶

❸ الطبقات ۱/ ۲۹۲ تحقیق السلمي، اس کی سند حسن ہے۔

❹ الطبقات ۱/ ۲۷۶، اس کی سند ضعیف اور مرسل ہے۔

﴿ذَرِيَّةٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۴)

”سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ تعالیٰ سنتا اور جانتا ہے۔“

خطابت، فصاحت و بلاغت اور قوت بیان حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا اور والد سے ورثے میں ملی تھی، تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ سے مروت سے متعلق بعض چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا: اے میرے لاڈلے! ”سداد“ کیا ہے؟ جواب دیا: اے والد محترم! ”سداد“ نام ہے بری بات کا جواب بھلی بات سے دینے کا، پوچھا: شرف کیا ہے؟ جواب دیا: آپس داری اور ہمدردی برتنا، پوچھا: مروت کیا ہے؟ جواب دیا: پاک دامنی اور اپنے مال کی اصلاح۔ پوچھا: دقت کیا ہے؟ جواب دیا: معمولی چیز میں تامل اور حقیر چیز کو نہ دینا۔ پوچھا: ”لوم“ کیا ہے؟ جواب دیا: انسان کا اپنی حفاظت کرنا، اور اپنی بیوی کو بے حفاظت چھوڑ دینا۔ پوچھا: سماحت کیا ہے؟ جواب دیا: تنگ دستی اور مال داری دونوں صورتوں میں خرچ کرنا، پوچھا: شح کیا ہے؟ جواب دیا: تمھارے پاس جو موجود ہو اسے باعث شرف اور جو خرچ کر دو اسے ضائع ہو جانے والی چیز سمجھو، پوچھا: إرخاء کیا ہے؟ جواب دیا: مشکل اور آسانی دونوں صورتوں میں وفاداری کا ثبوت دینا، پوچھا: جبن کیا ہے؟ جواب دیا: دوست کے خلاف شیر بننا اور دشمن کے خلاف بلی بن جانا، پوچھا: غیبت کیا ہے؟ جواب دیا: تقویٰ کی رغبت اور دنیا سے بے رغبتی، پوچھا: حلم کیا ہے؟ جواب دیا: غصہ پی جانا اور نفس کو قابو میں رکھنا، پوچھا: غنا کیا ہے؟ جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ رزق پر چاہے کم ہی کیوں نہ ہو راضی رہنا، اس لیے کہ اصل مال داری دل کی مال داری ہے، پوچھا: فقر کیا ہے؟ جواب دیا: نفس ہر چیز کا لالچی ہو، پوچھا: ذل کیا ہے؟ جواب دیا: بھرپور وار سے گھبرا کر بھاگنا، پوچھا: جرأت کیا ہے؟ جواب دیا: ساتھیوں کے ساتھ رہنا، پوچھا: کلفت کیا ہے؟ جواب دیا: لالچینی بات کرنا۔ پوچھا: مجد کیا ہے؟ جواب دیا: مصیبت میں دینا اور جرم کو معاف کر دینا، پوچھا: عقل کیا ہے؟ جواب دیا: دل سے جن چیزوں کی حفاظت کا مطالبہ کیا جائے دل کا ان کی حفاظت کرنا۔ پوچھا: خرق (حمالت) کیا ہے؟ جواب دیا: حاکم وقت سے دشمنی کرنا اور بلند آواز سے اس سے گفتگو کرنا، پوچھا: حزم کیا ہے؟ جواب دیا: ذمہ داروں کے ساتھ سوچ سمجھ اور آسانی سے پیش آنا، لوگوں کے سلسلے میں بدگمانی سے بچنا، پوچھا: شرف کیا ہے؟ جواب دیا: بھائیوں کی موافقت اور پڑوسیوں کی حفاظت، پوچھا: سفہ (بے وقوفی) کیا ہے؟ جواب دیا: گھٹیا لوگوں کی اتباع اور بھٹکے ہوئے لوگوں کے ساتھ رہنا، پوچھا: غفلت کیا ہے؟ جواب دیا: مسجد کو چھوڑ دینا اور مفسد کی اطاعت کرنا۔ پوچھا: حرمان کیا ہے؟ جواب دیا: جو حصہ تمھیں دیا جا رہا ہو اسے چھوڑ دینا۔ پوچھا: سید کون ہے؟ جواب دیا: جو مال کے سلسلے میں زیادہ چالاکی برتنے والا نہ ہو، عزت و آبرو میں تشدد نہ ہو، اسے گالیاں دی جائیں تو اس کا جواب نہ دے، قبیلہ کے لوگوں کا خیال رکھے، پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے لاڈلے میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے

ہوئے سنا ہے:

((لَا فَقْرَ أَشَدُّ مِنَ الْجَهْلِ، وَلَا مَالٌ أَعْوَدُ مِنَ الْعَقْلِ، وَلَا وَحْدَةٌ أَوْحَشُ مِنَ الْعَجَبِ، وَلَا مُظَاهَرَةٌ أَوْثَقُ مِنَ الْمُشَاوَرَةِ، وَلَا عَقْلٌ كَالْتَذْيِيرِ وَلَا حَسَبٌ كَحُسْنِ الْخُلُقِ، وَلَا وَرَعٌ كَالْكَفِّ، وَلَا عِبَادَةٌ كَالْتَفَكُّرِ، وَلَا إِيمَانٌ كَالْحَيَاءِ، وَرَأْسُ الْإِيمَانِ الصَّبْرُ، وَآفَةُ الْحَدِيثِ الْكُذْبُ، وَآفَةُ الْعِلْمِ النَّسْيَانُ، وَآفَةُ الْحِلْمِ السَّفَهُ، وَآفَةُ الْعِبَادَةِ الْفُتْرَةُ، وَآفَةُ الظَّرْفِ الصَّلَفُ، وَآفَةُ الشُّجَاعَةِ الْبَغْيُ، وَآفَةُ السَّمَاخَةِ الْمَنُّ، وَآفَةُ الْجَمَالِ الْخِيَلُ وَآفَةُ الْحُبِّ الْفُخْرُ.))

”جہالت سے بڑھ کر کوئی فقیری نہیں، عقل سے بڑھ کر کوئی مال نفع بخش نہیں، کبر و غرور سے زیادہ وحشت ناک کوئی تہائی نہیں، مشاورت سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز قابل بھروسہ نہیں، تذییر جیسی کوئی عقلندی نہیں، حسن اخلاق جیسی کوئی قابل عزت چیز نہیں، گناہوں سے باز رہنے جیسا کوئی تقویٰ نہیں، کائنات میں غور و فکر جیسی کوئی عبادت نہیں، حیا جیسا ایمان کا کوئی جز نہیں، ایمان کا اعلیٰ ترین جز صبر ہے، گفتگو کی آفت جھوٹ ہے، علم کی آفت بھولنا ہے، بردباری کی آفت حماقت ہے، عبادت کی آفت سستی ہے، دانائی کی آفت شیخی ہے، بہادری کی آفت بغاوت ہے، بھلائی کی آفت احسان جتلانا ہے، جمال کی آفت گھمنڈ ہے، محبت کی آفت فخر ہے۔“

پھر علیؓ نے فرمایا: اے میرے لاڈلے! کسی شخص کو ہرگز حقیر نہ سمجھو، اگر تم سے بڑا ہو تو اسے اپنے باپ جیسا اور اگر تمہارے جیسا ہو تو اسے اپنے بھائی جیسا، اور اگر تم سے چھوٹا ہو تو اسے اپنے بیٹے جیسا سمجھو، مروت کی انہی چیزوں کے بارے میں علیؓ نے اپنے بیٹے سے سوال کیا تھا۔

قاضی ابوالفرج فرماتے ہیں: ان مذکورہ باتوں میں بہت ساری حکمتیں اور فوائد مضمّن ہیں، ان سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو ان کی رعایت کرے، حفاظت کرے، یاد رکھے، ان پر عمل کرے، جو ان پر عمل کرے، ان کی جانب رجوع کر کے اپنے نفس کو مودب و مہذب بنائے، ان پر عمل کرنے سے بھرپور فائدہ حاصل ہوگا۔

نبی کریم ﷺ سے امیر المومنین اور آپ کے اصحاب کی روایت کردہ حدیثوں کے حفظ اور ان میں غور و فکر سے کوئی بھی صاحب عقل و حکمت نیز قوم کا سردار مستغنی نہیں، نیک بخت وہ ہے جسے انہیں اپنانے کی توفیق ہوئی، نصیب والا وہ شخص ہے جسے ان کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کا موقع ملا۔ ❶

ابن کثیرؒ اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: لیکن یہ اثر اور اس میں مذکور مرفوع حدیث ضعیف ہے، اس کی متن میں نکارت کے ایسے الفاظ ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ محفوظ نہیں ہے۔ واللہ أعلم۔^①

مذکورہ امور جو کتاب و سنت سے متعارض نہیں، نہ ہی ان پر کسی عقیدے اور عبادت کی بنیاد ہے، بلکہ وہ مکارم اخلاق کی دعوت دیتے ہیں، تو انھیں مان لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

امیر المومنین علیؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ سے پوچھا: ایمان و یقین کے مابین کتنی مسافت ہے؟ حسنؓ نے جواب دیا: چار انگل، امیر المومنین علیؓ نے پوچھا کیسے؟ حسنؓ نے جواب دیا: ایمان ہر وہ چیز ہے جسے تمھارے کان سنیں اور تمھارا دل اس کی تصدیق کرے، اور یقین ہر وہ چیز ہے جسے تمھاری آنکھیں دیکھیں اور تمھارا دل اس پر یقین کرے، اور آنکھ و کان کے مابین چار انگل سے زیادہ دوری نہیں ہے۔^②

آپ کے اقوال میں سے درج ذیل چیزیں ہیں:

((حُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ .))^③

”اچھے ڈھنگ سے سوال نصف علم ہے۔“

خاموشی کے بارے میں پوچھے جانے پر آپ نے فرمایا:

((هُوَ سِتْرُ الْعَيْبِ أَوْ زَيْنُ الْعَرَضِ - وَفَاعِلُهُ فِي رَاحَةٍ وَجَلِيسُهُ فِي أَمَانٍ))^④

”وہ عیب کی پردہ پوشی یا عزت و آبرو کی زینت ہے۔ خاموشی اختیار کرنے والا آرام میں ہوتا ہے۔“

اور اس کا ہم نشین امن و امان میں ہوتا ہے۔“

آپ نے عربی زبان سیکھنے کی وصیت کی ہے۔^⑤ عربی زبان سیکھنے کے سلسلے میں آپ کی تاکید، پڑھنے بالخصوص قرآنی آیات پڑھنے میں قواعد کے تطبیق کی ضرورت کی تاکید ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان ہی میں قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے، اور اسی میں اپنے دین کے احکام و فرائض کو بتلایا ہے، اسی میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا پیغام رسالت پہنچایا، اسی کے ذریعہ سے احادیث نبویہ کی تعلیم دی، اسی میں علم و حکمت اور دینی امور پر

① البدایة والنهاية ۱۱/۲۰۲ الطبرانی الکبیر ، یہ حدیث موضوع ہے۔

② التبيين فی انساب القرشيين ص ۱۲۷

③ نور الأبصار للشبلنجی (ص ۱۲۲)، الحسن بن علی رسالة ماجستير (ص ۳۸)

④ من أقوال الصحابة ص ۶۷ نقلًا عن الحسن بن علی رسالة ماجستير ص ۳۸

⑤ مفتاح السعادة، احمد مصطفى ۲/۸۲ نقلًا عن الحسن بن علی

مشتمل کتابیں تصنیف کی گئیں، اس لیے ہر نو عمر پر عربی زبان سیکھنا لازمی ہے، ورنہ وہ دین سے جاہل و علم میں ناقص رہے گا، ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید فصاحت و بلاغت و بیان اور سننے میں مٹھاس سے بھرپور ہے۔^①

اسی طرح عربی زبان سیکھنے کے سلسلے میں حسن رضی اللہ عنہ کی تاکید یہ بتلاتی ہے کہ آپ عربی زبان کے ماہر تھے، چنانچہ آپ کا شمار فصحاء عرب میں ہوتا تھا۔ عمرو بن العلاء کا قول ہے:

((ما رأيت أفصح من الحسن بن علي رضي الله عنهما.))^②

”میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ فصیح شخص کو نہیں دیکھا۔“

حسن رضی اللہ عنہ کے بہت سارے ہونہار شاگرد تھے، جن میں سے آپ کے بیٹے حسن، مسیب بن نجبه، سويد بن غفله، علاء بن عبد الرحمن، شعبي، بهيره بن مریم، اصغ بن نباتہ، جابر بن خالد، ابو الحوراء، عیسیٰ بن مامون بن زرارہ، ابو یحییٰ عمیر بن سعید نخعی، ابو مریم قیس ثقفی، طرب عیسیٰ، محمد بن اسحاق کے والد اسحاق بن یسار، سفیان بن لیث اور عمر بن قیس تھے۔^③ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کے وقت دنیاوی و ذاتی مصلحت پر امت کے اتحاد اور خون کی حفاظت کو مقدم رکھنے سے متعلق شریعت کے مقاصد کی گہری معرفت اور مصالح و مفاسد کے جاننے میں آپ کی باریک بینی اور علمی تجربہ کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ آپ کی عبادت:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کافی عبادت گزار تھے، عبادت کے وسیع مفہوم کو آپ نے اپنی زندگی میں برتا، عبادت کا شوق آپ کو خاندان نبوت سے بچپن ہی میں حاصل ہو چکا تھا، آپ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے تربیت یافتہ تھے جو اپنے والد ﷺ کے پاس خادم طلب کرنے آتی ہیں تو آپ انھیں اس سے بہتر چیز تسبیح و تحمید اور تہلیل و تکبیر کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے اور ان کے شوہر سے رات میں جب کہ وہ بستر پر ہوتے کہتے: اٹھو نماز پڑھو، چنانچہ آپ نے زہد و عبادت، ورع و تقویٰ اور حلم و صبر سے معمور خانوادے میں آنکھیں کھولیں، یہ بنیادی باتیں، مفاتیح اور اعلیٰ قدریں آپ کی زندگی میں اس قدر رچ بس گئیں کہ آپ ان میں ضرب المثل ہو گئے، آپ کے معاصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر نیک لوگ اس کی شہادت دیتے ہیں۔

☆ آپ شعوری طور پر عبادت گزار تھے، یقین کے ساتھ آپ اللہ والے تھے، دنیا اور اس کے مشاغل سے پوری رضا مندی اور اطمینان کے ساتھ بے رغبت تھے، اسی لیے جب آپ وضو کر کے فارغ ہوتے تو آپ

① نصیحة الملوك (ص ۳۵۰)، للماوردي

② الکامل فی التاريخ ۴/ ۱۳۲

③ تاریخ دمشق ۵/ ۱۴

کارنگ بدل جاتا، اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا: جو عرش والے کے حضور جانے کا ارادہ کرے اس کا رنگ بدل جانا چاہیے۔^①

ابن سعد کا قول ہے:

((مَا رَأَيْتُ أَحْوَفَ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، كَأَنَّ النَّارَ لَمْ تَخْلُقْ إِلَّا لَهُمَا .))^②

”میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے کو نہیں دیکھا، ایسا لگتا تھا کہ جہنم انہی کے لیے بنائی گئی ہے۔“

بندہ جس قدر اپنے رب سے قریب ہوتا ہے، اس کے اسماء اور صفات کمالیہ سے جس قدر آگاہ ہوتا ہے اسی قدر اللہ سے اس کا خوف اور اس کی ہیبت بڑھ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال بدلتا رہتا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿ قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ نُورِي الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِنْ تَشَاءُ وَ تُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَ تُزِيلُ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ﴾ (آل عمران: ۲۶)

”آپ کہہ دیجیے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے، اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے، اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

وہ حکومتوں کو پلٹ دیتا ہے، ایک حکومت کو ختم کرتا ہے، دوسری حکومت کو لاتا ہے، فرشتے معاملات کو لے کر اس کے پاس جاتے ہیں اور اس کے پاس سے آتے رہتے ہیں، اس کے اوامر صادر ہوتے ہیں اور اس کی چاہت کے مطابق نافذ ہوتے رہتے ہیں، وہ جو چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے جس وقت چاہتا ہے اور جس طریقے سے چاہتا ہے بلا کم و کاست اور بغیر تقدیم و تاخیر کے وجود میں آجاتا ہے، اسی کی سلطنت ہے آسمانوں میں، زمین اور اس پر موجود تمام چیزوں میں، سمندروں میں، فضاؤں میں، اور دنیا کے تمام حصوں میں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں الٹ پھیر اور تصرف کرتا ہے۔^③

فرمان الہی ہے:

﴿ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝ ﴾ (السجدة: ۵)

② الطبقات الكبرى ۵/ ۳۹۸

① وفیات الاعیان ۲/ ۶۹

③ الإيمان أولا فکیف نبدا به، مجدی الہلالی ص ۷۳

”وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، پھر (وہ کام) ایک ایسے دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔“

آسمانوں اور زمین میں، سمندروں کی گہرائیوں اور پہاڑوں کی تہوں میں کوئی بھی ذرہ اللہ سے مخفی نہیں، فرمان الہی ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمَةٍ إِلَّا رُحْبٌ وَلَا رُطْبٌ وَلَا يَاسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝﴾

(الانعام: ۵۹)

”اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں غیب کی کتبیاں (خزانے)، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے، اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے، جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔“

اللہ کی عظمت و جلال کا شعور اور اس کے اسماء و صفات کی معرفت، بندے میں اللہ کا ڈر اور خوف اور اس کی خشیت پیدا کرتی ہے، فرمان الہی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظَلَمُ لَهُمُ بِالْعُدُوِّ وَالْاَصَالِ ۝﴾

(الرعد: ۱۵)

”اللہ ہی کے لیے زمین اور آسمان کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام۔“

☆ حسن بن علیؑ مسجد نبویؐ میں فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے اللہ کے ذکر و فکر میں مشغول رہتے تا آنکہ سورج بلند ہو جاتا، آپ کے پاس سردار قسم کے لوگ بیٹھ کر باتیں کرتے، پھر آپ اٹھ کر امہات المؤمنین کے پاس جاتے، ان سے سلام کرتے، بسا اوقات وہ آپ کو تحفہ سے نوازتیں، پھر آپ گھر لوٹ جاتے۔

ان نیک بختوں میں سے جن کے لیے فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھ کر اپنی نماز کی جگہ بیٹھے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ امام احمد کی روایت کردہ یہ حدیث بتلاتی ہے:

① الإيمان أولاً فكيف نبداً به، مجلدى الهلالى (ص ۷۶)

② البداية والنهاية ۱۱/ ۱۹۳، ۱۹۴

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَصَلَاةِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ.)) ❶

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو بھی با وضو اپنی نماز کی جگہ میں جہاں اس نے نماز پڑھی ہے جب تک رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں، اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما دے اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔“
 ((وَإِنْ جَلَسَ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ وَصَلَّاتُهُمْ عَلَيْهِ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ.)) ❷

”اگر بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں ان کی دعا یہ ہوتی ہے: اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما، اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔“

امام احمد نے عطاء بن سائب کی حدیث کو نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ”میں ابو عبد الرحمن سلمی کے پاس گیا، وہ نماز فجر پڑھ کر بیٹھے تھے، میں نے کہا: اگر آپ اپنے بستر پر چلے جاتے تو وہ آپ کے لیے زیادہ آرام دہ تھا، انھوں نے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: جو شخص نماز فجر پڑھ کر اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، ان کی دعائے مغفرت یہ ہے: اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما، اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔ اور جو (بیٹھ کر) نماز کا انتظار کرتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، ان کی دعا یہ ہے: اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما، اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔“ ❸

شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن کے لیے گھر میں طلوع آفتاب تک ٹھہرنے، پھر اشراق کی دو رکعتوں کو پڑھنے کا ثواب مسجد میں ٹھہرنے کے ثواب کے برابر ہے، تو آپ نے جواب دیا: اس عمل میں کافی بھلائی اور عظیم اجر ہے، لیکن اس سلسلے میں وارد حدیثوں کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو وہی اجر نہیں ملے گا، یہ اجر اسی کو ملے گا جو مسجد میں اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے، لیکن بیماری اور خوف کے باعث اگر کوئی فجر کی نماز اپنے گھر میں پڑھ کر نماز کی جگہ بیٹھ کر اللہ کے ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے یا قرآن کی تلاوت کرتا ہے تا آنکہ سورج بلند ہو جائے پھر وہ اشراق کی دو رکعتیں پڑھتا ہے، تو اسے وہ اجر ملے گا جو حدیثوں

❶ مسند احمد رقم ۸۱۰۶، احمد شاکر نے اس کی تصحیح کی ہے۔

❷ مسند احمد رقم ۱۲۱۸، احمد شاکر نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

❸ مسند احمد ۲/۳۰۵، ۳۰۶، احمد شاکر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

میں وارد ہے، اس لیے کہ اس نے معذور ہونے کے باعث اپنے گھر میں نماز پڑھی ہے، اسی طرح عورت جب نماز فجر کے بعد اپنی نماز کی جگہ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہے یا قرآن کی تلاوت کرتی ہے تا آنکہ سورج بلند ہو جائے، پھر وہ اشراق کی دو رکعتیں پڑھتی ہے تو اس کو وہی اجر ملے گا جو حدیثوں میں وارد ہے۔^①

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سیرت ہمیں بوقت صبح ذکر الہی کی اہمیت سکھاتی ہے اور اس وقت نہ سونے کی ترغیب دلاتی ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ بوقت صبح ذکر الہی کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”فقہائے کرام کے نزدیک نماز صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان سونا مکروہ ہے، وہ تو (ثوابوں کا) خزانہ سمیٹنے کا وقت ہوتا ہے، زاہدوں کے نزدیک اس وقت اللہ کی جانب متوجہ ہونے کی ایک خاص خصوصیت ہے، اگر رات بھر اللہ کی جانب متوجہ ہو کر عبادت کرتے رہے ہوں تو بھی اس وقت طلوع آفتاب تک عبادت منقطع نہیں کرتے ہیں، اس لیے کہ اسی وقت سے دن کی ابتدا ہوتی ہے، اسی وقت روزیاں نازل ہوتی ہیں اور تقسیم کی جاتی ہیں، اسی وقت برکتوں کا نزول ہوتا ہے، وہیں سے دن شروع ہوتا ہے، دن کے اسی حصے کے حکم پر پورے دن کا حکم مرتب ہوتا ہے، اس لیے اضطرابی حالت ہی میں اس وقت سونا چاہیے۔“^②

اس وقت کی فضیلت اور اس میں اللہ کی عبادت کی اہمیت کے باعث اس وقت ذکر الہی میں مشغول رہنے کی احادیث میں شدید ترغیب دلائی گئی ہے، چنانچہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ تَعَالَى حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ تَامَةٍ تَامَةٍ.))^③

”جس نے نماز فجر باجماعت پڑھی، پھر بیٹھا طلوع آفتاب تک اللہ کو یاد کرتا رہا، پھر دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو حج و عمرہ کا پورا پورا ثواب ملے گا۔“

ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: حج افضل اعمال میں سے ہے، لوگ اس کے کافی مشتاق ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں میں خانہ کعبہ کی جانب ایک خاص کشش رکھ دی ہے، اور بہت سارے لوگ اس افضل عمل کو ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں، بالخصوص ہر سال ادا نہیں کر سکتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ایسے اعمال مشروع قرار دیا کہ جن کا ثواب حج کے ثواب کے برابر ہوتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے نفلی حج نہ کر سکنے والوں کو اس کا بدل مل جائے۔^④

① مجموعۃ فتاویٰ و مقالات متنوعہ، ابن باز ۱۱/۴۰۳، ۴۰۴

② تہذیب مدارج السالکین ص ۲۴۸

③ سنن الترمذی رقم ۵۸۶، امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

④ لطائف المعارف ص ۳۵۱، البدیع فی الحث علی صلاة الفجر، الدكتور عماد علی ص ۸۶

استاذِ بناء کہتے ہیں: اے برادرانِ محترم! ہر دن تمہارے سامنے صبح و شام اور سحر گاہی میں کچھ ایسے مخصوص اوقات ہیں جن میں تم ملا اعلیٰ سے اپنا روحانی ربط قائم کر سکتے ہو، اور دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے اپنے دامن مراد کو بھر سکتے ہو، تمہارے سامنے اطاعتوں کے مواقع، عبادتوں کے دن اور قربتوں کی راتیں ہیں، جن کی جانب تمہیں قرآن مجید اور رسول کریم ﷺ متوجہ کرتے ہیں، اس لیے آپ بھرپور کوشش کریں کہ آپ ان اوقات میں ذکر الہی میں مشغول رہیں، غفلت نہ کریں، نیک عمل کرنے والے ہوں، عمل سے پہلو تہی کرنے والے نہ ہوں، وقت کو غنیمت سمجھیں، وقت تلوار کی مانند ہے، کاموں کو دوسرے وقت پر ٹالنے کی عادت چھوڑ دیں یہ بہت مضر عادت ہے۔ ❶

☆ حسن بن علیؓ طلوع آفتاب کے وقت کہتے تھے:

((سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللَّهِ الْأَعْظَمِ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللَّهِ الْأَمَّجِدِ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) ❷

”سننے والے نے عظمتوں والے اللہ کی حمد کو سنا، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت اور تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ سننے والے نے بزرگیوں والے اللہ کی حمد کو سنا، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت اور تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

حسن بن علیؓ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ اور ادو وظائف اور دعاؤں کا التزام کرتے تھے، لوگوں کو مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے پر ابھارتے رہتے تھے، آپ کہا کرتے تھے جو شخص مسجد جاتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے درج ذیل خصلتوں میں سے ایک عطا کرتا ہے:

”حاصل ہونے والی بھائی چارگی اور ڈھانپ لینے والی شفقت، یا وسیع علم، یا ہدایت کی کوئی بات، یا حیا اور ڈر سے گناہوں کا ترک کر دینا۔“ ❸

آپ تہجد گزار تھے، آپ رات کے پہلے پہر اور حسینؓ کی آخری پہر میں قیام (تہجد) کا اہتمام کرتے تھے۔ ❹

❶ الرفائق ص ۱۸، نقلًا عن مجلة الدعوة عدد ۸، ۱۹۵۱ء الإيمان أولاً ص ۲۴۸

❷ الطبقات ۱/ ۲۹۱، تحقیق السلمی، اس کی سند صحیح ہے۔

❸ عیون الأخبار ۳/ ۵، الحسن بن علی ص ۲۷

❹ الزهد لابن حنبل ص ۱۷۱، رہبان اللیل (۴۰۳/۱) للصفانی

قیام اللیل ایمان کی تازگی کے اہم ترین وسائل میں سے ہے، نیک لوگوں کے تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ دلوں کو زندگی عطا کرنے میں اس کا بہت موثر کردار ہوتا ہے۔

”المدخل“ میں ابن الحاج کہتے ہیں: قیام اللیل کے بہت سارے فوائد ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ اس سے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے آندھی سے درخت کے سوکھے پتے۔

۲۔ اس سے دلوں کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ قیام اللیل ادا کرنے والا آسمان سے فرشتوں کو ویسے ہی دکھائی دیتا ہے جیسا کہ زمین والوں کو آسمان پر کوئی روشن ستارہ۔

۴۔ قیام اللیل اپنے ادا کرنے والے کے لیے ایسی روشنیوں اور برکتوں کا باعث ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہیں۔^①

قیام اللیل (تہجد) مومن کے لیے باعث شرف ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ وَ عِزُّهُ اسْتِغْنَاؤُهُ عَمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ .))^②

”مومن کا شرف قیام اللیل (تہجد) ادا کرنا ہے اور اس کی عزت لوگوں کے مال و دولت سے مستغنی رہنا ہے۔“

حب الہی کے دعوے اس وقت تک نہیں مانے جاسکتے ہیں جب تک کہ اس کی دلیلیں نہ ہوں، رات کی گھڑیاں اس کی شہادت نہ دیں، پس ہر مدعی پر دلیل ضروری ہے، قیام اللیل کرنے والے ہی لوگوں کے مابین لائق عزت و احترام ہیں، اور ہم جیسے غافل اور سونے والوں کو مذکورہ گھڑیاں رسوا کر دیتی ہیں، ان کا تذکرہ باقی نہیں رہتا، ان کی شرافت داغ دار ہو جاتی ہے۔^③

حسن بن علیؓ کی سیرت سے ہمیں قیام اللیل (تہجد) کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، رات میں صدق و اخلاص کا جذبہ دلوں میں بسایا جاسکتا ہے، یہ جذبہ جس قدر زیادہ ہوگا دل میں بھلائی کا عنصر اسی قدر زیادہ ہوگا، اور دل میں بھلائی کا عنصر جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر ہر جانب سے بھلائی ہی بھلائی حاصل ہوگی۔

﴿إِنَّ يَعْلَمُ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِيَكُمُ خَيْرًا مِّمَّا آخِذًا مِنْكُمْ﴾ (الانفال: ۷۰)

① الإیمان أولاً ص ۱۷۲

② صحیح الجامع رقم ۳۷۰۱، السلسلة الصحيحة رقم ۱۹۰۳

③ الإیمان أولاً ص ۱۷۳

”اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا۔“

قیام اللیل (تہجد) شکر کی ان اہم ترین شکلوں میں سے ہے جنہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما انجام دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا شکر ادا کرنا عبودیت کے مقاصد میں سے ہے، شکر عمل ہے اور شکر گزار بندہ وہی ہوتا ہے جس پر نعمت کا اثر ظاہر ہو، اور بندے پر نعمت کا جو بھرپور اثر ظاہر ہونا چاہیے وہ تواضع و خاکساری اور نعمتوں کے عطا کرنے والے کی تعظیم ہے۔ ﴿فرمان الہی ہے:

﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَلَتْهُ نِعْمَةٌ مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ أَمْ كُنْ هُوَ قَانِتٌ إِنَّ الْإِنْسَانَ سَاهٍ وَأَقَابًا يُحَدِّرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝﴾

(الزمر: ۹۰، ۸)

”اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا، اسے (بالکل) بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے تاکہ (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجیے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھا لو (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے، بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو (اور جو اس کے برعکس ہو برابر ہو سکتے ہیں؟) بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی نعمت یافتہ دو طرح کے لوگوں کے بارے میں ان آیتوں میں گفتگو کی گئی ہے، پہلے وہ لوگ جو مشکل حالات سے گزر رہے تھے، تکلیف و پریشانی میں مبتلا تھے، دل کی گہرائی سے اللہ کو پکارا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیفوں کو ختم کر دیا، پریشانیوں کو دور کر دیا، لیکن انہوں نے شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا اور اپنی سخت گمراہی کی جانب لوٹ گئے، دوسرے وہ لوگ جو اللہ کے سامنے گریہ و زاری اور راتوں میں لمبی دعائیں کر کے شکر کی راہ پر چلتے رہے، قرآن مجید ان دونوں صورتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر: ۹)

”بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟“

یعنی جو شکر اور نعمتوں کے حقوق جانتے ہیں وہ اور وہ جو انھیں نہیں جانتے برابر نہیں ہو سکتے۔^①

شاعر کہتا ہے:

القانتون المخبئون لربهم

الناطقون بأصدق الأقوال

”اپنے رب کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرنے والے، فرماں بردار اور سچ بولنے والے بندے“

يحيون ليلهم بطاعة ربهم

بتلاوة وتضرع و سؤال

”اپنے رب کی اطاعت میں شب بیداری کرتے ہیں دعا، گریہ و زاری اور قرآن کی تلاوت کرتے

ہیں۔“

و عيونهم تجري بفيض دموعهم

مثل انهمال الوابل الهطال

”موسلا دھار بارش کے مانند ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی ہے۔“

في الليل رهبان وعند جهادهم

لعدوهم من أشجع الأبطال

”راتوں میں وہ عبادت گزار اور دشمنوں سے جہاد میں وہ بہادر ترین ہیں۔“

بوجههم أثر السجود لربهم

و بها أشعة نوره المتلالي^②

”ان کی پیشانیوں پر اپنے رب کے لیے سجدوں کے نشانات اور چمکتے نور کی شعاعیں ہیں۔“

☆ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بکثرت حج کیے تھے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اپنی جوانی میں جس چیز کے نہ

کر سکتے پر مجھے ندامت ہے وہ یہ کہ میں پیدل حج نہ کر سکا، حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پچیس مرتبہ پیدل حج کیا

ہے جب کہ آپ کے ساتھ اونٹوں کا قافلہ چل رہا تھا، آپ نے اپنے اور اللہ کے مابین اپنے مال کو تین

مرتبہ تقسیم کیا یہاں تک کہ چرمی موزہ دے دیتے اور جوتا اپنے پاس رکھتے۔^③

② رہبان الليل ۱/ ۳۶۵

③ الإيمان أولا ص ۱۷۵

④ سير أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۰

یہ ان چیزوں کے التزام کی مثال ہے جو شرعاً لازم نہیں ہیں۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ ان کا التزام کرتے تھے، اس طرح کہ آپ نے پچیس مرتبہ پیدل حج کا التزام کیا، اس سے حج کی ادائیگی میں پیدل چلنے کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے، اس کی تائید عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ندامت سے ہوتی ہے کہ آپ اس چیز کو اپنے ایام شباب میں انجام نہ دے سکے جب کہ مشقت کے باوجود حسن رضی اللہ عنہ اس پر مداومت کرتے تھے۔ اس سے آپ کی قوت ایمانی اور مزید نیک اعمال کی سچی رغبت کا پتہ چلتا ہے۔ حج میں پیدل چلنے سے مقصود مکہ سے عرفہ اور عرفہ سے مکہ تک پیدل چلنا ہے، اس سے مقصود یہ نہیں کہ حاجی اپنے ملک سے پیدل چل کر حج کے لیے جائے۔^①

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی سیرت سے سہولت اور آسانی کی صورت میں خانہ کعبہ کے سفر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ فرمان نبوی ہے:

((تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّ مَتَابِعَهُ بَيْنَهُمَا تَنْفِي الْفَقْرِ وَالذُّنُوبَ كَمَا تَنْفِي الْكَبِيرُ خُبْتُ الْحَدِيدَ))^②

”حج اور عمرے کے تسلسل کو باقی رکھو، ان کا تسلسل فقر اور گناہوں کو ایسے ہی ختم کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کی میل کچیل کو۔“

اسی لیے بعض روایتوں کے مطابق حسن رضی اللہ عنہ نے پچیس مرتبہ پیدل حج کیا جب کہ آپ کے ساتھ اونٹوں کا قافلہ چل رہا تھا۔^③ آپ کہا کرتے تھے: میں اس بات پر شرم محسوس کرتا ہوں کہ اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ اس کے گھر کا پیدل سفر نہ کیے رہوں۔^④ آپ بہت خاموش طبیعت اور اپنے نانا کے طریقے پر عبادت گزار تھے۔

۳۔ آپ کا زہد و تقویٰ:

قرآن سے لگاؤ، اپنے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی صحبت اور اس کائنات میں غور و فکر سے حسن رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ دنیا امتحان و آزمائش کی جگہ ہے، آپ قرآن کے تربیت یافتہ تھے، ان آیتوں کو ذہن نشین کر لیا تھا جو دنیا کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، اس کی ذلت و حقارت اور بے جلت فناء و زوال کو بتلاتی ہیں، آپ روزانہ سورہ کہف کی تلاوت کرتے اور اس فرمان الہی سے گزرتے:

﴿وَأَضْرِبْ لَهُمْ مَثَلِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا هِيَ انزُلُهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيحُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ أَلَمْ يَأْتِ الْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبُقِيَّتِ الصُّلُوحُ ۚ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ۝﴾ (الکہف: ۴۵، ۴۶)

② الإیمان أولا ص ۲۴۹

① التاريخ الإسلامی ۲۲۱/۱۹

④ تاریخ ابن عساکر ۷۱/۱۴

③ تاریخ ابن عساکر ۷۲/۱۴

”ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال (بھی) بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اس سے زمین کا سبزہ ملا جلا نکلتا ہے، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہو جاتا ہے جسے ہوائیں لیے پھرتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، مال و اولاد تو دنیا کی ہی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک از روئے ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں۔“

یہ مثال بتلاتی ہے کہ دنیا ایک حقیر اور چند روزہ چیز ہے، اس کی نعمتیں اور تن آسانیاں ختم ہونے والی ہیں، یہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ کہ دنیا بہت جلد ختم و فنا ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان کیا کہ مال و اولاد لوگوں کے نزدیک دنیاوی زندگی کی زیب و زینت ہیں، اور دنیا کی ہر زینت بہت جلد ختم ہونے والی ہے، اس لیے اس پر خوش ہونا یا فخر کرنا عقل مندوں کا کام نہیں۔^①

﴿وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ۝﴾ (الكهف: ۴۶)

”اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک از روئے ثواب اور (آئندہ کی) توقع کے بہت بہتر ہیں۔“

یعنی نیک اعمال اور عبادتیں جیسے نمازیں، صدقات، جہاد فی سبیل اللہ، غریبوں محتاجوں کی مدد، اور اوراد و وظائف وغیرہ ثواب میں بہتر، اللہ کی قربت کے زیادہ باعث اور تادیر اثر والے ہیں، اس لیے کہ ان کا ثواب انھیں انجام دینے والے کو ملنے والا ہے، اور از روئے توقع بہتر ہیں اس لیے کہ انھیں انجام دینے والا آخرت میں ہر وہ چیز پائے گا جس کی دنیا میں وہ توقع کرتا تھا۔^②

حسن رضی اللہ عنہ کی تربیت آپ کے نانا رضی اللہ عنہ کے منہج پر ہوئی جو دنیا کی حقیقت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہی کا فرمان ہے:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا شَرْبَةَ مَاءٍ))^③

”اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ پینے دیتا۔“

نیز فرمایا:

② التفسير المنير ۲۶۱/۱۵

① التفسير المنير ۲۵۹/۱۵

③ سنن الترمذی رقم ۴۱۱۰، یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

((مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ أَضْبَعَهُ فِي النَّيَمِ فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ)) ❶

”آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسے ہی ہے کہ کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو دے پھر نکال کر دیکھے کہ سمندر کا کون سا حصہ نکل کر آیا ہے۔“

نیز فرمایا:

((الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ)) ❷

”دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔“

حسن بن علی رضی اللہ عنہما قرآنی اور نبوی تربیت یافتہ تھے، اس لیے آپ زہد کا اعلیٰ نمونہ تھے، آپ نے زہد کی نہایت عمدہ مثالیں پیش کی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

سلطنت اور عز و شرف کے لیے آدمی کی حرص، مال کی حرص سے زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح دنیاوی عز و جاہ، سرداری اور زمین میں سر بلندی کی چاہت، بندے کے لیے مال کی طلب سے زیادہ مضر ہے، اس میں زہد و تقویٰ نہیں پایا جاسکتا ہے، سرداری اور عز و شرف کی طلب میں مال خرچ کر دیے جاتے ہیں، عز و شرف کی حرص دو قسم کی ہوتی ہے:

۱۔ مال و سلطنت اور اقتدار و بالادستی کے ذریعہ سے عز و شرف کی طلب، یہ نہایت خطرناک چیز ہے، یہ چیز عموماً آخرت کی بھلائی اور اس کے عز و جاہ سے مانع ہوتی ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ ﴾ (القصص: ۸۳)

”وہ آخرت کا گھر ہم انھی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے، نہ فساد کرنا چاہتے ہیں، پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔“

جو لوگ اقتدار حاصل کر کے دنیا کی سرداری کے حریص ہوتے ہیں انھیں توفیق الہی نہیں ملتی، بلکہ وہ اپنے حال پر چھوڑ دیے جاتے ہیں، ❸ جیسا کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمن بن سرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِن أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وَكُنْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهِ)) ❹

❶ صحیح مسلم (رقم ۲۸۵۶)

❷ صحیح مسلم رقم ۲۸۵۸

❸ صحیح البخاری رقم ۶۶۲۲

❹ شرح حدیث: ما ذنبان جانعان لابن رجب ص ۳۳

”اے ابو عبد الرحمن تم امارت مت طلب کرنا، اگر طلب کرنے پر تمہیں امارت مل گئی تو تمہارا کوئی معاون نہ ہوگا اور اگر بغیر طلب کے مل گئی تو لوگ تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ سَتَحْرُصُونَ عَلَى الْأَمَارَةِ وَ سَتَكُونُ نِدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْعَمَتِ الْمَرْضِعَةُ وَ بَشَّتِ الْفَاطِمَةُ.)) ❶

”تم امارت و حکومت کے حریص رہو گے، حالاں کہ وہ یوم قیامت باعثِ ندامت ہوگی، امارت و حکومت (ملنے کے وقت) کیا ہی بہتر دودھ پلانے والی ہے اور (چھن جانے پر) کیا ہی بری دودھ چھڑانے والی ہے۔“

مال اور اقتدار کی محبت ان کی حرصِ آدمی کے دین کو برباد کر دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”ایسے دو بھوکے بھیڑیے جنہیں بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا گیا ہو وہ انہیں اتنا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا کہ مال اور عز و شرف کی حرص انسان کے دین کو پہنچاتی ہے۔“ ❷

مال اور عز و شرف کی محبت کی بنیاد دنیا کی محبت ہے اور دنیا کی محبت خواہشاتِ نفسانی کی پیروی ہے۔ ❸ وہب بن منبہ کا قول ہے: نفسانی خواہشات کی پیروی سے دنیا کی رغبت پیدا ہوتی ہے، اور دنیا کی رغبت سے مال اور عز و شرف کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور مال و عز و شرف کی محبت میں انسان حرام چیزوں کو حلال سمجھنے لگتا ہے، ❹ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۖ وَ أَكْثَرَ الْعِيْلَةَ الدُّنْيَا ۖ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۖ وَ أَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَ نَهَىٰ النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۖ﴾

(النازعات: ۳۷-۴۱)

”تو جس شخص نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے، ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔“

❶ صحیح البخاری رقم ۷۱۴۸

❷ الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان رقم ۳۲۱۸، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

❸ شرح حدیث: ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۷۱

❹ شرح حدیث: ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۷۱

۲۔ اسی طرح نفس انسانی اپنی ہی جنس کے لوگوں پر برتری اور سر بلندی چاہتا ہے، اور یہیں سے کبر و حسد و جود میں آتا ہے، لیکن عقلمند اس سر بلندی میں دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے جسے دوام و بقا ہے، جس میں اللہ کی خوشنودی و قربت ہے، اور اس سر بلندی سے اعراض کرتا ہے جسے زوال و فنا ہے، جس سے اللہ کا غضب اور اس کی ناراضی ملتی ہے، بندہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے، اور لوگوں کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ یہ دوسری مذموم سر بلندی حقیقت میں روئے زمین میں ناحق سر کشی اور تکبر ہے، لیکن پہلی سر بلندی اور اس کی حرص محمود ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿حِمْيَرُ مَسْكٌ ۖ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝﴾ (المطففين: ۲۶)

”جس پر مسک کی مہر ہوگی، سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہیے۔“

حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يُنَافِسُكَ فِي الدُّنْيَا فَنَافِسْهُ فِي الْآخِرَةِ .))

”جب کسی کو پاؤ کہ وہ دنیا کے بارے میں تم پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا ہے تو تم آخرت کے بارے میں اس پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔“

وہیب بن ورد کا قول ہے:

((إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَسْبِقَكَ إِلَى اللَّهِ أَحَدٌ فَافْعَلْ .)) ①

”اگر تم سے ہو سکے کہ اللہ کے تئیں تم پر کوئی سبقت نہ لے جاسکے تو تم ایسا ہی کرو۔“

آخرت کے باقی رہنے والے درجات، اس کے بلند منازل کی طلب، اس کے اسباب کو اپنا کر اس کے حریص بننے میں تافس مشروع ہے اور یہ بھی مشروع ہے کہ جو بلند درجات حاصل کر سکتا ہے وہ ان سے کم پر قناعت نہ کرے۔

ربی فانی اور زوال پذیر سر بلندی جس کے طلب کرنے والے کے حصے میں کل کے دن حسرت و ندامت،

ذلت و رسوائی ہی آنے والی ہے تو اس سے کنارہ کشی اور اعراض مطلوب ہے۔ ②

حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت سے اس گہری سمجھ اور عظیم فہم کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ آپ نے مسلمانوں کی خوں ریزی

کو روکنے اور آخرت کی طلب میں خلافت و سلطنت کو ترک کر دیا، قوت و شوکت کے مالک ہوتے ہوئے بھی آپ

نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

① شرح حدیث: ما ذلّبان جائعان لابن رجب ص ۷۲

② شرح حدیث: ما ذلّبان جائعان لابن رجب ص ۷۳

((كَانَتْ جَمَاجِمُ الْعَرَبِ بِيَدِي يُسَالِمُونَ مَنْ سَأَلَتْهُمْ وَيُحَارِبُونَ مَنْ حَارَبْتُ فَتَرَكْتُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ.)) ❶

”تمام عرب میری مٹھی میں تھے، میں جن کے لیے پر امن رہتا ان کے ساتھ وہ پر امن رہتے اور جن سے میں جنگ کرتا ان سے وہ بھی جنگ کرتے، لیکن میں نے اللہ کی خوشنودی کے لیے اسے (خلافت کو) ترک کر دیا۔“

ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا:

((وَلَكِنْ خَشِيتُ أَنْ يَجِيءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُونَ أَلْفًا أَوْ ثَمَانُونَ أَلْفًا أَوْ أَكْثَرُ أَوْ أَقَلُّ كُلُّهُمْ تَنْضَحُ أَوْ دَاجَهُمْ دَمًا كُلُّهُمْ يَسْتَعْدِي اللَّهُ فِيمَ هُرِيقَ دَمُهُ.)) ❷

”لیکن میں ڈر گیا کہ قیامت کے دن ستر ہزار یا اسی ہزار یا کچھ کم و بیش لوگ اس حال میں آئیں کہ ان کی رگوں سے خون بہ رہا ہو، سب کے سب اللہ سے فریاد کر رہے ہوں کہ کس سلسلے میں ان کا خون بہایا گیا۔“

علیؓ کی وفات کے بعد حسن بن علیؓ کے ہاتھ پر نوے ہزار لوگ بیعت کر چکے تھے، ❸ پھر بھی آپ خلافت سے کنارہ کش ہو گئے اور معاویہؓ کے حوالے یہ کہتے ہوئے کر دی: ”میری وجہ سے کچھ بھی خون نہ ہے۔“ ❹

ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں: میں نہیں چاہتا کہ میں امت محمدیہ کی کسی ایسی ادنیٰ چیز کا ذمہ دار بنوں جس میں خون ہے، میں اپنے لیے ضرر رساں اور نفع بخش چیزوں کو جانتا ہوں، تم سب اپنے علاقوں کو لوٹ جاؤ۔ ❺

۳۔ آپ کی سخاوت و فیاضی:

حسن بن علیؓ کی شخصیت میں رچے بے قرآنی اخلاق میں سے سخاوت و فیاضی اور راہِ خدا میں بکثرت خرچ کرنا ہے، قرآن کریم نے خرچ کرنے والوں کی بڑی تعریف کی ہے، یہ تعریف قرآن کی ابتدا سے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ دوسری سورت کے شروع ہی میں فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ اللَّهَ هُمْ يَرْزُقُوهُمْ مِنْ غَيْرِهِمْ وَيُؤْتِيهِمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (البقرة: ۱-۳)

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ اللَّهَ هُمْ يَرْزُقُوهُمْ مِنْ غَيْرِهِمْ وَيُؤْتِيهِمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (البقرة: ۱-۳)

❶ تاریخ دمشق ۱۴/۱۰۴

❷ البداية والنهاية ۱۱/۲۰۶

❸ تاریخ دمشق ۱۴/۹۸

❹ تاریخ دمشق ۱۴/۹۸

❺ تاریخ دمشق ۱۴/۸۹

”السم، اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں، پر ہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے، جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز کو قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

پھر ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَالِحُونَ﴾ (البقرة: ۵)

”یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔“

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی عملی تربیت، نبوی اور قرآنی قدروں کا امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ پر کافی اثر تھا، آپ کی شخصیت پر اس کی چھاپ دکھائی دیتی ہے، آپ نے ایسے واضح آثار چھوڑے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جود و سخا اور اتفاق جیسے اعلیٰ اخلاق آپ کی شخصیت میں رچ بس گئے تھے، آپ جود و سخا کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ایسا ہونا ہی تھا اس لیے کہ نبوی خانوادے کے پروردہ تھے، بچپن ہی میں یہ اچھی خصلت آپ میں گھر کر چکی تھی، آپ کی سخاوت و فیاضی کے واقعات ضرب المثل اور بڑے لوگوں کے لیے نمونہ بن گئے۔ ۱ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

محمد بن سیرین کہتے ہیں:

”بسا اوقات حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی شخص کو ایک لاکھ دے دیا۔“ ۲

سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں:

”حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی بغل میں ایک شخص کو اللہ سے دعا کرتے ہوئے سنا کہ اللہ اسے دس ہزار درہم کا

مالک بنا دے، تو آپ گھر گئے اور اس کے پاس مذکورہ مبلغ بھیج دیا۔“ ۳

لوگ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے مدینہ کے ایک باغ میں ایک غلام کو دیکھا کہ وہ روٹی کا ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور وہاں موجود کتے کو ایک لقمہ کھلاتا ہے، آپ نے اس سے پوچھا: ایسا کیوں کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: مجھے شرم آتی ہے کہ میں کھاؤں اور اس کو نہ کھلاؤں، چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میرے آنے تک یہیں رہنا، آپ اس کے آقا کے پاس گئے، اسے اس سے خریدا اور وہ باغ بھی خریدا جس میں وہ تھا، پھر اسے آزاد کر دیا اور اسے باغ کا مالک بنا دیا، اس پر غلام نے آپ سے کہا: اے میرے آقا! میں نے باغ کو اس کے لیے ہبہ کر دیا جس کے لیے آپ نے اسے میرے لیے ہبہ کیا تھا۔ ۴

ابو ہارون عبدی کہتے ہیں: ہم حج کے لیے نکل پڑے، مدینہ پہنچ کر حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، آپ

۲ تہذیب الکمال ۶/ ۲۳۴

۱ الدوحة النبوية الشريفة ص ۸۴

۳ البداية والنهاية ۱۱/ ۱۹۶

۴ سير أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۰

اپنے احوال اور سفر سے باخبر کیا، جب ہم آپ کے پاس سے چلے آئے تو آپ نے ہم میں سے ہر شخص کے پاس چار سو درہم بھیج دیا، ہم لوٹ کر آپ کے پاس گئے اور آپ کو اپنی فارغ البالی کے بارے میں بتایا، اس پر آپ نے فرمایا: آپ لوگ میری دی ہوئی چیز کو واپس نہ کریں، اگر میری حالت دوسری ہوتی تو آپ لوگوں کو یہ واپس کرنا ٹھیک تھا، مگر آپ لوگوں کو سفر حج میں زاوراہ دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن فرشتوں کے مابین اپنے بندوں پر فخر کرتا ہے۔^①

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ان حاجیوں کو فارغ البالی کے باوجود یہ مال دیا تھا، اگر وہ محتاج ہوتے تو کیا حال ہوتا، اور جب انھوں نے یہ بتلایا کہ انھیں ضرورت نہیں ہے تو ان سے مال واپس نہیں لیا، یہ جود و سخا کے بے پایاں جذبے کی دلیل ہے، اس مال سے بہتر زاوراہ دینا بھی نہ بھولے، چنانچہ آپ نے انھیں یوم عرفہ کی فضیلت یاد دلائی جس دن کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔^②

عبداللہ بن عبید اللہ بن عمیر سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: انھوں نے اپنے اور اللہ کے مابین اپنے مال کو تین مرتبہ تقسیم کیا، یہاں تک کہ آپ چرمی موزہ دے دیتے اور جوتا روک لیتے۔^③

یہ سخاوت کی بڑی نادر مثال ہے، اس لیے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اپنے مال کو دو حصوں میں تقسیم کیا، اور ہر مرتبہ آدھے مال کو بطور صدقہ دے دیا۔

بڑی باریکی سے آپ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے، احتساب کا یہ عمل آپ ایک فریضہ سمجھ کر ادا کرتے تھے، چنانچہ آپ چرمی موزہ دے دیا کرتے تھے اور جوتا روک لیتے تھے، جب کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایسا کر کے آپ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے خیر و احسان کے کاموں میں ایک نمونے کے طور پر پیش کیا۔^④

آپ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ نخی تھے،^⑤ آپ کا شمار نخی لوگوں میں ہوتا تھا^⑥، آپ کی سخاوت کا واقعہ ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس ایک لاکھ بیچھا، تو آپ نے اسے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں میں تقسیم کر دیا، چنانچہ ان میں سے ہر ایک کو دس ہزار ملا۔^⑦

آپ کی فیاضی کا واقعہ ہے کہ آپ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، وہ جاں کنی کے عالم میں وا کر باہ وا

② التاریخ الاسلامی ۱۷/ ۱۳۶

① سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۱

④ التاریخ الاسلامی ۱۷/ ۱۳۷

③ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۰

⑤ المحاسن و المساوی ۵۵، الحسن بن علی (ص ۳۲)

⑥ الحسن بن علی ص ۳۲، رسالۃ ماجستير (ص ۳۲)

⑦ البدایة و النہایة نقلًا عن الحسن بن علی، ص ۳۲

حزناہ (ہائے مصیبت، ہائے غم) کہہ رہے تھے، تو ان سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے چچا جان! آپ کو کس چیز کا غم ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اے نواسہ رسول! مجھ پر ساٹھ ہزار درہم قرض ہے، میں اسے ادا نہیں کر سکا ہوں، اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھاری جانب سے اسے ادا کر دوں گا، ان سے اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے نواسہ رسول! اللہ! آپ کی مشکلوں کو آسان کرے، بلاشبہ اللہ کو علم ہے کہ رسالت کہاں موزوں رہے گی۔ ❶

لوگ حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی شہادت دیتے تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک بدوی مدینہ آکر لوگوں سے مانگ رہا تھا، اس سے کہا گیا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ یا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ یا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس، اس کی ملاقات سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے ہوئی چنانچہ انھوں نے اسے اس کی چاہت کے مطابق دے دیا۔ ❷ حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کس کی زندگی سب سے بہتر ہے؟ آپ نے جواب دیا: جو اپنی زندگی میں دوسروں کو شریک کرے، ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بُرا آدمی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: جس کی زندگی میں کوئی شریک و ساجھی نہ ہو۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آپ فاقہ کے باوجود کسی سائل کو کیوں واپس نہیں کرتے ہیں؟ جواب دیا: میں اللہ ہی سے سوال کرتا ہوں، اسی کو چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ میں یہ عادت ڈال دی ہے کہ وہ مجھے اپنی نعمتیں نوازتا رہتا ہے، اور میں اس کی نعمتیں لوگوں کو دیتا رہتا ہوں، میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے دینا بند کر دیا تو اللہ تعالیٰ نوازنا بند کر دے گا۔ ❹

حسن رضی اللہ عنہ اپنے جود و سخا اور ایثار میں مالدار، غریب، چھوٹے، بڑے اور قریب و دور کے مابین کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے، اس لیے کہ جو شخص خرچ کر کے اور دے کر راحت محسوس کرتا ہو، جود و سخا جس کی فطرت میں شامل ہو، اسے لوگوں کو خوش کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ ❺

حافظ ابراہیم نے ان اشعار میں حسن رضی اللہ عنہ ہی کو مراد لیا ہے:

إنی لتطربنی الخلال کریمۃ

طرب الغریب بأوبة و تلاق

❶ المحاسن و المساوی ص ۵۷

❷ غایۃ المرام، عز الدین القریشی ۹۵/۱

❸ تاریخ یعقوبی ۲/۲۲۶، ۲۲۷

❹ نصیحة الملوک للماوردی ص ۴۳۸

❺ الدوحة النبویة الشریفة ص ۸۴

”مجھے اچھی خصلتوں سے ایسی ہی خوشی حاصل ہوتی ہے جیسی کہ وطن سے دور رہنے والے کو وطن کی واپسی اور لوگوں سے ملاقات کی۔“

و يَهْزِنِي ذِكْرُ الْمَرْوَةِ وَ النَّدَى

بَيْنَ الشَّمَائِلِ هَزَّةَ الْمَشْتَاكِ

”مروت و سخاوت جیسی خصلتوں کے تذکرے پر میں ایک عاشق کے مانند جھوم جھوم جاتا ہوں۔“

فَإِذَا رَزَقْتَ خَلِيقَةَ مَحْمُودَةٍ

فَقَدْ اصْطَفَاكَ مَقْسَمُ الْأَرْزَاقِ

”جب تمہیں کوئی اچھی عادت نصیب ہو تو سمجھ لو کہ روزی رساں اللہ نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔“

فَالنَّاسُ هَذَا حِظُّهُ مَالٍ، وَ ذَا

عِلْمٍ، وَ ذَاكَ مَكَارِمُ الْأَخْلَاقِ

”کچھ لوگوں کے نصیب میں مال، کچھ کے نصیب میں علم اور کچھ کے نصیب میں اچھے اخلاق ہوتے ہیں۔“

علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو خطاب کیا پھر فرمایا: بلاشبہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مال جمع کیا ہے، وہ تمہارے مابین تقسیم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ لوگ آئے تو حسن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا: میں نے فقراء کے لیے جمع کیا ہے، چنانچہ آدھے لوگ چلے گئے۔ سب سے پہلے آپ سے لینے والے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔^①

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ نفس انسانی کا دنیاوی کشش اور بخل سے چھٹکارا پانے اور رضائے الہی کے حصول کی جانب مائل ہونے کی ابتداء اللہ کی راہ میں برابر خرچ کرنے سے ہوتی ہے تا آنکہ وہ مستقل عادت بن جاتی ہے، اس طرح نفس انسانی مال سے بے رغبت ہو جاتا ہے، اس کی محبت دل سے نکل جاتی ہے، اس لیے وہ نہ تو مال کی زیادتی پر خوش ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی کمی پر رنجیدہ ہوتا ہے، اس فرمان الہی کے مطابق:

﴿لِيَكِيلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾

(الحديد: ۲۳)

”تا کہ تم اپنی فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اتر آؤ اور اترانے والے

① الطبقات ۱/ ۲۷۸، اس کی سند صحیح ہے۔

شخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔“

نفوس کے تزکیہ میں صدقہ کا بڑا موثر کردار ہوتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اس کے بڑے فوائد ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆ صدقہ مال کو بار آور بنانے کا سب سے افضل طریقہ ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدَلٍ تَمْرَةً مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، فَإِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُهَا بِمِثْلِهِ، ثُمَّ يُرِيهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرِي بَنِي أَحَدِكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّى يَكُونُ مِثْلَ الْجَبَلِ.)) ❶

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے تو چوں کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیز کو قبول کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اسے اپنے دانے ہاتھ سے قبول کر لیتا ہے، پھر اسے صاحب صدقہ کے لیے بڑھاتا رہتا ہے، جیسے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو بڑھانے کے لیے اس کی دیکھ رکھ کرتا ہے، تا آنکہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔“

☆ صدقہ جہنم سے آڑ ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يَا عَائِشَةُ اسْتَتِرِي مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَإِنَّهَا تَسُدُّ مِنَ الْعَجَائِعِ مَسَدَهَا مِنَ الشَّبَعَانِ.)) ❷

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدھی کھجور ہی کو صدقہ کر کے جہنم سے بچو، وہ آسودہ شخص کی طرح بھوکے شخص کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔“

☆ صدقہ صاحب صدقہ کے لیے بروز قیامت سایہ ہوگا:

((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: كُلُّ امْرِئٍ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتَّى يَقْضَى بَيْنَ النَّاسِ.)) ❸

”عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا تا آنکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مابین فیصلہ کر دے۔“

❶ یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے۔

❷ صحیح الترغیب و الترہیب للالبانی (رقم ۸۵۵)

❸ صحیح الترغیب و الترہیب (رقم ۸۲۲)

☆ صدقہ عذاب کو دور کرتا اور لوگوں کے حقوق میں کمی کو ختم کرتا ہے:

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَ أَكْثِرْنَ الْإِسْتِغْفَارَ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ، إِن كُنَّ تَكْثُرْنَ اللَّعْنَ وَ تَكْثُرْنَ الْعَشِيرَ.))^۱

”ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کرو اور بکثرت مغفرت طلب کرو، میں نے جہنم میں تمھاری اکثریت دیکھی ہے بلاشبہ تم بکثرت لعن طعن کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صدقہ عذاب کو دور کرتا ہے، اور لوگوں سے متعلق گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔“^۲

دنیا میں اس کے بہت سارے فوائد ہیں، حدیثوں میں ان فوائد کی تائید موجود ہے۔ چنانچہ صدقہ بیماروں کی دوا ہے، مصیبت کو دور کرتا ہے، معاملات کو آسان کر دیتا ہے، رزق کا باعث ہوتا ہے، بری موتوں سے بچاتا ہے، غضب الہی کو ٹھنڈا کرتا ہے، گناہوں کے اثرات کو ختم کرتا ہے۔^۳

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اللہ والا بننے سے گہرا تعلق ہے، ایمان کو تازہ کرنے اور دلوں کو زندگی بخشنے میں اتفاق فی سبیل اللہ کا بہت مؤثر اور بنیادی کردار ہے، اور ہمارے لیے حسن بن علیؓ کی سخاوت و فیاضی اور اتفاق فی سبیل اللہ میں ایک بہترین نمونہ ہے، اتفاق فی سبیل اللہ دخول جنت کے اہم دروازوں میں سے ہے، جو مالداروں کے لیے زیادہ کھلا رہتا ہے، اسی کے توسط سے امت کے بہت سارے بڑے لوگ جنت کے مستحق ہوئے ہیں، جیسے عثمان، عبدالرحمن بن عوف اور حسن وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ اس لیے عصر حاضر کے مالدار مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اس دروازے میں داخل ہو کر اپنی طاقت بھر مسلمانوں کے مسائل اور دعوت کے منصوبوں میں بھرپور تعاون کریں تاکہ وہ رضائے الہی حاصل کر سکیں اور دخول جنت کے مستحق بنیں، ضرورت مندوں کے تعاون اور اللہ کے دین کی بھرپور مدد میں ہاتھ بٹا سکیں، بخیلی سے کام نہ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر سختی کر دے۔

۵۔ آپ کی بردباری:

حسن بن علیؓ اور مروان بن حکم کے مابین کوئی بات تھی، چنانچہ آپ کے پاس مروان آئے اور آپ سے

۱۔ فتح الباری ۱/۵۳۶

۲۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

۳۔ ایمان اولاً کیف نبداً بہ ص ۱۸۸، ۱۸۹

سخت کلائی کرنے لگے، آپ خاموش رہے، مروان نے اپنے داہنے ہاتھ سے ناک جھاڑی تو حسن بن علیؓ نے کہا: تیرا برابر ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دایاں ہاتھ چہرے کے لیے ہے، اور بایاں ہاتھ شرمگاہ کے لیے، چنانچہ مروان چپ ہو گئے۔^①

جب تک معاملہ ذاتی رہا، حسن بن علیؓ چپ رہے، جب مروان نے سنت نبویؐ کی مخالفت کی تو اللہ کے لیے اور سنت نبویؐ کی مخالفت کے باعث ناراض ہو گئے اور جو درست بات تھی وہ بیان کر دی۔^② جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے جنازے میں مروان بن حکم رونے لگے، ان سے حسین بن علیؓ نے کہا: تم ان پر رو رہے ہو جب کہ انھیں بار بار غصہ دلایا کرتے تھے؟ اس پر انھوں نے پہاڑ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”میں ایسا اس سے بھی زیادہ بردبار شخص کے ساتھ کرتا تھا۔“^③

ابن عائشہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک شامی شخص کا بیان ہے: میں مدینہ پہنچا، فخر پر سوار ایک شخص کو دیکھا، میں نے اس سے اچھا چہرے مہرے، کپڑے اور سواری والا نہیں دیکھا، میرا دل اس کی جانب مائل ہو گیا، میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا، یہ حسن بن علی بن ابوطالبؓ ہیں، یہ سن کر میرا دل ان کے بغض سے بھر گیا، اور مجھے علی بن علیؓ پر حسد آنے لگا کہ ان کا اس طرح کا کوئی بیٹا ہے، میں ان کے پاس گیا، پوچھا: کیا تم علی بن ابوطالب (بنی علیؓ) کے بیٹے ہو؟ کہا: ہاں، میں ان کا بیٹا ہوں۔ میں نے کہا: تمہاری اور تمہارے باپ کی ایسی تہمتیں، میں انھیں گالی دینے لگا، جب میری بات ختم ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا: شاید آپ یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، کہا: آپ ہمارے پاس آئیے، اگر آپ کو ٹھہرنے کی جگہ چاہیے تو ہم آپ کو دیں گے، اگر آپ کو پیسے کی ضرورت ہے تو ہم آپ کے لیے مہیا کریں گے، اور اگر کوئی اور ضرورت ہے تو ہم آپ سے تعاون کریں گے، اس آدمی کا بیان ہے کہ جب میں آپ کے پاس سے واپس ہونے لگا تو روئے زمین پر ان سے زیادہ پسندیدہ کوئی شخص میرے نزدیک نہیں تھا، ان کے اور اپنے کیے پر کچھ نہ سوچا بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا، اور اپنے آپ پر نادم ہوا۔^④

ان بہترین کارناموں سے حسن بن علیؓ کی بردباری کا پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس آیت ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الاعراف: ۱۹۹) آپ درگزر کا طریقہ اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں، جاہلوں سے نہ الجھیں) پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے نانا کی اقتداء کرتے ہوئے مخالفین کو کس طرح، ان کے ساتھ بھلائی اور نرمی کر کے، ان کی تکلیف پر صبر کر کے، ان کی بھلائی چاہتے ہوئے اپنا

② الدوحة النبوية الشريفة ص ۸۷

① سير أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۰

④ وفيات الأعيان ۲/ ۶۷، ۶۸

③ تهذيب الكمال ۶/ ۲۳۵

بنالیتے تھے، جب کہ ان میں سے اکثر جاہل اور حقائق سے نا آشنا ہوتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ بھی علم و بردباری، عفو و درگزر، اپنے خلاف تہمتوں اور بے بنیاد باتوں پر، ساتھ ہی ساتھ مشرکین عرب (جیسے ابولہب کی بیوی، ابوجہل، ابی بن خلف جیسے مکہ کے بے وقوف لوگوں) کی ایذا رسانیوں پر صبر و ضبط کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو بیان کرتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

((لَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ)) ❷

”آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے تھے، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔“

انہی سے مروی ہے کہتی ہیں: جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ کر آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو ہرگز نہیں مارا، نہ کسی عورت اور خادم کو، اور جب بھی آپ کو ستایا گیا تو آپ نے اس کا ذاتی انتقام نہیں لیا الا یہ کہ کوئی اللہ کے محارم کی بے حرمتی کرے تو اللہ کے واسطے آپ بدلہ لیتے تھے۔ ❸

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنا غصہ اتارنے پر قادر ہونے کے باوجود غصہ پی جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن لوگوں کے سامنے بلا کر اسے اجازت دے گا کہ وہ حوروں میں سے جسے چاہے پسند کر لے۔ ❹

بردباری کی صفت کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

وفى الحلم ردع المسفيه عن الأذى

وفى الخرق إغراء فلا تلك أخرقا

”بردباری بے وقوف کو تکلیف سے دور رکھتی ہے، اجڈ پن دوسروں کے خلاف ابھارتا ہے، اس لیے

اجڈ مت ہو“

فتنہ دم إذ لا تنفعك ندامة

كما ندم المغبون لما تفرقا ❺

❶ الأخلاق بين الطبع و التطبع فیصل، الحاشدی ص ۱۳۹

❷ سنن الترمذی رقم ۲۰۱۶، البانی نے صحیح سنن الترمذی رقم ۱۶۴۰ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

❸ صحیح مسلم رقم ۲۳۲۸

❹ سنن الترمذی رقم ۴۷۷۷، البانی نے صحیح سنن الترمذی ۶۵۱۸/۲ میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

❺ الأخلاق بين الطبع و التطبع ص ۱۵۱

”کہ تمہیں اس وقت ندامت ہو جب کہ ندامت نفع بخش نہیں ہوتی، جیسے ٹھک گیا شخص ٹھک سے دور ہونے پر نادم ہوتا ہے۔“

۶۔ آپ کی خاکساری:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا گزر کچھ غریبوں کے پاس سے ہوا جو راستے سے روٹی کے ٹکڑوں کو چن کر زمین پر رکھ کر کھا رہے تھے، انھوں نے آپ کو اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی، چنانچہ آپ نے یہ کہتے ہوئے ان کی دعوت قبول کر لی کہ اللہ تعالیٰ متکبروں کو پسند نہیں کرتا، جب آپ کھا کر فارغ ہوئے تو ان کی دعوت کی انھیں کھلایا پلایا، کپڑا دیا، اور ان کے ساتھ کافی احسان کیا۔^①

آپ کی خاکساری کا ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ کا گزر کچھ بچوں کے پاس سے ہوا جو کھانا کھا رہے تھے، انھوں نے آپ کو شریک ہونے کی دعوت دی، آپ نے ان کی دعوت قبول کر لی، پھر انھیں اپنے گھر بلالائے اور انھیں نوازتے ہوئے فرمایا:

”احسان انھی کا ہے اس لیے کہ ان کے پاس صرف وہی چیز تھی جو انھوں نے مجھے کھلائی اور جو ہم نے دیا ہے اس کے علاوہ بھی ہمارے پاس ہے۔“^②

خاکساری اللہ کے بندوں کی صفات میں سے ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَتَّقُونَ عَلَى الْآرْضِ هَوْنًا﴾ (الفرقان: ۶۳)

”(حقیق) کے (بندے) وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔“

خاکساری بندے سے اللہ کی محبت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (المائدة: ۵۴)

”اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی، وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کافروں پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی

① حیاة الإمام الحسن بن علی ۱/ ۲۹۱

② صلاح الأمة فی علوم الہمة ۵/ ۴۳۷

پر و انہیں کریں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔“

حسن بن علیؑ کی سیرت سے ہمیں خاکساری کا پتہ چلتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تواضع كالنجم لاح لناظر

على صفحات الماء و هو رفيع

”ستارے جیسی خاکساری اختیار کرو کہ وہ بلند ہونے کے باوجود دیکھنے والے کے لیے پانی میں ظاہر

ہوتا ہے۔“

و لاتك كالدخان يعلو بنفسه

على طبقات الجو و هو وضيع ❶

”دھواں کے مانند نہ ہو جو معمولی چیز ہونے کے باوجود بذات خود فضاؤں میں بلند ہوتا ہے۔“

۷۔ آپ کی سرداری:

رسول اللہ ﷺ نے بارہا لوگوں کے سامنے آپ کے اعلیٰ مقام، سرداری اور عظمتِ شان کا ذکر کیا، حسن

رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ قول بہ توثر روایتوں میں وارد ہے:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ.))

”بلاشبہ میرا یہ لاڈلا سردار ہے۔“

ابن عبد البر کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے متواتر روایتیں وارد ہیں کہ آپ نے حسن بن علیؑ کے بارے

میں فرمایا:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَبْقِيَهُ حَتَّى يُصْلِحَ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ

الْمُسْلِمِينَ.)) ❷

”میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح

کرنے تک باقی رکھے۔“

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا - يَعْنِي الْحَسَنَ - سَيِّدٌ وَ يُصْلِحَنَّ اللَّهُ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ

❶ الأخلاق بين لاطيع و التطيع (ص ۱۲۸)

❷ صحيح البخاري، فضائل الصحابة ۹۴/۷

الْمُسْلِمِينَ.)) ❶

”میرا یہ لاڈلا۔ آپ کی مراد حسن رضی اللہ عنہ سے تھی۔ سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

سعید بن ابوسعید سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے، ہم سے سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو علم نہ ہو سکا، وہ چلے گئے تو ہم نے کہا: اے ابو ہریرہ! یہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے جنہوں نے ہم سے سلام کیا ہے، چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور ان سے جا ملے اور کہا: یا سیدی (اے میرے سردار) میں نے ان سے کہا: آپ ”یا سیدی“ کہتے ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے:

((إِنَّهُ لَسَيِّدٌ.)) ❷ ”بلاشبہ وہ سردار ہیں۔“

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: جو چاہتا ہو کہ جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے تو اسے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھنا چاہیے۔ ❸

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.)) ❹

”حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔“

جنت میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے سردار ہونے کی خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد سے منقول ہے، ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی بڑی محفلوں میں اور بار بار اس کا ذکر کیا ہے۔ ❺

حالات اور مردِ ایمان نے ثابت کر دیا کہ حسن رضی اللہ عنہ میں سرداری کی صفت پائی جاتی ہے، جب توفیق الہی سے آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی اور امت کو متحد رکھا تو آپ کی سرداری کی صفت اپنی انتہا کو پہنچ گئی، حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقی سرداری ظلم و زیادتی، خوں ریزی اور مال و عزت تباہ کر کے نہیں ملتی، بلکہ سرداری مال و عزت کو محفوظ کر کے، بغض و عداوت کو دور کر کے حاصل ہوتی ہے، آپ کی مصالحت اور مسلمانوں

❶ المعجم الكبير للطبرانی رقم ۲۵۹۷

❷ المستدرک ۱۶۹/۳، امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

❸ صحیح ابن حبان، ۴۲۱/۱۵، ۴۲۲، مجمع الزوائد ۱۷۸/۹

❹ المستدرک للحاکم ۱۶۶/۳، یہ حدیث کئی طرق سے ثابت ہے۔

❺ الدوحة النبوية الشريفة ص ۸۱

کے خون کی حفاظت نے آپ کو سرداری کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا جہاں تک طاقت و قوت کے ذریعہ سے نہیں پہنچا جاسکتا۔

حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس حالت میں صلح کی کہ آپ کے ساتھ ہزاروں لوگ تھے، ان میں کچھ لالچی اور دوسروں کے تیار کردہ تھے، لیکن ان کی اکثریت مخلص اور وفادار تھی، آپ نے نہیں چاہا کہ آپ کی وجہ سے ایک قطرہ خون بہے، یا اس راہ میں کسی مسلمان کو زخم پہنچے۔ اگر قوموں کی سرداری ان کی حفاظت و صیانت اور ترقی کے ذریعہ سے نہ حاصل کی گئی ہو تو وہ اندھی سرکشی، حماقت کے باعث کسی معاملے میں کود پڑنا، خطرناک اقدام اور اپنے وجود کو داؤ پر لگانا ہے، اس کے نتیجے میں ہلاکت و بربادی اور ذلت و رسوائی ہی ہاتھ آنے والی ہے، ایسی سرداری والے غضب الہی اور تاریخ کی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں، حصول دنیا، سلطنت اور سرداری کی لالچ ہی کے باعث انسانی خون کی ندیاں بہتی رہی ہیں۔^①

۸۔ آپ کے جسمانی اوصاف

حسن بن علی رضی اللہ عنہ نہایت خوبو، خوبصورت، سرخی مائل گورے رنگ کے تھے، آنکھیں کالی، رخسار نرم، داڑھی گھنی تھی، گردن جیسے چاندی کی صراحی، وسیع و عریض کندھے، درمیانہ قد، بہت ہی خوب صورت گھٹگرہ یا لے بال اور اچھے بدن والے تھے۔^② حسن رضی اللہ عنہ پر یہ خاص الہی عنایت و برکت تھی کہ آپ اپنے نانا ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔^③

ثانیاً:..... حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی

خلافت راشدہ کے قائم کردہ اسلامی معاشرے میں زندگی گزارتے ہوئے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے بہت سارے نمایاں کارنامے چھوڑے ہیں، آپ نظریات و افکار کی اصلاح، لوگوں کے کام آنے، ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے، وعظ و نصیحت اور حکمت کی عمدہ باتوں وغیرہ کے ذریعے سے ان کی رہنمائی کے حریص تھے، اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ علی رضی اللہ عنہ کے دنیا میں دوبارہ آنے کے عقیدہ کی تردید:

عمر بن اضم سے مروی ہے کہ میں نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا:

① الدوحة النبوية الشريفة ص ۹۴

② سیر أعلام النبلاء ۴/ ۴۹، أخبار الدول (ص ۱۰۵)

③ المحسن بن علی، فتیخان کردی ص ۲

”شیعوں کا عقیدہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ سب جھوٹے ہیں، وہ شیعہ نہیں ہیں، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو ہم آپ کی بیویوں کی شادیاں نہ ہونے دیتے، آپ کے مال کو تقسیم نہ کرتے۔“^①

اس عقیدے کا سب سے پہلا قائل عبداللہ بن سبا تھا، مگر وہ آپ کی موت کا نہیں بلکہ آپ کے غائب ہو جانے کا قائل تھا، اور عقیدہ رکھتا تھا کہ آپ لوٹ کر آئیں گے، دنیا میں دوبارہ آنے کا عقیدہ سہیہ کیسانیہ وغیرہ کا عقیدہ تھا، لیکن بعد میں دوسرے غالی فرقوں کا بھی عقیدہ ہو گیا۔

((ویشیر الالوسی إلی أن تحول مفهوم الرجعة عند الشيعة الرافضة منه رجعة الإمام فقط إلی ذلك المعنى العام كان فی قرن الثالث))^②

”رجعت“ (دنیا میں دوبارہ آنے) کے عقیدے میں عبداللہ بن سبا یہودی کا کردار موسس کا کردار تھا، لیکن وہ رجعت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی، اسی طرح وہ آپ کی موت کا ہی سرے سے منکر تھا۔

۲۔ دوسروں کے کام آنا:

حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی نے آ کر اپنی ضرورت بیان کی، چنانچہ آپ اس کی ضرورت کے لیے اس کے ساتھ نکل پڑے، اس نے کہا: اپنی ضرورت میں میں آپ سے مددوں یہ چیز مجھے پسند نہ تھی، میں نے حسین رضی اللہ عنہ سے ابتدا کی تھی، تو انھوں نے فرمایا: اگر میرا اعتکاف نہ ہوتا تو میں آپ کے ساتھ چلتا، اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت میں کام آنا میرے نزدیک ایک مہینے کے اعتکاف سے بہتر ہے۔^③

دوسری روایت میں ہے کہ آپ طواف ترک کر کے دوسرے کی ضرورت کے لیے چلے گئے۔^④

حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے، بعض لوگوں نے اسے حسین رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔ لوگ آپ کے ضرورت مند ہوں یہ آپ پر اللہ کی نعمت ہے، اس لیے نعمتوں سے اکتاؤ نہیں کہ وہ زحمت بن جائیں۔

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بھلائی تعریف اور اجر کا باعث ہوتی ہے، اگر تم بھلائی کو کسی شخص کے روپ میں دیکھو تو تم اسے دنیا والوں پر فوقیت رکھنے والا، دیکھنے والوں کو خوش کرنے والا، بہت اچھا اور خوبصورت انسان پاؤ گے، اور اگر تم کمینہ پن کو انسان کے روپ میں دیکھو تو تم اسے نہایت بد صورت، مسخ شدہ چہرہ والا پاؤ گے، لوگوں کے دل اور ان کی نگاہیں اس سے نفرت کریں گی۔^⑤

① سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۳ ② روح المعانی (۵/ ۲۷)، ضحی الإسلام (۳/ ۲۳۷) أحمد أمين

③ تاریخ دمشق الكبير ۱۴/ ۷۶ ④ تاریخ دمشق الكبير ۱۴/ ۷۶

⑤ الشهب اللامعة فی السياسة النافعة ص ۴۴۱

”الشہب الاملعة فی السیاسة النافعة“ کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے حسن بن علیؑ کو ایک درخواست دی، آپ نے جواب دیا: میں نے آپ کی درخواست پڑھ لی، آپ کی ضرورت پوری کی جائے گی، آپ سے کہا گیا: اے نواسہ رسول! اگر آپ اس کی درخواست پڑھ لیتے اور دیکھ لیتے کہ اس میں کیا ہے تو بہتر ہوتا، آپ نے فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ میرے پڑھنے تک وہ ذلت کی حالت میں میرے سامنے کھڑا رہے، پھر اس کے بارے میں مجھ سے سوال کیا جائے۔^۱

ان کارناموں نے آپ کی خاکساری کے ساتھ ساتھ آپ کے حسن اخلاق اور عظمت کا بھی پتہ چلتا ہے، حسن بن علیؑ کی جانب سے یہ کوئی تعجب خیز چیز نہیں، چنانچہ انہی کا قول ہے: مکارم اخلاق دس ہیں:

- ۱۔ سچائی
- ۲۔ بہادری
- ۳۔ سائل کو نوازنا
- ۴۔ خوش اخلاقی
- ۵۔ احسان کا بدلہ دینا
- ۶۔ صلہ رحمی
- ۷۔ پڑوسی پر رحم کرنا
- ۸۔ صاحب حق کے حق کو پہچاننا
- ۹۔ کمزور کی مہمان نوازی
- ۱۰۔ ان سب سے اوپر حیا ہے۔^۲

انہی کا قول ہے: بدخلقی سب سے بڑی مصیبت ہے۔^۳

حسن بن علیؑ کے یہ کارنامے رسول اللہ ﷺ کی رہنمائیوں کا نتیجہ ہیں، چنانچہ عبداللہ بن دینار بعض صحابہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

((أَنْفَعُهُمُ لِلنَّاسِ، وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ سُورُورٌ تُدْخِلُهُ عَلَى مُؤْمِنٍ، تَكْشِفُ عَنْهُ كَرْبًا، أَوْ تَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا، أَوْ تَطْرُدُ عَنْهُ جُوعًا، وَلَآنَ أَمْسَى مَعَ أَخِي الْمُسْلِمِ فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ شَهْرَيْنِ فِي مَسْجِدٍ، وَمَنْ مَشَى مَعَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ فِي حَاجَةٍ حَتَّى يُسَيِّتَهَا لَهُ ثَبَّتَ اللَّهُ قَدَمَهُ يَوْمَ تَزَلُّ فِيهِ الْأَقْدَامُ، وَإِنَّ سُوءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ))^۴

۱ الشہب الاملعة فی السیاسة النافعة ص ۴۳۹

۲ من اقوال الصحابة محمد خورشید ص ۶۸، الحسن بن علی ص ۳۱

۳ تاریخ یعقوبی ۲/ ۲۲۷

۴ سلسلۃ الأحادیث الصحیحة رقم ۹۰۶، امام البانی نے صحیح الجامع میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

”جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہو، اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کام وہ خوشی ہے جسے تم کسی مومن کو پہنچاؤ، اس کی پریشانیوں کو دور کر کے، اس کے قرض کو ادا کر کے، اس کی بھوک کو رفع کر کے۔ اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کے لیے میں نکلوں یہ مجھے کسی مسجد میں دو مہینہ اعتکاف سے زیادہ محبوب ہے۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی ضرورت کے لیے نکلتا ہے اور اس کی اس ضرورت کو پوری کر دیتا ہے تو جس دن کہ قدم پھسلے رہیں گے اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھیں گے۔ بذلتی عمل کو ایسے ہی برباد کر دیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔“

سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا فِي الدُّنْيَا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ نَجَّى مَكْرُوبًا فَكَانَ اللَّهُ عَنْهُ كَرْبَةً مِنْ كَرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ)) ①

”جو دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ جو کسی پریشانی میں مبتلا شخص کو نجات دلاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی پریشانیوں میں سے اس کی ایک پریشانی کو ختم کر دے گا۔ جو اپنے بھائی کے کام آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام آئے گا۔“

۳۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے آپ کی شادی:

شعیب بن یسار سے مروی ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے ② کے پاس آکر کہا: میں آپ کے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں، آپ مجھے نامراد واپس نہیں کریں گے، پوچھا: کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: آپ اپنی بہن کی شادی مجھ سے کر دیں، انھوں نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے یزید کا پیغام میرے پاس بھیجا ہے، آپ نے فرمایا: جب میں آپ کے پاس آگیا ہوں تو آپ مجھے نامراد واپس نہ کریں، چنانچہ انھوں نے ان کی شادی مجھ سے کر دی، پھر فرمایا: اپنی بیوی کے پاس جاؤ، چنانچہ ان کے پاس ایک جوڑا کپڑا بھیج دیا، اور ان کے پاس گئے، اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو مروان کو لکھا کہ انھیں اختیار دے دو، چنانچہ انھوں نے ان کو اختیار دیا، آپ نے حسن رضی اللہ عنہ کو پسند کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس شادی کو برقرار رکھا، ان کے بعد ان سے حسین رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی۔ ③

① مصنف عبدالرزاق رقم ۱۸۹۳۶، یہ حدیث صحیح ہے۔

② وہ اسحاق بن طلحہ ہیں۔

③ الطبقات بتحقیق السلمي ۱/۲۹۲، اس کی سند لا بأس بہ ہے۔

۴۔ خولہ بنت منظور سے آپ کی شادی:

ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خولہ بنت منظور سے شادی کی، لکڑی کے تخت پر رات گزاری، انھوں نے اپنا دوپٹہ آپ کے پاؤں اور اپنے بازو سے باندھ دیا، جب آپ بیدار ہوئے تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ جواب دیا: میں ڈر گئی کہ آپ رات میں گہری نیند میں بیدار ہوں اور گر جائیں تو میں عرب کی منوس ترین عورت نہ بن جاؤں، چنانچہ آپ ان سے محبت کرنے لگے، اور ان کے پاس سات دن رہے۔ ❶

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں ابو محمد کو چند روز سے نہیں دیکھ رہا ہوں، چلو ان کے پاس چلیں، چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس گئے، ان سے خولہ نے کہا: کیا آپ انھیں روکیں گے کہ ہم ان کے لیے کھانا تیار کریں؟ آپ نے کہا: ہاں، ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ ہم سے باتیں کرنے لگے، ہم بہت شوق سے سن رہے تھے، اس میں ہمیں مشغول رکھا یہاں تک کہ کھانا آ گیا۔ ❷

۵۔ آپ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو نہیں دیکھتے تھے:

حسن و حسین رضی اللہ عنہما امہات المومنین کو نہیں دیکھتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ان کا دیکھنا ان دونوں کے لیے حلال تھا۔ امام ذہبی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”حلال ہونا یقینی ہے۔“ ❶ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت شرمیلے تھے۔

۶۔ خاندان نبوی میں غیرت:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی ایک ضرورت سے بازار گئے، دکان والے سے ایک سامان کا بھاؤ پوچھا، اس نے عام بھاؤ بتایا، پھر اسے معلوم ہوا کہ آپ نواسے رسول حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں، چنانچہ آپ کے اعزاز و اکرام میں بھاؤ کم کر دیا، لیکن حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اسے قبول نہ کیا، ضرورت کی چیز چھوڑ کر چلے گئے، اور فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اپنے مقام و مرتبہ کا کسی معمولی چیز میں فائدہ اٹھاؤں۔ ❷

یہی حال کتاب اللہ و سنت رسول پر عامل تمام اہل بیت کا تھا، چنانچہ زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں جویریہ بن اسماء - جو آپ کے خادم خاص تھے - کہتے ہیں: علی بن حسین نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی

❶ خولہ بچوں کہ شیبہ تھیں، پہلے ان کی شادی محمد بن طلحہ بن عبید اللہ سے ہو چکی تھی اس لیے ان کا حق تین دن کا تھا، سات دن گزارنے کا ذکر حدیث کے ضعیف ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

❷ الطبقات بتحقیق السلمی ۳۰۷/۱، ۳۰۸، اس کی سند ضعیف ہے۔

❸ سیر اعلام النبلاء ۳/۲۶۵

❹ المرتضیٰ للندوی ص ۲۲۸

قربت کے عوض کبھی ایک درہم تک نہیں کھایا۔^① جب آپ سفر کرتے تو اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے تھے، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا: مجھے یہ چیز پسند نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے باعث وہ چیز لے لوں جو مجھے عام حالات میں نہ دی جائے۔^②

اسی طرح ابوالحسن علی رضا بن موسیٰ کاظم کے بارے میں مروی ہے کہ جب وہ سفر کرتے تو اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے تھے، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو بتایا کہ مجھے یہ چیز ناپسند ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے وہ چیز لے لوں جو مجھے عام حالات میں نہ دی جائے۔^③

یہ اہل بیت رسول اللہ ﷺ سے اپنی قربت کے بارے میں کافی غیرت مند تھے، دنیاوی مقاصد کے لیے اس قربت کا استعمال نہیں کرتے تھے، جیسا کہ دوسرے ادیان کے رہنماؤں (جنہیں لوگ ہر حال میں مقدس سمجھتے ہیں) کے خاندان والے کرتے ہیں۔ وہ لوگ اہل بیت کے نام پر دنیا کمانے اور ان کی لاشوں پر فخر کے محل تعمیر کرنے سے دور رہتے تھے، ان کی شانِ استغناء و عزت نفس ان کی سیرت و سلوک کی ایسی تصویر پیش کرتی ہے جو دوسرے ادیان و مل میں دین کے ٹھیکے داروں برہمنوں اور پجاریوں کی سیرت سے بالکل مختلف ہے۔ پیدائشی طور سے انھیں عظمت و تقدس حاصل ہوتی ہے، انھیں معاش اور زندگی کی دیگر ضروریات کے حصول کے لیے کچھ بھی محنت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔^④

۷۔ آپ کا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس روز بعد اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، آپ کی صلاۃ جنازہ حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔^⑤ آپ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔^⑥ بعض ضعیف روایتیں اس جانب اشارہ کرتی ہیں کہ امیر المومنین کے قتل میں اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں، اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کے کردار کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخلص اور وفادار تھے۔ پانی کے سلسلے میں اثناء جنگ میں اہل شام سے لڑنے میں پیش پیش تھے، خوارج کے شروع ہی سے دشمن تھے، انھوں نے ہی علی رضی اللہ عنہ کو ان (خوارج) کے اس قول کی خبر دی تھی کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی غلطی سے تائب ہو چکے ہیں، اور حکیم سے رجوع کر لیا ہے، اور مقام نہروان میں علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے جنگ کی ہے۔

ان کی شدید خواہش تھی کہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان والوں سے اپنے تعلقات کو مضبوط بنائیں، اسی لیے

① البدایہ والنہایہ نقلًا عن المرتضیٰ للندوی ۲۲۸ ② وفیات الأعیان ۲/ ۴۳۴

③ وفیات الأعیان ۲/ ۴۳۴ ④ المرتضیٰ للندوی ص ۲۲۸

⑤ الکامل فی التاریخ ۳/ ۴۴۴ ⑥ تہذیب التہذیب ۲/ ۳۰۰

اپنی بیٹی حسنہ رضی اللہ عنہا کے عقد میں دے دی، جب حسن رضی اللہ عنہ نے بیوی کی رخصتی کرانی چاہی تو ”بنو کندہ“ نے آپ کے دروازے سے اشعث رضی اللہ عنہ کے دروازے تک اپنی چادروں کو فرش راہ بنا دیا۔ ❶ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اشعث رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، ان کی صلاۃ جنازہ جیسا کہ گزر احسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پڑھائی، آل علی سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ انھوں نے اشعث رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت لگائی ہو یا اس سبب سے آل اشعث میں سے کسی کی ہتک عزت کی ہو، رائج بات یہی ہے کہ نہروان کے مقتولین کے بدلے میں خوارج نے علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش کی تھی۔ ❷

۸۔ آپ کے ساتھ برا سلوک کرنے والوں کے ساتھ آپ کا معاملہ:

مدینہ سے ایک شخص آیا جو علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا، اس کا سفر موقوف ہو گیا، اس کے پاس زاد راہ اور سواری نہ رہی، اس نے بعض اہل مدینہ سے اپنی پریشانی بتلائی تو انھوں نے اس سے کہا: تم حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ، اس آدمی نے ان لوگوں سے کہا، کیا مجھے یہ چیز حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہی کے پاس مل سکتی ہے؟ اسے جواب ملا: تمہیں بھلائی انھیں سے مل سکتی ہے، چنانچہ وہ گیا اور ان سے اپنی پریشانی بتلائی، آپ نے اسے زاد راہ اور سواری مہیا کرانے کا حکم دے دیا، آدمی نے کہا: اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت سے کس کو نوازے، حسن رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ سے اور آپ کے والد سے بغض رکھنے والا شخص آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کو زاد راہ اور سواری دینے کا حکم دے دیا، آپ نے جواباً کہا: کیا میں اس سے زاد و راحلہ کے بدلے اپنی عزت و آبرو محفوظ نہ کر لوں۔ ❸

۹۔ مجلسوں میں آپ کا طریقہ:

ایک دن آپ ایک مجلس میں بیٹھے تھے، ابھی اس مجلس سے اٹھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک فقیر آ گیا، آپ نے اس کا خوش دلی سے استقبال کیا، اس کے ساتھ اچھے ڈھنگ سے پیش آئے، اس سے کہا: تم میرے اٹھنے کے وقت آئے، کیا تم مجھے چلے جانے کی اجازت دیتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، اے نواسہ رسول ﷺ۔ ❹

۱۰۔ آپ کا حسن اخلاق:

عمیر بن اسحاق سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی گفتگو سے بہتر میرے نزدیک کسی اور کی گفتگو نہ تھی، میں نے ان سے کبھی کوئی غلط بات نہیں سنی سوائے ایک مرتبہ کے، حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین کسی بات کا جھگڑا تھا، حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے پاس اس کی ناک خاک آلود کر دینے والی چیزوں کے

❶ تہذیب الکمال ۳/ ۳۹۳، ۳۹۴، الطبقات ۶/ ۲۳

❷ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین، بطابنة ص ۵۲

❸ تاریخ ابن عساکر ۱۴/ ۷۶۶، الطبقات بتحقیق السملی ۱/ ۲۸۱، اس کی سند ضعیف ہے، تاریخ الخلفاء ص ۷۳

علاوہ کچھ نہیں، یہ سب سے زیادہ سخت بات تھی جو میں نے کبھی آپ سے سنی۔^①

۱۱۔ آپ کا دوسرے کے ساتھ گولی نما پتھروں سے کھیلنا:^②

سلیمان بن شدید کہتے ہیں: میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ گولی نما پتھروں سے کھیلتا تھا، جب میں بازی جیت جاتا تو مجھ سے کہتے: کیا تمہارے لیے درست ہے کہ جگر گوشہ رسول کے کندھوں پر سوار ہو؟ اور جب وہ بازی جیت جاتے تو کہتے: کیا تم اس بات پر اپنے رب کا شکر نہیں ادا کرتے کہ تمہارے کندھوں پر جگر گوشہ رسول سوار ہو۔^③

۱۲۔ فضول باتوں سے آپ کا دور رہنا:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اکثر خاموش رہتے تھے، جب بولتے تو بولنے والوں پر سبقت لے جاتے، وہ ہمیں فضول باتوں سے دور رہنے کی تعلیم دیتے تھے یہی نبی ﷺ کا طریقہ تھا، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يَسْتَقِيمُ إِيْمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ وَلَا يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ حَتَّى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ.))^④

”کسی بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا دل نہ درست ہو جائے اور اس کا دل درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی زبان نہ درست ہو جائے۔“

نیز فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ.))^⑤

”جسے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو وہ یا تو اچھی بات کہے یا چپ رہے۔“

نیز آپ نے فرمایا:

((مَنْ صَمَتَ نَجَا.))^⑥

”جو چپ رہا نجات پایا۔“

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی چیزیں جہنم میں جانے کا زیادہ سبب بنیں گی، تو آپ نے فرمایا:

① البدایة والنهاية ۱۹۸/۱۱

② یہ ایک کھیل تھا جس میں گولی نما پتھر کے ٹکڑے لے کر ان کے بقدر گڑھا کھودا جاتا تھا، اس میں اپنا اپنا پتھر پھینکتے تھے جس کا پتھر گڑھے میں بیٹھ جاتا وہ بازی لے جاتا تھا اور جو اس سے باہر رہتا وہ بازی ہار جاتا تھا، ان پتھروں کو ”المدائی“ کہا جاتا تھا۔

③ الطبقات بتحقیق السلمی ۲۹۴/۱

④ صحیح البخاری رقم ۶۱۳۶

⑤ سلسلة الأحادیث الصحيحة رقم ۲۸۴۱

⑥ صحیح الجامع رقم ۶۳۶۷

((الْقَمُ وَ انْفِرْجُ .)) ❶ منہ اور شرم گاہ۔

معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ایسے عمل کے بارے میں پوچھا جو جنت میں لے جائے اور جہنم سے دور رکھے تو آپ نے دین کے سر، اس کے ستون، اور اس کے کوبان کی بلندی بتلانے کے بعد فرمایا: ((أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَسْلَاكِ ذَلِكَ كُلِّهِ .)) ”کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتلا دوں جس پر ان سب کا دار و مدار ہے؟“ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: ((كَفَّ عَلَيْكَ هَذَا .)) ”اس کو روک رکھو“ انھوں نے کہا: کیا ہم زبان سے جو بات کہتے ہیں اس پر بھی ہماری گرفت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ((ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مَعَاذُ وَ هَلْ يَكُفُّ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلَيَّ وَ جُوهِهِمْ أَوْ عَلَيَّ مَنَاجِرِهِمْ إِلَّا حَصَانِدُ أَلَسْتَبِهِمْ .)) ❷

”تیری ماں تجھے گم پائے اے معاذا! (یہ بد دعا نہیں عربی محاورہ ہے) جہنم میں لوگوں کو ان کی زبان کی کاٹی ہوئی کھیتیاں ہی منہ کے بل یا ناک کے بل گرائیں گی۔“

ابن عبید کا قول ہے:

”جو شخص بھی اپنی زبان کا خیال رکھتا ہے تو یہ چیز اس کے دوسرے اعمال کی درستی کا سبب بنتی ہے۔“ ❸

ابن الکاتب کا قول ہے:

”جب دل میں خوف الہی ہوتا ہے تو زبان سے کام ہی کی بات نکلتی ہے۔“ ❹

امام اوزاعی کا قول ہے:

”عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے میرے ایک خط میں لکھا: اما بعد! جو موت کو بکثرت یاد کرتا ہے وہ دنیا کے معمولی حصے پر راضی ہو جاتا ہے جو اپنی گفتگو کو اپنا عمل سمجھتا ہے وہ صرف مفید باتیں کرتا ہے، والسلام۔“ ❺

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی گفتگو کو اپنا عمل سمجھتے تھے، اس لیے اکثر چپ رہتے تھے۔

۱۳۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی عزت افزائی:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے غلام حرمہ سے مروی ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے مجھے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے

❶ سنن الترمذی اور کہا حدیث صحیح ہے۔

❷ سلسلة الاحادیث الصحيحة رقم ۶۶۹

❸ صفة الصفوة ۳/ ۳۷۲

❹ صفة الصفوة ۳/ ۳۷۲

❺ سنن الترمذی اور کہا حدیث صحیح ہے۔

❻ سیر أعلام النبلاء ۵/ ۱۳۳

پاس بھیجا اور مجھ سے کہا: وہ تم سے پوچھیں گے، تمہارے آقا کی کیا خبر ہے؟ تو ان سے کہنا: آپ کے لیے ان کا ایک پیغام ہے، اگر آپ شیر کے منہ میں ہوں تب بھی میں آپ کے ساتھ رہنا پسند کروں گا، لیکن میری رائے میں معاملہ ایسا نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں: میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے مجھے کچھ نہ دیا، حسن، حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے پاس گیا تو انھوں نے ہدایا اور تحائف سے ہماری سواری کو لاد دیا۔ ❶

۱۴۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ایک فقیر یہودی:

ایک دن حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے غسل کر کے نکلے، آپ بہترین کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے، لمبے بال بڑے خوب صورت نظر آرہے تھے، آپ کے سامنے ایک محتاج یہودی آیا، اس کے جسم پر چمڑے کا ٹکڑا تھا، بیماری نے اسے لاغر کر دیا تھا، اس پر ذلت و محتاجی کے آثار نمایاں تھے، دوپہر کی تمازت سے تھکلا ہوا تھا، اپنی پیٹھ پر پانی کا گھڑا اٹھائے ہوئے تھا، حسن رضی اللہ عنہ کو روکا اور کہا: اے نواسہ رسول! ایک سوال ہے، آپ نے پوچھا: کون سا سوال ہے؟ کہا: آپ کے نانا ﷺ کا قول ہے:

((الْذُّنْيَا سَجَنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ .)) ❷

”دنیا مومن کی جیل اور کافر کی جنت ہے۔“

اور تم مومن ہو، میں کافر ہوں، میری رائے میں دنیا تمہاری جنت ہے اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو، اور میرے لیے جیل ہے، اس کی پریشانیوں نے مجھے ہلاکت تک پہنچا دیا ہے، محتاجی سے برا حال ہے، جب حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سنی تو اس سے کہا: آخرت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں اگر تم انھیں دیکھ لو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری یہ حالت اس کے مقابلے میں جیل جیسی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو عذاب تیار کر رکھا ہے اگر تم اسے دیکھ لو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم اس وقت بڑی وسیع و عریض جنت میں ہو۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما بڑے ہی حاضر جواب تھے، آپ نے نہایت تشفی بخش اور مسکت جواب دیا، آپ نے واضح کر دیا کہ اس کی موجودہ خستہ حالی آخرت میں کافروں کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کے بالمقابل جنت ہے، اور حسن رضی اللہ عنہ کی حالت جسے وہ نعمتوں سے پر سمجھتا تھا جنت میں متقیوں کے لیے جو نعمتیں تیار کی گئی ہیں ان کے بالمقابل وہ جیل جیسی ہے۔ ❹

❶ ذخائر العقبی ص ۲۳۷

❷ صحیح مسلم، وابن ماجہ، رقم ۴۱۱۳

❸ الحسن والحسین، محمد رشید رضا ص ۳۲

❹ الحسن والحسین ص ۳۳

۱۵۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ:

مدرک ابو زیاد کہتے ہیں: ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے باغ میں تھے، عبداللہ بن عباس، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم آئے، باغ میں ٹہلے گھومے، پھر ایک کنویں کے پاس آکر اس کے کنارے بیٹھ گئے، مجھ سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مدرک! کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ میں نے کہا: میں نے روٹی تیار کی ہے، کہا: لے آؤ، چنانچہ میں روٹی، تھوڑا پسا ہوا نمک اور دو عدد پیاز لے کر آیا، آپ نے کھایا پھر کہا: اے مدرک! یہ کیا ہی اچھا کھانا ہے، اس کے بعد اپنا کھانا لے کر آئے، جو بہت عمدہ اور کافی مقدار میں تھا، کہا: اے مدرک! میرے پاس باغ میں موجود بچوں کو بلاؤ، مدرک کا بیان ہے کہ آپ نے کھانا انھیں دے دیا، ان سب نے کھایا آپ نے نہیں کھایا، میں نے کہا: کیا آپ نہیں کھائیں گے؟ اس پر آپ نے فرمایا: وہ کھانا میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ پھر وہ لوگ اٹھے، وضو کیا، پھر حسن رضی اللہ عنہ کی سواری لائی گئی، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی زین کو اس پر کسا، پھر حسین رضی اللہ عنہ کی سواری لائی گئی، اس کی بھی زین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کسی، جب دونوں چلے تو میں نے کہا: آپ ان دونوں سے بڑے ہیں اور ان کی زین درست کرتے ہیں؟ فرمایا: ارے بے وقوف تمہیں معلوم ہے یہ دونوں کون ہیں؟ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں، یہ منجانب اللہ مجھ پر کرم ہے کہ میں ان کی زین درست کروں۔ ①

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب سے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی اتنی عزت اور اتنا احترام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ان دونوں سے محبت کرتے تھے اور ان کی فضیلت کے معترف تھے، ساتھ ہی ساتھ یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت کی دلیل بھی ہے، اس لیے کہ اہل فضیلت کی فضیلت کا اعتراف فضیلت والے ہی کرتے ہیں۔

امیر المومنین علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنے چچا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد عباس رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ میرے والد عباس رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے آپ کی عیادت کے لیے علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، مجھے دیکھا کہ میں ان کے دونوں پاؤں درست کر رہا ہوں، انھوں نے دونوں پاؤں میرے ہاتھوں سے لے لیے اور میری جگہ بیٹھتے ہوئے کہا: میں اپنے چچا کی خدمت کا تم سے زیادہ حق دار ہوں، اگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ، میرے چچا حمزہ، میرے بھائی جعفر کو وفات دے دی ہے تو میرے لیے چچا عباس کو باقی رکھا ہے، کسی آدمی کا چچا اس کے باپ جیسا ہوتا ہے، اس کے ساتھ اس کا حسن سلوک اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک جیسا ہوتا ہے، اے اللہ! میرے چچا کو صحت و عافیت عطا فرما، ان کے درجات کو بلند کر، انھیں علمین میں جگہ دے۔ ②

① تاریخ ابن عساکر ۶۹/۱۴

② ذخائر العقبی ص ۳۳۷

۱۶۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف:

عبداللہ بن عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جاڑے کی ایک ٹھنڈی رات کی صبح میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہیں، اللہ کی قسم وہ اس وقت اٹھے جب آپ کی پیشانی عرق آلود ہوگئی، اس پر مجھے غصہ آیا، ان کے پاس جا کر کہا: اے چچا! پوچھا کیا چاہتے ہو؟ کہا: میں نے آپ کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا، اور ان کے پاس ہی رہے تا آنکہ آپ کی پیشانی عرق آلود ہوگئی، فرمایا: اے میرے بھتیجے! بلاشبہ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر ہیں، اللہ کی قسم ان جیسے لوگوں کے پاس سے عورتیں بھی اٹھ کر نہیں جانا چاہتیں۔^①

۱۷۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مابین کا معاملہ:

ابن خلکان نے (صیغہ تریض کے ساتھ) ذکر کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مابین کوئی بات ہوگئی، دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے قطع تعلق کر لیا، حسین رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: تمہارے بھائی تم سے بڑے ہیں تمہیں ان کے پاس جانا چاہیے، انھوں نے کہا: فضیلت ابتداء کرنے والے کے لیے ہوتی ہے، مجھے یہ ناپسند ہے کہ مجھے میرے بھائی پر فضیلت حاصل ہو، یہ بات حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ ان کے پاس آئے۔^②

۱۸۔ والد، والدہ، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کے اعتبار سے آپ (حسن رضی اللہ عنہ) سب سے بہتر تھے:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور سرداروں کی ایک جماعت تھی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: والد، والدہ، ماموں، خالہ، چچا اور پھوپھی کے اعتبار سے کون سب سے بہتر ہے؟ نعمان بن عجلان زرقانی رضی اللہ عنہ اٹھے، حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ ہیں، ان کے والد علی رضی اللہ عنہ، والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، چچا جعفر رضی اللہ عنہ، پھوپھی ام ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا، ماموں قاسم رضی اللہ عنہ، اور خالہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔^③

۱۹۔ ان سے اور ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ سے لوگوں کی محبت اور مسجد حرام میں ان کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ:

ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ امام کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر حجر اسود کے پاس آئے، اس کا استلام کیا، پھر سات چکر طواف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، لوگوں نے کہا: یہ دونوں نواسہ رسول ﷺ ہیں، لوگوں نے ان کے ارد گرد بھیڑ لگا دی یہاں تک کہ ان کا آگے بڑھنا مشکل ہو گیا، ان کے ساتھ

① تاریخ ابن عساکر ۷۰/۱۴

② وفیات الأعیان ۶۹/۲

③ تاریخ ابن عساکر ۷۰/۱۴

ایک رکائی ❶ شخص تھا، حسین رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور لوگوں کو حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے سے روکا، میں نے دونوں کو دیکھا کہ جب بھی حطیم کی جانب سے ہوتے ہوئے رکن یمانی کے پاس سے گزرتے تو اس کا استلام کرتے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا: تب تو دونوں سات چکر پورا نہیں کر پائے ہوں گے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہوگا؟ کہا: نہیں، دونوں نے پورے سات چکر لگ لیے تھے۔ ❷

ثالثاً:..... آپ کے اقوال، خطبے اور نصیحتیں جنہیں لوگوں نے محفوظ رکھا

۱۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے: تین چیزیں لوگوں کی ہلاکت کا باعث ہیں، تکبر، حرص اور حسد۔ تکبر دین کو ہلاک کر دیتا ہے، اسی کے باعث ابلیس ملعون قرار پایا۔ حرص نفس کی دشمن ہے، اسی کے باعث آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔ حسد برائی کے لیے راہ نما ہے، اسی کے سبب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ ❶

یہ دل کی بیماریاں ہیں جن سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ڈرایا ہے، یہ بڑی ہی تشویش ناک بیماریاں ہیں، اس کی کچھ تفصیلات درج ذیل ہیں:

۱..... تکبر کی بیماری:

حسن رضی اللہ عنہما کا قول:..... تکبر دین کو ہلاک کر دینے والا ہے، اور اسی کے باعث ابلیس ملعون قرار دیا گیا: تکبر کی ضد تواضع ہے، اور تکبر یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے، یہ بہت بڑی آفت ہے، یہیں سے بہت ساری مصیبتیں جنم لیتی ہیں، یہی چیز اللہ کے عذاب و غضب کا موجب ہوتی ہے، اس لیے کہ کبریائی اللہ کا حق ہے، اس کے علاوہ یہ کسی اور کے لیے سزاوار نہیں، اس لیے کہ اس کے علاوہ سبھی مملوک بندے ہیں، وہی حقیقی مالک و معبود اور قادر مطلق ہے، متکبر اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کمر توڑ عذاب میں مبتلا کر دے، اس کو ذلیل و رسوا کر دے، اس لیے کہ اس نے اپنے مقام و مرتبہ سے تجاوز کیا ہے اور جو مخلوق کے شایان شان نہیں اس کا ارتکاب کیا ہے۔ ❷

تکبر کی علامتیں:

تکبر کی کچھ ظاہری علامتیں ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

❶ یہ نسبت ہے رکابہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف کی جانب ہے جس سے نبی کریم ﷺ کی دو مرتبہ کشتی ہوئی تھی، جیسا کہ القاموس کے مادہ ”رکب“ میں ہے۔

❷ تاریخ ابن عساکر ۶۹/۱۴

❸ علموا اولادکم محبة آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۱

❹ منہج الإسلام فی تزکیة النفس ۳۴۲

- ۱۔ لوگوں پر اپنی برتری کی چاہت اور اس کا اظہار۔
 - ۲۔ مجلسوں میں پیش پیش رہنا۔
 - ۳۔ اکڑ کر چلنا۔
 - ۴۔ اپنی بات غلط ہی کیوں نہ ہو اس کو رد نہ ہونے دینا۔
 - ۵۔ کمزور اور ضعیف مسلمانوں کا مذاق اڑانا۔
 - ۶۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا اور اپنی تعریف خود کرنا۔
 - ۷۔ آباء و اجداد پر فخر کرنا، نسب و خاندان پر نازاں ہونا۔
 - ۸۔ مال، علم، عمل، عبادت، خوب صورتی، طاقت، قبیلے اور دوست و احباب کی کثرت وغیرہ پر تکبر کرنا۔
- اس بیماری سے بچاؤ اور اس کا علاج:

☆ مسلمان اپنے آپ سے پوچھتا رہے، اپنے دل کی نگرانی کرتا رہے کہ وہ تکبر تو نہیں ہو گیا ہے؟ وہ مائل بہ تکبر تو نہیں ہے، اگر وہ اپنے آپ کو تواضع و انکساری کی جانب مائل اور تکبر اور اہل تکبر کو نہ پسند کرنے والا پائے تو اپنے اوپر اللہ کے انعام اور فضل کا شکریہ ادا کرے، ورنہ اپنے نفس کو ملامت کرے، اس کا محاسبہ کرے، اور بطور سزا اس سے بکثرت ذکر و عبادت، صوم و اطاعت کرائے، اسے بہت سارے مباح آرام و آسائش، لہو و لعب اور مرغوبات سے محروم رکھے تاکہ نفس سدھر جائے، ضلالت و گمراہی سے باز آجائے اور اپنی بیماری سے شفا یاب ہو جائے۔

☆ مسلمان اس بیماری کی حقیقت کو سامنے رکھے، دنیا و آخرت میں اس کے نتائج، شریعت میں اس کے حکم، دنیا و آخرت میں اس پر سزا، قرآن و سنت، امر واقعی، صالحین کے واقعات اور ان کی زندگیوں کی روشنی میں اس کے انجام سے غافل نہ رہے۔

قرآن کریم صراحت سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ تکبر شیطان کی صفت ہے، ابلیس لعین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝﴾

(البقرة: ۳۴)

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔“

متکبر کو اللہ تعالیٰ محبوب نہیں رکھتا، جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۝﴾

(النحل: ۲۳)

”بے شک وہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ ہر اس چیز کو جسے وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جسے ظاہر کرتے ہیں بخوبی جانتا ہے، وہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

﴿وَلَا تُصْعَقْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمُشْ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝﴾ (لقمان: ۱۸)

”لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اتر کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔“

فخر و گھمنڈ متکبر کی صفت ہے اور متکبر کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے، جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝﴾ (غافر: ۳۵)

”جو بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضی کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔“

اگر کوئی علم و عبادت میں تکبر کرتا ہے (جب کہ وہ تکبر کی بدترین شکل ہے) تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم پر اتمام حجت کر دیا ہے، جاہل کی بعض باتوں سے صرف نظر کرتا ہے جب کہ عالم سے نہیں کرتا، جو علم رکھتے ہوئے محض تکبر کی بنا پر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کا یہ گناہ عظیم ترین ہے۔

اگر حسب و نسب کی وجہ سے تکبر کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دوسروں کی خوبیوں پر فخر کرتا ہے، پھر اسے اپنے باپ دادا کی حقیقت سے بھی آگاہ ہونا چاہیے، اس کے قریبی باپ کی حقیقت ایک حقیر نطفہ ہے، اس کے بعد ترین باپ آدم علیہ السلام کی حقیقت مٹی ہے۔ جو خوب صورتی پر فخر کرتا ہے اسے جانوروں کی طرح ظاہر کے بجائے عقلمندوں کی طرح اپنے باطن کو دیکھنا چاہیے۔ جس کو اپنی قوت پر فخر ہو تو اسے یقین کرنا چاہیے کہ اس کی ایک رگ درو کرنے لگتی ہے تو بالکل عاجز بن جاتا ہے، جو مالدار کی کے باعث تکبر کرتا ہے تو اسے اپنے سے زیادہ مالدار قارون، ہامان اور ان کے انجام کو دیکھنا چاہیے۔

مذکورہ باتوں پر عمل کرنے سے وہ تکبر چھوڑ دے گا، انسان کو تواضع و خاکساری اپنانا چاہیے، نتیجتاً اللہ تعالیٰ

اسے عزت و رفعت سے نوازے گا، دنیا و آخرت میں اس سے خوش ہو جائے گا، اسے قرآن و حدیث میں مذکور پہلے کے متکبروں اور دور حاضر کے متکبروں کے واقعات اور دنیا و آخرت میں ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، ایسی صورت میں وہ تکبر سے بچے گا، اور اگر اس بیماری میں مبتلا ہے تو اس سے چھٹکارا کی کوشش کرے گا، اسے صالح خاکساروں کے ساتھ رہنا چاہیے تاکہ ان سے اچھے اخلاق، اقوال اور دوسروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو سیکھے، متکبروں سے دور رہے، ان کے ساتھ نہ اٹھے بیٹھے تاکہ ان سے دنیا و آخرت میں ضرر رساں چیزیں نہ سیکھے یا ان سے متاثر ہو کر ان کی گمراہیوں کے پیچھے دوڑنے نہ لگے۔ ❶

ب:..... حرص:

حسن رضی اللہ عنہ کا قول:..... حرص نفس کا دشمن ہے، اسی کے باعث آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے:

فرمان نبوی ہے:

((مَا ذَنْبَانِ جَاءَاَنِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ.)) ❷

”انسان کے دین کو مال کی حرص اور عز و جاہ کی چاہت جتنا نقصان پہنچاتی ہے اتنا نقصان ایسے دو بھوکے بھیڑیے نہیں پہنچاتے جنھیں بکریوں میں چھوڑ دیا گیا ہو۔“

یہ بڑی عظیم مثال ہے جسے نبی کریم ﷺ نے یہ بتلانے کے لیے بیان کیا کہ مسلمان کا دین مال کی حرص اور دنیاوی عز و جاہ کی چاہت سے برباد ہو جاتا ہے، ان کے ذریعہ سے دین کی بربادی بکریوں کی اس بربادی سے کم نہیں جسے وہ دو خونخوار بھوکے بھیڑیے انجام دیتے ہیں، جنھیں ان بکریوں میں چھوڑ دیا گیا ہو اور ان کے چرواہے رات بھر وہاں سے غائب رہے ہوں، وہ بکریوں کو پھاڑ کھاتے رہیں گے اور ایسی صورت میں ان دونوں بھیڑیوں سے بہت کم بکریاں بچ پائیں گی، اس طرح نبی کریم ﷺ نے یہ بتلایا کہ مال اور عز و جاہ کی حرص انسان کے دین کو جتنا برباد کرتی ہے وہ بربادی اس سے کم نہیں جو دونوں بھیڑیے بکریوں میں پھیلاتے ہیں، وہ بربادی یا تو برابر ہوگی یا زیادہ، آپ ﷺ اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ مال اور عز و جاہ کی حرص کے ساتھ مسلمان کا دین بہت کم محفوظ رہتا ہے، یہ عظیم مثال مال اور دنیاوی عز و جاہ کی حرص کی خرابی سے واضح طور پر آگاہ کر رہی ہے، مال کی حرص دو قسم کی ہوتی ہے:

☆ پہلی قسم: مال کی شدید محبت ہو، اس کے حصول کے لیے تمام تر مباح ذرائع استعمال کیے جائیں اور اس کے

❶ منہج الإسلام فی تزکیة النفس ص ۳۴۶

❷ الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان رقم ۳۲۱۸ حدیث حسن صحیح ہے۔

حصول کی مبالغہ کی حد تک شدید خواہش ہو، پوری مشقت و پریشانی کے ساتھ مختلف ذرائع سے اس کے حصول کی کوشش کی جائے، حدیث کا شان و دروایہ بعض واقعات کا وقوع ہے، جیسا کہ امام طبرانی ① نے عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے خیبر کے حصوں میں سے سو حصے خرید لیے، یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: دو خوشوار بھیڑیں جو بکریوں کے ایسے ریوڑ میں پہنچ جائیں جنہیں ان کے مالک نے کھودیا ہو، تو وہ انہیں اتنا نقصان نہیں پہنچا پائیں گے جتنا کہ مال اور عز و جاہ کی حرص مسلمان کے دین کو پہنچاتی ہے۔ ②

امام ابن رجب اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”مال کی حرص میں اچھی عمر ایسی چیز کے لیے ضائع ہو جاتی ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے، جب کہ صاحبِ عمر اسے بلند درجات اور ابدی نعمتوں کے حصول میں خرچ کر سکتا ہے، لیکن وہ اسے اس مقوم و مقدر رزق کے حصول کی حرص میں ضائع کر دیتا ہے، جو اتنا ہی حاصل ہوگا جتنا انسان کے لیے مقدر ہے، پھر اس سے خود مکمل فائدہ بھی نہیں اٹھاتا بلکہ دوسروں کے لیے چھوڑ کر راہی ملکِ عدم بن جاتا ہے، اس کا حساب اس کے ذمہ ہو جاتا ہے جب کہ فائدہ دوسرے اٹھائیں گے، اس طرح وہ مال ایسے لوگوں کے لیے جمع کرتا ہے جو اس کا شکریہ بھی نہیں ادا کریں گے، یہ چیز حرص کے مذموم ہونے کے لیے کافی ہے۔“

حریص اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتا ہے، ایسے مال کے جمع کرنے کے لیے جس سے دوسرے فائدہ اٹھائیں گے، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے، بہت سارے خطرات مول لیتا ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

وَمَنْ يَنْفِقِ الْأَيَّامَ فِي جَمْعِ مَالِهِ

مَخَافَةَ فَقْرٍ فَالَّذِي فَعَلَ الْفَقْرُ ③

”جو فقیری کے ڈر سے مال جمع کرنے میں اپنی عمر خرچ کرتا ہے تو حقیقت میں اس کا یہ فعل فقیری ہے۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”یقین یہ ہے کہ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش نہ کرو، اللہ کے رزق پر کسی سے حسد نہ کرو، جو اللہ

① المعجم الأوسط ۱/ ۴۷۰، رقم ۸۵۵

② الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، رقم: ۳۳۱۸، اس کی سند صحیح ہے۔

③ ما ذنبان جانعان لابن رجب ص ۲۳

نے تمہیں نہیں دیا ہے اس پر کسی کو ملامت نہ کرو، حریص کی حرص نہ تو روزی لاسکتی ہے اور نہ ہی کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اطمینان و خوشی یقین و رضا میں رکھی ہے، اور حزن و ملال شک و عدم رضا میں رکھا ہے۔“^①

عبدالواحد بن زید اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے: میرے نزدیک آدمی کے لیے دنیا کی حرص اس کے سخت ترین دشمن سے بھی زیادہ خوفناک ہے، اور کہا کرتے تھے: بھائیو! مال و دولت اور بڑی تجارت کے باعث کسی حریص پر رشک نہ کرو، اسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھو، اس لیے کہ وہ اس وقت ایسی چیز میں مشغول ہے جو کل قیامت میں اس کے لیے نقصان دہ ہے، اس کے باوجود وہ تکبر کرتا ہے۔ نیز کہا کرتے تھے: حرص دو طرح کی ہے: (۱) پریشان کن حرص (۲) نفع بخش حرص۔ نفع بخش حرص یہ ہے کہ انسان اطاعت الہی کا حریص ہو اور پریشان کن حرص یہ ہے کہ انسان دنیا کا حریص ہو۔^②

کسی حکیم نے اپنے بھائی کو جو دنیا کا حریص تھا لکھا: اما بعد! تو دنیا کا حریص ہو گیا ہے اس کی خدمت میں لگا ہے جب کہ وہ تجھے اپنے اندر سے مختلف پریشانیوں، بیماریوں اور آفتوں کے ذریعہ سے نکال دینے والی ہے، ایسا لگتا ہے کہ تم نے روزی سے محروم حریص اور روزی یافتہ زاہد کو نہیں دیکھا۔

کسی حکیم کا قول ہے: اکثر غم و حزن میں رہنے والا حاسد ہوتا ہے، سب سے آرام کی زندگی قناعت پسندی کی ہوتی ہے، سب سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والا حریص ہوتا ہے، سب سے ہلکی پھلکی زندگی اس کی ہوتی ہے جو دنیا سے مستغنی ہو، سب سے زیادہ ندامت اٹھانے والا افراط پسند عالم ہے۔^③ شاعر کہتا ہے:

الحرص داء قد أضر

بمن نری إلا قليلا

”حرص ایسی بیماری ہے جس نے اکثر لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔“

کم من حریص طامع

والحرص صیرہ ذلیلا^④

”بہت سارے لالچی حریصوں کو حرص نے رسوا کر دیا ہے۔“

① ما ذبیان جائعان لابن رجب ص ۲۶

② ما ذبیان جائعان لابن رجب ص ۲۶

③ ما ذبیان جائعان لابن رجب ص ۲۷

④ ما ذبیان جائعان لابن رجب ص ۲۷

شاعر محمود وراق کہتا ہے:

و نازح الدار لا ينفك مغتربا
من الأجرة لا يدرون بالحال
”رزق کی تلاش میں گھر سے دور رہنے والا دوست و احباب سے مسلسل دور رہتا ہے، وہ اس کے حالات سے واقف نہیں ہو پاتے۔“

بمشرق الأرض طورا ثم مغربها
لا يخطر الموت من حرص على بال
”کبھی مشرق میں ہوتا ہے کبھی مغرب میں، حرص کے باعث موت کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔“
ولو قنعت أتك الرزق في دعة
إن القنوع الغنى لا كثرة المال
”اگر تمھیں قناعت حاصل ہو جائے تو تمھارے پاس روزی بڑے سکون و اطمینان سے آئے گی، بلاشبہ قناعت ہی اصل مال داری ہے نہ کہ مال کی کثرت۔“

نیز کہتا ہے:

أيها المتعب جهدا نفسه
يطلب الدنيا حريصا جاهدا
”اے وہ شخص جو بڑی حرص اور محنت سے دنیا حاصل کرتے ہوئے اپنے آپ کو تھکا رہا ہے۔“
لا لك الدنيا و لا أنت لها
فاجعل الهمين هما واحدا ❶
”ہمیشہ کے لیے نہ تو دنیا تمھاری ہے اور نہ تم دنیا کے ہو، اس لیے (دنیا و آخرت کے) دو غموں کو (آخرت کا) ایک غم بنا دو۔“

☆ حرص مال کی دوسری قسم یہ ہے کہ پہلی قسم میں مذکور چیزوں سے آگے بڑھ کر مال کو حرام طریقوں سے حاصل کرے، واجب حقوق نہ ادا کرے، ایسا کرنا مذموم حرص ہے، فرمان الہی ہے:

﴿وَمَنْ يُوقِ شَخْ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (التغابن: ۱۶)

”اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے۔“

سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((اتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، أَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَفَطَعُوا وَ

أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوا وَ أَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا)). ❶

”حرص سے بچو، حرص نے تم سے پہلے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا، انھیں قطع تعلق کا حکم دیا تو وہ قطع تعلق

کر بیٹھے، انھیں بخلی کا حکم دیا تو وہ بخلی کرنے لگے، انھیں برائی کا حکم دیا تو وہ برائی کرنے لگے۔“

بہت سارے علما کا قول ہے: شح وہ شدید حرص ہے جو حریص کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ چیزوں کو لے لیا

کرے چاہے وہ حرام ہی کیوں نہ ہوں اور ان میں جو حقوق عائد ہوتے ہیں انھیں وہ ادا نہ کرے، ❷ اور بخل یہ

ہے کہ انسان اپنے پاس موجود چیزوں کو خرچ نہ کرے، شح میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انسان دوسرے کے مال

وغیرہ کو ظلم و زیادتی سے لے لے، یہاں تک کہ شح کو تمام گناہوں کی جڑ کہا گیا ہے۔ سلف میں سے عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے شح اور بخل کی یہی تفسیر کی ہے۔ ❸ کبھی شح بخل کے معنی میں اور بخل شح کے معنی میں بھی

استعمال ہوتا ہے، لیکن اصل دونوں میں فرق کرنا ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔

جب مال کی حرص اس درجے کو پہنچ جائے تو اس سے دین و ایمان میں نمایاں نقص پیدا ہوتا ہے، بلاشبہ حقوق

کے روکنے اور حرام چیزوں کو لینے سے دین و ایمان میں اس حد تک کمی آ جاتی ہے کہ اس کا تھوڑا سا حصہ باقی رہتا

ہے۔ ❹

☆ دنیاوی عز و جاہ کی حرص مال کی حرص سے بھی زیادہ ہلاکت خیز ہے۔ دنیاوی عز و جاہ اور ترقی، سرداری اور

سر بلندی کی چاہت، بندے کے حق میں مال کی چاہت سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے، اس سے کنارہ کشی

بہت مشکل ہے۔ عز و جاہ کی حرص دو قسم کی ہے:

۱۔ حکومت و سلطنت اور مال کے ذریعہ سے عز و جاہ کی چاہت، یہ بڑی خطرناک چیز ہے، یہ چیز اکثر آخرت کی

بھلائی، اور عزت و جاہ سے محروم کر دیتی ہے، فرمان الہی ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ

لِلْمُتَّقِينَ﴾ (القصص: ۸۳)

”وہ آخرت کا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے، نہ فساد

❶ سنن أبی داؤد ۲/ ۳۲۴، رقم ۱۶۹۸، البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

❷ ما ذبیان جائعان ص ۳۱

❸ ما ذبیان جائعان ص ۳۱

کرنا چاہتے ہیں، پر ہیز گاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔“
حکومت و امارت طلب کر کے جو دنیا کی سرداری کا حریص ہوتا ہے اسے توفیق الہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کہا:
(يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ إِلَّا مَارَةً فَإِنَّكَ إِن أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وَكَلْتِ إِلَيْهَا وَإِن أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا.)^①
”اے عبدالرحمن! امارت مت طلب کرنا، اگر یہ چیز طلب کرنے پر تمہیں ملے گی تو تمہیں اس امارت کے ساتھ اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اگر بغیر مانگے ملے گی تو اس سلسلے میں تمہاری مدد کی جائے گی۔“

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عز و جاہ کی حرص..... عز و جاہ کے حصول سے پہلے، اس کے اسباب کی کوشش کے وقت، اور اس کے حصول کے بعد، ظلم و تکبر وغیرہ جیسے مفاسد کے ارتکاب کے وقت..... بہت بڑے نقصان کو مستلزم ہوتی ہے۔^②

۲۔ دوسری قسم دینی امور جیسے علم و عمل اور زہد کے ذریعہ سے عز و جاہ اور لوگوں پر فوقیت کی طلب، یہ پہلی قسم سے زیادہ قبیح، مفسد اور خطرناک ہے، علم و عمل اور زہد کے ذریعہ سے تو اللہ کا قرب اور اس کے پاس اونچے درجات اور ابدی نعمتوں کو طلب کیا جاتا ہے۔^③

مذموم حرص کا علاج زہد سے ہو سکتا ہے اس کے بہت سارے وسائل ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

☆ بندہ حکومت و امارت۔ جس کے اخروی حقوق کو ادا نہ کیا جائے۔ کے ذریعہ سے دنیوی عز و جاہ کے حصول کے برے انجام کو دیکھے۔

☆ بندہ ظالموں، متکبروں اور کبر پائی میں اللہ سے ٹکرانے والوں کی سزا پر غور کرے۔

☆ بندہ اخروی سر بلندی کے لیے دنیا میں اللہ کے واسطے خاکساری کرنے والوں کے ثواب کو دیکھے، بلاشبہ جو اللہ کے واسطے (دنیا میں) خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (آخرت میں) سر بلندی سے نوازے گا۔

☆ اخروی سر بلندی بندے کے بس میں نہیں، بلکہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، اسے دنیا میں نہ دے کر اس کے عوض اللہ تعالیٰ اپنے زاہد بندوں کو دنیا میں تقویٰ کے شرف، ظاہر میں ان کے لیے لوگوں کے دلوں میں ہیبت، اور باطن میں معرفت الہی، ایمان اور اطاعت کی مٹھاس سے نوازتا ہے، اور یہی وہ بہترین زندگی

② ما ذنبان جائعان ص ۳۵، ۴۳

① صحیح البخاری، رقم ۶۶۲۲

③ ما ذنبان جائعان ص ۴۷

ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس مومن مرد و عورت سے کیا ہے جو عمل صالح کرتا ہے، دنیا میں یہ بہترین زندگی بادشاہوں اور اصحاب سلطنت کو نصیب نہیں ہوتی۔

عز و جاہ کی حرص کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”ہماری زندگی کی حقیقت سے اگر بادشاہ اور شہزادے واقف ہو جائیں تو اسے ہم سے چھیننے کے لیے ہم سے تلواروں سے جنگ کریں، جسے بھی منجانب اللہ یہ زندگی نصیب ہو جاتی ہے وہ اسے پا کر ختم ہو جانے والے عز و جاہ اور فنا ہو جانے والی سلطنت کی طلب سے مستغنی ہو جاتا ہے۔“ ﴿فرمان الہی ہے:

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (الاعراف: ۲۶)

”اور تقویٰ کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے۔“

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾ (فاطر: ۱۰)

”جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے۔“

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں مذموم حرص سے ڈراتے ہوئے کہا ہے:

”حرص نفس کی دشمن ہے، اسی کے باعث آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔“ ﴿

ج.....حسد:

حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسد برائیوں کا راستہ دکھاتا ہے، اسی وجہ سے قاتیل نے ہاتیل کو قتل کیا:

محبت کہتے ہیں دوسروں کے لیے بھلائی کی تمنا کو، اس کی ضد حسد ہے، اور حسد کہتے ہیں محسود کی نعمت کے زوال کی تمنا کو، یہ ایک قبیح، مذموم اور مہلک مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حاسد کی برائی سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، جس طرح شیطان کی برائی سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ (الفلق: ۵)

”اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔“

فرمان نبوی ہے:

((لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَقَاطَعُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا.)) ﴿

① ما ذئبان جائعان ۷۵، ۷۶

② علما اولادکم حب آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۳۱

③ صحیح البخاری رقم ۶۰۶۵

”تم باہم ایک دوسرے سے حسد، قطع تعلق، بغض نہ کرو، ایک دوسرے کے ٹوہ میں نہ پڑو، اور بھائی چارگی کے ساتھ اللہ کے بندے بن جاؤ۔“

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا: ((يَطْلُعُ عَلَيْكُمْ الْآنَ مِنْ هَذَا الْقَفَجِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.))
 ”ابھی اس گلی سے تمہارے پاس ایک جنتی دمی نمودار ہوگا۔“

چنانچہ ایک انصاری صحابی اپنی داڑھی سے وضو کا پانی جھاڑتے ہوئے اس طرح نمودار ہوئے کہ اپنے جودتے اپنے بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، سلام کیا، دوسرے دن بھی آپ نے ویسے ہی کہا، تو وہی نمودار ہوئے، تیسرے دن بھی آپ نے ویسے ہی کہا، تو وہی نمودار ہوئے۔ جب نبی کریم ﷺ چلے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس صحابی کے پیچھے ہو لیے، ان سے کہا: میرے والد سے میرا جھگڑا ہو گیا ہے، میں نے قسم کھائی ہے کہ ان کے پاس تین دن نہیں جاؤں گا، اگر آپ اپنے یہاں مجھے تین دن رکھ سکیں تو رکھ لیں، کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ وہ ان کے پاس تین رات رہے، انھیں قیام اللیل کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا، بس بستر سے اٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے، نماز فجر کے لیے بیدار ہوتے۔ اتنی بات تھی کہ میں نے انھیں صرف بھلی بات ہی کہتے سنا، تین راتیں گزر گئیں، ان کا عمل میری نظر میں عظیم نہیں تھا، میں نے کہا: اسے عبرت! میرے اور والد کے مابین کوئی ناراضی اور قطع تعلق نہیں تھا، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ایسا کہتے سنا تو چاہا کہ آپ کے عمل کو معلوم کروں، چنانچہ میں نے آپ کو کچھ زیادہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، کس چیز نے آپ کو اس مقام تک پہنچایا؟ انھوں نے کہا: وہی سب کچھ ہے جو آپ نے دیکھا ہے، جب میں واپس ہونے لگا تو مجھے بلا کر کہا: وہی سب کچھ ہے جو آپ نے دیکھا ہے سوائے اس کے کہ میں کسی مسلمان کو دھوکہ نہیں دیتا، اور نہ ہی منجانب اللہ اسے عطا کردہ کسی نعمت پر حسد کرتا ہوں، عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ان سے کہا: یہی چیز ہے جس نے آپ کو اس مقام تک پہنچایا ہے اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ ❶

حسد کے بہت سارے اسباب ہیں، جیسے عداوت، بغض، گھمنڈ، سرداری کی چاہت، نفس کی خواہش، اور بخل، نیز اس طرح کی دل کی دوسری بیماریاں، چنانچہ حسد بہت ساری پریشانیوں اور بیماریوں کا مجموعہ ہے، وہ ان بیماریوں سے زیادہ بھائی چارگی، محبت اور ایمان کو ختم کر دینے والا ہے، اس کی تباہ کاریاں بہت زیادہ ہیں، حسد ان لوگوں میں زیادہ پایا جاتا ہے جن میں مذکورہ اسباب زیادہ پائے جاتے ہیں، یہ اکثر و بیشتر ہم عمر، ہم مثل، سگے اور چچیرے بھائیوں، پیشہ وروں، علما اور تاجروں کے مابین ہوتا ہے، اس لیے کہ باہمی حسد کا سبب مشترکہ مقاصد کے

حصول کے لیے سب کے اغراض کا ایک ہونا ہے، نتیجتاً باہمی نفرت و بغض پیدا ہوتا ہے، چنانچہ حسد کی اصل جڑ ایک ہی غرض و مقصد پر لوگوں کا اکٹھا ہو جانا ہے، اور ان سب کا سبب دنیا کی محبت ہے، دنیا ہی اکٹھا ہونے والوں پر تنگ ہو جاتی ہے۔^①

حسد کا علاج:

حسد کے علاج اور اس سے بچاؤ کی بہت ساری تدبیریں ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ اس کا یقین کہ حسد محمود کے بجائے حاسد کے لیے دین اور دنیا دونوں میں نقصان دہ ہے، اور یہ کہ حاسد کے حسد سے محمود کی نعمت ختم نہیں ہوتی، اس لیے حاسد کو اپنے حسد سے صرف بغض، تکلیف، افسوس اور دین و دنیا کی تباہی ہی ہاتھ لگتی ہے، جب معاملہ ایسا ہے تو حاسد منجانب اللہ محمود کو عطا کردہ نعمت کا زوال کیوں چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نعمت عطا کرنا چاہتا ہے، اور حاسد اس کے زوال کو چاہتا ہے، اس طرح وہ اللہ کی ناپسندیدہ چیز کو چاہتا ہے اور اللہ کی پسندیدہ چیز کو ناپسند کرتا ہے، یہ بیماری ایمان کو تباہ کر دینے والی ہے، اس لیے کہ ایسا کرنے والا اپنے بھائی کے لیے وہ بھلائی نہیں چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

☆ دین و دنیا کے لیے اس بیماری کے نقصانات کو، اس سے متعلق اللہ و رسول کی ناپسندیدگی کو۔ دنیا و آخرت میں حاسد جس نتیجے سے دوچار ہوگا اس کو مسلسل یاد رکھنا حسد کی حقیقت کو سمجھنے، اس سے بچنے اور اس سے دور رہنے اور اس کے علاج میں معاون ہوگا۔

☆ حاسدین کے حسد کے نتائج، واقعات، آیات و احادیث سے عبرت حاصل کرنا، یہ چیز حسد سے بچنے اور اس کے علاج میں معاون ہوگی۔

☆ جب حسد کا داعیہ پیدا ہو تو نفس کا محاسبہ کرنا، محمود کے حسد سے اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کرنا، بلکہ اس کی تعریف کرنا، اس کے لیے اس کی نعمت کی حفاظت اور زیادتی کی دعا کرنا، ہاں بغیر حسد کے اپنے لیے بھی اسی جیسی نعمت کی تمنا کر سکتا ہے۔

☆ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر راضی رہنا، اسی پر قناعت کرنا، اس بات پر ایمان رکھنا کہ روزی، نعمتیں منجانب اللہ ہیں، وہ جسے چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر کسی بندے کو کوئی نعمت دی ہے تو کوئی اسے ختم نہیں کر سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمت بغیر اس کے چاہے نہیں مل سکتی ہے، بندہ صرف راضی رہتے ہوئے التجا و دعا کر سکتا ہے، اس لیے بندہ وہ طریقہ کیوں نہیں اپناتا جس سے بھلائی مل سکتی ہے اور

اس بیماری سے دور کیوں نہیں رہتا جو برے انجام کا باعث ہے۔^①
 اس لیے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے حسد سے ہمیں روکتے ہوئے فرمایا تھا: حسد برائیوں کی جانب لے جانے والا ہے، اسی وجہ سے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا،^② جب وہ اپنے بھائی کی قربانی کی من جانب اللہ قبولیت پر حسد کرنے لگا۔

حضرت حسن اور ابوذر رضی اللہ عنہما کے نزدیک رضا کا مفہوم:

ابو العباس محمد بن یزید مبرد کا قول ہے: حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے نزدیک غربت مال داری سے اور بیماری تندرستی سے زیادہ محبوب ہے، تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، میں تو کہتا ہوں: جس نے بھی اپنے لیے اللہ کے حسن اختیار پر بھروسہ کر لیا وہ اپنے لیے منجانب اللہ منتخب کردہ حالت کے علاوہ کی تمنا نہیں کرے گا، یہی قضا و قدر پر راضی ہونے کا مفہوم ہے۔^③

حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنی اس گفتگو میں اعمال قلوب میں سے ایک عمل کو بیان کر رہے ہیں، یہ اس اہم عمل سے ان کی آگاہی کی دلیل ہے، چنانچہ اعمال قلوب میں رضا کی اہمیت وہی ہے جو اعمال جوارح میں جہاد کی ہے، ان میں سے ہر ایک ایمان کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔^④

رضا محبت الہی کا ثمرہ ہے، یہ اللہ کے مقررین کا اعلیٰ مقام ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں، یہ اللہ تک رسائی کا اہم ذریعہ، عارفین کے دل کی ٹھنڈک اور دنیا کی جنت ہے، اس لیے جو اپنے آپ کا خیر خواہ ہو اس سلسلے میں اس کی رغبت شدید ہونی چاہیے، اس کے بدلے کسی اور چیز کو قبول نہ کرے، بندے سے اللہ کی رضا مندی جنت و ما فیہا سے بہتر ہے، اس لیے کہ رضا اللہ کی صفت ہے اور جنت اس کی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلُدًا فِيهَا وَمَسْكِنٍ
 طَلَبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ﴾ (التوبة: ۷۲)

”ایمان دار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے محلات کا جو ان نیکی والی جنتوں میں ہیں۔“

① منہج الإسلام فی تزکیة النفس ص ۳۴

② علموا اولادکم محبة آل بیت النبی ص ۳۱

③ مدارج السالکین ۲/۲۱۴

④ البداية والنهاية ۱۱/۱۹۹

کے بعد فرمایا:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة: ۷۲)

”اور اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی چیز ہے، یہی زبردست کامیابی ہے۔“

یہ رضا مندی ان لوگوں کا بدلہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ دنیا میں راضی رہا، اور جب یہ بدلہ سب سے اچھا بدلہ ہے تو اس کا سبب سب سے افضل عمل ہوگا، اور عدم رضا ہموم و غوم، دل کی پراگندگی، پریشان حالی اور اللہ کے بارے میں سوء ظن کا ذریعہ ہے، رضا سے انسان ان تمام چیزوں سے نجات پا جاتا ہے، اس سے اس کے لیے اخروی جنت سے پہلے دنیوی جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے، رضا سے اس کو اطمینان، دلی سکون اور ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے، عدم رضا دل کے اضطراب، شک، جھنجھلاہٹ اور بے اطمینانی کا موجب ہے، عدم رضا سے بندے کی حالت اللہ کے تئیں ایک نہیں رہتی، چنانچہ وہ وہی چیزیں پسند کرتا ہے جو اس کے مزاج اور طبیعت کے موافق ہوں جب کہ من جانب اللہ مقدر امور حسب تقدیر ہی وجود پذیر ہوتے ہیں چاہے اس کی طبیعت کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ اس کی طبیعت کے خلاف وجود پذیر ہونے والے امور اس کو ناراض کر دیتے ہیں، چنانچہ وہ عبودیت پر برقرار نہیں رہ پاتا، انسان جب ہر حال میں اپنے رب سے راضی ہوتا ہے تو وہ عبودیت پر برقرار رہتا ہے، اس لیے بندے کی بے قراری رضائی سے ختم ہو سکتی ہے، رضا سے دل صرف اللہ کے لیے فارغ ہو جاتا ہے، اور عدم رضا سے دل اللہ سے بالکل بیزار ہو جاتا ہے، جس کا دل رضا سے بھرپور ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو قناعت، غنا اور امن سے بھر دیتا ہے، اس کے دل کو اپنی محبت، اپنی جانب رجوع اور توکل کے لیے فارغ کر دیتا ہے، اور جو رضا سے محروم رہا اس کا دل مذکورہ چیزوں کی ضد سے بھر جاتا ہے، سعادت و کامیابی کی چیزوں سے دور ہو جاتا ہے، ابتدائی رضا بندہ اپنی کوشش سے حاصل کرتا ہے، یہ من جملہ مقامات میں سے ہے، اور انتہائی رضا من جملہ احوال میں سے ہے جسے بندہ اپنی کوشش سے نہیں حاصل کرتا، اس طرح اس کی ابتداء مقام ہے اور اس کی انتہا حال ہے، رضا والوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے، انھیں اس کے لیے آمادہ کیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں اس کی قدرت حاصل ہے، فرمان نبوی ہے:

((ذَاقْ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا)) ❶

”اے ایمان کی مٹھاس مل گئی جو اللہ سے بحیثیت رب اور اسلام سے بحیثیت دین اور محمد ﷺ سے

بحیثیت رسول راضی ہو گیا۔“

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ: وَأَنَا أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ...))

”موذن کے اذان کو سن کر جس نے کہا: اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ معبود حقیقی صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسی کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ سے بحیثیت رب، محمد ﷺ سے بحیثیت رسول اور اسلام سے بحیثیت دین راضی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔“

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انھی دونوں حدیثوں پر دین کے مقامات کا دار و مدار ہے، اور انھی پر انتہا ہے، یہ دونوں حدیثیں اللہ کی ربوبیت والوہیت، رسول کی اطاعت، اور دین سے راضی ہونے کو شامل ہیں۔ جس کو بھی یہ چار چیزیں میسر ہو جائیں وہ بلاشبہ صدیق ہے، زبان سے ان چیزوں کا دعویٰ سب سے آسان ہے، لیکن حقیقت میں اور امتحان کے وقت بہت مشکل ہے، بالخصوص جب مزاج اور طبیعت کے خلاف کوئی معاملہ ہو تو اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ رضا کا دعویٰ زبانی تھا نہ کہ حقیقی۔

اس کی الوہیت پر رضا مندی کا تقاضا ہے کہ صرف اس کی محبت، خوف و رجا، اسی کی جانب رجوع و یکسوئی، اسی کی جانب چاہت و محبت کی کشش پر راضی رہا جائے، یہ چیزیں اس کی عبادت اور اخلاص کی متقاضی ہیں۔ اس کی ربوبیت پر رضا مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تدبیر کائنات پر راضی رہا جائے، صرف اسی پر توکل کیا جائے، اسی سے مدد طلب کی جائے، اسی پر بھروسہ و اعتماد کیا جائے، اس کے ہر ایک کام پر راضی رہا جائے، پہلی رضا مندی اس کے ہر حکم پر اور دوسری اس کی تقدیر پر راضی ہونے کی متقاضی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت پر رضا مندی کا تقاضا ہے کہ آپ کی مکمل اتباع کی جائے، آپ کے ہر حکم پر تسلیم خم کیا جائے، دنیائے انسانیت میں آپ کو ممتاز مقام پر فائز سمجھا جائے، آپ کی خصوصیت اور مقام و مرتبہ میں کسی کو شریک نہ سمجھا جائے، آپ کی احادیث ہی سے رہنمائی حاصل کی جائے، آپ ہی کو حکم تسلیم کیا جائے، کسی طرح کے ظاہری و باطنی حکم میں، ایمان کے حقائق و مقامات میں، الٰہی اسماء و صفات اور افعال میں صرف آپ کا فیصلہ تسلیم کیا جائے، آپ کا فیصلہ نہ ملنے کی صورت میں کسی دوسرے کو فیصلہ بنانے کا معاملہ اس مجبور شخص کے معاملے کی طرح ہونا چاہیے جو بحالت اضطراب و رمدار کھاکر اپنی جان بچاتا ہے، سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال اس مٹی کی ہے جس سے تیمم اس وقت کیا جاتا ہے جب پانی کا استعمال ممکن نہ ہو۔

اس کے دین پر رضا مندی کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے ہر قول، حکم، امر اور نہی پر مکمل راضی رہا جائے، اس کے ہر فیصلہ کو دل سے قبول کیا جائے، چاہے وہ فیصلہ اس کی ذات و خواہش، امام و شیخ اور اس کی جماعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔^①

مزید فرماتے ہیں: رضا توکل کا آخری مرحلہ ہے، سر تسلیم خم کرنے اور توکل میں جس کے قدم مضبوطی سے جم گئے اسے لازماً رضا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، لیکن یہ چیز بہت سارے لوگوں کے لیے مشکل ہوتی ہے، اسے لوگ قبول نہیں کرتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر رحم اور آسانی کرتے ہوئے اسے واجب تو نہیں قرار دیا، لیکن انھیں اس جانب رغبت دلائی ہے، اہل رضا کی تعریف کی ہے، نیز یہ بھی بتایا ہے کہ اس کا ثواب رضائے الہی ہے جو جنت اور اس کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے، چنانچہ جو اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے رب اس سے راضی ہو جاتا ہے، بلکہ اللہ سے بندے کی رضا مندی اس سے اللہ کی رضا مندی کا نتیجہ ہوتی ہے، چنانچہ بندہ رب کی دو رضا مندیوں سے گھرا ہوتا ہے، اس کے دل کی رضا جس نے اس پر لازم کر دیا کہ وہ اپنے رب سے راضی ہو جائے، اس کے بعد کی رضا جو رب سے بندے کی رضا مندی کا ثمرہ ہے، اسی لیے رضا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے بڑا دروازہ، دنیاوی جنت، عارفین کے لیے باعث راحت، محبت کرنے والوں کی زندگی، عبادت گزاروں کی نعمت، شوق دیدار رکھنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

رضا کا حصول کس طرح ہو سکتا ہے:

حصول رضا کا سب سے اہم ذریعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں میں اپنی رضا رکھی ہے انھیں لازماً اختیار کیا جائے، یہ چیز مقام رضا تک پہنچا دے گی۔

یحییٰ بن معاذ سے پوچھا گیا: بندہ کب مقام رضا کو پہنچ جاتا ہے، جواباً عرض کیا جب بندہ اپنے اور اپنے رب کے معاملات میں چار اصولوں کا پابند ہو جائے اور کہے تیری دی ہوئی چیز مجھے قبول، تیری منع کردہ چیز پر میں راضی، اگر تو مجھے ترک بھی کرتا ہے تو میں تیری عبادت کرنے والا ہوں، اور اگر تو مجھے بلاتا ہے تو میں تیرے بلاوے پر لبیک کہنے والا ہوں۔

جنید کا قول ہے: رضا دل تک اثر کرنے والے صحیح علم کو کہتے ہیں۔ جب حقیقی علم دل میں رچ بس جائے تو وہ مقام رضا تک پہنچا دیتا ہے۔ رضا اور محبت، رجاء اور خوف کے مانند نہیں ہیں، رضا اور محبت جنتیوں کے دو لازمی احوال ہیں جو ان سے نہ تو دنیا میں جدا ہوتے ہیں نہ برزخ میں اور نہ ہی آخرت میں، بخلاف خوف اور رجاء کے کہ یہ متوقع چیز کے حصول اور خوف والی چیز کے ختم ہوجانے پر جدا ہو جاتے ہیں۔

ابن عطاء کا قول ہے: رضا اللہ کی مقرر کردہ تقدیر پر راضی برضا رہنے کا نام ہے۔^①
 بعض اللہ والوں کا قول ہے: جو اللہ پر توکل کرتا ہے اور اس کی قضا و قدر پر راضی رہتا ہے، وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اپنے آپ کو کسب خیر کے لیے فارغ کر لیتا ہے اور ان اعلیٰ اخلاق کو حاصل کر لیتا ہے جو بندے کے معاملے کو درست کر دیتے ہیں۔ مقام رضا اللہ اور لوگوں کے ساتھ حسن خلق کا دروازہ کھول دیتا ہے، اور صاحب رضا کو صائم و قائم کے درجے تک پہنچا دیتا ہے، بد خلقی نیکیوں کو ایسے ہی کھا جاتی ہے جیسے آگ ایندھن کو، رضا تمام امور سے متعلق قضا و قدر پر دل کی خوشی، اور ہر حال میں قلبی اطمینان و سکون کا باعث ہوتی ہے، اسی لیے بعض اللہ والوں نے رضا کا دوسرا نام اللہ کے ساتھ حسن خلق کو قرار دیا ہے، بلاشبہ وہ اللہ کی بادشاہت پر اعتراض اور حسن خلق کو برباد کر دینے والی فضول گفتگو کو ترک کرنے کا باعث ہوتا ہے۔^②
 شاعر کہتا ہے:

العبد ذو ضجر و الرب ذو قدر

والدھر ذو دول و الرزق مقسوم

”بندہ کبیدہ خاطر ہونے والا اور رب صاحب قضا و قدر ہے۔ زمانے میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور روزی مٹتی رہتی ہے۔“

والخیر أجمع فی ما اختار خالقنا

و فی اختیاره سواء اللوم و الشوم

”خالق ہی کی پسند میں سراسر بھلائی ہے اسے چھوڑ کر بندہ کچھ پسند کرتا ہے تو اس میں خرابی ہی خرابی ہے۔“

شاعر کہتا ہے:

إذا ارتحل الكرام إليك يوما

ليتمسوك حالا بعد حال

”جب سخی حضرات تیری جانب کوچ کرتے ہیں تاکہ وہ بار بار تجھ سے طلب کریں۔“

فإن رحالنا حطت لترضى

بحلمك عن حلول وارتحال

① مدارج السالکین ۲/ ۱۷۴، ۱۷۵

② صلاح الأمة ۴/ ۵۱۲ نقلًا عن مدارج السالکین

”تو ہم کوچ کرنے سے باز رہتے ہیں، تاکہ تو اپنی بردباری کے باعث راضی ہو جا۔“

أَلْخَنَافِي فَنَائِكَ يَا إِلَهِي

إِلَيْكَ مَعْرُضِينَ بِلَا اعْتِدَالٍ

”اے الہی! بلا حیلہ بہانہ سب سے منہ موڑ کر تیری بارگاہ میں ہم حاضر ہیں۔“

فُسُّنَا كَيْفَ شِئْتَ وَلَا تَكْلُنَا

إِلَى تَدْبِيرِنَا إِذَا الْمَعَالَى ❶

”اے اللہ! تو ہمارے ساتھ جیسا چاہے تصرف کر، اور ہمیں ہمارے تصرف کے حوالے نہ کرے۔“

مقام رضا کے یہ چند مخاہم ہیں جو امیر المومنین حسن بن علیؓ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہیں:

((مَنْ اتَّكَلَّ عَلَى حُسْنِ اخْتِيَارِ اللَّهِ لَهُ لَمْ يَتَمَنَّ أَنْ يَكُونَ فِي غَيْرِ الْحَالَةِ الَّتِي

اخْتَارَ اللَّهُ لَهُ، وَهَذَا حَدُّ الْوُقُوفِ عَلَى الرِّضَا بِمَا تَصَرَّفَ بِهِ الْقَضَاءُ)) ❷

”جس نے اللہ کے حسن اختیار پر بھروسہ کیا وہ اپنے لیے مخائبہ اللہ اختیار کردہ حالات کے علاوہ کسی

دوسری حالت کی تمنا نہیں کرتا، اور یہی قضا و قدر پر راضی ہونے کا مفہوم ہے۔“

امیر المومنین حسن بن علیؓ کا قول ہے:

میں تمہیں اپنے ایک بھائی کی خبر دے رہا ہوں جو میری نگاہ میں بہت عظیم تھا، اس کی عظمت کا سب سے اہم راز یہ تھا کہ دنیا اس کی نگاہ میں حقیر تھی اور وہ اپنے پیٹ کا بندہ نہیں تھا، نہ ملنے والی چیز کی وہ خواہش نہیں کرتا تھا، مل جانے پر زیادہ نہیں کھاتا تھا، اپنی شرمگاہ کا غلام نہیں تھا، چنانچہ اس کے پیچھے اپنی عقل و رائے کا دامن نہیں چھوڑتا تھا، جاہلوں کا دست نگر نہیں تھا، منفعت کا یقین ہونے کے بعد ہی ہاتھ پھیلاتا تھا، بلا سبب نہ ناراض ہوتا نہ اکتاتا، علما کی مجلس میں بولنے سے زیادہ سننے کا حریص ہوتا، گفتگو میں مغلوب ہو بھی جاتا لیکن خاموشی میں نہیں، اکثر اوقات خاموش رہتا، جب بولتا تو بولنے والوں پر فوقیت لے جاتا، جس کے قول و عمل میں ہم آہنگی نہ ہو، ایسے قاضی کو دیکھ کر ہی کسی مقدمے اور جھگڑے میں بلا معاوضہ احساناً دخل اندازی کرتا اور دلیل دیتا، اپنے بھائیوں کا خیال رکھتا، انہیں چھوڑ کر اپنے لیے کوئی چیز خاص نہ کرتا، لائق عذر کسی چیز کے سلسلے میں کسی کی ملامت نہ کرتا، جب اس کے نزدیک دو باتوں میں سے کسی کا اقرب الی الحق ہونا واضح نہ ہوتا تو دیکھتا کہ ان میں سے کون سی بات خواہش کے زیادہ قریب ہے پھر اس کی مخالفت کرتا۔ ❸

❶ صلاح الامة في علوم الهمة ٥٢٩ / ٤

❷ صلاح الامة في علوم الهمة، ٥٢٩ / ٤

❸ البداية والنهاية ١٩٩ / ١١

آپ کے اس قول میں لوگوں کے لیے خصائل حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی جانب رہنمائی ہے، یہ تربیت کا اعلیٰ ترین منج ہے، جس کے مطابق ہمیں اپنی اور اپنے بچوں کی تربیت کرنی چاہیے، اس قول سے ہمیں درج ذیل چیزوں کا سبق ملتا ہے:

☆ حسن بن علیؑ کا قول:

”میری نگاہ میں اس کی عظمت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ دنیا اس کی نگاہ میں حقیر تھی۔“^①

دنیا اس کی نگاہ میں حقیر ہوتی ہے جو حقائق سے آگاہ ہو، قضا و قدر، جنت و جہنم، دنیا و زندگی اور اللہ تعالیٰ سے متعلق صحیح تصور اس کے ذہن نشین ہو، اللہ کے حضور حاضر ہونے کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے دنیا سے بے رغبت ہو کر آخرت کے لیے عمل کرے، اسے یقین ہو کہ دنیا امتحان و آزمائش کی جگہ اور آخرت کی کھیتی ہے، اس بات سے بچتا ہو کہ دنیا اپنی تمام تر چمک دمک اور رعنائیوں کے ساتھ اس پر غالب آجائے، ظاہر و باطن اپنے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہو، جاں گزیر ہو جانے والی ان حقیقتوں کا ادراک کر چکا ہو جو دنیا سے بے رغبت ہونے میں اس کی معاون و مددگار ہوں، انہیں میں سے درج ذیل حقیقتیں ہیں:

☆ اس بات کا کامل یقین کہ ہم اس دنیا میں اجنبیوں یا مسافروں کے مانند ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا قول ہے:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ .))^②

”تم دنیا میں اجنبی یا مسافر کے مانند رہو۔“

☆ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اگر کچھ قدر و قیمت ہے تو دنیا کے اسی حصے کی ہے جو اللہ کی اطاعت کے لیے ہو، اس لیے کہ فرمان نبوی ہے:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَىٰ كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً مَّاءٍ .))^③

”اگر دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔“

نیز فرمان نبوی ہے:

① البدایہ والنہایہ ۱۱ / ۱۹۹

② سنن الترمذی، کتاب الزہد، رقم ۲۳۳۳، یہ حدیث صحیح ہے۔

③ سنن الترمذی، کتاب الزہد، رقم ۲۳۲۰

((الَّذِينَ مَلْعُونَةٌ وَمَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذَكَرَ اللَّهُ وَمَا وَالَاهُ أَوْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا.))^①

”دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ان چیزوں کے جو اس سے تعلق رکھتی ہیں اور سوائے دینی علوم سے بہرہ ور اور ان کا علم حاصل کرنے والوں کے۔“

☆ دنیا کی عمر ختم ہونے کے قریب ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ہے:

((بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ أَصْبَعَيْهِ السَّبَابَةُ وَالْوَسْطَى.))^②

”میں اور قیامت ایسے مبعوث کیے گئے ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں ہیں، اور (یہ کہتے ہوئے) آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی ملا لیتے (یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں متصل ہیں درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کسی نبی کا فاصلہ نہیں)“

انسان کی قیامت اس کی موت سے شروع ہو جاتی ہے، اور عمر بہت مختصر ہوتی ہے جب ہم اس میں سے بچنے اور نیند کا حصہ نکال دیں تو کتنا بچے گا؟

☆ آخرت کی زندگی باقی رہنے والی ہے، اور وہ دارالقرار ہے، جیسا کہ مومن آل فرعون نے کہا:

((يَقُومُوا إِنَّمَا هَذِهِ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ③ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ④ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَثْنَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑤)) (غافر: ۳۹-۴۰)

”اے میری قوم! یہ حیات دنیا متاع فانی ہے، یقین مانو کہ قرار و چنگی کا گھر تو آخرت ہی ہے، جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے اور جس نے نیکی کی ہے تو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے۔“

جس مومن کے دل میں یہ حقیقتیں رچ بس جائیں دنیا اس کی نگاہ میں حقیر ہو جائے گی۔

☆ حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول کی شرح:

((كَانَ خَارِجًا مِّنْ سُلْطَانِ بَطْنِهِ فَلَا يَسْتَهِي مَا لَا يَجِدُ وَلَا يَكْثُرُ إِذَا وَجَدَ.))^①

”وہ اپنے پیٹ کا بندہ نہیں تھا، نہ ملنے والی چیز کی وہ خواہش نہیں کرتا تھا، مل جانے پر وہ زیادہ نہیں

① سنن الترمذی کتاب الزہد رقم ۲۳۲۲

② صحیح مسلم، کتاب الفتن و أشراط الساعة، رقم ۱۳۲، ۱۳۵

③ البداية والنهاية ۱۱ / ۱۹۹

کھاتا تھا۔“

آپ کے اس ارشاد میں ضرورت سے زائد کھانے کو ترک کرنے کی دعوت دی گئی ہے اس لیے کہ زائد کھانا انواع و اقسام کی پینے کی چیزوں کا متقاضی ہوتا ہے، اور یہ چیزیں معاصی کے ارتکاب اور اطاعتوں کو ترک کرنے کا باعث ہوتی ہیں، اور یہ دونوں باتیں بہت بری ہیں، چنانچہ خوب پیٹ بھر کھانا بہت سارے معاصی کے ارتکاب اور بہت ساری اطاعتوں کے ترک کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ جس نے اپنے آپ کو پیٹ کی برائی سے بچالیا اس نے اپنے آپ کو بڑی برائی سے بچالیا، جب انسان خوب پیٹ بھر کھانا کھاتا ہے تبھی اس پر شیطان کا اچھی طرح بس چلتا ہے۔^①

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں شیطان کی ان چالوں سے بچنے کے لیے کہا ہے جو حلال پر اکتفا کرنے کے بجائے پیٹ کا بندہ بننے کی دعوت دیتی ہیں، چنانچہ فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِنَّا فِي الْأَكْثَرِ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝﴾ (البقرة: ۱۶۸)

”اے لوگو! زمین میں موجود پاکیزہ اور حلال چیزیں کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں اعتدال کا حکم دیا ہے اس لیے کہ اعتدال پیٹ کی خواہشات کو کنٹرول رکھتا ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝﴾ (الاعراف: ۳۱)

”کھاؤ اور پیو، اور اسراف نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

پیٹ کا بندہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ شخص ضرورت سے زیادہ کھائے اور پیئے اور آسودہ ہونے میں مبالغہ اور افراط سے کام لے، نبی کریم ﷺ نے واضح کیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ کھانا پینا جسم اور نفس کے لیے نقصان دہ ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءَ شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أَكَلَاتٍ يُقْمَنَ صَلْبُهُ فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَتُلْتُ لِعِطْعَامِهِ، وَتُلْتُ لِشَرَابِهِ وَتُلْتُ لِنَفْسِهِ.))^②

① جہاد النفس / علی الدھامی ص ۹۳

② سنن الترمذی، کتاب الزہد، حدیث نمبر ۳۸۰، حدیث حسن صحیح ہے۔

”کسی آدمی نے کوئی برتن اپنے پیٹ سے زیادہ برا نہیں بھرا، آدمی کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں اور اگر زیادہ ہی کھانا ضروری ہو تو پھر پیٹ کا تہائی حصہ کھانے کے لیے اور دوسرا تہائی حصہ پانی کے لیے، اور تیسرا تہائی حصہ سانس لینے کے لیے ہو۔“

اس حدیث میں مذکور کم کھانے پینے اور اسراف سے بچنے سے متعلق نبوی طریقے کو اپنانا چاہیے، اس لیے کہ یہ اسراف بڑی خرابی کا باعث ہوتا ہے، خرابی سے مراد معدے کی بیماریاں ہی نہیں ہیں، بلکہ وہ خرابی مراد ہے جو نفس میں پیدا ہو جاتی ہے جس سے نفس بہت زیادہ کھانے پینے کا عادی ہو جاتا ہے، کھانا پینا اس کے نزدیک غذا اور بدن کی تقویت کے بجائے ایک مستقل مقصد بن جاتا ہے، جس کے حصول میں وہ ہمیشہ لگا رہتا ہے، اس کی پوری تگ و دو اسی کے لیے ہوتی ہے، اس کا پیٹ اگر آسودہ ہو بھی جاتا ہے تو اس کا نفس آسودہ نہیں ہوتا، پیٹ ہی اس کے نزدیک خوش حالی کا معیار ہوتا ہے۔^①

پیٹ کا بندہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف زیادہ کھاتا ہے، اس لیے کہ زیادہ کھانا اس کے مرض کی ظاہری علامت ہے، اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ نفس مادہ پرست اور لالچی ہو جاتا ہے، کھانا اس کے نزدیک وسیلہ غذا کے بجائے ایک مستقل مقصد بن جاتا ہے، وہ جانوروں جیسا ہو جاتا ہے جو اپنی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں، اس سلسلے میں فرمان الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝﴾

(محمد: ۱۲)

”اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں، ان کا (اصل) ٹھکانہ جہنم ہے۔“

نیز فرمان نبوی ہے:

((الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ آمْعَاءَ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ ۝))^②

”کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، اور مومن ایک آنت میں۔“

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مومنین کا طریقہ کم کھانا ہوتا ہے تاکہ عبادات میں مشغول رہ سکیں، کافر اس کے برخلاف ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے، انھی کے پیچھے پڑا رہتا ہے، اس سلسلے میں حرام سے بھی گریز نہیں کرتا، اگر کم کھاتا بھی ہے تو دنیا سے بے رغبتی کے باعث نہیں بلکہ صحت اور جسم کی حفاظت کے لیے،

① امراض النفس د/ انس کروزون ص ۱۰۹

② صحیح مسلم رقم، ۲۰۶۰

دنیا کا حریص ہونے اور اس کے پیچھے پڑے رہنے کے سبب گویا وہ سات آنتوں میں کھاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں پوری دنیا کھا جاتا ہے۔ لیکن مومن ایک آنت میں کھاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس حدیث میں دنیا سے متعلق مومن کے زہد اور کافر کے حرص کی مثال بیان کرتے ہیں۔ ❶

امام نووی نے اس حدیث کا ایک دوسرا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا: ایک قول کے مطابق سات آنتوں سے مراد سات صفتیں ہیں: حرص، ہوس، لمبی امید، لالچ، بری طبیعت، حسد اور موٹاپا۔ ❷

ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے:

دل کو خراب کرنے والی چیزوں میں سے کھانا ہے، اور اس کھانے کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم:..... ایسا کھانا جو بذات خود دل کو خراب کر دے جیسے حرام چیزیں۔

دوسری قسم:..... ایسا کھانا جو اپنی مقدار اور حد سے تجاوز کرنے پر دل کو خراب کر دے، جیسے حلال چیز کو حد سے زیادہ کھا لینا، ایسا کھانا دل کو اطاعتوں سے روک دیتا ہے، پیٹ بھرنے والی چیزوں کے حصول اور کوشش میں اسے مشغول کر دیتا ہے، حاصل ہو جانے پر ان کو بکثرت کھانے اور ان کے نقصانات سے بچنے کی کوشش میں مشغول کر دیتا ہے، خواہشات کو اس پر غالب کر دیتا ہے، شیطان کی راہوں کو کشادہ کر دیتا ہے، بلاشبہ وہ انسان کی رگوں میں خون کی مانند دوڑتا ہے، روزہ اس کی راہوں کو تنگ بلکہ اس کے راستوں کو بند کر دیتا ہے، اور ضرورت سے زیادہ کھانا ان راہوں اور راستوں کو وسیع اور کشادہ کر دیتا ہے، چنانچہ جو زیادہ کھاتا ہے، زیادہ پیتا ہے، وہ زیادہ سوکر زیادہ گھانا اٹھاتا ہے۔ ❸

☆ حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول کی شرح:

((وَكَانَ خَارِجًا مِنْ سُلْطَانِ فَرْجِهِ فَلَا يَسْتَحِفُّ لَهُ عَقْلُهُ وَلَا رَأْيُهُ.)) ❹

”اپنی شرمگاہ کا غلام نہیں تھا، چنانچہ اس کے پیچھے اپنی عقل درائے کا دامن نہیں چھوڑتا تھا۔“

حسن رضی اللہ عنہ شرمگاہ کی خواہش پر قابو پانے کی دعوت دے رہے ہیں، اور (بتاتے ہیں کہ) اسے منجانب اللہ مشروع طریقے ہی سے پوری کرنی چاہیے اس لیے کہ اس طریقے سے تجاوز کرنے کے نتائج خطرناک ہیں، جیسے دل کی سختی، ایمان کی کمزوری وغیرہ، شرمگاہ کی خواہش جتنا ہی غالب ہوگی اتنا ہی دل کی سختی، تاریکی اور وحشت بڑھے گی، اس خواہش کی ابتداء محرمات کو دیکھنے سے ہوتی ہے، پھر اختلاط ہوتا ہے، پھر زنا کا معاملہ معمولی معلوم

❶ فتح الباری شرح صحیح البخاری ۵۳۸/۹، ۵۳۹

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم ۲۳/۱۴

❸ البداية والنهاية ۱۱/۱۹۹

❹ مدارج السالکین ۱/۴۵۸، ۴۵۹

ہونے لگتا ہے، اور اس کا راستہ ہموار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کا ارتکاب ہو جاتا ہے، پھر یہ بیماری دل میں سرایت کر جاتی ہے، ایمان کی حقیقت اس سے دور ہونے لگتی ہے، یہی اس فرمان نبویؐ کا مصداق ہے:

((لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرِبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ)) ❶

”زنا کا رزنا کے وقت مومن نہیں ہوتا، شرابی شراب پینے کے وقت مومن نہیں ہوتا۔“

امام بخاریؒ نے اس حدیث کی روایت کے وقت فرمایا: یعنی وہ کامل مومن نہیں ہوتا، نیز ایمان کی روشنی سے محروم ہوتا ہے۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ فَكَانَ فَوْقَ رَأْسِهِ كَالطَّلَّةِ فَإِذَا خَرَجَ مِنْ ذَلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ)) ❷

”بندہ جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل کر اس کے سر پر چھتری کے مانند رہتا

ہے، جب وہ اس کام سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی جانب لوٹ جاتا ہے۔“

کبار کے مرتکبین سے ایمان کی روشنی چھین لی جاتی ہے، ان کے دلوں سے اللہ کی تعظیم جاتی رہتی ہے، اس لیے کہ جو زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ جیسے کبار کا مرتکب ہوتا ہے اس کے دل سے خشیت الہی، خشوع و خضوع اور ایمان کی روشنی جاتی رہتی ہے، اگرچہ اس میں تصدیق کی بنیاد باقی رہ جاتی ہے اور یہی مفہوم ہے ارتکاب کبیرہ کے وقت ایمان کی روشنی چھین لینے کا۔ ❸

شرمگاہ کی خواہش کے غالب آنے کے نتائج میں سے معاصی کا بکثرت ارتکاب ہے، معصیت اگرچہ چھوٹی ہو دوسری معصیت کا راستہ ہموار کرتی ہے، اس طرح بکثرت معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے، اور مرتکب اس کی ہولناکیوں کا احساس نہیں کرتا، چنانچہ کسی اجنبی عورت کی جانب ایک نگاہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے، پھر دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے، پھر شہوت پیدا ہوتی ہے، نتیجتاً زنا کے ارتکاب کا پختہ ارادہ ہوتا ہے، پھر اگر حالات سازگار ہوئے تو زنا کا ارتکاب کر لیتا ہے، اسی لیے کسی اجنبی عورت کی جانب دیکھنے کو زنا کی تمہید اور اس تک پہنچانے والے دروازوں میں سے ایک دروازہ قرار دیا گیا ہے۔ امام مسلمؒ نے ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

❶ صحیح البخاری مع الفتح کتاب الحدود ۸/۱۳، مسلم رقم ۵۷

❷ المستدرک للحاکم ۱/۲۲۔ امام ذہبی نے موافقت کی ہے۔

❸ کتاب الإیمان لابن تیمیہ ص ۲۹

((كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيئُهُ مِنَ الزَّيْنَا، مُذْرِكُ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَالْعَيْنَانِ زَيْنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْأُذُنَانِ زَيْنَاهُمَا الْإِسْتِمَاعُ، وَاللِّسَانُ زَيْنَاهُ الْكَلَامُ، وَالْيَدُ زَيْنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زَيْنَاهَا الْخَطَا، وَالْقَلْبُ يَهْوِي وَيَتَمَنَّى وَيُصَدِّقُ ذَلِكَ الْفَرْجُ أَوْ يَكْذِبُهُ.)) ❶

”انسان کے لیے اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے وہ یقیناً اسے پانے والا ہے، آنکھوں کا زنا (ناحرم عورت کی طرف) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا (حرام آواز کا) سننا ہے، زبان کا زنا (ناجائز) کلام کرنا ہے، ہاتھ کا زنا (ناجائز) پکڑنا اور پاؤں کا زنا (ناجائز کام کی طرف) چل کر جانا ہے، اور دل خواہش اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔“

اس طرح معصیت رفتہ رفتہ بندے کے دل میں گھر کرتی اور اس پر اثر انداز ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اس کی پروا نہیں کرتا، نہ اسے چھوڑ سکتا ہے، بلکہ زیادہ کا طلبگار ہوتا ہے۔ ❷

اس سلسلے میں ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”معصیتیں دوسری معصیتوں کو جنم دیتی ہیں تا آنکہ بندہ ان سے الگ تھلگ نہیں ہو سکتا، وہ معصیتیں لازمی صفت، مستقل عادت اور فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں، عاصی اگر معصیت چھوڑنا اور اطاعت شعاری کرنا چاہے تو وہ اپنے آپ میں سخت تنگی محسوس کرتا ہے تا آنکہ معصیت کا دوبارہ ارتکاب نہ کر لے، بہت سارے فاسق معصیت کا ارتکاب کسی لذت کے لیے نہیں کرتے ہیں بلکہ اس تکلیف سے بچنے کے لیے جو معصیت کو ترک کرنے کی صورت میں انھیں لاحق ہوتی ہے۔“ ❸

شرمگاہ کی خواہش کے غالب آنے کے نتائج میں سے شرم و حیا کا ختم ہو جانا ہے، جب خواہش کے غالب آنے پر بندہ گناہوں کے ارتکاب کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس کو اس کی پروا ہی نہیں ہوتی کہ لوگ اس کے قبیح افعال سے آگاہ ہو رہے ہیں، بلکہ اس طرح کے لوگ اپنے برے کاموں کو فخر سے بیان کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ شرم و حیا سے بالکل عاری ہو چکے ہیں۔ ❹

شرمگاہ کی خواہش کو معمولی انحراف سے بچانے کے سلسلے میں کوتاہی رفتہ رفتہ مزید انحراف تک پہنچا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان شہوانیت کا ایسا شکار ہو جاتا ہے کہ اس کی برائیوں سے نجات مشکل ہو جاتی ہے، آخر میں دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، اخلاقی حسن سے بالکل عاری ہو جاتا ہے، مزید برآں اسے دیگر نفسانی و جسمانی بیماریاں

❶ أمراض النفس ص ۱۲۱

❷ صحیح مسلم، رقم ۲۶۵۷

❸ أمراض النفس ص ۱۲۲

❹ الجواب الکافی ص ۵۹، ۶۰

لاحق ہو جاتی ہیں۔^①

اسلام نے شرمگاہ کی خواہش کے غالب آنے سے بچاؤ کی تدبیریں پیش کی ہیں، انھی میں سے درج ذیل تدبیریں ہیں:

☆ غرض بصر اور ستر عورت:

شہوت کے تیر جس راستے سے دل میں پیوست ہوتے ہیں وہ نگاہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کو حرام کاری سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿قُلْ لِلّٰهِ مِیْنٰیۤ یَعۡصُوۡنَ مِنْ اَبۡصَارِہُمۡ وَ یَحۡفَظُوۡا وُجُوۡہَہُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَذۡکٰی لَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ﴾ (النور: ۳۰)

”مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے خبردار ہے۔“

فرمان نبوی ہے:

((لَا یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرَاةُ اِلٰی عَوْرَةِ الْمَرَاةٍ وَلَا یَفْضٰی الرَّجُلُ اِلٰی الرَّجُلِ فِی ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَلَا تُفْضٰی الْمَرَاةُ اِلٰی الْمَرَاةِ فِی ثَوْبٍ وَّاحِدٍ))^②

”مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت عورت کے ستر کو دیکھے، اور نہ مرد مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے، اور نہ عورت عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے۔“

ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے:

”اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دل کا آئینہ بنایا ہے، جب بندہ نگاہ کو نیچی رکھتا ہے تو دل کی شہوت اور ارادے کو

کنٹرول میں رکھتا ہے، اور جب نگاہ کو کھلی چھوٹ دے دیتا ہے تو شہوت کو بھی آزاد کر دیتا ہے۔“^③

نیز انھی کا قول ہے: نگاہ دل میں ویسے ہی اثر کرتی ہے جیسے تیر شکار میں، اگر اس کا کام تمام نہیں کر دیتی تو کم از کم زخمی ضرور کرتی ہے، نگاہ آگ کے اس انگارے کے مانند ہے جسے خشک گھاس میں پھینک دیا جائے، اگر وہ تمام گھاس کو نہیں جلاتا تو کچھ کو ضرور جلا دے گا، کسی شاعر نے کہا ہے:

① أمراض النفس ص ۱۲۲

② صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۳۸

③ روضة المحبین ص ۱۰۹

كل الحوادث مبدأها من النظر

و معظم النار من مستصغر الشرر

”تمام حوادث کی ابتداء نظر سے ہوتی ہے، بڑی آگ کی ابتداء چھوٹی چنگاری سے ہوتی ہے۔“

كم نظرة فتكت في قلب صاحبها

فتك السهام بلا قوس ولا وتر

”کتنی ہی نگاہیں ہیں جو صاحب نگاہ کے دل میں تیروں کی مانند پیوست ہو جاتی ہیں۔“

و المراء مادام ذاعين يقلبها

في أعين الغيد موقوف على الخطر

”انسان جب تک حسناؤں سے نگاہیں اڑاتا رہتا ہے خطرے میں ہوتا ہے۔“

يسر مقتله ما ضر مهجته

لامرحبا بسرور عاد با لضرر ❶

”روح کے لیے مضر چیز ہی اس کی نگاہ کو خوش کرتی ہے، ایسی خوشی کو دور سے سلام، جو نقصان دہ ہو۔“

☆ اختلاط کی حرمت، عورتوں کو حجاب کا حکم:

اس بارے میں بہت ساری قرآنی آیات اور احادیث نبویہ وارد ہیں، فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيزِهِنَّ ۖ

ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا رَحِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۵۹)

”اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے

اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں

گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِذَا سَأَلْتَهُمْ مَّتَاعًا فَاَسْأَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقٰوْلِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۝﴾

(الاحزاب: ۵۳)

”جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو، تمہارے اور ان کے

دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے۔“

امام بخاری اور امام مسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَفَرَأَيْتَ الْحِمْمُو؟ قَالَ: الْحِمْمُو الْمَوْتُ.)) ❶

”تم (غیر محرم) عورتوں کے پاس جانے سے گریز کرو، ایک انصاری شخص نے کہا: شوہر کے قریبی رشتہ دار کی بابت فرمائیے؟ آپ نے فرمایا: شوہر کا قرابت دار تو موت ہے۔“

(حمو) شوہر کا بھائی اور اس کے مشابہ شوہر کے دوسرے رشتہ دار جیسے بھائی کا لڑکا، چچا، چچا کا لڑکا وغیرہ جو محرم نہ ہوں، اور آپ ﷺ کے قول ”الْحِمْمُو الْمَوْتُ“ کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں اس سے زیادہ خوف ہے، اس لیے کہ اجنبی کے بالتقابل اس کا عورت کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے اور تنہائی میں ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ ❷

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَخْلُسُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَ مَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ وَلَا تَسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ.)) ❸

”کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے مگر اس حالت میں کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم رشتہ دار ہو، اور عورت محرم رشتہ دار کے بغیر سفر نہ کرے۔“

اسی طرح متعدد حدیثوں میں مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی چال ڈھال اور لباس میں مشابہت اختیار کرنے پر سخت وعید آئی ہے، اس لیے کہ اس سے شہوانی خواہشات ابھرتی ہیں، اور ان میں انحراف پیدا ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے وہ کہتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ.)) ❹

”عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔“

❶ شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۴/۱۵۳

❷ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۱۷۲

❸ صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۳۴۱

❹ صحیح البخاری مع الفتح، کتاب اللباس ۷/۵۵

☆ شہوت کو کنٹرول کرنے کے لیے روزے کی ترغیب:

جب انسان کسی سبب سے نان و نفقہ کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اسی بناء پر شادی نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ روزے رکھ کر شہوت کو بے قابو ہونے سے بچائے، اس لیے کہ روزے شہوت کو کنٹرول میں رکھتے ہیں، اس سلسلے میں امام بخاری و مسلم رحمہما نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغْضُ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ.)) ❶

”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نان و نفقہ کی طاقت رکھے تو وہ شادی کرے، بلاشبہ شادی نگاہوں کو پست کرنے والی اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی چیز ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ روزے رکھے، بلاشبہ روزہ شہوت کو توڑنے والی چیز ہے۔“

یعنی روزہ شہوت کے غلبے کو ختم کر دیتا ہے، اور اسی طرح ان غذاؤں کو کم کرنا ہے، جو شہوت کو ابھارنے والی ہوتی ہیں تاکہ اس کی شدت کم ہو جائے۔ جب انسان ان سے بچاؤ کی تدبیروں کا حریص نہیں ہوگا اور ان پر عمل پیرا نہیں ہوگا اور دل انحراف کے لیے تیار ہوگا تو شہوت کے زہریلے تیر اس میں ضرور پیوست ہو جائیں گے، دل اپنی اس بیماری میں بڑھتا ہی جائے گا، شہوت روز بروز غالب ہوتی چلی جائے گی، پھر انسان برائی کے دلدل میں دھنسا چلا جائے گا۔ ❷

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا یہ قول:

((كَانَ خَارِجًا مِنْ سُلْطَانِ فَرَجِهِ فَلَا يَسْتَخِفُّ لَهُ عَقْلُهُ وَلَا رَأْيُهُ.)) ❸

”اپنی شرمگاہ کا غلام نہیں تھا، چنانچہ اس کے پیچھے اپنی عقل و رائے کا دامن نہیں چھوڑتا تھا۔“

شرمگاہ کی شہوت کو قابو میں رکھنے کی صریح دعوت ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ کا قول:

((كَانَ إِذَا جَامَعَ الْعُلَمَاءُ يَكُونُ عَلَى أَنْ يَسْمَعَ أَحْرَصَ مِنْهُ أَنْ يَتَكَلَّمَ.)) ❹

”علماء کی مجلس میں بولنے سے زیادہ سننے کا حریص ہوتا۔“

اس قول میں علماء کے عزت و احترام اور ان سے استفادہ کا تذکرہ ہے، چنانچہ ان کی عزت اور ان کا احترام

❶ أمراض النفس ص ۱۲۶

❷ صحيح مسلم حديث نمبر ۴۰۰

❸ البداية والنهاية ۱۱ / ۱۹۹

❹ البداية والنهاية ۱۱ / ۱۹۹

مسنون ہے، فرمان نبوی ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوقِرْ كَبِيرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُعْرِفَ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ)) ①

”وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا، بڑوں کی عزت نہیں کرتا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیتا، اور عالم کا حق نہیں پہچانتا۔“

سلف صالحین علما کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے، مجلس میں عالم کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے، کس طرح گفتگو کی جائے، اس سلسلے میں اہل علم نے کافی گفتگو کی ہے، جو بالتفصیل ”آداب العالم و المتعلم“ پر مشتمل کتابوں میں موجود ہے۔

اس سلسلے میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اقوال نہایت جامع ہیں ان کا قول ہے:

”عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے زیادہ سوال نہ کرو، نہ لاجواب کرنے کی کوشش کرو، جواب نہ دینا چاہے تو اس پر اصرار نہ کرو، اٹھنا چاہے تو اس کا کپڑا نہ کھینچو، اس کا کوئی راز فاش نہ کرو، اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو، اس سے کوئی چوک ہو جائے تو اس کا عذر قبول کرو، جب تک وہ اللہ کے اوامر کو بجالاتا ہو اللہ کے واسطے اس کی توقیر و تعظیم کرو، اس کے سامنے برابری میں نہ بیٹھو، ضرورت پڑنے پر لوگ اس کی خدمت کریں۔“ ②

انہی کا قول ہے:

”عالم کا حق ہے کہ جب تم اس کے پاس آؤ تو اسے خصوصی اور لوگوں کو عمومی طور پر سلام کرو، اس کے آگے کی طرف بیٹھو، ہاتھوں اور آنکھوں کے اشاروں سے بچو، یہ نہ کہو کہ فلاں کا قول، آپ کے قول کے خلاف ہے، اس کا کپڑا نہ کھینچو، سوال کرنے میں اصرار نہ کرو، بلاشبہ وہ رطب کھجور کے درخت کی طرح ہے جس سے کچھ نہ کچھ تمہیں ملتا رہتا ہے۔“ ③

عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کا قول ہے:

”جب کوئی عالم اپنے سے بڑے عالم کو پاتا ہے تو وہ اس کے لیے غنیمت کا دن ہوتا ہے، اس سے پوچھتا ہے، علم حاصل کرتا ہے، جب اپنے سے چھوٹے عالم کو پاتا ہے تو اس کو علم سکھاتا ہے، اس کے

① سنن الترمذی حدیث نمبر ۱۹۸۶، صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۱۹۱۳

② جامع بیان العلم و فضله ۱/۱۲۹

③ جامع بیان العلم و فضله ۱/۱۴۶

سامنے تواضع و خاکساری کا اظہار کرتا ہے اور جب اپنے ہمسر عالم سے ملتا ہے تو اس سے مختلف موضوعات پر مباحثہ و مناقشہ کرتا ہے۔^①

اہل علم سے طلب علم اور استفادہ، ان کی باتوں کو سننے، ان کا احترام کرنے کی سلف صالحین نے بہترین مثالیں قائم کی ہیں، اس کے شاہد وہ واقعات ہیں جنہیں خطیب بغدادی وغیرہ نے اس سلسلے میں نقل کیا ہے۔
حسن رضی اللہ عنہ کا قول:

((كَانَ أَكْثَرَ ذَهْرِهِ صَامِتًا فَإِذَا قَالَ بَدَّ الْقَائِلِينَ، كَانَ لَا يُشَارِكُ فِي دَعْوَى وَلَا يَدْخُلُ فِي مِرَاءٍ.))^②

”اکثر اوقات خاموش رہتا، جب بولتا تو بولنے والوں پر فوقیت لے جاتا، کسی دعوے اور جھگڑے میں دخل اندازی نہ کرتا۔“

حسن رضی اللہ عنہ اپنے اس قول کے ذریعہ سے جھگڑے سے بچنے اور کم گفتگو کی دعوت دے رہے ہیں، فرمان نبوی ہے:

((إِذَا أَصْبَحَ الْعَبْدُ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكْفِّرُ اللِّسَانَ، تَقُولُ: اتَّقِ اللَّهَ فِينَا، فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَإِذَا اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اَعْوَجَجَتْ اَعْوَجَجْنَا.))^③

”جب انسان صبح کرتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء زبان سے نہایت عاجزی سے عرض کرتے ہیں، کہتے ہیں: تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتی رہ اس لیے کہ ہمارا معاملہ تیرے ساتھ وابستہ ہے اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اگر تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔“

سلف صالحین اپنی گفتگو کے سلسلے میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے تھے، اس لیے کہ زبان دیگر اعضاء کے مقابل زیادہ آسانی سے چلنے والی ہے اور بندے کے حق میں زیادہ مضر بھی ہے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو پکڑ کر کہا کرتے تھے:

((هَذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ.))^④

”اس نے مجھے کئی گھاٹ کا پانی پلایا۔“

گفتگو تمھاری قید میں ہوتی ہے، تمھارے منہ سے نکل جانے کے بعد تم اس کے قیدی ہو جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ

① المحدث الفاضل للرامهرمزی ص ۲۰۶، قواعد فی التعامل مع العلماء، عبدالرحمن بن معلل اللویحق ص ۸۶

② البداية والنهاية ۱۱ / ۱۹۹

③ سنن الترمذی حدیث نمبر ۲۴۰۷، حسنه اللالبانی فی الصحیح الجامع ۱ / ۵۱۳۶

④ جهاد النفس ص ۷۶

ہر بولنے والے کی زبان سے باخبر ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق: ۱۸)

”انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔“

زبان کی دو عظیم آفتیں ہیں، انسان اگر ایک سے بچ جاتا ہے تو دوسری سے نہیں بچتا، گفتگو کی آفت، خاموشی کی آفت، اپنے اپنے وقت میں دونوں میں سے ہر ایک بہت بڑے گناہ کا باعث ہوتی ہیں، واضح رہے کہ حق بات پر چپ رہنے والا گونگا شیطان ہے، اللہ کا نافرمان، ریاکار اور حق کو چھپانے والا ہے، باطل گفتگو کرنے والا، بولنے والا شیطان ہے، اللہ کا نافرمان ہے۔ اکثر لوگ اپنی گفتگو اور خاموشی میں منحرف ہوتے ہیں، وہ انہی مذکورہ دو قسموں میں سے ہوتے ہیں، بچ والی قسم کے لوگ۔ جو صراطِ مستقیم والے ہیں۔ غلط باتوں سے اپنی زبانوں کو بچاتے ہیں، آخرت میں نفع بخش باتوں میں انھیں استعمال کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسی بات نہیں کرتا جو بے مقصد ہو، چہ جائیکہ وہ آخرت میں مضر ہو، بندہ قیامت کے دن پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئے گا، لیکن اسے پتہ چلے گا کہ اس کی زبان نے ان تمام نیکیوں کو برباد کر دیا ہے، اور پہاڑوں کے برابر برائیاں لے کر آئے گا، لیکن اسے پتہ چلے گا کہ اس کی زبان نے ذکر الہی اور اس کے متعلقات میں مشغول ہونے کے باعث ان برائیوں کو ختم کر دیا ہے۔^①

نہ گفتگو کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے نہ ہی خاموشی کا، بلکہ بھلی گفتگو کرنا اور بری گفتگو سے بچنا ضروری ہے، لوگ عموماً لایعنی اور بری باتیں کرتے ہیں اور ان پر خاموشی چوں کہ مشکل ہوتی ہے، اس لیے سلف اکثر و بیشتر اس خاموشی کی تعریف کرتے تھے اور اپنے آپ کو لایعنی باتیں نہ کرنے کا عادی بناتے تھے۔^②

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے:

”ج، سرحدوں کی حفاظت، جہاد، ان میں سے کوئی بھی زبان کو کنٹرول کرنے سے زیادہ مشکل نہیں،

اگر تم اپنی زبان کے تابع ہو گئے تو تمہیں شدید غم لاحق ہو گا۔“

انہی کا قول ہے:

”زبان کی پابندی مومن کی پابندی ہے، اگر تم اپنی زبان کے تابع ہو گئے تو تمہیں شدید غم لاحق

ہو گا۔“^③

① الداء والدواء لابن القيم ص ۳۷۹

② جہاد النفس ص ۷۷

③ جامع العلوم والحکم ص ۱۶۲

حسن رضی اللہ عنہ کے قول کی شرح:

((كَانَ إِذَا ابْتَدَأَهُ أَمْرَانِ لَا يَرَى إِلَيْهِمَا أَقْرَبَ إِلَى الْحَقِّ، نَظَرَ فِيمَا هُوَ أَقْرَبَ إِلَيَّ هَوَاهُ فَخَالَفَهُ.))^①

”جب اس کے نزدیک دو باتوں میں سے کسی کا اقرب الی الحق ہونا واضح نہ ہوتا تو دیکھتا ان میں سے کون سی بات اس کی خواہش کے زیادہ قریب ہے، پھر اس کی مخالفت کرتا۔“

حسن رضی اللہ عنہ ”ہوسی“ (نفسانی خواہش) کی مخالفت پر آمادہ کر رہے ہیں، ہوئی کہتے ہیں بغیر کسی شرعی ضرورت کے لذت بخش خواہشات کی جانب نفس کے میلان کو۔^② نفسانی خواہشات ان اسباب میں سے ایک اہم سبب ہیں، جن کے باعث بہت ساری قوموں نے اپنے انبیاء کی مخالفت کی، ان کا حکم نہ مانا، ان کی لائی ہوئی شریعت و ہدایت کو ٹھکرا دیا۔ فرمان الہی ہے:

((لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا قَالُوا لَنَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ فَوَيَقِينًا كَذِبًا وَقَالُوا قَوْلُكُمُ الْيَوْمَ)) (المائدة: ۷۰)

”ہم نے بالیقین بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا، جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انھوں نے ان کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کو خواہشات کی مخالفت کا حکم دیا ہے:

((يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَعْزُبُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كُفْرًا كَبِيرًا عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ)) (ص: ۲۶)

”اے داؤد! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنا دیا، تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔“

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

① البداية والنهاية ۱/ ۱۹۹

② التعريفات للمعرجانی ص ۲۵۷

”ہوسوی (جو نفس میں موجود حب و بغض کا جذبہ ہے) بذات خود مستحق ملامت نہیں، اس لیے کہ بسا اوقات اس کی نہیں چلتی، مستحق ملامت اس کی چاہت کے مطابق عمل کرنا ہے۔“^①

دوسری جگہ انھی کا قول ہے:

”مجرّد نفس کے حب و بغض کا نام ہوئی ہے، جو چیز حرام کی گئی ہے وہ اس کے حب و بغض کی چاہت کے مطابق عمل کرنا ہے۔“^②

جو آدمی نفسانی خواہشات کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اس کے لیے بہترین دوا اور کامیاب علاج یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر کتاب و سنت کی پیروی کو لازم کرے، سلف صالحین کے منہج کو اپنائے، اپنے نفس میں برابر اللہ کا خوف اور ڈر بسائے رکھے، اپنے افعال پر ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے، اس کی خواہشات، لبھاوے اور مکاری سے دھوکہ نہ کھائے، جو کچھ کہنا یا کرنا چاہے اس کے بارے میں اہل علم و ایمان سے زیادہ سے زیادہ مشورہ کرے اور ان کی رائے معلوم کرے، دوسروں سے نصیحت حاصل کرے، درست اور صحیح آراء (چاہے وہ نفسانی خواہشات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں) کو قبول کرنے پر نفس کو آمادہ کرے، اعمال کو کرگزر کرنے، احکام کو صادر کرنے میں نفس کو توقف اور ان افعال سے بچنے کا عادی بنائے جن میں افراط و تفریط، غلو و تقصیر، جہالت اور حدود سے تجاوز ہو، زیادہ سے زیادہ اللہ سے عاجزی اور دعا کرے کہ وہ اسے نفسانی خواہشات کے اتباع اور گمراہ کن فتنوں سے بچائے اور خوشی اور ناخوشی دونوں صورتوں میں حق بات کہنے کی توفیق دے، منجانب رسول اللہ ﷺ امت کو سکھائی گئی ان دعاؤں کو زیادہ سے زیادہ پڑھے:

((وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ .))^③

”اے اللہ! میں تجھ سے خوشی و ناخوشی دونوں صورتوں میں حق بات کہنے کی توفیق طلب کر رہا ہوں۔“

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ .))^④

”اے اللہ! میں برے اخلاق و اعمال اور بری خواہشات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

۴۔ حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((يَجُوزُ أَنْ يَظُنَّ السُّوَاءَ بِمَنْ عَلِمَ السُّوَاءَ مِنْهُ وَبَدَتْ عَلَيْهِ أَدِلَّتُهُ وَ لَيْسَ يَنْبَغِي أَنْ يَظُنَّ بِهِ السُّوَاءَ بِمُجَرَّدِ الظَّنِّ فَإِنَّ الظَّنَّ يَكْذِبُ كَثِيرًا .))^⑤

② مجموع الفتاوى ۲۸ / ۱۳۳

① مجموع الفتاوى ۲۸ / ۱۳۱

③ سنن النسائي، كتاب السهو، باب الدعاء بعد الذكر ۵۵ / ۳، علامہ البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

④ صحيح سنن الترمذی ۳ / ۱۸۳

⑤ الشهب اللامعة فى السياسة النافعة للمالقي ص ۱۷۳

”اس کو برا سمجھنا درست ہے جس کی برائی معروف ہو اور اس پر دلیلیں واضح ہوں، صرف گمان کی بنیاد پر کسی کو برا سمجھنا درست نہیں، گمان اکثر و بیشتر جھوٹا ہوتا ہے۔“

حکمت پر مبنی حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہوشیار اور با بصیرت مومن جب کسی شخص کے بعض برے احوال، تصرفات، اقوال اور افعال کو جان لے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے برا سمجھے، انسان کے چہرے کے آثار، بعض اقوال و افعال سے اس کے دل کی بعض باتیں نمایاں ہو جاتی ہیں، لیکن اسے برا سمجھنے کی بنا پر اس شخص کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی، بلکہ حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے محتاط رہنے اور بچنے کی ضرورت ہے تاکہ ان جیسے لوگوں کے ساتھ حسن ظن کے باعث کوئی مسلمان مصائب و مشکلات سے دوچار نہ ہو جائے، جس کا لوگوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ جس سے متعلق سوء ظن کے دلائل و شواہد موجود ہوں اس پر اعتماد کرنا کتنا خطرناک ہوتا ہے، لیکن بلا دلائل و شواہد کسی مسلمان کا کسی مسلمان سے سوء ظن رکھنا بالکل مناسب نہیں۔ فرمان الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (الحجرات: ۱۲)

”اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ کا مفہوم یہ بتاتا ہے کہ اہل خیر کے ساتھ بدگمانی گناہ ہے، رہے برے اور فاسق لوگ تو ان کے ظاہری حالات کے مطابق ہم ان کے ساتھ بدگمانی رکھ سکتے ہیں۔^① فرمان نبوی ہے:

((إِيَّاكُمْ وَ الظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ .))^②

”تم بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔“

ابن حجر رحمہ اللہ نے کسی مسلمان سے بدگمانی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ ان کا قول ہے:

”ایسا اس لیے کہ جو شخص محض بدگمانی کے باعث کسی کو برا قرار دیتا ہے شیطان اس کو اسے حقیر سمجھنے، اس کے حقوق کی رعایت نہ کرنے، اس کے احترام میں کوتاہی کرنے اور اس کی عزت و ناموس سے متعلق زبان درازی پر آمادہ کرتا ہے، یہ تمام باتیں باعث ہلاکت ہیں، جسے تم پاؤ کہ وہ لوگوں سے بدگمانی اس لیے کرتا ہے کہ ان کے عیوب کو ظاہر کرے تو سمجھ لو کہ وہ بد باطن اور بری نیت والا ہے،

① الأخلاق بین الطبع و التعلیق ص ۲۴۳

② صحیح البخاری حدیث نمبر ۵۱۴۳، صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۶۳

بلاشبہ مومن اپنی نیک طبیعت کے باعث لوگوں کے لیے مختلف قسم کے عذر تلاش کرتا رہتا ہے، اور منافق اپنی بری طبیعت کے باعث لوگوں کے عیوب تلاش کرتا رہتا ہے۔“^①

۵۔ حسنؓ کا قول ہے:

((وَاللّٰهُ مَا تَشَاوَرَ قَوْمٌ قَطُّ اِلَّا هَدَاهُمُ اللّٰهُ لَافْضَلَ مَا يَحْضُرُهُمْ))^②

”اللہ کی قسم جب بھی کوئی قوم باہم مشورہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان کی موجودہ رائے سے بہتر رائے کی جانب ان کی رہنمائی کرتا ہے۔“

حسنؓ لوگوں کو اپنے تمام معاملات میں باہمی مشورے کی وصیت کر رہے ہیں اور اس پر آمادہ کر رہے ہیں، قرونِ اولیٰ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ سے شورا و رائے کا طریقہ سیکھا اور اس کو برتا، خود حسنؓ نے معاویہؓ کے ساتھ مصالحت سے متعلق اپنے بھائی حسینؓ، چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفرؓ اور اپنے دوسرے قائدین سے مشورہ کیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

شورائیت شریعت و احکام کے بنیادی اصول و ضوابط میں سے ہے، جو حاکم بھی باعمل علما سے مشورہ نہیں کرتا اس کو اس کے منصب سے ہٹا دینا بالاتفاق واجب ہے۔^③

بصاحفِ حنفی اپنی تفسیر ”احکام القرآن“ میں ﴿اَفْرُؤْهُمْ شُؤْزِي بَيْنَهُمْ﴾ پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”اقامتِ صلاۃ اور ایمان کے ساتھ شورائیت کا ذکر کیا جانا اس کے عظیم المرتبت ہونے کا پتہ دیتا ہے،

اور یہ بھی بتاتا ہے کہ ہم اس کے مامور ہیں۔“^④

علامہ طاہر بن عاشور کہتے ہیں:

”بصاحف کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شورائیت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔“^⑤

امام نوویؒ کا قول ہے:

”ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے کہ ہماری طرح رسول اللہ ﷺ کے حق میں شورائیت واجب ہے

یا سنت، ان کے نزدیک رائج واجب ہونا ہے اور یہی مختار قول ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا امر صادر کر رہا ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

① الزواجر ص ۱۱۴

② تہذیب الریاسة و ترتیب السیاسة للقلعی ص ۱۸۳

③ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ۳/ ۳۷۹

④ التحریر و التنویر ۴/ ۱۴۹

⑤ احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۸۶

”اور کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھیں۔“

اور جمہور فقہاء و محقق اصولیین کے نزدیک رائج بات یہی ہے کہ امر و وجوب کے لیے ہوتا ہے۔“

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

”حاکم وقت مشاورت سے مستغنی نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

”ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھیں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

بلاشبہ شورایت اسلامی نظام کے ان بنیادی امور میں سے ہے جو اسلامی معاشرے کے قیام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، بہت سارے عظیم مقاصد اور اعلیٰ مصلحتوں کے پیش نظر شورائی نظام مشروع قرار دیا گیا، اس میں معاشرے، امت اور حکومت کی بھلائی اور برکت پر مبنی بہت سارے عظیم فوائد اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆ شورائی ایک طرح کھلم کھلا بحث و مناقشہ ہے، یہ رائے عامہ کو ہموار اور واضح کرنے، حاکم و محکوم، رئیس و مروض کے مابین محبت و اعتماد کے اسباب کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، ڈکٹیٹر شپ میں پروان چڑھنے والے شکوک کو ختم کرنے، اندیشوں کو دور کرنے، شبہات کے ازالے اور افواہوں کو روکنے میں حکومت کے لیے ایک بہترین طریقہ ہے۔

☆ اسلامی مبادیات کا تقاضا ہے کہ ہر فرد یہ محسوس کرے کہ معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں اس کا ایک کردار ہے، شورایت ہر فرد کو موقع دیتی ہے کہ وہ معاشرے کی بھلائی کے لیے اپنی ہر ممکن کوشش، فکر، رائے اور صلاحیت کو بروئے کار لائے، نیز عام معاملات میں ہر شخص کو اظہار رائے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

☆ شورایت افراد امت کو فکری جمود اور گرم جذبات سے روکتی ہے، وہ ہر فرد کو اپنی ذاتی، فکری اور انسانی اہمیت کا احساس دلاتی ہے، افراد امت کو محنت، ایجاد اور رضا مندی پر آمادہ کرتی ہے، امت کو مختلف طاقت و قوت عطا کرتی اور اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے۔

☆ شورایت سخت قسم کے دباؤ اور پوشیدہ کینوں کا کامیاب علاج ہے، مخفی غم و غصہ کو ختم کرتی ہے، رعایا کو فائدہ

☆ پہنچانے کا عادی، نیز نظام حکومت کو مضبوط کرنے اور حاکم وقت کی سچی وفاداری کا حریص بناتی ہے۔
☆ شوریٰ نظام امت کو باور کراتا ہے کہ وہی صاحب حکومت ہے، اور حاکم وقت کو باور کراتا ہے کہ وہ حکومت دوسرے برابری میں امت کی نیابت کر رہا ہے۔

☆ شوراہیت میں اللہ کے حکم کی بجا آوری اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہے، مذکورہ خصوصیتوں کے بالمقابل یہ خصوصیت زیادہ اہم ہے، یہی شوریٰ نظام کی کامیابی کا سب سے اہم سبب ہے۔ ❶
چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ شوریٰ نظام کا اہتمام کرنے، اس کو برتنے اور بروئے کار لانے پر لوگوں کو ابھار رہے ہیں، اسی لیے وہ کہتے ہیں:

”جب بھی کوئی قوم باہم مشورہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی موجودہ رائے سے بہتر رائے کی جانب ان کی رہنمائی کرتا ہے۔“ ❷

۶۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا ابْنَ آدَمَ عَفَّ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ تَكُنْ عَابِدًا، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ غَنِيًّا، وَأَحْسِنْ جَوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا، وَصَاحِبِ النَّاسِ بِمِثْلِ مَا تُحِبُّ أَنْ يُصَاحِبُوكَ بِمِثْلِهِ تَكُنْ عَادِلًا، إِنَّهُ كَانَ بَيْنَ آيِدِيكُمْ قَوْمٌ يَجْمَعُونَ كَثِيرًا وَيَبْنُونَ مَسِيدًا وَيَأْمُلُونَ بَعِيدًا، أَصْبَحَ جَمْعُهُمْ بُورًا وَعَمَلُهُمْ غُرُورًا وَمَسَاكِينُهُمْ قُبُورًا، يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَمْ تَزَلْ فِي هَذِهِ عُمْرِكَ مِنْذُ سَقَطَتْ مِنْ بَطْنِ أُمِّكَ، فَجُدْ بِمَا فِي يَدِكَ لِمَا بَيْنَ يَدَيْكَ، فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَتَزَوَّدُ وَالْكَافِرُ يَتَمَتَّعُ وَتَلَا هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾)) (البقرة: ۱۹۷) ❸

”اے ابن آدم! اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچ جا، عابد ہو جائے گا، اللہ نے تیرے لیے جو کچھ مقدر کر دیا ہے اس پر راضی ہو جاغی ہو جائے گا، پڑوسیوں کے لیے اچھا پڑوسی بن جا مسلمان ہو جائے گا، لوگوں کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ پیش آئیں تو عادل بن جاؤ گے، تم سے پہلے کچھ لوگ تھے جو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرتے تھے، مضبوط و پختہ عمارات بناتے تھے، ان کی آرزوئیں دراز ہوتی تھیں، ان کا جمع کردہ مال تباہ ہو گیا، ان کے اعمال

❶ الشوریٰ بین الأصالة والمعاصرة لعز الدين التميمي ص ۳۳، ۳۴

❷ تہذیب الریاسة و ترتیب السیاسة ص ۱۸۳

❸ نور الأبصار للشبلنجی ص ۱۲۱، الحسن بن علی ص ۲۸

برباد ہو گئے، ان کی عمارات قبروں میں تبدیل ہو گئیں، اے ابن آدم! تیرے پیدا ہونے کے بعد ہی سے تیری عمر گھٹ رہی ہے، اس لیے جو کچھ تیرے پاس ہے آخرت کے لیے خرچ کر، بلاشبہ مومن توشہ آخرت جمع کرتا ہے، اور کافر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ (توشہ آخرت جمع کرو سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے)۔

حسن رضی اللہ عنہ کے خطبے کی مختصر شرح:

۱: ((يَا ابْنَ آدَمَ عَفَّ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ تَكُنْ عَابِدًا.)) ①

”اے ابن آدم! اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچ، عابد ہو جائے گا۔“

حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے اس قول میں لوگوں کو حرام چیزوں سے بچنے کی تلقین کر رہے ہیں، اور حرام چیزوں سے بچنے والے کو وہ عابد سمجھتے ہیں، محرمات کا ارتکاب انسان کو غافل اور اللہ کے غیظ و غضب اور سزا کا مستحق بنا دیتا ہے، اسی طرح محرمات کا ارتکاب اور اطاعت الہی سے غفلت دونوں دنیا و آخرت کے بہت سارے نقصانات و مفاسد کے دو سبب ہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے:

”قلت توفيق، فساد رائے، حق کا عدم ظہور، دل کا فساد، گمنامی، وقت اور چہرے کی تروتازگی کا ضیاع، رب اور بندے کے مابین وحشت، دعاؤں کی عدم قبولیت، دل کی تنگی، رزق و عمر کی بے برکتی، علم سے محرومی، ذلت، مخنجانہ عدو رسوائی، سینے کی تنگی، دل اور وقت کو خراب کرنے والے برے ساتھیوں سے پالا پڑنا، طویل ہوم و غموم، زندگی کی تنگی اور پرانندہ حالی یہ تمام چیزیں ذکر الہی سے غفلت اور معصیت کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں، جس طرح کھیتی کا وجود پانی سے اور جلنے کا وجود آگ سے ہے، نیز ان مذکورہ چیزوں کی متضاد چیزیں اطاعت کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں۔“ ②

معلوم ہوا کہ محرمات سے دوری اطاعتوں کی راہ ہے اور اسی سے مسلمان عابد ہو جاتا ہے، اسی بنا پر حسن رضی اللہ عنہ

نے کہا ”عَفَّ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ تَكُنْ عَابِدًا“ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچ جا، عابد ہو جائے گا۔ ③

ب: ((وَأَرْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ عَبْدًا.)) ④

”اللہ نے تیرے لیے جو کچھ مقرر کر دیا ہے اس پر راضی ہو جا، غنی ہو جائے گا۔“

② الفوائد ص ۳۲

① نور الابصار، ص ۱۲۱

③ الحسن بن علی، ص ۲۸، نور الابصار، ص ۱۲۱

④ الحسن بن علی، ص ۲۸

حسن رضی اللہ عنہ منجانب اللہ بندے کے لیے مقدر چیزوں پر راضی ہونے اور اس کے استغناء کا باعث ہونے سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، اللہ سے رضا مندی کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اللہ کے قضا و قدر کو ناپسند نہ کرے۔ ❶ اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ الہی قضا و قدر کے خیر و شر پر دل خوش اور نفس مطمئن رہے، قضا و قدر پر ایمان، ایمان کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اس قسم کی رضا مندی ایمانیات کا اعلیٰ درجہ ہے، اس لیے کہ اس نے دینی مدارج کی اصل کو تمام لیا ہے، یہی ان کی روح و حیات ہے، یہی رضا مندی توکل اور اس کی حقیقت، یقین، محبت اور شکر کی روح، نیز سچی محبت اور شکر کی دلیل ہے، ❷ اسی سے اللہ اور لوگوں کے ساتھ حسن خلق کا دروازہ کھلتا ہے، بلاشبہ حسن خلق اللہ کے قضا و قدر پر رضا مندی اور سوء خلق عدم رضا مندی کا نتیجہ ہیں، بلکہ بعض علما نے رضا کی تعریف اللہ کے ساتھ حسن خلق سے کی ہے، نیز تعریف کی علت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

”ایسا اس لیے کہ وہ رضا مندی بندے پر لازم قرار دیتی ہے کہ اللہ کی بادشاہت میں اعتراض نہ کرے، نیز ایسی فضول گفتگو سے بچے جو حسن خلق کے منافی ہو، چنانچہ وہ اللہ کے قضا و قدر کو کوئی مذموم نام نہیں دیتا، اس لیے کہ وہ رضا کے منافی ہے۔“ ❸

بنابریں قرآن نے اس رضا پر کافی توجہ دیتے ہوئے اس کے بارے میں کئی آیتوں میں گفتگو کی ہے۔

چنانچہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

”اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔“

قرآن کی مذکورہ توجہ اس بات کی دلیل ہے کہ رضا ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقات و کائنات اور تشریعات میں اللہ کے قضا و قدر سے متعلق بندہ اللہ کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے اور اسے پوری خوشی، اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ قبول کر لے، اس میں کسی طرح کی کوئی تنگ دلی نہ محسوس کرے، تدبیر کائنات میں اللہ کی حکمت کو جاننے کے باعث کائنات کی تدبیر، عدم وجود سے متعلق اس کے قضا و قدر پر اعتراض نہ کرے، اور نہ ہی کتاب و سنت میں بندوں کے لیے منجانب اللہ مقرر کردہ تشریعات پر اعتراض کرے، اس لیے کہ یہی سراسر حق اور ہدایت ہے۔

مذکورہ حسن خلق سے متصف شخص مذکورہ باتوں کو چاہت کے ساتھ قبول کر لیتا ہے اور ان سے متعلق اللہ کے قضا و قدر پر خوش رہتا ہے، اس لیے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال، تدبیر اور قضا و قدر میں حکیم ہے،

اپنے بندوں پر مہربان ہے، جو کچھ ان کے لیے کرتا ہے، وہ سراسر خیر ہی ہوتا ہے، چاہے بظاہر انھیں شرم معلوم ہو۔^① اس سلسلے میں حسن رضی اللہ عنہ کے نانا نبی کریم ﷺ اعلیٰ مثال اور بہترین نمونے تھے، چنانچہ آپ نے بیان کر دیا ہے کہ نفس، مال، اولاد اور اقارب سے متعلق زندگی میں منجانب اللہ جو پریشانیاں آئیں ان پر آپ ﷺ کس طرح راضی رہے، اسی طرح مکہ، مدینہ اور طائف میں دعوت الی اللہ کے نتیجے میں اپنی ذات کو لاحق ہونے والی اذیتوں پر مکمل طور سے راضی رہے، اذیتیں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ آپ کا کام تمام کر دینے کی متعدد کوششیں ہوئیں، لیکن کامیاب نہ ہوئیں، آپ نے ان سے صرف ان کے برے ارادے کا اعتراف کرا لیا، پھر انھیں معاف کر دیا۔

قلب مال پر آپ ﷺ کی رضامندی کی پوری انسانیت میں کوئی نظیر نہیں ملتی، چنانچہ آپ دعا کرتے تھے:
 ((اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتًا.))^②
 ”اے اللہ! محمد (ﷺ) کے گھر والوں کو صرف اتنی روزی دے جس سے ان کے جسم و جان کا رشتہ برقرار رہ سکے۔“

اسی طرح زینہ اولاد کے انتقال کے بعد، بڑھاپے میں آپ کے صاحبزادے اور حسن رضی اللہ عنہ کے ماموں ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، لیکن اٹھارویں مہینے ہی میں انتقال کر جانے پر قضا و قدر سے متعلق آپ کی رضامندی متزلزل نہ ہوئی، بلکہ اس پر اپنی رضامندی کا اعلان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:
 ((إِنَّ الْعَيْنَ تَذْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا بِمَا يَرْضَى رَبُّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمَ لَمَحْزُونُونَ.))^③
 ”بے شک آنکھیں اشک بار ہیں اور دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی کر دے اور اے ابراہیم ہم تیری جدائی پر یقیناً غمزدہ ہیں۔“

آپ کے اعزہ و اقارب آپ کے اور آپ کی دعوت کے دفاع کی راہ میں آپ کے سامنے پچھاڑے گئے، لیکن آپ اس سے تنگ نہ آئے، بلکہ تاریخ میں آتا ہے کہ آپ کے چچا، اللہ و رسول کے شیر، حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید کر دیے گئے،^④ ان کا مشلہ کر دیا گیا، آپ نے اپنے لیے سب سے زیادہ دردناک منظر دیکھا، دیکھا کہ چچا کا مشلہ کر دیا گیا ہے، لیکن آپ نے صرف اتنا کہا:

① أخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القرآن والسنة ۱/ ۹۶

② صحیح البخاری، الرقائق، حدیث نمبر ۱۰۵۵

③ طبقات ابن سعد، ۸/۳

④ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۳۱۵

((رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ، إِنْ كُنْتَ مَا عَلِمْتُكَ إِلَّا وَصُولًا لِلرَّحِمِ فَعُولًا
لِلْخَيْرَاتِ، وَاللَّهُ لَوْ لَا حُزْنٌ مِنْ بَعْدِكَ عَلَيْكَ لَسَرَّيْنِي أَنْ أَتْرُكَكَ حَتَّى يَحْشُرَكَ
اللَّهُ فِي بَطُونِ السَّبَاعِ.))^①

”اللہ آپ پر رحم فرمائے، بلاشبہ آپ صلہ رحمی کرنے والے، بھلے کاموں کو انجام دینے والے تھے،
اللہ کی قسم اگر آپ کے بعد والے آپ پر غم نہ کرتے تو مجھے یہ بات بھی پسند تھی کہ میں آپ کو اس
طرح چھوڑ دوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دردوں کے پیٹ سے اٹھائے۔“

جس طرح آپ ہر حال میں اللہ سے مکمل طور پر راضی برضا تھے، اسی طرح آپ ہمیشہ یہ دعا کرتے رہتے
تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید رضامندی اور اس پر ثبات کی توفیق دے۔^② چنانچہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے:
((وَأَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ، وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى
وَجْهِكَ، وَالشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ ضَرَاءٍ مُضَرَّةٍ، وَفِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ،
اللَّهُمَّ زَيِّنَا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِينَ.))^③

”(اے اللہ) میں تجھ سے قضا و قدر کے بعد رضا، موت کے بعد زندگی کی راحت، تیرے چہرے
کے دیدار کی لذت، تجھ سے ملنے کی چاہت کا طلبگار ہوں، میں گمراہ کن فتنے اور نقصان دہ پریشانی
سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین کر دے اور ہمیں راہ یافتہ اور
رہنما بنا۔“

آپ ﷺ اپنے اقوال کے ذریعہ سے صرف اپنے اس خلقِ عظیم کو بیان ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ اس
کی اہمیت کو بیان کرتے، اس پر عند اللہ اجرِ عظیم اور ثوابِ جزیل کو واضح کرتے تاکہ اپنی امت کو اس پر آمادہ کریں
جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ: وَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ
لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا وَرَسُولًا
وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا غَفَرْتُ لَهُ ذَنْبَهُ.))^④

① تفسیر ابن کثیر ۲/ ۵۹۲، ابن کثیر نے اس کی نسبت بزار کی طرف کی ہے، اور اپنی سند سے اس کو ذکر کرنے کے بعد اس کے
اے ابن کثیر! کی سند ضعیف ہے، اے ابن ہشام نے ابن اسحاق سے مرسل اپنی سیرت ۱۷۳ میں ذکر کیا ہے۔

② حلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القرآن و السنة ۱/ ۱۰۰

③ سنن النسائی، باب السهو ۳/ ۵۵، اس کی سند حسن ہے۔

④ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۸۶

”جس نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی: اور میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود برحق صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے، اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ سے بحیثیت رب، محمد ﷺ سے بحیثیت نبی و رسول اور اسلام سے بحیثیت دین راضی ہو گیا، تو اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“

یہ بات قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کس طرح اس دعا کو دن میں پانچ مرتبہ پیش آنے والے معاملات سے جوڑ دیا ہے تاکہ یہ دعا اور اس کا مفہوم مسلمان مردوں اور عورتوں کے ذہنوں میں رچ بس جائے۔

نیز فرمان نبوی ہے:

((ذَاقْ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُولًا)) ❶

”جو اللہ سے بحیثیت رب، اسلام سے بحیثیت دین اور محمد ﷺ سے بحیثیت رسول راضی ہو گیا، اسے ایمان کی چاشنی مل گئی۔“

آپ ﷺ نے ان دونوں حدیثوں میں اللہ سے رضا مندی کے اس خلق عظیم کو بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ خلق عظیم گناہوں کی مغفرت کا سبب، اور ایمان کی مٹھاس پانے کا باعث ہے، ایسا اس لیے کہ اس خلق عظیم سے متصف شخص کو یقین ہوتا ہے کہ اسے جو کچھ ملنا ہے مل کر رہے گا، اور جو کچھ نہیں ملنا ہے نہیں ملے گا، اس کے لیے اللہ کی تدبیر، اس کی تدبیر سے بہتر ہے، آرام ہو یا تکلیف بہر صورت وہ اس دنیا میں چین کی زندگی بسر کرتا ہے، آسانی و پریشانی ہر ایک کو منجانب اللہ سمجھتے ہوئے ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتا ہے، انسان کے لیے دنیا میں ایسی زندگی سے زیادہ راحت بخش اور کون سی چیز ہو سکتی ہے؟ ❷ اسی لیے حسنؓ نے اس خلق عظیم پر زبان حال و مقال سے ابھارتے ہوئے فرمایا:

((وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ غَنِيًّا)) ❸

”اللہ کی مقدار کردہ چیزوں پر راضی ہو جا، مالدار ہو جائے گا۔“

ج: ان کا قول:

((وَأَحْسِنْ جَوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا)) ❹

❶ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۷۵۸

❷ أخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القرآن و السنة ۱/۱۰۱

❸ الحسن بن علی، ص ۲۸، نور الابصار، ۱۲۱

❹ الحسن بن علی، ص ۲۸

”پڑوسیوں کے ساتھ اچھا پڑوسی بن جا، مسلمان ہو جائے گا۔“

حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو اچھا پڑوسی بننے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی پر بہت بڑا حق ہے، فرمان الہی ہے:

﴿وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ
الْجُنُبِ﴾ (النساء: ۳۶)

”اور ماں باپ سے بھلائی کے ساتھ پیش آؤ اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار پڑوسی سے اور اجنبی پڑوسی سے۔“

نیز فرمان نبوی ہے:

((مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورَثُهُ.)) ❶

”مجھے جبریل (علیہ السلام) پڑوسی کے ساتھ برابر حسن سلوک کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت میں (بھی) شریک ٹھہرا دیں گے۔“

اسلام میں پڑوسی کے بہت سارے حقوق و آداب ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ کسی بھی قول و عمل سے پڑوسی کو تکلیف نہ دینا، چنانچہ فرمان نبوی ہے:

((مَنْ كَانَ يَوْمٌ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ.)) ❷

”جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔“

اس لیے انسان پر واجب ہے کہ وہ قول یا فعل یا اشارے سے پڑوسی کو تکلیف دینے سے بچے، اس کو تکلیف دینا ہر حال میں حرام ہے۔

☆ ہمیشہ اور ہر ممکنہ صورت میں اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، جیسا کہ فرمان نبوی ہے:

((مَنْ كَانَ يَوْمٌ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنِ إِلَى جَارِهِ وَمَنْ كَانَ يَوْمٌ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يَوْمٌ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لَيْسَ كُنْتُ)) ❸

”جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، جو

❶ صحیح البخاری، حدیث نمبر ۶۰۱۵

❷ صحیح البخاری، حدیث نمبر ۶۰۱۸

❸ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۴۸

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوا ہے چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت کرے، اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوا ہے چاہیے کہ وہ کلمہ خیر کہے یا پھر خاموش رہے۔“

اسلام میں پڑوسی کی عظیم اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اللہ اور یوم آخرت پر سچے ایمان کو پڑوسی کے حسن سلوک کے ساتھ جوڑا ہے، اگر ہم اپنے معاشرے میں پڑوسیوں کے ساتھ اس تعلیم نبوی پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارے معاشرے باہمی تعاون کی جیتی جاگتی مثال بن جائیں اور لوگ اچھی زندگی بسر کرنے لگیں۔

☆ پڑوسی کی تکلیف کو برداشت کرنا اور اس پر صبر کرنا، اس لیے کہ حسن جو صرف یہ نہیں کہ پڑوسی کو تکلیف دینے سے باز رہا جائے بلکہ اس کی تکلیف کو بھی برداشت کیا جائے، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کی ایذا رسانی کو برداشت کرتے ہوئے اس پر صبر کرے، اس کا بدلہ احسان سے دے، اس طریقے سے وہ شیطان کا دروازہ بند کر دے گا۔

☆ اسے کھانا کھلا کر بالخصوص جب وہ فقیر ہو اس کی غم خواری کرنا، فرمان نبوی ہے:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ جَبَنَهُ.)) ❶

”ایسا شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کھائے اور اس کے بغل میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔“

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا طَبَخَ أَحَدُكُمْ قِدْرًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَهَا، ثُمَّ لْيُنَاولِ جَارَهُ مِنْهَا.)) ❷

”جب کوئی سالن تیار کرے تو اس کا شوربہ بڑھا دے، پھر اس میں سے اپنے پڑوسی کو بھی دے۔“

نیز فرمان نبوی ہے:

((بَايَسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً لِّجَارَتِهَا وَلَوْ فَرَسَنَ شَاةٍ.)) ❸

”اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کوئی ہدیہ کم تر نہ سمجھے اگرچہ وہ (ہدیہ) بکری کا کھر ہی ہو۔“

ہر مسلمان کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی اس اعلیٰ تعلیم کا خیال رکھے، اس میں کوتاہی نہ کرے، اس کا پڑوسی پر بڑا اچھا اثر ہوتا ہے، نیز یہ اس بات کی دلیل ہے مسلم معاشرے کے افراد باہم ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں، ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں، اور ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ ❹ حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ

❶ المستدرک ۱۶۷/۴، السلسلة الصحيحة، حدیث نمبر ۱۴۸

❷ مجمع الزوائد ۸/۱۶۵، صحيح الجامع للالباني، حدیث نمبر ۶۷۶

❸ صحيح مسلم حدیث نمبر ۱۰۳۰ ❹ موسوعة الآداب الإسلامية ۱/۲۹۹

حتی الامکان پڑوسی کے لباس، دوا وغیرہ جیسی ضروریات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

☆ اس کی خوشی اور غم میں شریک ہونا، جب پڑوسی کے یہاں کوئی ایسا خوشی کا موقع ہو جس میں معصیت نہ ہو، تو اس کے یہاں جا کر اس کی خوشی میں شریک ہونا چاہیے، نیز اس کے یہاں اگر کوئی غمی کا موقع ہو تو اس کے یہاں جا کر اس کی غمی میں شریک ہونا چاہیے، اچھی باتوں سے اس کی غمخواری کرنی چاہیے، اسے ڈھارس بندھانی چاہیے، یہ سب ایک مسلمان کے حقوق ہیں جو اس کے مسلمان بھائی پر عائد ہوتے ہیں، اور پڑوسی ان حقوق کا زیادہ حقدار ہے۔

☆ جب گھر بچ کر دوسری جگہ جانا چاہے تو پہلے پڑوسی سے گھر بیچنے کی بات کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ اسے خریدنا چاہے، یہی معاملہ زمین یا کسی بھی غیر منقولہ جائیداد کا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَأَرَادَ بَيْعَهَا فَلْيَعْرِضْهَا عَلَى جَارِهِ .))^①

”جو اپنی کوئی زمین بیچنا چاہے تو چاہیے کہ وہ اس کے بیچنے کی بات (پہلے) اپنے پڑوسی سے کرے۔“
یہ اس کی دل جوئی کی ایک اچھی شکل ہے، اس سلسلے میں اگر لوگ کوتاہی کریں گے تو باہمی عداوت، نزاع اور جھگڑوں کا دروازہ کھولیں گے۔

☆ اپنی دیوار میں پڑوسی کو کھوٹی گاڑنے سے منع نہ کرے، پڑوسی کو جب اس کی ضرورت ہو تو اس کو اس کی اجازت دے دے، فرمان نبوی ہے:

((لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِسَ خَشْبَةً فِي جِدَارِهِ .))^②

”کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھوٹی گاڑنے سے نہ روکے۔“

پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ وَاللَّهِ لَأَرْمِينَ بِهَا بَيْنَ أَكْتَفَيْكُمْ .))

”کیا وجہ ہے کہ (اس فرمان نبوی کے باوجود) میں تمہیں اس حکم سے منہ پھیرتے ہوئے دیکھتا ہوں،

اللہ کی قسم! میں اس کو تمہارے کندھوں کے درمیان پھینک کے رہوں گا۔“

یعنی میں اسے تمہارے درمیان ضرور بیان کروں گا چاہے وہ بات تمہیں کتنی ہی بری کیوں نہ لگے اور

تمہارے لیے باعث تکلیف ہو۔^③

① سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۴۹۳، صحیح سنن ماجہ حدیث نمبر ۲۰۲۲

② صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۴۶۳

③ موسوعة الآداب الإسلامية ۱/ ۳۰۱

حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ پڑوسی کو جس طرح کا بھی تعاون درکار ہو دوسرے پڑوسی کو وہ تعاون کرنا چاہیے بشرطیکہ اس میں اس کا نقصان نہ ہو۔

☆ پڑوسی کی عزت و آبرو کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا، اس کا راز فاش کر کے، اس کی عزت کو برباد کر کے، اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کر کے اس کی خیانت نہ کرنا، اس لیے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

((أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةً أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ، قِيلَ: ثُمَّ أَى؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَتَكَ جَارِكَ.)) ❶

”تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی، پوچھا گیا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔“

بلکہ چاہیے کہ ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کی ذات، مال و دولت، عزت و آبرو کی حفاظت کرے، تاکہ اس سے اس کا پڑوسی بے خوف رہے، فرمان نبوی ہے:

((وَاللَّهُ لَا يُؤْمِنُ، وَاللَّهُ لَا يُؤْمِنُ، وَاللَّهُ لَا يُؤْمِنُ، قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقِهِ.)) ❷

”اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا: اللہ کے رسول کون؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔“

یعنی اس کی غداری اور خیانت سے، ❸ اسی لیے حسن رضی اللہ عنہ اپنے وعظ اور تقریروں میں لوگوں کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اور حسن جوار کی تلقین کیا کرتے تھے، آپ نے فرمایا:

((وَأَحْسِنْ جَوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا.)) ❹

”اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا پڑوسی بن جا، مسلمان ہو جائے گا۔“

❺ ان کا قول:

((وَصَاحِبِ النَّاسِ بِمِثْلِ مَا تُحِبُّ أَنْ يُصَاحِبُوكَ بِمِثْلِهِ تَكُنْ عَادِلًا.))

”لوگوں کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ پیش آئیں، تو عادل

❶ صحیح البخاری حدیث نمبر ۶۰۱۶

❷ صحیح مسلم حدیث نمبر ۸۶

❸ موسوعة الآداب الإسلامية ۱/ ۳۰۱

❹ الحسن بن علی، ص ۲۸، نور الابصار، ص ۱۲۱.

بن جاؤ گے۔“

حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو عدل و انصاف اپنانے اور ظلم سے بچنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ عدل و انصاف ایک اچھی عادت و خصلت ہے، جو نفس مطمئنہ، وسیع نظر اور دور رس نگاہ کا پتہ دیتی ہے، اس سے اصحابِ حقوق کے حقوق پورے پورے مل جاتے ہیں، عدل پسند حضرات اور اچھی سیاست والے ان حقوق کو دلواتے ہیں۔^① لوگوں کے عدل و انصاف کے بارے میں ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”تم لوگوں کے حقوق ادا کرو، ان سے ایسی چیزوں کا مطالبہ نہ کرو جن کے تم مستحق نہیں ہو، انھیں ان کی طاقت سے زیادہ مکلف نہ کرو، ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ تمھارے ساتھ کریں، اور جیسا بدلہ تم پسند کرتے ہو ویسا ہی بدلہ انھیں دو، اور اپنے مفاد میں یا اپنے خلاف جیسا فیصلہ کرتے ہو ویسا ہی فیصلہ ان کے ساتھ کرو۔“^②

عدل و انصاف دو لازم و ملزوم چیزیں ہیں، جس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان فضائل کے حصول اور رذائل سے اجتناب کے ذریعہ سے عالی ہمت اور بری الذمہ ہو جائے۔^③

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انصاف کا حکم دیا ہے اور اس بات سے منع کیا ہے کہ کفار کا بغض و عناد ہمیں ان کے خلاف عدم انصاف پر آمادہ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا (عَدِلُوا) هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾^④

(المائدہ: ۸)

”اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمھیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو، جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔“

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جب اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع کر دیا کہ کفار کا بغض و عناد مومنوں کو خلاف عدل پر آمادہ کرے تو اہل ایمان میں سے کسی فاسق، بدعتی اور تاویل کرنے والے کے بغض کا معاملہ ہی دوسرا ہوگا، وہ بدرجہ اولیٰ کسی مومن کو خلاف عدل پر آمادہ نہیں کرے گا۔“^⑤

① زاد المعاد ۲/ ۴۰۷، معمولی تصرف کے ساتھ۔

② الاخلاق بین الطبع و الطبع ص ۲۲۸

③ الإستقامة ۱/ ۳۸

④ التوفيق علی مهمات التعريف للمناوی ص ۶۴

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”یعنی کسی قوم سے بغض تمہیں ترک عدل پر آمادہ نہ کرے، ہر حال میں ہر شخص کے لیے ہر شخص پر

عدل کرنا واجب ہے۔“^①

فرمان الہی ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ (المائدة: ۲)

”جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد

سے گزر جاؤ۔“

ابو عبیدہ اور فراء کا قول ہے کہ کسی قوم کا بغض تمہیں حق چھوڑ کر باطل اختیار کرنے اور عدل چھوڑ کر ظلم کرنے

پر آمادہ نہ کرے۔^②

انسان عدل و انصاف سے متصف ہو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ یہ ان اللہ والوں کی صفت ہے جو صرف حق

چاہتے ہیں۔^③ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و تعر من ثوبين من يلبسهما

يلق الردى بمذمة وهو ان

”ایسے دو کپڑوں کو مت پہن، جنہیں جو بھی پہنتا ہے ذلیل اور رسوا ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔“

ثوب من الجهل المركب فوقه

ثوب التعصب بئست الثوبان

”جہل مرکب کا کپڑا، اس پر تعصب کا کپڑا، یہ دونوں ہی کپڑے نہایت برے ہیں۔“

وتحل بالانصاف أفخر حلة

زینت بها الأعطاف والكتفان

”انصاف کا مایہ ناز جوڑا پہن، جس سے انسان کو زینت حاصل ہوتی ہے۔“

متنبی کا قول ہے:

① تفسیر ابن کثیر ۷/۲

② تفسیر القرطبی ۴۵/۶

③ الأخلاق بین الطبع والتطبیع ص ۲۲۹

وَلَمْ تَزَلْ قُلَّةَ الْإِنصَافِ قَاطِعَةً

بَيْنَ الرِّجَالِ وَلَوْ كَانُوا ذَوِي رَحِمٍ

”قلت انصاف لوگوں کے تعلقات کو خراب کر دیتی ہے چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔“

بندوں کا انصاف یہ ہے کہ وہ اموال، معاملات، دلائل اور مقالات میں انصاف سے کام لیں، جو لوگوں کو چیزیں کم تول کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور انھیں ہلاکت و نقصان کی دھمکی دی ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۚ اِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۚ وَ اِذَا كَالُوهُمْ اَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۚ﴾ (المطففين: ۱-۳)

”بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔“

یہ آیت بتا رہی ہے کہ انسان اموال و معاملات میں جس طرح دوسرے لوگوں سے اپنے حقوق کو مکمل طور پر لیتا ہے اسی طرح اس پر ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو بھی ان کے پورے حقوق دے، بلکہ اس آیت کے عموم میں دلائل و مقالات بھی داخل ہیں، جیسے دو مناقشہ و مناظرہ کرنے والے ہوں تو عادتاً ان میں سے ہر ایک جس طرح اپنے دلائل کا حریص ہوتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے فریق مخالف کے دلائل کو بیان کرے جنہیں وہ نہیں جانتا، نیز فریق مخالف کے دلائل پر بھی غور و فکر کرے، جیسے وہ اپنے دلائل پر کرتا ہے، ایسے ہی موقع پر انسان کے انصاف اور تعصب، تواضع اور کبر، غلطی و بیوقوفی کا پتہ چلتا ہے۔ ❶

تو حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول کیا ہی عمدہ ہے:

((وَصَاحِبِ النَّاسِ بِمِثْلِ مَا تُحِبُّ اَنْ يُصَاحِبُوْكَ بِمِثْلِهِ تَكُنْ عَادِلًا)) ❷

”لوگوں کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ پیش آئیں تو عادل بن جاؤ گے۔“

حسن رضی اللہ عنہ کا قول:

((اِنَّهُ كَانَ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ قَوْمٌ يَجْمَعُوْنَ كَثِيْرًا وَ يَبْنُوْنَ مَشِيْدًا وَ يَأْمُلُوْنَ بَعِيْدًا، اَصْبَحَ جَمْعُهُمْ بُوْرًا، وَ عَمَلُهُمْ غُرُوْرًا وَ مَسَاكِيْنُهُمْ قُبُوْرًا، يَا بَنِي اٰدَمَ اِنَّكَ لَمْ تَزَلْ فِيْ هَذِهِ عُمْرِكَ مِنْذُ سَقَطَتْ مِنْ بَطْنِ اُمِّكَ، فَجَدَّ بِمَا فِيْ يَدِكَ لِمَا بَيْنَ

يَدِيكَ، فَإِنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَتَزَوَّدُونَ وَالْكَافِرُ يَتَمَتَّعُ وَتِلَا هَذِهِ الْآيَةِ: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ (.....)

((انہ کان بین ایدیکم قوم یجمعون کثیرا و یبنون مشیدا و یأملون بعیدا، أصبح جمعهم بورا، و عملهم غرورا و مساکنهم قبورا، یا ابن آدم إنک لم تنزل فی هدم عمرک منذ سقطت من بطن أمک، فجذب بما فی یدک لما بین یدیک فإن المؤمن يتزود، و الکافر يتمتع و تلا هذه الآية ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾

”تم سے پہلے کچھ لوگ تھے جو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرتے تھے، مضبوط اور پختہ عمارات بناتے تھے، ان کی آرزوئیں دراز ہوتی تھیں، ان کا جمع کردہ مال تباہ ہو گیا، ان کے اعمال برباد ہو گئے، ان کی عمارات قبروں میں تبدیل ہو گئیں، اے ابن آدم! تیرے پیدا ہونے کے بعد ہی سے تیری عمر گھٹ رہی ہے، اس لیے جو کچھ تیرے پاس ہے آخرت کے لیے خرچ کر، بلاشبہ مومن توشہ آخرت جمع کرتا ہے اور کافر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: (توشہ آخرت جمع کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے)“

حسن رضی اللہ عنہ کچھ ایسے لوگوں کا حال بیان کر رہے ہیں، جو دنیا اور اس کی زینت میں ڈوبے ہوئے تھے، مال جمع کرنے اور عمارات بنانے میں مشغول تھے، طویل اہل کی بیماری میں مبتلا تھے، یہی اکثر لوگوں کا حال ہے، موت اچانک آ جاتی ہے، وہ اپنے جمع کردہ مال سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے، ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، ان کی عمارات خالی ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ لوگوں کو دنیا کے اس دھوکے سے آگاہ کر رہے ہیں، دنیا سے بے رغبتی پر آمادہ کر رہے ہیں، دنیا و آخرت کے مابین تفاوت پر یقین کر کے ہی زہد حاصل ہوتا ہے، فرمان الہی ہے:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ (النساء: ۷۷)

”آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کی سودمندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روانہ رکھا جائے گا۔“

قرآن مومن کو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے اور آخرت سے تعلق قائم کرنے پر ابھارتا ہے۔ اللہ سبحانہ و

تعالیٰ نے بتایا ہے کہ کفار دنیا کی زینت اور اس کی چمک دمک سے فریب خوردہ ہیں۔ فرمایا:

﴿رَبِّينَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ

يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾ (البقرة: ٢١٢)

”جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کے لیے دنیا کی زندگی بڑی محبوب و دل پسند بنا دی گئی ہے، ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر قیامت کے روز پر ہیزگار لوگ ہی ان کے مقابلے میں عالی مقام پر ہوں گے، رہا دنیا کا رزق، تو اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بے حساب دے۔“

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ دنیا حقیر شے ہے، انسان کو اس میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہیے، چنانچہ فرمان الہی ہے:

﴿الْهَكْمُ التَّكَاثُرُ﴾ حَتَّىٰ ذُرْتُمُ الْبَقَا ﴿١﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٢﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ﴿٤﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ﴿٥﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴿٧﴾ (التكاثر: ١-٨)

”زیادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے، ہرگز نہیں تم عنقریب معلوم کر لو گے، ہرگز نہیں پھر تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا، ہرگز نہیں، اگر تم یقینی طور پر جان لو تو بے شک تم جہنم دیکھ لو گے اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے پھر اس دن تم سے ضرور بالضرر نعمتوں کا سوال ہوگا۔“

یعنی دنیا، اس کی نعمتیں اور اس کی چمک دکھ نے تمہیں طلب آخرت سے غافل کر دیا ہے، تمہاری یہی حالت باقی رہی تا آنکہ تمہاری موت آجپنی اور تم قبر تک جا پہنچے اور اس میں دفن کر دیے گئے۔^①

امام احمد نے عبد اللہ بن شحیر کی حدیث کو روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں:

((انْتَهَيْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يَقُولُ: (الْهَكْمُ التَّكَاثُرُ) قَالَ: يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَا لِي مَالِي، قَالَ وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ، إِلَّا مَا أَكَلْتُ فَأَلْقَيْتُ أَوْ لَبَسْتُ فَأَبْلَيْتُ أَوْ تَصَدَّقْتُ فَأَمْضَيْتَ.))^②

”میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ الہکم التکاثر (تمہیں زیادتی کی چاہت نے غافل کر دیا) کی تلاوت کر رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا: انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال

① معنی الزهد والمقالات وصفة الزاهدين لأبي سعيد البعري ص ٩

② صحيح مسلم حديث نمبر ٢٩٥٨

حالاں کہ اے انسان تیرا مال (ایک تو وہ ہے) جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا (دوسرا) پہن کر بوسیدہ کر دیا یا (تیسرا) صدقہ کر کے (آخرت کے لیے) آگے بھیج دیا۔“

نیز فرمان نبوی ہے:

((يَقُولُ الْعَبْدُ: مَالِي مَالِي، وَإِنَّ مَالَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثُ: مَا أَكَلَ فَأَقْنَى، أَوْ لَبَسَ فَأَبْلَى، أَوْ تَصَدَّقَ فَأَمْضَى، فَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ فَذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ.)) ❶

”بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، جب کہ اس کا مال صرف تین ہے، جو کھا کر ختم کر دیا، پہن کر بوسیدہ کر دیا، صدقہ کر کے (آخرت کے لیے) آگے بھیج دیا۔ اس کے علاوہ سب مال ختم ہونے والا اور (صاحب مال) اس کو لوگوں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔“

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((يَتَّبِعُ الْمَمْتِ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ، يَتَّبِعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ.)) ❷

”تین چیزیں میت کے پیچھے جاتی ہیں، دو واپس آ جاتی ہیں ایک اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے، اس کے گھر والے، اس کا مال (غلام، نوکر چاکر) اور اس کا عمل، پھر اس کے گھر والے اور اس کا مال (نوکر چاکر) واپس آ جاتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ ہی باقی رہ جاتا ہے۔“

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَهْرُمُ ابْنُ آدَمَ وَتَبْقَى مَعَهُ اثْنَتَانِ الْحِرْصُ وَالْأَمَلُ.)) ❸

”انسان بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تب بھی اس کے ساتھ دو چیزیں رہ جاتی ہیں، حرص اور آرزو۔“

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا: یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا: میرا ہے۔ انھوں نے کہا: وہ تمھارا ہوگا جب تم اسے ثواب کے لیے یا شکر ادا کرنے کے لیے خرچ کر دو گے، پھر شاعر کا یہ شعر پڑھ کر سنایا:

أَنْتَ لِلْمَالِ إِذَا أَمْسَكَهُ

فَإِذَا أَنْفَقْتَهُ فَالْمَالُ لَكَ ❹

”تم مال کے ہوتے ہو جب تک تم اسے بچاتے رہتے ہو، جب اسے خرچ کر دیتے ہو تو وہ مال تمھارا

❶ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۹۵۹

❷ صحیح البخاری حدیث نمبر ۶۵۱۴

❸ معنی الزهد والمقالات وصفة الزاهدين ص ۱۰

❹ صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۰۴۷

ہو جاتا ہے۔“

فرمان الہی ہے:

﴿ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝﴾ (التكاثر: ۸)

”پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہوگا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں تندرستی، امن اور رزق وغیرہ کی جو نعمتیں دی ہیں ان کے شکریہ کے بارے میں تم

سے اس دن ضرور سوال ہوگا۔^①

فرمان الہی ہے:

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا لِنَفْسَتِهِمْ فِيهِ ۚ

وَرِزْقٌ رِّبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ وَأَمْرٌ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْأَلُكَ رِزْقًا تَحْصُنْ

نُزُقَكَ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝﴾ (طہ: ۱۳۱-۱۳۲)

”اور اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا

کی دے رکھی ہیں، تاکہ انہیں اس میں آزمائیں، تیرے رب کا دیا ہوا ہی (بہت) بہتر اور بہت باقی

رہنے والا ہے، اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ، ہم تجھ سے روزی

نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پر ہیز گاری ہی کا ہے۔“

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”ان کفار کی دنیوی زینت اور ان کی ٹیپ ٹاپ کو تو حسرت بھری نگاہوں سے نہ تک، یہ تو ذرا سی دیر

کی چیزیں ہیں، یہ صرف ان کی آزمائش کے لیے انہیں یہاں ملی ہیں کہ دیکھیں شکر و تواضع کرتے

ہیں یا ناشکری اور تکبر کرتے ہیں، حقیقتاً شکر گزاروں کی کمی ہے، ان کے مالداروں کو جو کچھ ملا ہے اس

سے تجھے تو بہت ہی بہتر نعمت ملی ہے۔“

پس رسول اللہ ﷺ باوجود قدرت اور دسترس کے دنیا سے نہایت ہی بے رغبت تھے، جو ہاتھ لگتا اسے فی

سبیل اللہ تقسیم کر دیتے، اور اپنے لیے کچھ بھی محفوظ نہ رکھتے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((إِنَّ أَحْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا قَالُوا: وَمَا

زَهْرَةُ الدُّنْيَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: بَرَكَاتُ الْأَرْضِ.))^②

① معنی الزهد والمقالات وصفة الزاهدين ص ۱۰

② صحیح البخاری حدیث نمبر ۶۴۲۷

”مجھے تو تم پر سب سے زیادہ خوف اس وقت کا ہے جب اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں میں دنیا کی آرائش کے سامان ڈال دے گا، لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! دنیا کی آرائش کے سامان کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: زمین کی برکتیں۔“

قنادہ وسدی کا قول ہے کہ زهرة الحیاة سے مراد دنیاوی زندگی کی زینت ہے۔ قنادہ کا قول ہے کہ ”لنفتنهم فيه“ سے مراد ہے: ”تاکہ ہم انہیں آزمائیں۔“ فرمان الہی: ﴿وَأَمْرُ أَهْلِكَ بِالصَّلَاةِ وَأَصْلَابِ عَزِيمًا﴾ کا مطلب ہے اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو تاکہ وہ عذاب الہی سے بچ جائیں اور خود بھی پابندی کے ساتھ اس کی ادائیگی کرو، جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿فَوَا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَادًا﴾ (التحریم: ۶)

”اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جنم سے بچالو۔“

فرمان الہی: ﴿لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرُزِّقُكَ﴾ کا مطلب یہ ہے: نماز کی پابندی کرلو، اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی پہنچائے گا جو خواب و خیال میں بھی نہ ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۚ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ﴾

(الطلاق: ۲-۳)

”اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کا چھٹکارا کر دیتا ہے، اور بے سان و گمان جگہ سے روزی پہنچاتا ہے۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرُزِّقُكَ﴾ امام ثوری کا قول ہے: ”لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا“ کا مطلب ہے ہم تمہیں طلبِ رزق کی تکلیف نہیں دیتے ہیں۔ ثابت رحمہ اللہ کا قول ہے:

((وكانت الأنبياء إذا نزل بهم أمر فزعوا إلى الصلاة.)) ①

”انبیاء کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو وہ نماز کا رخ کرتے۔“

زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَقَرَّقَ اللَّهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كَتَبَ لَهُ، وَمَنْ كَانَتْ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ جَمَعَ لَهُ أَمْرُهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَآتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ.)) ②

”دنیا کے غموں میں ہی، اس کی فکروں میں ہی گتھ جانے والے کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ

① معنی الزهد والمقالات وصفة الزاهدين، ص ۱۱

② سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۱۰۵، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

پریشانیاں ڈال دے گا اور اس کی محتاجی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دے گا اور دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی مقدر میں ہے اور جو اپنے دل کا مرکز آخرت کو بنالے گا اور اپنی نیت وہی رکھے گا، اللہ تعالیٰ اسے ہر کام میں اطمینان نصیب فرما دے گا، اس کے دل کو مالدار کر دے گا، اور دنیا اس کے قدموں کی ٹھوکروں میں آیا کرے گی۔“

فرمان الہی ”وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى“ کا مطلب ہے دنیا و آخرت کا بہترین انجام جنت متقیوں کے لیے ہے۔^①
 ((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: اضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى حَصِيرٍ، فَأَثَرُهُ فِي جَنْبِهِ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ جَعَلْتُ أَمْسَحُ عَنْهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَذْنَتُنَا قَبَسَطْنَا شَيْئًا يَقِينًا مِنْهُ فَتَنَامُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَالِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا وَالْدُّنْيَا إِلَّا كَرَاحِبٍ سَارَ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ فَقَالَ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ تَرَكَهَا.))^②

”عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) ایک چٹائی پر سوئے جس سے آپ کے پہلو میں (چٹائی کے) نشان پڑ گئے، جب آپ بیدار ہوئے تو میں اس پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں کیوں نہیں خبر دی ہم کوئی چیز بچھا دیتے، جو نشان نہ پڑنے دیتی اور آپ سوتے، آپ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کچھ مطلب نہیں، میری اور دنیا کی مثال ایک مسافر کی ہے جو کسی گرم دن میں سفر کرتے ہوئے کسی درخت کے نیچے قیلولہ کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، چنانچہ وہ سب بھی دنیا سے حد درجہ بے رغبت، اور آخرت کا حد درجہ خیال رکھنے والے تھے، ان کی نگاہوں میں دنیا فانی اور آخرت باقی رہنے والی چیز تھی، دنیا سے اتنا ہی لیا جتنا ایک مسافر زاد سفر لیتا ہے، ان کے دل و نگاہ میں صرف آخرت کا تصور رہتا تھا، انھیں معلوم تھا کہ اس چند روزہ دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے اس کے لیے انھوں نے بہت کم مشقت اٹھائی، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے ہوا، اللہ کی محبوب چیزیں انھیں پسند اور اس کی مبغوض چیزیں ناپسند تھیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تابعین سے کہا: تمہارے اعمال صحابہ کرام سے زیادہ ہیں، لیکن وہ تم سے بہتر تھے، وہ دنیا سے حد درجہ بے رغبت اور آخرت سے سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے تھے، چنانچہ بعض تابعین صحابہ سے زیادہ تہجد گزار، روزے دار اور عبادت گزار تھے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان پر سبقت حاصل ہے، اس

① ففروا إلى الله لأبى ذر القلمونی ص ۶۲ نقلًا عن تفسیر ابن کثیر۔

② سنن الترمذی حدیث نمبر ۲۳۷۷، علامہ البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، صحیح الجامع، حدیث نمبر ۵۶۶۸

لیے کہ ان میں زہد، یقین اور اللہ پر توکل زیادہ تھا، بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے زہد کو سیکھا تھا، نبی کریم ﷺ پر دو مہینوں کی مدت میں تین چاند گزر جاتے تھے، اور آپ کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ❶
و: حسن رضی اللہ عنہ کا قول:

((فإن المؤمن يتزود و الكافر يتمتع و تلا هذه الآية ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ (البقرة: ۱۹۷))

”مومن تو شہ آخرت جمع کرتا ہے، اور کافر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (تو شہ آخرت جمع کرو، سب سے بہتر تو شہ اللہ کا ڈر ہے۔)“

اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے اور ثواب کی امید کی جائے، اسی کے بتانے کے مطابق اس کی معصیت سے بچا جائے اور اس کے عذاب سے ڈرا جائے، بندے سے مطلوب یہ ہے کہ اس کا صرف اللہ تعالیٰ سے قلبی لگاؤ ہو، اسی سے محبت کرے، اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کرے، منجانب اللہ متقیوں کے لیے مقرر کردہ نعمتوں کی چاہت رکھے، اس کی ناراضی، سزا اور عذاب سے ڈرتا رہے، تقویٰ کے بہت سارے اچھے نتائج ہیں، جن کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ ہر پریشانی سے چھٹکارا اور بے سان و گمان جگہ سے روزی، فرمان الہی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

(الطلاق: ۲-۳)

”اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔“

۲۔ علم نافع عطا کرنا، فرمان الہی ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ﴾ (البقرة: ۲۸۲)

”اور اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دے رہا ہے۔“

۳۔ نور بصیرت عطا کرنا، فرمان الہی ہے:

﴿إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال: ۲۹)

”اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز (نور بصیرت) دے گا۔“

۴۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کی محبت اور روئے زمین میں قبولیت، فرمان الہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِعَهْدِيْ ۚ وَاَتَّقُوا اللّٰهَ ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (آل عمران: ۷۶)

”کیوں نہیں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا عہد و قرار پورا کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ قَالَ لِحَبْرِئِلَ، قَدْ أَحْبَبْتُ فُلَانًا فَأَحْبَبَهُ، فَيُحِبُّهُ حَبْرِئِلُ ۖ ثُمَّ يَنْدِي فِيْ أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللّٰهَ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحْبُوْهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوَضَّعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِي الْاَرْضِ ۝))

”جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بتلاتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (یعنی اہل زمین میں بھی وہ مقبول اور محبوب ہو جاتا ہے)“

۵۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید، یہی اس معیت کا مفہوم ہے جو اس آیت میں مذکور ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۹۴)

”اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔“

چنانچہ یہ معیت نصرت و تائید کی معیت ہے یہی انبیاء، اولیاء اور متقیوں کے ساتھ اللہ کی معیت ہے، اور وہ

نصرت و تائید، مدد اور حفاظت کو تسلیم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہ السلام سے فرمایا:

﴿لَا تَخَافَاۤ اِنَّمَاۤ اِنۡتُمَا مَعَنَاۤ اَسْمِعْ وَاَرٰی ۝﴾ (طہ: ۴۶)

”تم دونوں مطلقاً خوف نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا رہوں گا۔“

معیت عامہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں کیا ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحديد: ۴)

”اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔“

﴿وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ﴾

(النساء: ۱۰۸)

”وہ اللہ سے نہیں چھپ سکتے، راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔“

معیت عامہ بندے سے ڈر، خوف اور اللہ کے مراقبہ کا مطالبہ کرتی ہے۔

۶۔ آسمان و زمین کی برکتیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾

(الاعراف: ۹۶)

”اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے۔“

۷۔ دنیاوی زندگی میں نیک خوابوں، لوگوں کی تعریف اور محبت کی بشارت، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا إِنَّمَا أَوْلِيَا لِلَّهِ لَآ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ

الْمُبَشِّرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۝﴾ (یونس: ۶۲-۶۴)

”یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر متقیوں کو بشارت دی ہے، نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

((الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللَّهِ)) ❶

”نیک خواب منجانب اللہ ہوتا ہے۔“

نیز آپ ﷺ سے مروی ہے:

((لَمْ يَبَقْ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: الرُّؤْيَا

الصَّالِحَةُ)) ❷

”نبوت کے حصوں میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں، صحابہ کرام نے پوچھا: مبشرات (خوش

❶ صحیح البخاری، کتاب الرؤیا، حدیث نمبر ۶۹۸۶

❷ صحیح البخاری، حدیث نمبر ۶۹۹۰

خبری دینے والے) سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: نیک خواب۔“

((وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ الرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ لِلَّهِ وَ يُحِبُّهُ النَّاسُ فَقَالَ: تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ)) ❶

”ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آدمی اللہ کے لیے نیک عمل کرتا ہے، اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ مومن کے لیے پیشگی خوش خبری ہے۔“

ہم نے بہت سارے اللہ والوں کو دیکھا ہے کہ لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔

۸۔ دشمنوں کے مکر و فریب سے حفاظت، فرمان الہی ہے:

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝﴾

(آل عمران: ۱۲۰)

”تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی کر رہا ہے کہ اللہ پر توکل، تقویٰ اور صبر اختیار کر کے فاجروں کے مکر و فریب اور دشمنوں کی برائی سے بچو۔ اللہ تعالیٰ دشمنوں کی ہر ہر حرکت سے واقف ہے، کسی شر سے بچنے اور کسی نیکی کو کرنے کی توفیق صرف اللہ کی ذات سے مل سکتی ہے، جو چاہا وہ ہوا، جو نہیں چاہا نہیں ہوا۔ ❷

۹۔ اللہ کی عنایت سے کمزور اہل و عیال کی حفاظت، فرمان الہی ہے:

﴿وَلِيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضَعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۚ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝﴾ (النساء: ۹)

”اور چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے (نہنے نھنے) ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے (تو ان کی چاہت کیا ہوتی) پس اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور تجلی بات کہہ کریں۔“

آیت میں ان لوگوں کو جنہیں ناتواں بچوں کو چھوڑنے کا خوف ہوتا ہے تمام معاملات میں تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے تاکہ ان کے بچے محفوظ ہو جائیں، اللہ کی حفاظت اور دیکھ ریکھ میں داخل ہو جائیں، اور اس بات کی دھمکی ہے کہ اگر وہ تقویٰ ترک کر دیں گے تو ان کے بچے ضائع ہو جائیں گے، نیز اس جانب

اشارہ ہے کہ اصول کا تقویٰ فروع کی حفاظت کے لیے ضروری ہے، نیز یہ کہ نیک لوگوں کے بچوں کی حفاظت کی جاتی ہے، جیسا کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے:

﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ (الكهف: ۸۲)

”دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن تھا، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔“

چنانچہ دونوں بچوں کی جان اور مال اپنے باپ کی برکت سے محفوظ رہا۔ ❶

۱۰۔ تقویٰ ان اعمال کی قبولیت کا سبب ہے جن میں دنیا و آخرت کی نیک بختی ہے، فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (المائدة: ۲۷)

”اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔“

۱۱۔ تقویٰ دنیا کے عذاب سے نجات کا باعث ہے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعُصَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَآَخَذْنَاهُمْ صَاعِقَةً الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۷﴾ (فصلت: ۱۷-۱۸)

”رہے ثمود تو ہم نے ان کی بھی رہبری کی پھر بھی انھوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی جس کی بنا پر انھیں (سراپا) زلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا اور ہاں ایمان والوں اور پارساؤں کو ہم نے (بال بال) بچا لیا۔“

۱۲۔ گناہوں کو مٹا دینا جو عذاب جہنم سے نجات کا باعث ہے، نیز زیادہ ثواب دینا جو جنت میں اعلیٰ مقام ملنے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفُرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا﴾ (الطلاق: ۵)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا، اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔“

۱۳۔ جنت کی وراثت، چنانچہ متقی حضرات ہی جنت کے اہل اور اس کے زیادہ حقدار ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھی کے لیے جنت کو تیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ (مریم: ۶۳)

”یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انھیں بناتے ہیں جو متقی ہوں۔“
 وہی اللہ کی جنت کے قانونی وارث ہیں، وہ جنت تک پیدل چل کر نہیں جائیں گے، بلکہ انھیں سوار کر کے
 لے جایا جائے گا، ساتھ ہی ساتھ ان کی مشقت کو ختم کرنے اور ان کا استقبال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کو ان
 سے قریب کر دے گا۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَأَزَلَفَتْ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ﴾ (ق: ۳۱)

”اور جنت متقیوں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی، ذرا بھی دور نہ ہوگی۔“

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا﴾ (مریم: ۸۵)

”جس دن ہم متقیوں کو اللہ رحمان کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے۔“

چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں، اس لیے کہ وہ اس بات کے حریص
 تھے کہ مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں تقویٰ کے یہ مذکورہ فوائد حاصل ہوں، اسی لیے آپ نے کہا:

((فإن المؤمن ينزود و الكافر يتمنع و تلا هذه الآية ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ
 التَّقْوَى﴾ (البقرة: ۱۹۷).....))

”مومن توشہ آخرت جمع کرتا ہے، اور کافر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ پھر آپ نے اس
 آیت کی تلاوت کی (توشہ آخرت جمع کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے۔)“



(۳)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کی بعض اہم شخصیات

امیر المومنین علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کے حالات پُر پیچ اور سخت تھے، اس لیے کہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جاری تھی، انہی حالات میں اہل کوفہ نے ۴۰ھ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کی بیعت کی، بنا بریں حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اداری تبدیلیوں اور گورنروں کے تبادلوں کے لیے کافی وقت نہیں تھا، کوفہ کو چھوڑ کر اور جگہوں میں اپنے والد کے مقرر کردہ گورنروں کو باقی رکھا، کوفہ کا گورنر اس کے سابق گورنر ہانی بن نغصی کے بدلے مغیرہ بن نوفل کو مقرر کیا۔^①

سعد بن مسعود ثقفی مدائن کے گورنر باقی رہے۔^② علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے وہی اس شہر کے گورنر تھے۔^③ حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی خلافت میں باقی رکھا، اور ان کی خلافت کے آخری وقت تک گورنر رہے، بعض روایتوں کے مطابق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خلیفہ راشد علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے، اور وہ حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ مصالحت تک اس کے گورنر رہے، پھر سیاست چھوڑ کر تعلیم و تعلم کی غرض سے مکہ کا رخ کیا۔^④ فارس کے گورنر زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے،^⑤ علی رضی اللہ عنہ نے انھیں فارس کچھ باغیوں کو ٹھیک کرنے کے لیے بھیجا تھا، اس میں انھیں کامیابی ملی اور ان کا خاتمہ کرنے میں کامیاب رہے۔^⑥ پھر حسن رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں فارس کا گورنر مقرر کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت ہونے تک گورنر رہے۔^⑦

اسی طرح حسن رضی اللہ عنہ نے ان موظفین کو باقی رکھا جو ان کے والد علی رضی اللہ عنہ کے لیے کام کر رہے تھے، چنانچہ عبید اللہ بن ابی رافع کو کاتب،^⑧ شریح بن حارث کو کوفہ کا قاضی،^⑨ معقل بن قیس کو پولیس حکمہ کا ذمہ دار باقی رکھا۔^⑩

① تاریخ خلیفہ بن خیاط نقلاً عن الحسن بن علی، فتیخان ص ۸۵، التبيين في أنساب القرشيين، ص ۸۰-۸۱

② أنساب الإشراف ۵/ ۲۱۴، نهاية الأرب ۲/ ۲۶۶

③ التاريخ الكبير للبخاری ۴/ ۵۰ ④ الحلة السيرة للقضاة نقلاً عن الحسن بن علی، فتیخان ص ۸

⑤ الحسن بن علی ص ۸۶ ⑥ الحسن بن علی ص ۸۶

⑦ مروج الذهب ۳/ ۱۵، الحسن بن علی ص ۸۶

⑧ محاضرة الأبرار لابن العربي ۱/ ۶۶، الحسن بن علی، ص ۸۷

⑨ مختصر التاريخ لابن الكماز رونی ص ۸۰

⑩ نهاية الأرب ۵/ ۲۲۳

آپ کے دور خلافت کی اہم شخصیت آپ کے سگے بھائی حسین بن علی رضی اللہ عنہما تھے، ان پر ایک مستقل کتاب انشاء اللہ لکھوں گا، اسی طرح آپ کے دور خلافت کی اہم شخصیات میں قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی، عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی، عبد اللہ بن جعفر بن ابوطالب ہاشمی رضی اللہ عنہم تھے، آخر کی تین شخصیات کی سوانح درج ذیل ہے:

اولاً:.....قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نسب:.....قیس بن سعد بن عبادہ بن ولیم بن حارث بن ابو خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب۔ کنیت: ابو عبد اللہ ہے۔ آپ امیر، مجاہد، خزرج کے سردار، ان کے سردار ابوثابت کے بیٹے، انصاری، خزرجی، ساعدی، صحابی رسول اور صحابی رسول ﷺ کے صاحبزادے تھے۔ ❶

آپ کا شمار صاحب فضیلت صحابہ، دور اندیش اور شریف عربوں میں ہوتا تھا، بہتر رائے والے، دلیر و بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ جنگی چالوں سے بخوبی واقف تھے، سردار گھرانے کے اور بلا مقابل اپنی قوم کے سردار تھے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں، انہی میں سے درج ذیل حدیثیں ہیں:

۱۔ ((عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِسِيَّةِ فَمَرَّتْ بِهِمَا جَنَازَةٌ فَقَامَا فَقِيلَ إِنَّمَا هُوَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَقَالَا: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّتْ بِهِ جَنَازَةٌ، فَقَامَ، فَقِيلَ: إِنَّمَا هِيَ جَنَازَةٌ يَهُودِيَّةٍ، فَقَالَ: أَلَيْسَتْ نَفْسًا.)) ❸

”ابن ابی لیلیٰ بے مروی ہے کہتے ہیں: سہل بن حنیف اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما قادیسیہ میں کسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں کچھ لوگ ادھر سے ایک جنازہ لے کر گزرے، یہ دونوں کھڑے ہو گئے، عرض کیا گیا: جنازہ تو ذمیوں کا ہے، اس پر انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے اسی طرح سے ایک جنازہ گزرا تھا، آپ اس کے لیے کھڑے ہو گئے، پھر آپ سے کہا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ تھا، آپ نے فرمایا: کیا یہودی کی جان نہیں ہے؟“

اس حدیث میں انسان کی بحیثیت انسان تکریم ہے۔

۲۔ ((وَعَنْ أَبِي عَمَّارٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَصُومَ عَاشُورَاءَ قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ رَمَضَانُ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَ لَمْ يَنْهَنَا وَ نَحْنُ نَفْعَلُهُ)) ❹

”ابوعمار قیس بن سعد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: رمضان کے روزوں کی مشروعیت سے پہلے نبی کریم ﷺ ہمیں عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، رمضان کے روزوں کی مشروعیت کے بعد نہ آپ

❶ أسد الغابة ۴/ ۵۵۰

❷ سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۰۲

❸ مسند أحمد ۳/ ۴۲۲

❹ صحيح البخاری حدیث نمبر ۱۳۱۲

ہمیں حکم دیتے، نہ منع کرتے اور ہم اس روزے کو رکھا کرتے تھے۔“

۳۔ ((وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شَرَحِبِيلٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَوَضَعَنَا لَهُ مَاءً فَأَغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَيْنَاهُ بِمِلْحَقَةٍ وَرَسِيَّةٍ، فَالْتَحَفَ بِهَا فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَثَرِ النُّورِ عَلَى عُنُقِهِ)) ❶

”محمد بن شریعیل قیس بن سعد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے، ہم نے آپ کے لیے پانی رکھا، آپ نے غسل کیا، پھر ہم نے آپ کو درس سے رگی ہوئی چادر دی، آپ نے اسے اوڑھ لیا، آپ کے پیٹ کی تہ پر میں درس کا اثر دیکھ رہا تھا۔“

آپ سے انس، ثعلبہ بن ابومالک، ابو میسرہ، عبدالرحمن بن ابولیلی، عروہ، ❷ عبداللہ بن مالک جیشانی، ابوعمار ہمدانی، میمون بن ابوشیبہ، عریب بن حمید ہمدانی، ولید بن عبدہ اور دوسرے لوگوں نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ❸ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کوفہ، شام اور مصر میں حدیثیں بیان کیں، ❹ وہ بھاری بھر کم، خوبصورت اور اتنے لمبے تھے کہ جب گدھے پر سوار ہوتے تو آپ کے پاؤں زمین پر پہنچتے تھے۔ ❺ آپ کی ماں آپ کے والد کے چچا کی بیٹی تھیں، ان کا نام فہیمہ بنت عبید بن ولیم ہے۔ ❻ رسول اللہ ﷺ کے یہاں آپ کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسی کسی حاکم کے یہاں پولیس محکمہ کے ذمہ دار کی ہوتی ہے۔ بعض غزوات میں آپ نبی کریم ﷺ کا جھنڈا اٹھانے والے رہے۔ آپ نے انھیں صدقات جمع کرنے کا ذمہ دار بنایا۔ ❽ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ ❾ بعض ایسی لڑائیوں میں بھی شریک رہے جس میں رسول اللہ ﷺ شریک نہیں تھے، ان میں سے بعض درج ذیل ہے:

۱۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سیف البحر کی جانب لشکر کشی:

سیف البحر کی جانب ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی قریش کو اقتصادی طور پر کمزور کرنے، اور لمبی مدت تک ان کے اقتصادی محاصرے سے متعلق نبی کریم ﷺ کی فوجی حکمت عملی کا حصہ تھی، آپ ﷺ نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو تین سو سواروں کے ساتھ ساحل کی جانب بھیجا تا کہ وہ قریش کے قافلے کی تاک میں رہیں، وہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ زاد سفر ختم ہونے لگا، ابو عبیدہ کے حکم کے مطابق فوج کا زاد سفر اکٹھا کیا گیا جو دو تھیلی

❶ الإصابة ۵/ ۳۶۱

❷ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۷۱

❸ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۰۲

❹ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۰۲

❺ الإصابة ۵/ ۳۶۰

❻ الإصابة ۵/ ۳۶۰

❽ الإصابة ۵/ ۳۶۰، ۳۶۱

❾ البداية والنهاية ۱۱/ ۳۵۴

کھجور تھا، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ انھیں اس میں سے تھوڑا تھوڑا کھانے کے لیے دیتے تھے، تا آنکہ آخر میں ایک آدمی کے حصے میں صرف ایک کھجور آتی تھی، فوج والوں کو اس مشکل وقت کا پورا احساس تھا، اس لیے انھوں نے بغیر غصہ و ناراضی کشادہ دلی سے اس فیصلے کو قبول کر لیا، بلکہ اپنے قائد کے اس تنگ دستی والے منصوبے کو کامیاب کرنے میں پورا پورا حصہ بٹایا، اور کوشش کرنے لگے کہ ایک کھجور کو زیادہ سے زیادہ وقت تک باقی رکھیں۔ ❶

جابر رضی اللہ عنہ جو اس فوج کے ایک فرد تھے کہتے ہیں: ہم اس کھجور کو بچے کی طرح چوستے تھے پھر پانی پی لیتے تھے اور یہ ہمارے لیے دن بھر کافی ہوتا تھا۔ ❷

وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ایک کھجور سے کیا ہوتا ہے؟ جواب دیا، ختم ہو جانے کے بعد اس کے نہ ملنے کا ہمیں شدید احساس تھا۔ ❸

وہ فوج درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئی، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہم اپنی چھڑیوں سے درخت کے پتے توڑ کر پانی میں بھگو کر کھاتے تھے، ❹ اس لیے اس فوج کا نام ”جیش الخبط“ رکھا گیا۔ ❺

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس فوج میں تھے، اس معاملے نے ان کو کافی متاثر کیا، چنانچہ انھوں نے فوج کے لیے تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انھیں منع کر دیا۔ ❻

تاریخ ابن عساکر میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی مذکورہ سخاوت بال تفصیل مذکور ہے، چنانچہ داؤد بن قیس، ابراہیم بن محمد، خارجہ بن حارث سے مروی ہے۔ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ ساحل بحر کی جانب ایک خاص مدت کے لیے بھیجا، جس میں انصار و مہاجرین تھے، ان کی تعداد تین سو تھی، انھیں سخت بھوک سے دوچار ہونا پڑا، (یہ حالت دیکھ کر) قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: کون مجھ سے اونٹوں کے بدلے کھجور خریدے گا، یہاں مجھے اونٹ دے دے میں اسے مدینہ میں کھجور دے دوں گا، چنانچہ قبیلہ جہینہ کا ایک آدمی ملا، قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ سے چند اونٹ بیچ دو، میں مدینہ میں تمھیں چند سوکھجور دے دوں گا۔ جہینہ کے اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم میں تمھیں نہیں پہچانتا، تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: میں سعد بن عبادہ بن ولیم کا بیٹا ہوں، اس جہنی شخص نے کہا: میں آپ کے نسب کو اچھی طرح جانتا ہوں، اور کچھ دوسری باتیں ذکر کیں، چنانچہ اس سے پانچ

❶ السرايا و البعث النبوية ص ۱۱۸

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم ۸۴/۱۳

❸ فتح الباری ۷۷/۸

❹ شرح النووی ۸۴/۱۳

❺ فتح الباری ۷۸/۸

اونٹ خریدے، ہراونٹ ایک وسق کھجور کے بدلے، اس جہنی بدوی نے آل ولیم کی سخت اور ذخیرہ کی ہوئی کھجور کی شرط لگائی، قیس رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کر لیا، اس نے کہا: اس پر انصار کے کچھ لوگوں کو گواہ بنا لو، ان کے ساتھ کچھ مہاجرین بھی تھے، قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: جسے تم چاہو گواہ بنا لو، جنہیں اس نے گواہ بنایا ان میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے کہا: میں گواہ نہیں ہوں گا، یہ قرض لے رہے ہیں جب کہ ان کے پاس کوئی مال نہیں ہے، مال ان کے باپ کا ہے، اس پر جہنی نے کہا: اللہ کی قسم چند وسق کھجور کے لیے سعد اپنے بیٹے کو سوا نہیں کریں گے، میں انھیں اچھی ذات اور اچھے اخلاق والا سمجھتا ہوں، قیس نے اونٹوں کو لے لیا اور ان کے لیے تین جگہوں پر اونٹوں کو ذبح کیا، ہر دن ایک اونٹ، جب چوتھا دن ہوا تو امیر نے انھیں روک دیا اور کہا: تمہارے پاس مال بھی نہیں ہے کیا تم چاہتے ہو کہ اپنا ذمہ توڑ دو؟^①

دوسری روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے اور کہا: میں تمہیں سختی کے ساتھ حکم دے رہا ہوں کہ اونٹوں کو ذبح نہ کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنا ذمہ توڑ دو؟ قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبیدہ! آپ کا کیا خیال ہے، ابو ثابت جو لوگوں کا قرض ادا کر دیتے ہیں، بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں، قحط سالی میں کھانا کھلاتے ہیں کیا وہ فی سبیل اللہ مجاہدین کے لیے میری جانب سے چند وسق کھجور نہیں ادا کریں گے؟ قریب تھا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے لیے نرم پڑ جائیں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: آپ سختی سے حکم دیں، چنانچہ سختی سے حکم دیتے ہوئے اونٹوں کو ذبح کرنے سے روک دیا، دو اونٹ باقی رہ گئے، ان پر باری باری سوار ہو کر قیس رضی اللہ عنہ مدینہ اپنے والد سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، انھوں نے پوچھا: بھوک کے وقت تم نے کیا کیا؟ کہا: میں نے اونٹ ذبح کیا۔ کہا: ٹھیک کیا۔ کہا: پھر کیا کیا؟ کہا: اونٹ ذبح کیا۔ کہا: ٹھیک کیا۔ کہا: پھر کیا کیا؟ کہا: اونٹ ذبح کیا۔ کہا: ٹھیک کیا۔ کہا: پھر کیا کیا؟ کہا: میرے امیر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے۔ کہا: پھر کیا ہوا؟ کہا: ان کا خیال تھا کہ میرے پاس تو کوئی مال نہیں ہے، مال تو میرے والد کا ہے، تو میں نے کہا: میرے والد دور کے لوگوں کا قرض ادا کر دیتے ہیں، بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں، قحط سالی میں کھانا کھلاتے ہیں، کیا وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کریں گے؟ کہا: تمہیں چار باغ دے رہا ہوں، جن میں سے کمتر باغ ایسا ہے جس سے تم پچاس وسق کھجور توڑ سکتے ہو۔^② بدوی قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا تھا، اسے مطلوبہ پانچ وسق کھجور دی، اسے سواری مہیا کر دی اور کپڑا بھی پہنایا۔^③

① تاریخ ابن عساکر ۵۲ / ۲۸۰

② تاریخ ابن عساکر ۵۲ / ۲۸۰

③ تاریخ ابن عساکر، ۵۲ / ۲۸۰

اس واقعے میں بہت ساری عبرت انگیز اور سبق آموز باتیں ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا: دعاۃ کو صبر کی ضرورت، اس لیے کہ وہ بہت ساری مشقتوں سے گزرتے ہیں۔

ب: بچوں کو سخاوت، انسانیت اور مکارم اخلاق کی تربیت دینے کی اہمیت، سعد رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ کی تربیت میں یہ چیز نمایاں ہے، چنانچہ انھوں نے ان کو بہت سارا مال اس لیے دے دیا کہ انسانیت اور سخاوت سے متعلق ان کی ہمت افزائی کریں۔

ج: نیک بندے کے پاس پاک و صاف مال ہونے کی اہمیت، اگر سعد رضی اللہ عنہ کے پاس زیادہ مال نہ ہوتا تو قیس رضی اللہ عنہ بھوک کے بحران کو حل کرنے میں حصہ نہیں بنا سکتے تھے۔

د: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ هَبْ لِيْ حَمْدًا وَّ مَجْدًا لَا مَجْدًا اِلَّا بِفَعَالٍ، وَلَا فَعَالًا اِلَّا بِمَالٍ، اَللّٰهُمَّ لَا يُضِلِّحْنِي الْفَقِيْلُ.)) ❶

”اے اللہ! میں تجھ سے قابلِ تحریف کام اور عزت و شرافت کا طالب ہوں، عزت و شرافت بغیر اچھے کاموں کے ناممکن ہے، اور اچھے کام بغیر مال کے ناممکن ہیں، اے اللہ میرے لیے کم مال مناسب نہیں۔“

۲۔ فتح مکہ کے دن:

رسول اللہ ﷺ بغیر احرام کالی پگڑی پہنے مکہ میں داخل ہوئے۔ ❷ اللہ نے چوں کہ آپ کو فتح سے سرفراز کیا تھا، اس لیے اللہ کے لیے تواضع کا اظہار کرتے ہوئے آپ اپنے سر کو جھکائے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ کی ٹھوڑی کجاوے کے درمیانی حصے کو چھو رہی تھی، آپ سورہ فتح کی تلاوت کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ ❸ آپ کو نصرت و تائید، گناہوں کی بخشش اور فتح کی نعمتوں کا احساس ہو رہا تھا۔ ❹ مکہ میں (جو جزیرۃ العرب کا قلب اور اس کا روحانی و سیاسی مرکز ہے) جب آپ فاتحانہ شان سے داخل ہوئے تو وہاں عدل و مساوات، تواضع و انکساری کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے سواری پر اپنے پیچھے قریش اور بنو ہاشم کے کسی فرد کے بجائے اپنے غلام زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا۔ یہ واقعہ جمعہ ۲۰ رمضان ۸ھ کا ہے۔ ❺

❶ تاریخ ابن عساکر ۲۸۴/۵۲ صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۳۵۸

❷ صحیح البخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر ۴۲۸۱

❸ صور و عبر من الجہاد النبوی فی المدینہ ص ۳۹۶

❹ السیرۃ النبویۃ لأبی الحسن الندوی ۳۳۷

فتح مکہ کے دن جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ اس بات کے حریص تھے کہ مکہ کے داخلی حجاز کو پر امن رکھا جائے، اس لیے جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، الْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ“ آج کا دن خوزیزی کا دن ہے، آج ہم کعبہ کو حلال سمجھیں گے، اور یہ بات آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

((هَذَا يَوْمٌ يُعْظَمُ اللَّهُ فِيهِ الْكَعْبَةُ وَيَوْمٌ تُكْسَى فِيهِ الْكَعْبَةُ)) ❶

”یہ ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت عطا کر رہا ہے، اور ایسا دن ہے جس میں کعبہ پر غلاف چڑھایا جائے گا۔“

آپ ﷺ نے علم جہاد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو تھا دیا، آپ نے اس حکیمانہ تدبیر سے ایک ثانوی لڑائی کو نال دیا جس کی ضرورت نہیں تھی، ساتھ ہی ساتھ آپ نے نہ ان کو بھڑکایا نہ ہی انصار کو، آپ نے علم جہاد کسی انصاری سے لے کر کسی مہاجر یا کسی دوسرے انصاری کو نہیں دیا، بلکہ ایک انصاری سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا، اور یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان اپنے لڑکے کو چھوڑ کر کسی کو اپنے سے افضل نہیں دیکھنا چاہتا، ❷ اس حادثے سے نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی ابھر کر سامنے آتی ہے کہ آپ غلطی کا ازالہ کیسے کرتے تھے، لوگوں کے ساتھ آپ کے تعامل کا کیا اسلوب ہوتا تھا، چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ کی غلطی باقی نہیں رہنے دی، ساتھ ہی ساتھ ان کی نفسیات کا خیال رکھا، سعد رضی اللہ عنہ کی غلطی کا ازالہ کیا، اور علم جہاد ان کے صاحبزادے کو دے دیا۔

۳۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مابین خاندانی روابط بہت مضبوط تھے، قیس رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہن قریبہ بنت ابوعتیق سے شادی کی۔ ❸ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس صحیح خبر کو نقل کیا ہے:

”سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے ذریعہ سے استقرار پانے والے حمل کا انھیں علم نہ ہو سکا، مدینہ سے جاتے ہوئے انھوں نے اپنی پوری جائیداد موجودہ اولاد میں تقسیم کر دی، چنانچہ جب بچہ کی پیدائش ہوئی تو اس سلسلے میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ نے قیس رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی، اور ان سے مطالبہ کیا کہ سعد رضی اللہ عنہ کی تقسیم کو کالعدم کر دیں، انھوں نے جواباً کہا: میرا حصہ اس مولود کے لیے

❶ صحیح البخاری کتاب المغازی، ۱۰۸/۵، حدیث نمبر ۴۲۸۰

❷ قيادة الرسول السياسية والعسكرية ص ۱۹۶

❸ البداية والنهاية ۳۵۵/۱۱

ہوگا، میں اپنے والد کے انجام دیے ہوئے کام کو کالعدم نہیں کروں گا۔“

یہ ثقہ راویوں کی روایت کردہ صحیح خبر ہے۔^①

یہ صحیح خبر اس روایت کو باطل قرار دیتی ہے جو انصار کے سردار پر مسلمانوں کے مابین اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی تہمت لگاتی ہے، مہاجرین کی خاطر ایثار، قربانی اور نصرت و تائید جو کچھ انھوں نے پیش کیا اس کا انکار کرتی ہے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہونے والے قول کا سہارا لیتے ہوئے ان کے اسلام کو مطعون کرتی ہے۔ منسوب قول یہ ہے:

”میں تمھارے لیے بیعت نہیں کروں گا تا آنکہ میں اپنے ترکش کے تمام تیر نہ استعمال کر لوں، اپنے

نیزے کی انی کوخون سے نہ رنگ دوں، اور اپنی تلوار کا استعمال نہ کر لوں۔“

چنانچہ وہ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے نہ ان کی مجلس میں شریک ہوتے تھے، نہ ان کے فیصلوں کو مانتے تھے، نہ ان کے ساتھ حج کے لیے جاتے تھے، یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔^②

انصار و مہاجرین کی سچی اخوت اور ان کے باہمی اتحاد کو مطعون کرنے کے لیے مذکورہ باطل روایت کا استعمال کیا گیا، اس کا راوی گمراہ، غیر ثقہ اور ساقط الاعتبار مؤرخ ہے۔^③

ایک دوسری نہایت ضعیف روایت میں ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہے، چنانچہ اس روایت میں ہے:

”جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے ان سے ملاقات کی، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے سعد کہو، جو اب

کہا: اے عمر کہو، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم ساتھی ہو، تم ساتھی نہیں ہو؟ کہا: ہاں، اور اب یہ معاملہ تمھیں

معلوم ہو گیا (اور تمھارے ساتھی اللہ کی قسم میرے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھے) اور میں تمھارے

پڑوس کو ناپسند کرنے لگا ہوں، کہا: جو اسے ناپسند کرے وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے، چنانچہ جلد ہی وہ

شام چلے گئے، اور مقام حوران میں وفات پائی۔“^④

صحیح روایت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی میں ہو چکا تھا، نیز یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں بحث و مناقشہ کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے امارت کے

② تاریخ الطبری ۴/ ۴۲

① الاستیعاب ۳/ ۱۲۸۹

③ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۳/ ۲۹۹۲

④ سیر أعلام النبلاء ۱/ ۲۷۷، اس کی سند درجہ ضعیف ہے، کیونکہ اس میں واقعی متروک ہے، اور محمد بن صالح التمار صدوق ہے لیکن خطا کرتا ہے اور زبیر بن منذر مستور ہے۔

دعوے سے تنازل کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر کے بیعت کر لی تھی، ان کے چچا زاد بھائی بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے سفینہ بنو ساعدہ کی مجلس میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

کسی بھی صحیح روایت سے کسی معمولی یا غیر معمولی بحران کا ثبوت نہیں ملتا، اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کے کئی گروہ تھے اور ہر گروہ کا امیدوار خلافت کا متنبی تھا، جیسا کہ بعض مورخین کی خام خیالی ہے، اس کے برعکس اسلامی اخوت جیسی تھی، ویسی ہی باقی رہی، بلکہ اور زیادہ پختہ ہوئی جیسا کہ صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح کسی بھی صحیح روایت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ابوبکر، عمر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت پر قبضہ کرنے کی سازش کی تھی۔ ❶ اس لیے کہ وہ ایسا کرنے میں اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ ❷

بعض گمراہ مورخین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خزرج کے سردار ابوقیس سعد بن عبادہ انصاری، خزرجی، ساعدی، مدنی رضی اللہ عنہ ❸ مہاجرین کے مخالف تھے، اور غلط طریقے سے خلیفہ بننا چاہتے تھے، اس کے لیے سازشیں کرتے تھے اور تفریق بین المسلمین کا ہر حربہ استعمال کرتے تھے۔

اس آدمی (سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو قیس رضی اللہ عنہ کے والد تھے) کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں اور اس رائے کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے کارناموں کی بناء پر آپ کا شمار چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا، دنیا آپ کی سب سے بڑی چاہت اور منہائے علم نہ تھی، بیعت عقبہ ثانیہ میں آپ اپنے قبیلے کے ذمہ دار تھے، اسی لیے قریش نے مکہ کے قریب آپ کا تعاقب کیا، ان کی مشکیں باندھ کر قیدی بنا کر مکہ لے کر آئے، پھر انھیں جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہ نے چھڑایا اس لیے کہ وہ ان کی مدینہ میں مدد کیا کرتے تھے۔ آپ بدری صحابی تھے، ❹ عند اللہ اہل بدر کا مقام و مرتبہ آپ کو نصیب ہوا، آپ کا تعلق جود و سخاوت والے گھرانے سے تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی گواہی دی ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ پر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق کے موقع پر عیینہ بن حصن فزاری کی مدینہ کی تہائی کھجور دینے سے متعلق ان دونوں سے مشورہ کیا، دونوں سعد رضی اللہ عنہ کا جواب پختہ ایمان اور عظیم قربانی کا پتہ دے رہا تھا۔ ❺

❶ استخلاف أبي بكر، لجمال عبد الهادي ۵۰-۵۱-۵۳

❷ سير اعلام النبلاء، ۳/ ۲۷۰

❸ أبو بكر الصديق، للصلاحي ص ۱۴۴

❹ الاستيعاب في معرفة الأصحاب ۲/ ۵۹۴

❺ الخلافة و الخلفاء الراشدون لسالم البهناوي ص ۴۸

بہر کیف سعد رضی اللہ عنہ کے کارنامے مشہور و معروف ہیں، ان جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں جن کا خدمت اسلام سے متعلق شاندار ماضی ہے، یہ بات غیر معقول ہے کہ وہ سقیفہ بنو ساعدہ کے اجتماع میں جاہلی عصبیت کو زندہ کر کے اس کی آڑ میں منصب خلافت کو حاصل کرنا چاہتے تھے، اسی طرح بعض تاریخی کتابوں میں موجود یہ بات بھی صحیح اور ثابت نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد وہ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے، اور نہ ہی ان کے ساتھ حج کے لیے جاتے تھے۔^①

گویا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل گئے تھے، یہ سراسر باطل اور جھوٹی تہمت ہے، چنانچہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی، سقیفہ بنو ساعدہ کے دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصار کی فضیلت ذکر کرتے ہوئے کہا: تمہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول معلوم ہے:

((لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَ سَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكَتُ وَادِي الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ))^②

”اگر لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر چلیں تو میں انصار کا راستہ اختیار کروں گا۔“ پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ایسی دلیل کے ساتھ ذکر کیا جسے رد نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ کہا: اے سعد! تمہیں معلوم ہے کہ جب تم بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا:

((قُرَيْشٌ وَلَاؤُهُ هَذَا الْأَمْرِ فَبَرَّ النَّاسُ تَبَعَ لِبَرِّهِمْ وَ فَاجِرُهُمْ تَبَعَ لِفَاجِرِهِمْ قَالَ سَعْدٌ صَدَقْتَ نَحْنُ الْوَزَرَاءُ وَأَنْتُمْ الْأَمْرَاءُ))^③

”قریش کے لوگ ہی حاکم ہوں گے، اچھے لوگ اچھے لوگوں کے موافق ہوں گے اور برے لوگ بروں کے، سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے سچ کہا: ہم لوگ وزیر ہیں اور آپ لوگ حاکم۔“

چنانچہ لوگ بیعت کرنے لگے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی۔^④

اس سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ثابت ہوتی ہے، نیز یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر انصار کا اجماع تھا، اس کے بعد کسی باطل روایت کی ترویج کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے، بلکہ یہ حقیقت واقعہ کے بالکل متضاد ہوگا اور یہ ایک خطرناک تہمت ہوگی کہ انصار کے سردار مسلمانوں کے مابین اختلاف پیدا کرنا چاہتے

① الخلافة و الخلفاء الراشدون ص ۴۹

② صحيح البخاری كتاب التمني حديث نمبر ۷۲۴۴

③ مسند أحمد حديث نمبر ۱۸، السلسلة الصحيحة حديث نمبر ۱۱۵۶

④ تاريخ الطبري ۲۲۳/۳، الأنصاري في العصر الراشدي، ص ۱۰۲

تھے، اس طرح انھوں نے مہاجرین کی جو کچھ مدد کی، ان کے لیے جو قربانیاں پیش کیں، ان کا انکار ہوگا اور یہ ایک ایسے باطل قول کو ان کی جانب منسوب کر کے ان کے اسلام کو مطعون کرنا ہوگا، جس کی سند حد درجہ ضعیف ہے، اور اس کا متن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی سیرت، سمع و اطاعت پر ان کی بیعت اور ان کے فضائل و مناقب کے بالکل خلاف ہے۔^①

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی تھی:

”اے بیٹے! میں تجھے ایک وصیت کر رہا ہوں، اسے محفوظ رکھنا، اگر تم نے اسے ضائع کر دیا تو دوسری چیزوں کو اس سے زیادہ ضائع کرنے والے ہو گے۔ وضو کرو تو کامل وضو کرو، جب نماز پڑھو تو اس شخص کی طرح پڑھو جو دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہو، ظاہر کرو کہ تمہیں لوگوں سے کچھ نہیں چاہیے، حقیقت میں یہی مالدار ہے، لوگوں سے ضرورت کی چیزیں طلب کرنے سے بچو، حقیقت میں یہی فقیر ہے، ایسی ہر چیز سے بچو جس میں معذرت کرنی پڑے۔“^②

۴۔ علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں:

عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور محمد بن ابی حذیفہ مصر کی گورنری پر غاصبانہ قبضہ کیے ہوئے تھے، کیوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں وہاں کا گورنر نہیں مقرر کیا تھا، عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد انھیں علی رضی اللہ عنہ نے تھوڑے وقت کے لیے مصر کا گورنر مقرر کیا، اس لیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر مصر کے نواحی علاقے میں بھیجا جس نے محمد بن ابی حذیفہ کو پکڑ کر قید کر دیا پھر قتل کر دیا۔^③

اس بات کا بھی تذکرہ آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں مصر کا گورنر نہیں مقرر کیا تھا، بلکہ انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا تھا، جب قتل کر دیے گئے تو علی رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔^④ چنانچہ ان سے کہا: مصر چلے جاؤ، میں نے تمہیں وہاں کا گورنر بنا دیا ہے، اپنے معتمدین اور جنہیں تم اپنے ساتھ پسند کرو انھیں اکٹھا کر کے لے جاؤ، جب تم وہاں لشکر لے کر پہنچو گے تو یہ تمہارے دشمن کو زیادہ مرعوب کرنے والی اور تمہارے حاکم کی زیادہ عزت افزائی والی بات ہوگی، جب تم اللہ کی مشیت سے وہاں پہنچ جاؤ تو پھلے لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو، اور غلط لوگوں پر سختی کرو، عام اور خاص لوگوں کے ساتھ نرمی برتو، بلاشبہ نرمی باعث برکت ہوتی ہے۔^⑤

② تاریخ ابن عساکر ۲۲ / ۱۸۱

③ الأنصار فی العصر الراشدی ص ۱۰۲، ۱۰۳

④ ولایة مصر للکندی ص ۴۲، ۴۳، الولایة علی البلدان، ۹ / ۲

⑤ ولایة مصر ص ۴۴، النجوم الزاهرة، ۱ / ۹۴

⑥ الکامل فی التاریخ ۲ / ۳۵۴

بہت سارے معاملات میں قیس رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور حسن تدبیر کا ثبوت ملتا ہے، جب وہ مصر جا رہے تھے تو وہاں ایک گروہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض تھا، اور دوسرا گروہ ان کے قتل میں شریک تھا، مصر میں داخل ہونے سے پہلے سعد رضی اللہ عنہ سے چند گھڑسواروں کی ملاقات ہوئی، آپ نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ہم عثمان رضی اللہ عنہ کی شکست خوردہ فوج کے سپاہی ہیں، ہم ایسے لوگوں کی تلاش میں ہیں جن کے یہاں ہم پناہ لیں، پھر ان کے تعاون سے اللہ کے لیے بدلہ لیں، انھوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ نے کہا: قیس بن سعد، انھوں نے کہا: جاؤ، چنانچہ آپ چل پڑے اور مصر میں داخل ہو گئے۔

قیس رضی اللہ عنہ اپنی اس تدبیر سے مصر میں داخل ہو سکے، پھر اس کے بعد اعلان کیا کہ وہ گورنر ہیں، اگر آپ نے ان گھڑسواروں کو بتا دیا ہوتا کہ آپ گورنر ہیں تو وہ آپ کو مصر میں داخل ہی نہ ہونے دیتے، جیسا کہ ان کے ساتھ پیش آیا جن کو علی رضی اللہ عنہ نے شام کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، شام کی فوجوں کو جب معلوم ہو گیا کہ انھیں گورنر بنا کر بھیجا گیا ہے تو شام میں داخل ہونے سے روک دیا۔^①

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے فسطاط پہنچ کر منبر پر اہل مصر کو خطاب کیا، انھیں علی رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سنایا اور ان کے لیے بیعت کا مطالبہ کیا۔^② اس موقع پر اہل مصر دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ نے علی رضی اللہ عنہ کے لیے قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، دوسرے گروہ نے بیعت نہیں کی اور الگ ہو گیا، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے دونوں گروہوں کے ساتھ بڑی حکمت سے کام لیا، بیعت نہ کرنے والوں کو مجبور نہیں کیا۔^③ بلکہ ان کو اپنی حالت پر نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ ان کے پاس عطیات و تحائف بھیجے، ان میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کے ساتھ اکرام و احسان کا سلوک کیا۔^④

اس اچھے سلوک نے ان کے کراؤ کو ٹال دیا، اس سے مصر کے حالات کو پرسکون کرنے میں آپ کو مدد ملی، آپ نے وہاں کے امور کو منظم کیا، مختلف شعبوں کے ذمہ داران کو ادھر ادھر بھیجا، ٹیکس کے امور کو مرتب کیا، پولیس افسران کی تعیین کی۔^⑤ اس طرح وہ مصر کی گورنری کو منظم کر کے تمام گروہوں کو راضی کر سکے۔^⑥

اب شام میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی سیاسی گرفت اور فوجی اہمیت کا احساس کرنے لگے، چونکہ مصر شام سے قریب تھا، اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے وہاں کے امور کو منظم و مرتب کر لیا تھا، اور ان کی

① الولایۃ علی البلدان ۲/ ۱۰ نقلًا عن نہایۃ الأرب فی تاریخ العرب للنوری

② تہذیب تاریخ دمشق ۳۹/ ۴

③ ولایۃ مصر ص ۴۴

④ ولایۃ مصر ص ۴۴

⑤ الولایۃ علی البلدان ۲/ ۱۱

⑥ الولایۃ علی البلدان ۲/ ۱۱

دور اندیشی و معاملہ فہمی مشہور تھی، ان باتوں کو دیکھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوف لاحق ہو گیا کہ وہ مصر سے نکل کر ان کے خلاف فوجی کارروائیاں نہ کریں، اس بنا پر مصر میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے خط و کتابت شروع کر دی، انھیں دھمکی دیتے، ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھ ہو جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ ان خطوط کا بڑی ہوشیاری سے جواب دیتے، یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے رجحان اور یہ کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں اس کا پتہ نہ چل سکا، جب کہ ان کے مابین متعدد خطوط آئے گئے۔^①

کتب تاریخ میں ابو مخنف کی ذکر کردہ معاویہ و قیس رضی اللہ عنہما کے مابین خطوط سے متعلق شیعہ روایتیں عام لوگوں میں پھیل گئیں، جب کہ وہ سراسر غلط اور باطل ہیں۔ ان کو تنہا ابو مخنف نے ذکر کیا ہے جسے اصحاب جرح و تعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے، نیز ان روایتوں کی متن میں بہت ساری عجیب و غریب باتیں ہیں۔ ان میں سے نمایاں باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصر والوں کے لیے علی رضی اللہ عنہ نے جو خط بھیجا تھا اس میں یہ بات مذکور ہے:

”پھر ان دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے بعد وہ (عثمان رضی اللہ عنہ) خلیفہ مقرر کیے گئے، امت کو ان کی بعض باتوں پر اعتراض ہوا، پھر لوگ اس بات سے ناراض ہو گئے اور اس منکر بات کا خاتمہ کر دیا۔“

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے باغی امت کے اچھے لوگ تھے، اور انھی لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اس منکر بات کا خاتمہ کر دیا، جب کہ علی رضی اللہ عنہ اس اعتراض سے بالکل بری ہیں اور یہ یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین اوباش لوگ تھے اور آپ کا قتل سراسر ظلم اور جرم تھا، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کے اقوال ان باتوں پر دلالت کرتے ہیں، ان اقوال میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کبھی عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتے ہوئے نہیں سنا۔^②

حاکم اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اے اللہ! میں تیرے حضور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، قتل کے دن میں حواس باختہ ہو گیا تھا، میں اپنے آپ کو نہیں پہچان پا رہا تھا، لوگ میرے پاس بیعت کرنے آئے تو میں نے کہا: اللہ کی قسم میں اللہ سے شرمندہ ہوں کہ ایسے لوگوں سے بیعت لوں جنہوں نے ایسے شخص کو قتل کر دیا ہے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((أَلَا أَسْتَحْيِي مِمَّنْ تَسْتَحْيِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ.))

① الکامل ۲/۳۵۵، الولاية على البلدان، ۱۱/۲

② تاریخ ابن عساکر ترجمہ عثمان ص ۳۹۵

”کیا میں اس شخص سے شرم نہ کروں جن سے فرشتے شرم کرتے ہیں۔“

میں اللہ سے شرمندہ ہوں کہ میں بیعت لوں اور عثمان رضی اللہ عنہ مقتول پڑے ہیں، اب تک ان کی تدفین نہیں ہوئی ہے، چنانچہ وہ سب لوٹ گئے، جب تدفین ہوگئی تو پھر آئے اور بیعت لینے کا مطالبہ کرنے لگے، میں نے کہا: اے اللہ! جو میں کرنے جا رہا ہوں اس سے میں ڈر رہا ہوں، پھر ہمت بندھی اور بیعت لی، جب لوگوں نے امیر المؤمنین کہہ کر پکارا تو ایسا لگا کہ دل پھٹ گیا ہوا اور خون کے آنسو جاری ہو گئے ہوں۔^①

آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لیے بھیجا تھا، اس سلسلے میں آپ کے اقوال بہت سارے ہیں۔^② میں نے انھیں اپنی کتاب ”تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان“^③ میں جمع کیا ہے۔

ب: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا قول:

((اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا بَايَعْنَا خَيْرَ مَا نَعْلَمُ بَعْدَ نَبِيِّنَا ﷺ .))

”لوگو! ہم نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل شخص سے بیعت کر رہے ہیں۔“

یہ قول سراسر مردود و مرفوض ہے، اس لیے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہ اور بقیہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ اس کی صراحت خود علی رضی اللہ عنہ نے کی ہے، اس میں اس زمانے کے کسی صحابی یا غیر صحابی کو شک نہیں تھا، اس لیے اس قول کی نسبت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کی جانب صحیح نہیں ہے، یہ قول صرف بعد کے شیعوں کے یہاں مشہور ہوا ہے۔^④

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

”مقدم شیعہ سب کے سب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو افضل قرار دینے پر متفق ہیں۔“^⑤

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تفصیل کی بہت ساری دلیلیں ہیں، انھی میں سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جس میں کہتے ہیں:

((كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَنُخَيِّرُ أَبَا بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرَ بْنَ

الْحَضْرَاءِ، ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ .))^⑥

① المستدرک ۲/ ۳۵۵

② مرویات أبی مخنف، د. یحییٰ الیحیی ص ۲۱۱

③ عثمان بن عفان، للصلابی ص ۴۰۷-۴۰۹

④ مرویات أبی مخنف ص ۲۱۱

⑤ منهاج السنة ۱/ ۱۱۱

⑥ صحیح البخاری حدیث نمبر ۳۶۹۷

”ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لوگوں کے مابین موازنہ کرتے تھے تو ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو، پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیتے تھے۔“

اس سلسلے کی حدیثیں بکثرت اور مشہور و معروف ہیں۔^①

صحیح روایتوں کے مطابق حقیقت واقعہ یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو انھیں سونپ دیں اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اہمیت نہیں دی۔

ج: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی جانب معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط اور اس میں ان کا اس جانب اشارہ کہ علی رضی اللہ عنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں فریق تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایسا اشارہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس سلسلے میں علی رضی اللہ عنہ کی براءت (جیسا کہ گزر چکا ہے) بالکل واضح تھی، معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے ناواقف نہیں تھے کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ ان کے لیے اسے ثابت کرتے ہیں، محمد بن سیرین رحمہ اللہ (جو کبار تابعین میں سے تھے اور انھیں وہ زمانہ ملا تھا) کہتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے، اور میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو ان کے قتل میں علی رضی اللہ عنہ کو متہم کرتا ہو۔^②

نیز وہی کہتے ہیں: جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا، انھی میں عبداللہ بن عمر اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی گردن میں تلوار لٹکائے موجود تھے، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ وہ لڑائی نہ کریں۔^③

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے محمد بن حنفیہ کی روایت نقل کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میدان، پہاڑ، خشکی اور تری ہر جگہ اللہ تعالیٰ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ملعون قرار دے۔^④ اس معنی کے صحیح نصوص بہت سارے ہیں^⑤ جو بال تاکید ثابت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی مشہور تھی۔^⑥

د: معاویہ رضی اللہ عنہ کا قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں انصار کو متہم کرنا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ اتہام درست نہیں ہے اس لیے کہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ دفاع کرنے والے انصار تھے، چنانچہ ابن سعد نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جب کہ وہ

① مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری ص ۲۱۲

② مرویات ابی مخنف ص ۲۱۲، تاریخ ابن عساکر ترجمۃ عثمان، ص ۳۹۵

③ تاریخ ابن عساکر ترجمۃ عثمان ص ۳۵۰

④ المصنف ۲۶۸/۱۵

⑤ تاریخ ابن عساکر ترجمۃ عثمان ص ۳۹۵

⑥ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری ص ۲۱۴

محصور تھے آئے اور کہا: دروازے پر موجود انصار کہہ رہے ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم دوبارہ انصار اللہ بننے کے لیے تیار ہیں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جواباً آپ نے فرمایا: رہا لڑائی کا معاملہ تو لڑائی مت کرو۔^۱

ہ: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک جھوٹا خط تیار کرنا:

یہ ایسا جھوٹ ہے جس کا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صادر ہونا غیر معقول ہے، اس لیے کہ عرب جھوٹ کو سب سے قبیح صفت سمجھتے تھے جس سے شریف لوگ بہت دور رہا کرتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قصہ جب کہ وہ مشرک تھے نقل کیا ہے کہ جب ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ جھوٹ کو نقل کر دیں گے تو آپ کے بارے میں جھوٹ بول دیتا۔^۲

عربوں کے نزدیک جھوٹ ایک قبیح صفت تھی، اور مسلمانوں کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ قبیح صفت ہے۔

کوئی کہنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک چال تھی، اور جنگ چال ہی کا نام ہے، اس لیے کہ چال کے معنی یہ ہیں کہ جیسا کہ کلام عرب میں معلوم ہے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت ایسا کرنے میں مانع تھی۔^۳

اس تسلسل اور باریکی کے ساتھ علی، معاویہ اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہم کے مابین بہت سارے خطوط کی روایت قاری کو شک میں مبتلا کر دیتی ہے اس لیے کہ ان خطوط سے آگاہی رکھنے والے اور ان کو نقل کرنے والے مجہول ہیں۔

ڈاکٹر یحییٰ الجبلی کہتے ہیں: امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر پر قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی گورنری متفق علیہ ہے۔^۴ قیس رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی لکھنے والوں نے ان تفصیلات کو ذکر نہیں کیا ہے^۵ جنہیں ابوخنف نے اپنی روایات میں ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ مصر کے معتبر مورخوں نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔^۶ ابن الاثیر، ابن کثیر، ابن خلدون اور ابن قری بردی نے ابوخنف کی روایت کو طبری سے حذف و اختصار کے بعد نقل کیا ہے۔^۷ کندی نے عبدالکریم حارث سے بھی روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو قیس رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بھاری لگنے لگا تو مدینہ میں بنی امیہ کے بعض لوگوں کو لکھا: اللہ تعالیٰ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر دے اور اسے راز میں رکھنا، مجھے خوف ہے کہ اگر ان کے اور ہمارے موافقین کے مابین جو تعلقات ہیں ان کی خبر علی رضی اللہ عنہ

① الطبقات ۳/ ۷۰، اس کی سند صحیح ہے۔

② صحیح البخاری حدیث نمبر ۷

③ مرویات ابی مخنف ص ۲۱۴

④ تاریخ خلیفہ ص ۲۰۱، فتوح مصر، ص ۲۷۴، سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۲

⑤ طبقات ابن سعد ۶/ ۵۲، تاریخ بغداد ۱/ ۱۷۷، سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۰۲

⑥ النجوم الزاهرة ۱/ ۹۷، البداية والنهاية ۷/ ۲۵۱

⑦ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری ص ۲۱۰

کو پہنچ گئی تو علی رضی اللہ عنہ انھیں معزول کر دیں گے، چنانچہ یہ خبر جب علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان کے ساتھ موجود اہل عراق و اہل مدینہ کے سرداروں نے کہا: قیس (رضی اللہ عنہ) بدل چکے ہیں (یعنی اپنی وفاداری بدل لی ہے) جواب میں علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھارا ناس ہو، انھوں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے، اس لیے مجھ سے کچھ نہ کہو، ان لوگوں نے کہا: آپ ضرور انھیں معزول کریں بلاشبہ وہ بدل چکے ہیں، وہ اس پر مصر رہے تا آنکہ علی رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا: مجھے آپ کی قربت کی ضرورت ہے، اس لیے کسی کو اپنا نائب بنا کر چلے آؤ۔^①

ڈاکٹر یحییٰ الجحیٰ اپنی کتاب ”مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری“ میں اس روایت کو رائج

قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

☆ یہ ایک ثقہ مصری کی روایت ہے جو اپنے ملک کو دوسرے سے زیادہ جانتا ہے۔

☆ اس کو ایک مصری مورخ نے نقل کیا ہے۔

☆ یہ غرابت سے خالی ہے۔

☆ اس کا متن ان لوگوں کی سیرت سے میل کھاتا ہے۔

☆ اس روایت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قیس رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کر رہے تھے، تا آنکہ لوگوں نے ان سے اصرار کے ساتھ مطالبہ کیا، پھر انھیں اپنے پاس باقی رکھا، اس طرح ایک کامیاب قائد پریشانیوں کے وقت ذہین قیادتوں کے حق میں کوئی کمی نہیں کرتا۔^②

بعض لوگوں نے علی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے تعلقات کو خراب کرنا چاہا تا کہ وہ انھیں معزول کر دیں، آخر میں علی رضی اللہ عنہ کے بعض مشیروں نے ان سے قیس رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کا مطالبہ کر دیا، اور ان سے متعلق پھیلائی گئی افواہوں کی تصدیق کرتے ہوئے معزول کرنے پر اصرار کیا، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا: ”مجھے تمھاری کمی قربت کی ضرورت ہے، تم کسی کو نائب بنا کر چلے آؤ۔“^③

یہ خط مصر کی گورنری سے قیس رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے قائم مقام تھا، اکثر اقوال کے مطابق ان کی جگہ علی رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو مقرر کیا۔^④ مصر جانے سے پہلے اشتر نخعی سے علی رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی، اہل مصر کی باتوں اور خبروں سے آگاہ کیا، اور فرمایا: وہاں کے لیے تم ہی مناسب ہو، اگر میں تمھیں وصیت نہ بھی کروں تو میں تمھاری رائے پر اکتفا کر سکتا ہوں، اپنے پیش آمدہ مسائل میں اللہ سے مدد طلب کرو، سختی اور نرمی دونوں استعمال کرو، جب

① ولایۃ مصر ص ۴۵، ۴۶، اس میں مدائی ہیں جو صدوق ہیں، بقیہ راوی ثقہ ہیں، مگر یہ روایت مرسل ہے۔

② ولایۃ مصر ص ۴۵، ۴۶

③ مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری ص ۲۱۰

④ فتوح البلدان ص ۲۲۹، الولایۃ علی البلدان، ۱۲/۲

تک نرمی مؤثر ہو زنی کرو، اور جب سختی کے بغیر کام نہ چلے تو سختی کرو۔ ❶

اشتر اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مصر کے لیے روانہ ہوا، بحر قلزم (بحر احمر) کے قریب پہنچا تو مصر میں داخل ہونے سے پہلے انتقال کر گیا۔ دوسری روایت کے مطابق اسے زہر ملایا ہوا شہد کا شربت پلایا گیا جس کی وجہ سے وہ وفات پا گیا، خراج دینے والے کچھ لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی ہے کہ انھی کے اکسانے پر ان لوگوں نے زہر دیا تھا۔ ❷

اشتر کو زہر دے کر قتل کرنے سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائی گئی تہمت کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، ابن کثیر ❸ وابن خلدون ❹ رضی اللہ عنہما نے اس کا انکار کیا ہے، ڈاکٹر یحییٰ الجبلی ❺ بھی انھی کی رائے سے متفق ہیں، میرا بھی یہی رجحان ہے۔ اشتر مصر میں اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے سے پہلے انتقال کر گیا، پھر بھی تاریخی مصادر اس کا تذکرہ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے ایک گورنر کی حیثیت سے کرتے ہیں، اس کے بعد محمد بن ابوبکر مصر کے گورنر بنائے گئے، ❶ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مصر میں رہ چکے تھے، روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے چلے جانے سے پہلے ہی وہ مصر پہنچ گئے تھے، دونوں کے مابین گفتگو ہوئی جس میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے محمد کو بہت ساری نصیحتیں کیں، بالخصوص ان لوگوں کے بارے میں جو قتل عثمان سے ناراض تھے، اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت نہیں کی تھی، قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالقاسم! تم امیر المؤمنین کی جانب سے آئے ہو، مجھے ان کا معزول کر دینا تمہاری اور ان کی خیر خواہی سے مانع نہیں، مجھے تمہارے اس معاملے کی اچھی طرح واقفیت ہے، انھیں اور ان کے ساتھیوں کو (یعنی جن لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کے لیے بیعت نہیں کی ہے) ان کی حالت پر چھوڑ دو، اگر تمہارے پاس آئیں تو انھیں قبول کرو، اگر نہ آئیں تو ان کے پیچھے نہ پڑو، لوگوں کو حسب مراتب عزت دو، اگر تم مریضوں کی بیمار پرسی اور جنازوں میں شرکت کر سکو تو کرو، اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ ❷ پھر قیس رضی اللہ عنہ مدینہ لوٹ آئے، پھر کوفہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، ان کے ساتھ معرکہ صفین میں شریک ہوئے، وہی صفین کے دن ان اشعار کے کہنے والے ہیں:

❶ النجوم الزاهرة ۱/ ۱۰۳

❷ النجوم الزاهرة ۱/ ۱۰۴، سیر أعلان النبلاء، ۴/ ۳۴

❸ البداية و النہایة ۸/ ۳۰۳

❹ تاریخ ابن خلدون ۴/ ۱۱۲

❺ مروایات أبی مخنف، ص ۲۲۴

❶ النجوم الزاهرة ۱/ ۱۰۶

❷ تاریخ ابن عساکر ۲۲/ ۱۸۱

هَذَا اللّٰهُ الَّذِي كُنَّا نَحْفَ بِهِ

مَعَ النَّبِيِّ وَجَبْرِيلَ لَنَا مَدَدٌ

”یہ علم جہاد جسے ہم نبی ﷺ کے ساتھ گھیرے میں لیے رہتے تھے اور جبریل علیہ السلام ہماری مدد کرتے تھے۔“

مَا ضَرَّ مَنْ كَانَتْ الْأَنْصَارُ عَيْبَتَهُ

أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ مِنْ غَيْرِهِمْ أَحَدٌ

”جس کے راز دار انصار ہوں، اس کے لیے یہ چیز مضرت نہیں کہ ان کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا نہ ہو۔“

قَوْمٌ إِذَا حَارَبُوا طَالَتْ أَكْفَهُمْ

بِالْمُشْرِفِيَةِ حَتَّى يَفْتَحَ الْبَلَدَ

”یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنگ میں جب تلوار اٹھاتے ہیں تو شہروں کو فتح کر لیتے ہیں۔“

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک انھی کے ساتھ رہے، پھر حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے، ان کے وفد کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تو قیس رضی اللہ عنہ بھی ان کی بیعت میں داخل ہو گئے، ❶ اور مدینہ لوٹ کر عبادت الہی میں مشغول ہو گئے۔ ❷

۵۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول:

((إِنَّا لَا نَعُوذُ فِي شَيْءٍ أَعْطَيْنَاهُ.))

”جو ہم دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے ہیں۔“

موکب بن ابوعیسیٰ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے تیس ہزار قرض لیا، جب واپس کرنے لگا تو نہیں لیا اور کہا:

((إِنَّا لَا نَعُوذُ فِي شَيْءٍ أَعْطَيْنَاهُ.)) ❶

”جو ہم دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے ہیں۔“

۶۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول:

((لَقَدْ سَأَلْتُ فَأَحْسَنْتَ.))

”تو نے طلب کر کے اچھا کیا۔“

ایک بوڑھی عورت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئی جسے آپ پہچانتے تھے، چنانچہ اس سے خیریت دریافت کی: کہا تم کیسی ہو؟ کہا: اللہ کا شکر ہے، میرے گھر میں ایک بھی چوبیا نہیں جو ادھر ادھر کودے، آپ نے کہا: تم نے طلب کر کے اچھا کیا، میں یقیناً تمہارے گھر کو چوہوں سے بھر دوں گا، چنانچہ آپ نے بہت سارا آٹا، تیل اور ضرورت کی دوسری چیزیں دینے کا حکم دیا اور وہ چلی گئی۔^① یہ واقعہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مشہور قصہ ہے اور صحیح ہے۔^②

۷۔ اس شخص کی حالت جس کی طرح ہو جانے کی قیس رضی اللہ عنہ نے تمنا کی تھی:

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک شخص کو دیکھا اور اسی کی طرح ہو جانے کی تمنا کی، ہم شام سے آ رہے تھے، ایک گھر کے پاس پہنچے، ہم نے کہا: یہاں رک جاتے ہیں، گھر میں صرف ایک عورت تھی، تھوڑی ہی دیر میں ایک شخص اپنے اونٹوں کو لے کر آیا اور اپنی عورت سے کہا: یہ لوگ کون ہیں؟ کہا: تمہارے مہمان ہیں، چنانچہ وہ ایک اونٹنی لے کر آیا، اس کے دونوں کونچوں کو مار کر کہا: لوگو! یہ اونٹنی لو اسے نخر کرو، ہم نے نخر کیا، اس کے عمدہ گوشت کو ہم نے کھایا، دوسرے دن دوسری اونٹنی لے کر آیا، اس کے دونوں کونچوں کو مار کر کہا: لوگو! اس کو نخر کرو، ہم نے نخر کیا، ہم نے کہا: ہمارے پاس تو کل ہی کا بھی گوشت ہے، اس نے کہا: ہم اپنے مہمانوں کو باسی گوشت نہیں کھلاتے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اس شخص کے پاس اگر ہم ٹھہرے رہے تو اس کے پاس ایک اونٹ بھی باقی نہیں رہے گا، چلو چلتے ہیں، میں نے اپنے منظم سے کہا: جو تمہارے پاس ہوا کٹھا کرو، کہا: میرے پاس صرف چار سو درہم ہیں، میں نے کہا: اسے اور میرے کپڑوں کو لاؤ، اسے اکٹھا کر کے میں نے کہا: اسے جلدی دے آؤ، ہم نے اس کی بیوی کو دے دیا، پھر چل پڑے، تھوڑی ہی دیر میں ہم نے ایک شبیہ دیکھی، میں نے کہا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں جانتے، جب قریب ہوا تو دیکھا ایک شخص نیزہ لیے اپنے گھوڑے پر سوار تھا، اور وہ وہی مذکورہ شخص تھا، میں نے کہا: بڑا برا ہوا، اللہ کی قسم جتنا ہم نے دیا ہے اس کو اس نے کم سمجھا ہے، اور قریب ہوا تو کہا: یہ تمہاری متاع ہے اسے لے لو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس یہی تھا جو تم دیکھ رہے ہو، اسے ہم نے اپنے پاس سے اکٹھا کر کے دیا ہے، اس نے کہا: جو تم لوگ سوچتے ہو اللہ کی قسم وہ میرا مقصد نہیں، اسے لے لو، ہم نے کہا: ہم نہیں لیں گے، اس نے کہا: اللہ کی قسم میں اپنے نیزے سے حملہ کرتا رہوں گا جب تک تم میں کوئی بھی باقی رہے یا تو اسے لے لو، چنانچہ ہم نے لے لیا، اور واپس جاتے ہوئے اس نے کہا:

((إِنَّا لَا نَبْعُ الْفَرَىٰ أَيْ الضِّيَافَةَ.))^③

② الاستيعاب، ۳/ ۱۲۹۲

① تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۶

③ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۵

”ہم مہمان نوازی کو بیچتے نہیں ہیں۔“

۸۔ کون زیادہ سختی ہے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ یا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ یا عرابہ اوسی:

تین آدمی سختی لوگوں کے بارے میں بحث کرنے لگے، ایک نے کہا: سب سے زیادہ سختی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، دوسرے نے کہا: اس زمانے میں سب سے زیادہ سختی قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، تیسرے نے کہا: سب سے زیادہ سختی عرابہ اوسی ہیں، وہ آپس میں سختی سے جھگڑنے لگے، جب کعبے کی صحن میں ان کا شور و غل زیادہ ہو گیا، تو ایک شخص نے ان سے کہا: تم بہت جھگڑ چکے، کوئی بات نہیں، تم میں سے ہر ایک اپنے سختی کے پاس جا کر مانگے، دیکھو وہ کیا دیتا ہے؟ اور ہم دیکھ کر فیصلہ کریں گے، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ والا شخص ان کے پاس گیا، وہ اپنی ایک جاگیر پر جانے کے لیے سوار ہو چکے تھے، ان سے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی! کہا: کہو کیا چاہتے ہو؟ کہا: میں ایک مسافر ہوں، زاد و راحلہ نہیں ہے، چنانچہ وہ سواری سے اتر پڑے اور کہا کہ تم اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور تھیلے میں جو کچھ ہے لے لو، تلوار بھی جو علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی تلواروں میں سے ہے لے لو اور جاؤ، چنانچہ وہ اونٹنی اور تھیلے کو لے کر آیا جس میں ریشم کے دھاری دار کپڑے تھے، ان میں چار ہزار دینار تھے، ان سے بھی بڑھ کر اور اہم تلوار تھی۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ والا شخص گیا، ان سے نہیں مل سکا، لوٹے لگا تو اس سے لونڈی نے کہا: وہ سو رہے ہیں، ان سے تمہاری کیا ضرورت ہے؟ کہا: میں مسافر ہوں، زاد و راحلہ نہیں ہے۔ اس نے کہا: تمہاری اس ضرورت پر انھیں جگانے کی ضرورت نہیں، یہ تھیلی ہے اس میں سات سو دینار ہیں، آج قیس رضی اللہ عنہ کے گھر میں اس کے علاوہ مال نہیں ہے، اس جگہ جاؤ جہاں ہمارے آقا کے اونٹ رہتے ہیں، ایک سواری اور اس کے لوازمات نیز ایک غلام لے لو، اور چلے جاؤ، ایک روایت کے مطابق قیس رضی اللہ عنہ اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو لونڈی نے جو کچھ کیا تھا بتایا تو اسے آزاد کر دیا اور کہا: تو نے مجھے جگا کیوں نہیں دیا کہ میں اسے اپنے گھر کے سامان میں سے کچھ زیادہ دے دیتا، جو کچھ تو نے دیا ہے شاید اس کی ضرورت کو پوری نہ کرے۔ عرابہ اوسی والا شخص گیا، ان کے پاس پہنچا، وہ دو غلاموں کے سہارے گھر سے نکل کر نماز کے لیے جا رہے تھے، وہ نایاب تھے، کہا: اے عرابہ! کہا: کہو کیا چاہتے ہو؟ کہا: میں مسافر ہوں، زاد و راحلہ نہیں ہے: کہا ان دونوں غلاموں کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے، انھیں لے لو، میں انھیں تمہارے لیے چھوڑ رہا ہوں، چاہو آزاد کرو، چاہو لے کر جاؤ، اور خود دیوار کے سہارے چلے گئے۔ چنانچہ وہ انھیں لے آیا، لوگوں نے فیصلہ کیا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے عظیم مال کی سخاوت کی ہے، یہ ان کے حق میں انوکھی بات نہیں، ہاں تلوار بہت اہم ہے، اور یہ کہ قیس رضی اللہ عنہ سخاوت کرنے والوں میں سے ایک ہیں، اپنی لاعلمی میں اپنے مال میں اپنی لونڈی کے تصرف کو صحیح ٹھہرایا، جو کچھ اس نے کیا اس کی تعریف کی اور اس کو آزاد کر دیا، اور سب نے اس پر اتفاق کیا کہ تینوں میں سب سے زیادہ سختی عرابہ اوسی ہیں اس لیے کہ ان کی

سخت و کم مایہ آدمی کی طاقت کے بقدر ہے۔ اس زمانے کی واضح ترین قدروں میں سے جود و سخا اور بھلائی کرنے میں مسابقت کا جذبہ تھا۔

۹۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ایک خبر جو صحیح نہیں ہے:

قیصر نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ عربوں میں سے سب سے طویل شخص کا پا جامہ میرے پاس بھیج دو۔ انھوں نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے خیال میں مجھے آپ کے پا جامے کی ضرورت ہے، چنانچہ ایک گوشے میں جا کر اپنا پا جامہ لے آئے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، میرا مقصد یہ نہیں تھا، آپ گھر جا کر اسے میرے پاس بھیج سکتے تھے۔ قیس رضی اللہ عنہ نے کہا:

أردت بھاکی یعلم الناس أنها

سراویل قیس و الوفود شہود

”میرا مقصد ہے کہ لوگ جان جائیں کہ وہ قیس کا پا جامہ ہے، اور وفود حاضر رہیں۔“

وَأَلَا یقولوا غاب قیس و هذه

سراویل عادی نمتہ ثمود

”اور یہ نہ کہیں کہ قیس غائب ہو گیا اور یہ قوم عاد کے کسی شخص کا پا جامہ ہے، جس کی حیثیت کو قوم ثمود نے بڑھایا ہے۔“

وإنی من الحی الیمانی لسید

و ما الناس إلا سید و مسود

”اور میں بلاشبہ یمنی قبیلے کا سردار ہوں، اور لوگ یا تو سردار ہوتے ہیں یا دوسرے کی سرداری قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔“

فکدھم بمثلی إن مثلی علیہم

شدید و خلقی فی الرجال مدید

”ان کے ساتھ میرے جیسے شخص کے ذریعہ سے چال چلو، بلاشبہ میں ان کے ساتھ سخت ہوں اور میرا قد لوگوں میں لمبا ہے۔“

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوج کے سب سے لمبے شخص کو حکم دیا، اس نے اس کو اپنی ناک پر رکھا تو زمین تک پہنچ گیا، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پا جامہ طلب کیا، آپ کے پاس لایا گیا، قیس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اپنے ان کپڑوں کو ہٹا

دو، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

أما قریش فأقوام مسرولة

و البشیریون أصحاب التباہین

”قریش والے پاجامہ پہننے والے ہیں اور مدینہ والے تو نیکر والے ہیں۔“

قیس رضی اللہ عنہ نے کہا:

تلك اليهود التي یعنی ببلدتنا

كما قریش هم اهل السخاخن ❶

”وہ یہود جو ہمارے شہر میں ہیں قریش کے مانند ہیں جو قصابوں کی چھریوں والے ہیں۔“

دوسری روایت میں ہے کہ قیصر نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: میں آپ کے پاس دو آدمیوں کو بھیج رہا ہوں، ان میں سے ایک میرے ملک کا سب سے طاقتور آدمی ہے، دوسرا سب سے لمبا ہے، اس طرح کے مقابلے بادشاہوں میں چلتے رہتے تھے، اپنی حکومت سے ان میں سے ہر ایک کا مد مقابل پیش کرو، اگر تمہارے لوگ غالب آگئے تو میں تمہارے پاس مال اور اتنے اتنے مسلمان قیدی بھیج دوں گا، اور اگر ہمارے لوگ غالب آگئے تو میرے تین سال آرام اور آسانی سے گزریں گے، جب قیصر کا خط معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملا تو اس کو اہم سمجھتے ہوئے اپنے لوگوں سے مشورہ کیا، جوابا کہا گیا: طاقتور کے مقابلے کے لیے یا تو محمد بن حنفیہ کو بلائیے یا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو، محمد بن حنفیہ کو بلا یا جب کہ رومی طاقتور موجود تھے، ان کو بلانے کا مقصد بتایا، محمد نے اس رومی سے پوچھا: تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہم میں سے ہر ایک بیٹھے اور دوسرے کو اپنا ہاتھ دے دے، جو دوسرے کو اپنی جگہ سے ہٹا دے یا اٹھا دے وہ کامیاب ہوگا، اور جو عاجز رہے اور اس کے ساتھی نے اس کو مجبور کر دیا ہو تو وہ مغلوب ہوگا۔ محمد نے کہا: تمہاری یہ بات منظور ہے، تمھی بتاؤ کون پہلے بیٹھے؟ اس نے کہا: تمھی بیٹھو، چنانچہ آپ بیٹھے اور اپنا ہاتھ اسے دے دیا، وہ پوری کوشش کرنے لگا کہ آپ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے لیکن محمد بن حنفیہ نے اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کی، حاضرین کے سامنے رومی کا عاجز ہونا واضح ہو گیا، پھر اس سے محمد نے کہا: اب تم بیٹھو، وہ بیٹھا، آپ نے اس کے ہاتھ کو پکڑتے ہی اس کو اپنی جگہ سے اٹھالیا، پھر زمین پر پھینک دیا، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر موجود مسلمانوں کو خوش ہوئی، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اور رومی سے کہا: تم دونوں لمبائی میں مقابلہ کرو، قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا پاجامہ نکالتا ہوں، اسے یہ مد مقابل پہننے، اس سے ہماری لمبائی کا پتہ چل جائے گا، اپنا پاجامہ نکال کر رومی کو دیا، اس نے پہنا تو سینے تک پہنچ گیا، جب کہ کچھ حصہ زمین پر گھسٹ رہا تھا، اس پر بھی لوگ خوش ہوئے،

قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آکر انصار نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ نے بے وقار ہونے کا ثبوت دے دیا، اگر گھر جا کر اور پاجامہ ان کے پاس بھیج دیا ہوتا تو بہتر ہوتا، اس پر آپ نے کہا:

أردت بها كي يعلم الناس أنها

سراويل قيس و الوفود شهود

”میرا مقصد ہے کہ لوگ جان جائیں کہ وہ قیس کا پاجامہ ہے، اور وفود حاضر ہیں۔“

و ألا يقول غاب قيس و هذه

سراويل عادی نمٹہ ثمود

”اور یہ نہ کہیں کہ قیس غائب ہو گیا اور یہ قوم عاد کے کسی شخص کا پاجامہ ہے، جس کی حیثیت کو قوم ثمود نے بڑھایا ہے۔“

و إني من القوم اليمانيين سيد

و ما الناس إلا سيد و مسود

”اور میں بلاشبہ یمانیوں کا سردار ہوں، اور لوگ یا تو سردار ہوتے ہیں یا دوسرے کی سرداری قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔“

و فضلني في الناس أصلى و والدي

و باع به أعلو الرجال مدید ❶

”مجھے لوگوں میں افضل بنایا ہے میرے نسب، میرے والد اور اس لیے قد نے جس سے میں لوگوں پر غالب آجاتا ہوں۔“

اندلس کے مشہور عالم حافظ ابو عمر ابن عبد البر کا قول ہے:

”معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کے پاجامہ کی خبر سراسر گھڑا ہوا جھوٹ ہے، اس کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ہی قیس رضی اللہ عنہ کے اخلاق، سیرت اور پاکیزگی سے میل کھاتا ہے یہ گھڑا ہوا واقعہ اور مزور شعر ہے۔“ ❷

۱۰۔ فتنہ برپا ہونے کے وقت عربوں کے زبردست مدبر لوگ:

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مدبر لوگوں میں سے تھے، ابن شہاب کا قول ہے:

”فتنہ کے وقت عربوں میں پانچ لوگ زبردست مدبر شمار کیے جاتے تھے، اپنی تدبیروں میں انھیں

عقلمند قرار دیا جاتا ہے، معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، قیس بن سعد، مغیرہ بن شعبہ اور مہاجر بن عبد اللہ بن بدیل خزاعی رضی اللہ عنہم، مغیرہ رضی اللہ عنہ سرزمین طائف میں الگ تھلگ تھے تا آنکہ دونوں حکم نے فیصلہ کیا اور سب مقام ”اذرح“ میں جمع ہو گئے۔“ ❶

قیس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((لَوْ لَا الْإِسْلَامُ لَمَكْرَتْ مَكْرًا لَا تُطِيقُهُ الْعَرَبُ .)) ❷

”اگر اسلام مانع نہ ہوتا تو میں ایسی چال چلتا جس کا عربوں کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔“

۱۱۔ ہم خواہش کیا کرتے تھے کہ قیس رضی اللہ عنہ کے لیے داڑھی اپنے پیسوں سے خرید لیں:

زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمہ اللہ کے چہروں پر داڑھی کا کوئی بال نہیں تھا، زبیر بن بکار کے علاوہ دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ انصار کہا کرتے تھے:

”ہم خواہش کیا کرتے تھے کہ قیس رضی اللہ عنہ کے لیے داڑھی اپنے پیسوں سے خرید لیں، اس کے باوجود

آپ خوب صورت تھے۔“ ❸

۱۲۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول:

”تمھاری رائے میں عیادت کرنے والوں کی تعداد کم کیوں ہے۔“

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کوئی جاگداند نوے ہزار میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیچ دی، اہل مدینہ میں آپ نے منادی کرا دی: جسے قرض چاہیے وہ سعد کے گھر پہنچے، چنانچہ چالیس پچاس ہزار قرض دے دیا اور باقی لے لیا، ہر قرض لینے والے سے دستاویز لکھوائی، جب آپ بیمار ہوئے تو عیادت کرنے والوں کی تعداد بہت کم رہتی تھی، آپ نے اپنی بیوی قریبہ (جو ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں) سے کہا: اے قریبہ! تمھاری رائے میں عیادت کرنے والوں کی تعداد کم کیوں ہے؟ جواب دیا: آپ کے قرض کی وجہ سے، چنانچہ آپ نے ہر قرض دار کے پاس اس کی دستاویز بھیج دی۔ ❹ دوسری روایت کے مطابق آپ بیمار ہوئے، عیادت کرنے والے نہیں آرہے تھے، آپ کو بتایا گیا، لوگ آپ کے قرض کے باعث شرمارہے ہیں، چنانچہ آپ نے منادی کرا دی: جس پر بھی قیس کا قرض تھا وہ معاف ہے۔ یہ سن کر اس قدر لوگ آنے لگے کہ وہ سیڑھی منہدم ہو گئی، جس پر چڑھ کر لوگ آپ کے پاس پہنچتے تھے۔ ❺

❶ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۷

❷ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۴

❸ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۸

❹ الاستیعاب ۳/ ۱۲۹۲

❺ الاستیعاب ۳/ ۱۲۹۳

۱۳۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما سفر میں لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے:

قیس بن سعد رضی اللہ عنہما جب نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں ہوتے تو لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے، آپ کی ایک بڑی رکابی تھی، آپ جہاں بھی جاتے آپ کے پاس رہتی تھی، آپ کے پاس موجود چیزیں جب ختم ہو جاتیں تو قرض لیتے، ہر روز گوشت اور ترید کی دعوت دیتے۔^①

۱۴۔ قیس و معاویہ رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک خبر جو صحیح نہیں ہے:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما سے کہا: تم ایک یہودی پوپ ہو، اگر ہم غالب آگئے تو تمہیں قتل کر دیں گے اور اگر تم غالب آئے تو ہم تمہیں معزول کر دیں گے، تو انھوں نے جواباً کہا: تم اور تمہارے باپ جاہلیت کے دو بت ہو، تم دونوں نہ چاہتے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے، اور چاہت کے ساتھ اس سے نکل گئے۔^② امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ خبر منقطع ہے اور منقطع ضعیف کی قسموں میں سے ہے۔

۱۵۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی وفات:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں آپ کی وفات ہوئی، خلیفہ بن خیاط^③ اور امام ذہبی^④ کی یہی رائے ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ عبدالملک کے دور خلافت ۸۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔^⑤ ابن حجر نے خلیفہ بن خیاط اور امام ذہبی کی موافقت کی ہے۔^⑥

ابن عبدالبر کہتے ہیں: ”قیس رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی، عبادت میں مشغول ہو گئے تا آنکہ وہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت ۶۰ھ میں وفات پائی، دوسری روایت کے مطابق ۵۹ھ میں، آپ بہت لمبے اور بے ریش تھے۔“^⑦

ثانیاً:..... ابو محمد عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ

آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ ہیں۔^⑧ آپ کی والدہ ام الفضل لبابہ کبریٰ بنت حارث بن حزن بن نجیر بن ہزم بن رویہ بن عبد اللہ بن بلال بن عامر بن قصصہ رضی اللہ عنہ تھیں،^⑨ نیز آپ عبداللہ، کثیر، فضل، قثم، معبد اور تمام رضی اللہ عنہم کے بھائی تھے۔^⑩

① تاریخ دمشق ۵۲/۲۸۳

② سیر أعلام النبلاء ۳/۱۱۱

③ الإصابة ۵/۳۶۱

④ سیر أعلام النبلاء ۳/۱۱۲

⑤ الإصابة ۵/۳۶۱

⑥ الاستيعاب ۳/۱۲۹۳

⑦ الطبقات تحقیق السلمي ۱/۲۱۴، سیر أعلام النبلاء: ۳/۵۱۲

⑧ الطبقات، تحقیق السلمي، ۱/۲۱۲

⑨ سیر أعلام النبلاء ۳/۵۱۲

۱۔ آپ کے بچے اور بیویاں:

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد:

- (۱)..... محمد (انہی سے آپ کی کنیت ابو محمد تھی، ان کی والدہ فرعہ ❶ بنت قطن بن حارث بن حزن بن بکیر بن ہزم بن ہلال بن عامر تھیں۔)
- (۲)..... عباس ❷

(۳)..... عالیہ (ان سے علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب نے شادی کی، انہی کے بطن سے محمد بن علی پیدا ہوئے جن کی اولاد میں عباسی خلافت رہی۔)

- (۴)..... میمونہ (ان تینوں کی والدہ عائشہ بنت عبد اللہ بن مہدی تھیں۔) ❸
- (۵)..... لبابہ

- (۶)..... ام محمد (ان دونوں کی ماں عمرہ بنت غریب حمیری ❹ تھیں)
- (۷)..... عبد الرحمن

- (۸)..... قثم (ان دونوں کی والدہ ام حکیم بنت قارظ بن خالد کنانیہ ❺ تھیں)
- (۹)..... عبد اللہ

- (۱۰)..... جعفر

- (۱۱)..... ام کلثوم

- (۱۲)..... عمرہ

- (۱۳)..... ام عباس (ان سب کی والدہ ام ولد یعنی لونڈی تھیں) ❻

۲۔ آپ کی عمر اور رسول اللہ ﷺ کی رویت:

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ ❷ آپ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تھا اور آپ سے حدیث کی سماعت کی تھی۔ ❸ سنن الترمذی میں اللہ کے رسول ﷺ سے آپ کی روایت کردہ حدیث یہ ہے:

❶ الطبقات، بتحقیق السلمي، ۲۱۲/۱ ❷ الطبقات، بتحقیق السلمي، ۲۱۲/۱

❸ الطبقات، بتحقیق السلمي، ۲۱۲/۱ ❹ الطبقات، ۲۱۲/۱

❺ الطبقات ۲۱۳/۱ ❻ الطبقات ۲۱۴/۱، نسب قریش، ص ۳۱

❼ الاستیعاب ۱۰۰۹/۳ ❽ الطبقات ۲۱۴/۱

((إِنَّ الْغُمِيصَاءَ أَوْ الرُّمِيصَاءَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ تَشْتَكِي زَوْجَهَا أَنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَيْهَا، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ زَوْجَهَا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هِيَ كَاذِبَةٌ، وَهُوَ يَصِلُ إِلَيْهَا وَلَكِنَّهَا تُرِيدُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ ذَلِكَ حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ.)) ❶

”غمیصاء یا رمیصاء نبی کریم ﷺ کے پاس آکر اپنے شوہر کی شکایت کرنے لگیں کہ وہ ان کے پاس نہیں آتا ہے، جلد ہی ان کے شوہر آ گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول یہ جھوٹی ہے، میں اس کے پاس جاتا ہوں، لیکن وہ اپنے پہلے شوہر کے پاس لوٹ جانا چاہتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: ایسا نہیں ہوگا تا آنکہ تم اس کا مزہ چکھ لو۔“

امام احمد نے اسی سند سے بیثم کے طریق سے نقل کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں، مگر اس میں واقعہ کے وقت عبید اللہ بن النضرؓ کے حاضر ہونے کی صراحت نہیں ہے۔ ❷ بیثمی نے اس کو عبید اللہ و فضل بن عباسؓ سے مختصراً مجمع الزوائد ❸ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ ❹ امام ذہبی مذکورہ حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مرسل ہے۔ ❺

ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ، عطاء، ابن سیرین اور سلیمان بن یسار وغیرہ نے حدیثوں کو روایت کیا ہے، وہ امیر، شریف، سخی اور لوگوں کے نزدیک لائق تعریف تھے۔ ❻

الف: رسول اللہ ﷺ عباسؓ کے لڑکوں عبد اللہ، عبید اللہ اور کثیرؓ کو ایک قطار میں کھڑا کرتے تھے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصِفُ عَبْدَ اللَّهِ وَعَبِيدَ اللَّهِ وَكَثِيرًا ابْنَيْ الْعَبَّاسِ ثُمَّ يَقُولُ: مَنْ سَبَقَ إِلَيَّ فَلَهُ كَذَا فَيَسْتَبِقُونَ إِلَيْهِ فَيَقْعُونَ عَلَى ظَهْرِهِ وَصَدْرِهِ فَيَقْبِلُهُمْ وَيَلْزِمُهُمْ.)) ❶

❶ سنن النسائي ۱/۱۴۸، اور مطبوع نسخے میں محرف ہو کر عبد اللہ ہو گیا ہے۔

❷ مسند أحمد ۱/۲۱۴

❸ مجمع الزوائد ۴/۳۴۰، رواہ ابو یعلیٰ، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

❹ سیر أعلام النبلاء ۳/۵۱۳

❺ سیر أعلام النبلاء ۳/۵۱۳

❻ سیر أعلام النبلاء ۳/۵۱۳

❼ مسند أحمد ۱/۴۵۹ حدیث نمبر ۱۸۳۶

”عبداللہ بن حارث سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹوں عبداللہ، عبید اللہ اور کثیر رضی اللہ عنہم کو قطار میں کھڑا کر کے کہتے: جو دوڑ کر سب سے پہلے مجھ تک پہنچے گا اسے انعام ملے گا، چنانچہ وہ سب دوڑ لگاتے، اور آپ کی پیٹھ اور سینے پر گر پڑتے آپ انھیں بوسہ دیتے اور چمٹا لیتے۔“

ب:.....عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک عبید اللہ رضی اللہ عنہ، قثم رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب تھے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اور عباس رضی اللہ عنہما کے دو بیٹے قثم اور عبید اللہ رضی اللہ عنہما بچے تھے، کھیل رہے تھے، نبی کریم ﷺ سواری پر سوار ہو کر پہنچے اور کہا: اسے مجھے اٹھا دو، چنانچہ آپ نے مجھے اپنے سامنے سوار کر لیا، اور قثم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا: اسے مجھے اٹھا دو، چنانچہ انھیں اپنے پیچھے سوار کر لیا، حالانکہ عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک عبید اللہ رضی اللہ عنہ قثم رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب تھے، آپ نے چچا کی پروا نہ کرتے ہوئے عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر قثم رضی اللہ عنہ کو سوار کر لیا۔ ❶

۳۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا انھیں (عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو) یمن کا گورنر بنانا:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنایا، انھیں امیر الحج مقرر کیا، چنانچہ ۳۶ھ و ۳۷ھ میں لوگوں نے آپ کی امارت میں فریضہ حج ادا کیا، ۳۸ھ میں بھی انھیں امیر الحج بنا کر بھیجا، اور اسی سال معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن شمرہ الرہاوی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا، دونوں کی ملاقات ہوئی، دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے سے مطالبہ تھا کہ وہ تابع ہو جائیں، لیکن دونوں نے اس بات کو نہ مانا، ان کے مابین اس پر مصالحت ہوئی کہ حج کے موقع پر لوگوں کو شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں، اس خبر سے متعلق سیرت نگاروں کے مابین اختلاف ہے، بعض لوگوں کے نزدیک اس خبر کا تعلق قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے۔

خليفة کا قول ہے: ۴۰ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ابی ارطاة عامری رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا، جب کہ وہاں کے گورنر عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے اور علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک باقی رہے۔ ❷

۴۔ بسر بن ابی ارطاة رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے دولٹروں کے قتل کی حقیقت:

بعض تاریخی کتابوں میں ذکر آتا ہے کہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دولٹروں عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ کو یمن میں بسر بن ابی ارطاة رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، نیز علی رضی اللہ عنہ کے بعض دوسرے مؤیدین کو بھی قتل کیا، پھر شام لوٹ گئے، اس سے پہلے امیر المومنین نے جاریہ بن قدامہ سعدی کو بھیجا تھا، چنانچہ انھوں نے بھی بسر رضی اللہ عنہ کی طرح یمن

❶ تاریخ دمشق ۳۹/۳۵۳، الطبقات، بتحقيق السلمي، ۲/ ۱۱۴ اس کی سند حسن ہے۔

❷ الاستيعاب ۳/ ۱۰۰۹

میں عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض محبین کو قتل کر دیا تھا۔ ❶

ابن کثیر کا قول ہے:

”سیرت نگاروں کے یہاں یہ خبر مشہور ہے، لیکن میرے نزدیک اس کی صحت مشکوک ہے۔“ ❷

بلاشبہ اس مرحلے میں حتیٰ کہ بصرہ و صفین کے دنوں میں جب کہ طرفین کے مابین جنگ جاری تھی، بے گناہوں کا قتل نہیں ہوا، تو امن کے مرحلے میں بچوں اور بے گناہوں کا قتل کیسے ہو سکتا ہے، بنا بریں مسلمانوں کے دین، اخلاق اور معاملات کے خلاف یہ معاملات قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ ❸

اسی طرح دو بچوں کے بسر بن ابی ارطاة رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کی روایت کو ابن سعد نے واقدی کے طریق سے ذکر کیا ہے، جب کہ وہ متروک ہے، اور اسے طبری نے بھی اپنی تاریخ میں آنے والی سند سے ذکر کیا ہے۔ ❹ زیادہ بکائی سے مروی ہے وہ عوانہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا..... یہ سند منقطع ہے، ساتھ ہی ساتھ عوانہ بن حکم اخباری متکلم فیہ ہیں۔ ❺

ابن عبد البر نے الاستیعاب ❻ میں عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لڑکے کو بسر بن ابی ارطاة رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کا واقعہ ہشام کلبی کے طریق سے ذکر کیا ہے، وہ ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں، جب کہ وہ دونوں متروک ہیں۔ ❼ شیعیت میں ہشام بن محمد بن سائب کلبی کے غلو پر سب کا اتفاق ہے، امام احمد کا قول ہے:

”اس سے کوئی حدیث بیان کرتا ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اس سے حدیث بیان کرتا ہو۔“

دار قطنی کا قول ہے:

”وہ متروک ہے۔“ ❽

ابن حبان کا قول ہے:

”وہ شیعیت میں غلو پسند تھا۔“ ❾

ابن عساکر کا قول ہے:

”وہ رافضی اور غیر ثقہ ہے۔“ ❿

❶ تاریخ الطبری ۵۵ / ۶

❷ البداية والنهاية ۳۳۴ / ۷

❸ الإنصاف د. حامد ص ۵۷۵

❹ تاریخ الطبری ۱۳۹ / ۵، الطبقات بتحقیق السلمي ۲۱۳ / ۱

❺ الطبقات بتحقیق السلمي ۲۱۳ / ۱

❻ الاستیعاب ۸۹ / ۱

❼ الطبقات بتحقیق السلمي ۲۱۳ / ۱

❽ المجروحین لابن حبان ۹۱ / ۳، تذکرة الحفاظ ۳۴۳ / ۱

❾ المجروحین ۹۱ / ۳

❿ تذکرة الحفاظ ۳۴۳ / ۱

امام ذہبی کا قول ہے:

”وہ رافضی نسب گو ہے۔“^①

ابو جعفر لوط بن یحییٰ:

”اس کے بارے میں ابن عدی کا قول ہے: وہ سخت قسم کا شیعہ اور ان کی خبروں کو بیان کرنے والا ہے۔“^②

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کو شیعوں میں شمار کیا ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے:

”وہ متروک اور کذاب ہے۔“^③

یمن اور حجاز میں علی بنی النبیؓ کے مؤیدین کو بسر بنی النبیؓ کے قتل کرنے کا واقعہ ثقہ مورخ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ^④ اور طبقات^⑤ میں ذکر نہیں کیا ہے، البتہ انھوں نے معاویہ بنی النبیؓ کی جانب سے انھیں یمن اور حجاز پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجنے کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح امام بخاری نے التاریخ الکبیر^⑥ اور حاکم نے المستدرک^⑦ میں کیا ہے۔

اس طرح کسی بھی حال میں یمن میں عبید اللہ بنی النبیؓ کے دو لڑکوں کو بسر بن ابی ارقطہ بنی النبیؓ کا قتل کرنا صحیح نہیں ہے، اہل شام کا خیال ہے کہ بسر بن ابی ارقطہ بنی النبیؓ نے نبی کریم ﷺ سے حدیثوں کو سنا ہے، اور وہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جنھیں عمر بن خطاب بنی النبیؓ نے مصر کو فتح کرنے میں عمرو بن عاص بنی النبیؓ کی مدد کے لیے بھیجا تھا، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض مورخین نے کہا: وہ چار تھے، زبیر، عمیر بن وہب، خارجہ بن حذافہ اور بسر بن ابی ارقطہ بنی النبیؓ۔ اکثر مورخین کا قول ہے کہ وہ زبیر، مقداد، عمیر بن وہب اور خارجہ بن حذافہ بنی النبیؓ تھے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔^⑧

پہلی حدیث: بسر بن ابی ارقطہ بنی النبیؓ نے نبی کریم ﷺ سے دو حدیثیں روایت کی ہیں:

((لَا تُقَطَّعُ الْأَيْدِي فِي الْمَغَازِي))^⑨

① سیر أعلام النبلاء ۱۰۲/۱۰

② الکامل فی ضعفاء الرجال ۶/۲۱۱۰

③ منهاج السنة ۵/۸۲

④ تاریخ خلیفہ ص ۱۹۸

⑤ طبقات ابن خیاط ص ۲۷

⑥ التاریخ الکبیر للبخاری ۲/۱۲۳

⑦ المستدرک ۳/۵۹۱

⑧ الاستیعاب ۱/۸۸

⑨ مسند أحمد ۴/۱۸۱، حدیث صحیح ہے۔

”جنگوں میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔“

دوسری حدیث دعا کے سلسلے میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَاجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ
الْآخِرَةِ.)) ❶

”اے اللہ! تمام کاموں میں ہمارا انجام ٹھیک کر دے، اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں بچالے۔“

غیر جانبدارانہ بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بسر بن ابی اریطہ رضی اللہ عنہ عامری کے ہاتھوں عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دولڑکوں کا قتل ثابت نہیں ہے۔ کتب تاریخ و ادب میں موجود دونوں بچوں کی والدہ عائشہ بنت عبد اللہ کی جانب منسوب درج ذیل اشعار بے بنیاد اور بے اصل ہیں:

ها من أحسن بابني اللذين هما

كالدرتين تشظي عنهما الصدف

”کون ہے جس نے سیپ سے نکلے دو موتیوں کے مانند میرے دونوں بچوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔“

ها من أحسن بابني اللذين هما

سمعي وعقلي، فقلبي اليوم مختطف

”کون ہے جس نے میرے ان دونوں بچوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جو میرے کان اور میری عقل تھے، آج میرا دل چھین لیا گیا ہے۔“

حدثت بسرا وما صدقت ما زعموا

من ميلهم ومن الاثم الذي اقترفوا

”مجھے خبر ملی ہے کہ بسر نے (جب کہ میں لوگوں کی اس تہمت کی تصدیق نہیں کرتی کہ وہ بھٹک گئے تھے اور جرم کا ارتکاب کیا تھا)“

أنحى على ودجى ابني مرهفة

مشحونة، وكذاك الاثم يقترب

”میرے بچوں کی شررگ پر تیز اور دھار دار تلوار سے حملہ کر کے قتل کیا، اور گناہ کا ارتکاب ایسے ہی

❶ مسند احمد ۴/ ۱۸۱، اس کی سند حسن ہے۔

کیا جاتا ہے۔“

لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھی تھیں، چنانچہ ایام حج میں جا بجا کھڑی ہو کر ان اشعار کو پڑھتی تھیں اور ماری ماری پھرتی تھیں۔^①

اسی طرح عبید اللہ بن عباسؓ کی جانب منسوب اشعار بے بنیاد ہیں، مورخین نے ذکر کیا ہے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے زمانے میں آئے، تھوڑی گفتگو کے بعد عبید اللہ بن عباسؓ کہنے لگے:

يابن صخر و ابن حرب تبين
من تقيسون بعبد المطلب
“اے صخر و حرب کے بیٹے سوچو کس کو عبد المطلب کے برابر کر رہے ہو؟“
من اذا رأت قریش وجهه
عظموا المرء و خروا للركب
”جیسے قریش کے لوگ دیکھ کر گھٹنوں کے بل ہو کر تعظیم کرتے ہیں۔“

صاحب الفيل و ساقی زمزم
ثمت الفدية رأس في العرب
”جو صاحب فیل، صاحب زمزم، صاحب فدیہ اور عربوں کا سردار ہے۔“
و هدی آخرنا و آخرکم
فيه الملك لكم أجرى الحقب
”ہمارا اور تمہارا رہبر ہے، ایک زمانے تک تمہارا حکمران رہا۔“

إن بسر ا قتل ابني و ما
بین بسر و بنی فہر نسب
”بسر نے میرے دو بیٹوں کو قتل کر دیا، بسر اور بنو فہر کے مابین کوئی خاندانی رشتہ نہیں۔“

فأقتل العبد بفرخی هاشم
إن هذا من بواء العجب

”کیا میں بنو ہاشم کے دو بچوں کے بدلے اس کو قتل کر دوں گا، بلاشبہ یہ تعجب خیز بدلہ ہوگا؟“

أجعل الفضة فينا ذهباً

ونضار القوم فينا كالغرب

”کیا میں کسی چاندی کو اپنے سونے اور اپنے خالص سونے کو عام سونے کے برابر مان لوں گا؟“

لا يقر العين إلا قتل من

سبب القتل وللقتل سبب

”قتل میں جن کا بھی ہاتھ تھا، ان سب کو قتل کرنے سے آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی اور قتل میں لوگوں کا ہاتھ ہوا کرتا ہے۔“

ذاك ما ذاك ابن حرب إنه

قطب الشر وللشر قطب ❶

”وہ ابن حرب ہی نہیں، بلاشبہ وہ جنگ کا محور ہے، اور جنگ کا محور ہوتا ہے۔“

لوگوں کا خیال ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشعار میں ان اشعار کا جواب دیا، جن میں سے بعض اشعار یہ ہیں:

إن بسرا قتل ابنك على

غير جرم قاطعاً منك النسب

”بلاشبہ بسر نے تمہارے دو لڑکوں کو بغیر جرم اور تعلقات کو ختم کرتے ہوئے قتل کر دیا۔“

أنزل الله ببسر بأسه

وعلى بسر من الله الغضب

”اللہ تعالیٰ بسر کو سزا دے اور بسر پر اللہ کا غضب نازل ہو۔“

أضرب العبد على يافوخه

ضربة تذهب منه ما ذهب

”میں اس شخص کی پیشانی پر تلوار کا ایسا وار کروں گا جو اس کا کام تمام کر دے جس طرح“

في مقيل الدهر من ضعف به

ليس هذا من منافع بعجب ❷

”اس نے زمانہ گزشتہ میں کمزوروں کا کام تمام کیا ہے، یہ قیلیلہ منافع سے بعید چیز نہیں۔“

❶ تاریخ دمشق ۳۹/۳۵۴، ۳۵۵

❷ تاریخ دمشق ۳۹/۳۵۵

۵۔ عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا قول:

((وَاللّٰهُ لَهُوَ اَسْحٰى مِنَّا وَاَجْوَدُ وَاِنَّمَا اَعْطَيْنَاهُ بَعْضَ مَا نَمْلِكُ وَجَادَ هُوَ عَلَيْنَا وَآثَرْنَا عَلٰى مُهْجَةِ نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ))^۱

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک سفر پر نکلے، آپ کے ساتھ آپ کا ایک غلام تھا، راستے میں ایک بدوی کا گھر پڑا، اپنے غلام سے کہا: اگر کوئی میزبان ہوتا تو ہم اس کے گھر ٹھہر جاتے اور یہیں رات گزارتے، یہ کہہ کر جانے لگے، آپ خوب صورت اور بلند آواز تھے، بدوی نے جب آپ کو دیکھا تو عظیم سمجھتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا: ایک شریف آدمی ہمارا مہمان ہے، کیا شام کے کھانے کے لیے کچھ ہے؟ کہا: اس بکری کے علاوہ کچھ نہیں جس کے دودھ سے تمھاری بچی کی زندگی ہے، کہا: ہر حال میں اسے ذبح کرنا ہے، کہا: کیا آپ اپنی بچی کو مار ڈالنا چاہتے ہیں؟ کہا: اگرچہ ایسا ہی ہو، پھر بکری اور چھری کو لے کر کہنے لگا:

یا جارتی لا توقظی البنية

إن توقظها تتحب عليه

”اے میری بیوی! بچی کو بیدار مت کر، اگر اسے بیدار کرے گی تو پھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔“

و تنزع الشفرة من يديه^۲

”اور میرے ہاتھوں سے چھری چھین لے گی۔“

پھر بکری کو ذبح کر دیا، کھانا تیار کر کے عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام کو کھلایا، عبید اللہ رضی اللہ عنہ بدوی اور اس کی بیوی کی گفتگو سن چکے تھے، صبح کو انھوں نے اپنے غلام سے کہا: کیا تمھارے پاس کچھ ہے؟ کہا: ہاں پانچ سودینار بچے ہوئے ہیں، کہا: اسے بدوی کو دے دو، کہا: سبحان اللہ! اس نے آپ کے لیے پانچ درہم کی بکری ذبح کی اور آپ اسے پانچ سودینا دیں گے؟ کہا: تیرا بھلا ہو:

((وَاللّٰهُ لَهُوَ اَسْحٰى مِنَّا وَاَجْوَدُ وَاِنَّمَا اَعْطَيْنَاهُ بَعْضَ مَا نَمْلِكُ وَجَادَ هُوَ عَلَيْنَا وَآثَرْنَا عَلٰى مُهْجَةِ نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ))

”اللہ کی قسم! وہ ہم سے زیادہ فیاض اور سخی ہے ہم نے اسے اپنی بعض چیزیں دی ہیں اور اس نے سخاوت کی ہے اور ہمیں اپنی اور اپنے بچوں کی جان پر ترجیح دی ہے۔“

اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو کہا: کتنا عجیب ہے عبید اللہ کا کام! ان کا خاندان کتنا اچھا ہے۔^۳

① أسد الغابة ۳/ ۵۴۳

② أسد الغابة ۳/ ۵۴۳

③ أسد الغابة ۳/ ۵۴۳

آپ کے دور خلافت کی اہم شخصیات

دوسری روایت میں ہے: عبید اللہ جو دو سوا کے معلم ہیں، وہ اللہ کی قسم ویسے ہی ہیں جیسا کہ حطینہ نے کہا ہے:

اولئك قوم إن بنوا احسنوا إلینا

وإن عاهدوا أوفوا وإن عقدوا شدوا

”وہ ایسے لوگ ہیں جو اعلیٰ قدروں کے معمار ہیں، عہد کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں، معاملہ کرتے

ہیں تو ان کا معاملہ مضبوط ہوتا ہے۔“

وإن كانت النعمی علیہم جزا بہ

وإن انعموا لا کدروها ولا کدوا ❶

”اپنے اوپر احسان کا بدلہ دیتے ہیں، جب وہ خود احسان کرتے ہیں تو احسان جتا کر نہ تو مکدر کرتے

ہیں اور نہ ہی دوسروں پر بوجھ لادتے ہیں۔“

۶۔ عبید اللہ بن جعفر، حسن بن علی اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے مابین موازنہ:

ابو الزناد کہتے ہیں، پوچھا گیا: تینوں میں کون زیادہ نخی ہیں، عبید اللہ بن جعفر، یا حسن بن علی یا عبید اللہ بن عباس؟ تو انھوں نے جواب دیا: زیادہ مقدار میں حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ دینے والا ہم نے نہیں دیکھا، اور زیادہ یا کم مقدار میں عبید اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے زیادہ دینے والا نہیں دیکھا، اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر سے جب بھی گزر ہوا تو تازہ کھانا دیکھا، اپنے مجزرہ میں ہر دن اونٹ ذبح کرتے تھے، اور یہی مجزرہ ابن عباس کی وجہ تسمیہ ہے، میں نے کہا: اونٹ کی قیمت پندرہ بیس دینار ہوگئی ہے تو عبید اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹتے ہوئے کہا: اس کی قیمت جوڑی نہیں جاتی، اللہ کی قسم میں اسے کبھی ترک نہیں کروں گا۔ ❷

۷۔ بلا اطلاع عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان آئے:

مدینہ کے ایک شخص نے عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تکلیف اور نقصان پہنچانا چاہا، چنانچہ وہ مدینہ کے بڑے لوگوں کے پاس گیا اور کہا کہ عبید اللہ نے تمھیں کھانے کی دعوت دی ہے، لوگ اتنی تعداد میں آئے کہ ان کا گھر بھر گیا جب کہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو کوئی خبر نہیں، انھوں نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ جواب ملا کہ آپ کی جانب سے ایک شخص نے جا کر کھانے کی دعوت دی ہے، آپ کو سازش کا پتہ چل گیا، چنانچہ آپ کے حکم سے دروازہ بند کر دیا گیا، بازار سے مختلف پھل مالٹا، شہد، کیلا وغیرہ منگا کر لوگوں کو اسی میں مشغول کر دیا، پھر کھانا پکانے کا حکم دیا اور جلدی کھانا تیار ہو گیا، ابھی پھلوں سے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ کھانا پیش کر دیا گیا، جب کھا چکے تو عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے

❶ تاریخ دمشق ۳۶۰/۲۹

❷ تاریخ دمشق ۳۵۷/۳۹، الطبقات ۲/۲۳، اس کی سند ضعیف ہے۔

کہا: کیا جب بھی میں چاہوں تو ایسا ہوگا؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: جو بھی میرے پاس آئے مجھے اس کی پروا نہیں۔^①

۸۔ ایک مصیبت زدہ عورت:

ایک دفعہ قحط سالی والے سال ایک عورت بھرہ آئی، اس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے، سال بھی نہیں گزرا کہ ان کا انتقال ہو گیا، اور اس نے ان دونوں کو دفن کر دیا اور دونوں کی قبر کے درمیان بیٹھ کر کہنے لگی:

فللّٰہ عینای اللذان نراہما

قربیین منی و المزار بعید

”اللہ کی قسم میرے انھی دونوں نور نظر نے جن کو ہم اپنے سے قریب دیکھتے ہیں جب کہ گھر دور ہے۔“

ہما ترکا عینی لا ماء فیہا

و شکا سواد القلب فہو عمید

”میری دونوں آنکھوں کا آنسو خشک کر دیا، اور دل کو بہت تکلیف پہنچائی ہے چنانچہ وہ بہت رنجیدہ ہے۔“

مقیمان بالیداء لا یرحانہا

و لا یسألان الرکب أین یرید

”یہ دونوں چٹیل میدان میں پڑے ہیں آنے والے قافلوں سے پوچھ بھی نہیں سکتے کہ کہاں جا رہے ہو۔“

اس کو بتایا گیا کہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر اپنی پریشانی بیان کرو، چنانچہ وہ آپ کے پاس پہنچی اور کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی! نہ تو میں کسی رشتہ دار کے پاس ہوں جو میری حفاظت کرے، اور نہ ہی قبیلے کے پاس جو مجھے پناہ دے، میں ایسے شخص کا پتہ چلا رہی تھی جس سے توقع قائم کی جاسکے، جس کے عطیہ کی امید کی جاسکے، جو مانگنے والے کو دیتا ہو، چنانچہ آپ کی جانب میری رہنمائی کی گئی، اس لیے میرے لیے تین میں سے کوئی ایک کام کر دیجیے، یا تو میری پریشانی ختم کر دیں، یا اچھا عطیہ دیں، یا مجھے میرے اہل و عیال تک پہنچا دیں، عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہاری تینوں خواہشیں پوری کی جائیں گی۔^②

① تاریخ دمشق ۳۹/۲۵۷

② تاریخ دمشق ۳۹/۳۵۸

۹۔ عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں خوبصورتی، تفقہ اور جود و سخا:

ابوالعباس احمد طبری مکی نے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے تراجم پر مشتمل اپنی کتاب ”ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی“ میں ذکر کیا ہے:

”کہا جاتا تھا کہ جسے خوبصورتی، تفقہ اور جود و سخا یکجا چاہیے وہ عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں چلا جائے، خوب صورتی فضل رضی اللہ عنہ کے پاس، تفقہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس اور سخاوت و فیاضی عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔“ ①

۱۰۔ دنیا و آخرت کی بھلائی عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں:

ایک بدوی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں داخل ہوا، اس کے ایک کنارے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے جو ہر سوال کا جواب دیتے تھے، اور دوسری طرف عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے جو ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے تھے، چنانچہ بدوی نے کہا: جسے دنیا و آخرت کی بھلائی یکجا چاہیے وہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں آئے، یہ فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو شریعت کے احکام سے آگاہ کرتے ہیں اور یہ کھانا کھلاتے ہیں۔ ②

مصعب بن عبداللہ سے مروی ہے کہتے ہیں بعض اہل علم کا قول ہے: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما لوگوں کو خوش دلی کے ساتھ علم دیتے تھے، اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ انھیں فراخی کے ساتھ کھانا دیتے تھے ③ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ (آخرت کی) تجارت کرتے تھے۔ ④

۱۱۔ حکیم المعضلات (مشکلات کو حکمت و دانائی سے حل کرنے والے) تیار الفرات (دریائے فرات کا دھارا):

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا لقب حکیم المعضلات (مشکلات کو حکمت و دانائی سے حل کرنے والے) اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا لقب تیار الفرات (دریائے فرات کا دھارا) تھا، یہ ہر دن کھانا کھلاتے تھے، چنانچہ ان سے ان کے والد نے کہا: اے میرے لاڈلے! کیا بات ہے تم دوپہر کا کھانا کھلاتے ہو اور شام کا کھانا نہیں کھلاتے؟ جب دوپہر کا کھانا کھلاتے ہو تو شام کا بھی کھلاؤ، چنانچہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے کہا: صبح کو بھی اونٹ ذبح کرو، اور شام کو بھی۔ ⑤

② تاریخ دمشق ۳۹/۳۵۶

① ذخائر العقبیٰ ص ۳۹۴

④ الإصابة ۴/۳۳۱

③ تاریخ دمشق ۳۹/۳۵۶

⑤ تاریخ دمشق ۳۹/۳۵۶، الإصابة ۴/۳۳۱

۱۲۔ ان کی سخاوت و فیاضی سے متعلق اشعار:

معاویہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ قریش کو سخاوت و فیاضی سکھائی ہے، وہ عربوں میں سب سے زیادہ بخشنے والے تھے، ان کے بارے میں قریش کے ایک شاعر نے کہا:

و علمها عبید اللہ مالہ

تکون تأتہا من شیم الکرام

”عبید اللہ نے قریش کو اچھے لوگوں کے وہ اعلیٰ اخلاق سکھائے جو ان میں نہیں پائے جاتے تھے۔“

وورثہا مکارم ثابتات

نفی عنہا بہالوم اللہام

”ان میں وہ ٹھوس مکارم اخلاق پیدا کیے، جن کے ذریعہ سے ملامت گروں کی ملامت کو ختم کر دیا۔“

وصیہ ہاشم و بنی أبیہ

قصی، و الہمام بن الہمام ❶

”وہ ہاشم و قصی کے جانشین اور بہادر و بخشنے والے باپ کے بہادر و بخشنے والے بیٹے تھے۔“

۱۳۔ یوم عرفہ کو ان کا روزہ رکھنا:

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو عرفہ کے دن کھانے کی دعوت دی، انھوں نے کہا: میں روزے سے ہوں، کہا: تم ائمہ میں سے ہو جن کی اقتدا کی جاتی ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو آج ہی کے دن دیکھا کہ آپ نے دودھ منگا کر پیا۔ ❷

۱۴۔ آپ کا طلب علم:

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ علم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ جواب دیا: شیطا ہونے کی صورت میں علم میری لذت ہے، اور مغنوم ہونے کی حالت میں میری دلجوئی ہے۔ ❸

۱۵۔ ایک بوڑھی عورت اور اس کے تین بچوں کے ساتھ آپ کا احسان:

عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک صاحب اولاد بوڑھی عورت کے پاس پہنچے، اس نے ان کی عزت اور اچھی میزبانی کی، عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ احسان کرنا چاہا، جب وہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے تو انھیں اپنے قریب کر کے کہا: میں تمھارے اور تمھاری ماں کے پاس کسی ناپسندیدہ چیز کے لیے نہیں آیا

❶ تاریخ دمشق ۳۵۵/۳۹، الإصابۃ ۳۳۱/۴، اس کی سند صحیح ہے۔

❷ الإصابۃ ۳۳۲/۴، تاریخ دمشق، ۳۶۴/۳۹

ہوں، انھوں نے کہا: پھر کس لیے؟ کہا: میں چاہتا ہوں کہ تمہارا معاملہ ٹھیک کروں اور تمہاری پراگندہ حالی دور کروں، انھوں نے کہا: ایسا سلوک یا تو مانگنے پر ہوتا ہے یا کسی پرانے کام کے بدلہ میں، جواب دیا: دونوں میں سے کوئی سبب نہیں، بلکہ رات میں تمہارے ساتھ رہا، دل میں خیال آیا کہ میں اپنا کچھ مال اللہ کے محبوب کاموں میں خرچ کروں، ان لوگوں نے کہا: ہمیں دینا اللہ کے محبوب کاموں میں سے نہیں ہے اگر ہم خوش حال ہوں اور ضرورت بھر روزی مل جاتی ہو، اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو جو اس کے مستحق ہوں انھیں دیں، اور اگر بغیر مانگے آپ عطیہ اور ہدیہ دینا چاہتے ہیں تو آپ کے اس احسان کا شکریہ، اور آپ کی بھلائی قابل قبول ہے، چنانچہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے انھیں دس ہزار درہم اور بیس اونٹ دینے کا حکم دیا، اور ان کا بار دوسرے فخریوں اور جانوروں کی جانب منتقل کر دیا گیا، نیز فرمایا: میرے خیال میں عرب و عجم میں اس ضعیفہ اور ان نوجوانوں کی طرح کوئی نہیں، ضعیفہ نے نوجوانوں سے کہا: تم میں سے ہر ایک اس معزز شخص کے بارے میں شعر کہے، چنانچہ بڑے لڑکے نے کہا:

شہدت عليك بطيب الكلام

و طيب الفعال و طيب الخبر

”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کی گفتگو اچھی، آپ کے کارنامے اچھے اور آپ کے بارے میں خبر اچھی

ہے۔“

اور پھلے لڑکے نے کہا:

تبرعت بالجود قبل السؤال

فعال كريم عظيم الخطر

”مانگنے سے پہلے آپ نے فیاضی کی ہے یہ ایک اہم اور شریف شخص کا کام ہوتا ہے۔“

اور چھوٹے لڑکے نے کہا:

و حق لمن كان ذا فعله

بان يشرق رقاب البشر

”جس کا یہ کارنامہ ہوا ہے حق ہے کہ لوگوں کو اپنا غلام بنالے۔“

اور بوڑھی عورت نے کہا:

فعمرك الله من ماجد

و وقت سوء الردى و الحذر ❶

”تجھ جیسے شریف کی اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے، بری موت اور برا زوال تجھ سے دور رہے۔“

۱۲۔ آپ کی وفات:

آپ کی وفات کے سال سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بخاری ❶ اور فوسوی ❷ نے کہا کہ آپ کی وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ ❸ خلیفہ بن خیاط ❹ وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ ❺ ابو عبید اور ابوحسان زبیدی کا قول ہے کہ آپ کی وفات ۸۷ھ میں ہوئی۔ ❻ ایک قول کے مطابق آپ کی وفات یزید کے زمانہ میں ہوئی اور یہی اکثر لوگوں کا قول ہے۔ آپ کی موت مدینہ میں ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق یمن میں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ❿

عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے بھائیوں کی وفات میں ہمارے لیے عبرت اور زندہ دل لوگوں کے لیے نصیحت ہے، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ طائف میں دفن ہوئے، معبد رضی اللہ عنہ افریقہ میں شہید کیے گئے، قثم رضی اللہ عنہ سمرقند میں ❶ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں دفن کیے گئے جب کہ وہ سب حقیقی بھائی تھے۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَمَا تَذَرُنِي نَفْسٌ مَّا ذَا تَأْكُلُ عَذَابٌ وَمَا تَذَرُنِي نَفْسٌ يَأْبَىٰ أَرْضُ تَمُوتُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان: ۳۴)

”اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا، نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے۔“

حالات:..... عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ:

آپ سردار عالم، ابو جعفر، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم، قرشی، ہاشمی ہیں۔ آپ کی ولادت حبشہ میں ہوئی، سکونت مدینہ میں رہی، آپ نخی ابن نخی ہیں۔ آپ کا لقب ذوالجناحین ہے۔ ❶

❶ البخاری فی تاریخہ الصغیر ص ۷۳

❷ المعرفة و التاريخ ۳/ ۳۲۲

❸ تاریخ الإسلام، حوادث سنة ۸۱-۱۰۰ھ ص ۱۴۷.

❹ فی تاریخہ ص ۲۲۵

❺ تاریخ الإسلام حوادث سنة ۸۱-۱۰۰ھ ص ۱۴۷

❻ تاریخ الإسلام حوادث ۸۱-۱۰۰ھ ص ۱۴۷

❿ أسد الغابة ۳/ ۵۴۴

❶ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳۵۰

❷ سير أعلام النبلاء ۳/ ۴۵۶

آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں جو میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی اخیانی بہن ہیں، ان کے بطن سے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما جشہ میں پیدا ہوئے، آپ کی ولادت ان کی مسلم اولاد میں سب سے پہلے ہوئی۔ ❶ وہیں آپ کے بطن سے محمد و عون پیدا ہوئے۔ ❷ اسماء رضی اللہ عنہا کے بطن سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے چند دنوں بعد نجاشی کے ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ چنانچہ جعفر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ نے اپنے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے؟ جواب دیا: عبداللہ۔ چنانچہ نجاشی نے بھی اپنے بیٹے کا نام عبداللہ رکھا۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہ اسے لے کر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دودھ پلانے لگیں، اور دونوں کا ایک ساتھ دودھ چھڑایا، بنا بریں ان کے نزدیک آپ بڑی قدر و منزلت کی مستحق ہو گئیں چنانچہ جو حبشی بھی اسلام لاتا وہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر حبشیوں کے حالات سے آگاہ کرتا۔ ❸ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کے بعد اسماء رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی۔ انھی کے بطن سے محمد بن ابوبکر کی ولادت ہوئی، اس کے بعد ان سے علی رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو ان کے بطن سے یحییٰ پیدا ہوئے۔ ❹ اس طرح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما، محمد بن ابوبکر صدیق اور یحییٰ بن علی ابن ابی طالب کے اخیانی بھائی تھے۔ ❺ بنو ہاشم کے سب سے آخری فرد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما تھے جنہیں نبی کریم ﷺ کی رویت نصیب ہوئی تھی۔ ❻

۱۔ آپ کی اولاد اور بیویاں:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پچیس بچے تھے:

(۱)..... جعفر اکبر (انھی سے آپ کی کنیت ابو جعفر تھی، ان کی والدہ امیہ تھیں، جن کی کنیت ام عمرو بنت خراش

ہمسیہ تھی) ❶

(۲)..... محمد

(۳)..... عباس

(۴)..... ام کلثوم (ان سب کی ماں زینب بنت علی بن ابی طالب تھیں، اور زینب کی ماں فاطمہ بنت رسول

اللہ ﷺ تھیں) ❷

❶ الإصابۃ ۴/ ۳۶ ❷ الطبقات بتحقیق السلمی ۲/ ۷

❸ الإصابۃ ۴/ ۳۷ ❹ الطبقات ۲/ ۷

❺ أسد الغابۃ ۳/ ۱۹۹ ❻ البدایۃ والنہایۃ ۱۲/ ۳۰۰

❼ الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۲/ ۶

❽ الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۲/ ۶

(۵)..... حسین

(۶)..... عون

(۷)..... عون اصغر (عون اصغر، حسین بن علی کے ساتھ قتل کر دیے گئے، ان کا کوئی جانشین نہیں رہا، ❶ اور دونوں کی ماں حسانہ بنت مسیب بن نجہ بن ربیعہ بن عوف بنوفزارہ میں سے تھیں۔) ❷

(۸)..... ابو بکر

(۹)..... عبید اللہ

(۱۰)..... محمد (ان سب کی ماں خواصاء بنت خصفہ بنت ثقیف بن عابد بن عدی بن حارث بن تیم اللہ بن

ثعلبہ بن بکر بن وائل تھیں) ❸

(۱۱)..... صالح

(۱۲)..... یحییٰ

(۱۳)..... ہارون

(۱۴)..... موسیٰ (ان میں سے کسی کا بھی کوئی جانشین نہ رہا)

(۱۵)..... جعفر

(۱۶)..... ام ایہا

(۱۷)..... ام محمد (ان سب کی ماں لیلیٰ بنت مسعود بن خالد تھیں)

(۱۸)..... حمید

(۱۹)..... حسن (ان دونوں کی ماں ام ولد تھیں)

(۲۰)..... جعفر

(۲۱)..... ابوسعید (ان دونوں کی ماں ام الحسن بنت کعب بن عبد اللہ بن ابو بکر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر

بن صعصعہ تھیں) ❹

(۲۲)..... معاویہ

(۲۳)..... اسحاق

❶ الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۶/۲

❷ الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۶/۲

❸ الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۶/۲

❹ الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۶/۲

(۲۴)..... قسم (ان کا کوئی جانشین نہیں رہا)

(۲۵)..... ام عون (ان سب کی ماں مختلف ام ولد تھیں) ❶

۲۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اپنے خاندان سمیت حبشہ سے مدینہ آنا:

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے فتح خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس (حبشہ سے واپس) آئے، آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اسماء اور بچے عبداللہ، عون اور محمد رضی اللہ عنہم تھے، ان کے آنے پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے، آپ ﷺ نے انھیں نجاشی کے پاس سے لانے کے لیے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، چنانچہ وہ انھیں دو کشتیوں میں لے کر چلے، آپ کے پاس فتح خیبر کے دن پہنچے، جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلے کے دوسرے لوگ بھی آئے، چنانچہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم یمن میں تھے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کی خبر ملی، آپ کی جانب ہجرت کرتے ہوئے میں اور میرے دو بھائی نکلے، میں سب سے چھوٹا تھا، ان دونوں میں سے ایک ابو بردہ تھے، دوسرے ابوہریرہ، ہم اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کے ساتھ نکلے، ہم سب کی تعداد تیرہ یا باون تھی، ہم کشتی میں سوار ہوئے، کشتی نے ہمیں حبشہ کے نجاشی کے پاس پہنچا دیا، چنانچہ ہم جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، ہم سب نے وہیں قیام کیا، پھر فتح خیبر کے وقت ہم سب نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ ❷

۳۔ اے کشتی والو تمھاری دو ہجرتیں ہیں:

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لوگ ہم سے کہتے تھے کہ ہم ہجرت میں تم پر سبقت لے گئے، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئیں، وہ نجاشی کی جانب ہجرت کرنے والی تھیں، عمر رضی اللہ عنہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے جب کہ اسماء رضی اللہ عنہا ان کے پاس تھیں، اسماء رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر پوچھا، یہ کون ہیں؟ جواب دیا: عمیس کی بیٹی اسماء ہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہی حبشہ کی جانب سمندری راستے سے ہجرت کرنے والی ہیں؟ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ہجرت میں تم لوگوں پر سبقت لے گئے، اس لیے ہم رسول اللہ ﷺ کے تم سے زیادہ حق دار ہیں، یہ سن کر وہ ناراض ہو گئیں اور کہا: اللہ کی قسم ہرگز نہیں، تم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے، آپ بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے، جاہل کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہم حبشہ کی دور دراز اور ناپسندیدہ سرزمین میں تھے، اللہ کی قسم میں کھاؤں اور پیوں گی نہیں تا آنکہ میں رسول اللہ ﷺ تک آپ کی بات پہنچا کر آپ سے پوچھ نہ لوں، اللہ کی قسم نہ تو میں جھوٹ بولوں گی نہ ہیرا پھیری کروں گی، نہ بات میں کچھ اضافہ

❶ الطبقات الكبرى بتحقيق السلمی ۶/۲

❷ صحيح البخاری كتاب المغازی حديث نمبر ۴۲۳۰، ۴۲۳۱، معين السيرة، ص ۲۵۳

کروں گی، چنانچہ جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آکر ایسی اور ایسی بات کہی، تو آپ نے فرمایا: وہ میرے تم سے زیادہ حقدار نہیں ہیں، ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور تم کشتی والوں کی دو ہجرتیں ہیں۔ ❶ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی والدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ پیغام مسرت ان کے وفد میں شریک تمام لوگوں تک جہاں بھی تھے پہنچا دیا، ❷ جیسا کہ وہ خود بیان کرتی ہیں: لوگ گردہ در گردہ میرے پاس آکر اس حدیث کے بارے میں پوچھتے تھے، ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے زیادہ خوش کرنے والی اور اس سے قیمتی کوئی چیز نہیں تھی، ❸ فتح خیبر میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اجازت لے کر آپ نے ان لوگوں کو مال غنیمت میں شریک کیا۔ ❹

۴۔ غزوہ موتہ میں جعفر بن عبداللہ ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت:

یحییٰ بن ابویعلیٰ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے، مجھے یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے میری والدہ کے پاس آکر والد کی شہادت کی خبر دی، میں آپ کی جانب دیکھ رہا تھا، آپ میرے اور میرے بھائی کے سر پر دستِ شفقت پھیر رہے تھے، آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں، داڑھی سے قطرے ٹپک رہے تھے، پھر فرمایا: اے اللہ! بلاشبہ جعفر اچھے بدلے کی جانب جا چکے، اس لیے ان کے بچوں کی بہترین دیکھ رکھی کر، پھر فرمایا: اے اسماء! کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں، کہا: کیوں نہیں؟ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جعفر کو دو بازو عطا کر دیے ہیں، جن سے وہ جنت میں اڑتے ہیں، یہ سن کر انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ لوگوں میں اس کا اعلان کر دیں، چنانچہ آپ ﷺ اٹھے، میرا ہاتھ پکڑا سر پر دستِ شفقت پھیرتے رہے، منبر پر چڑھ کر مجھے اپنے سامنے بیٹھایا، آپ پر غم کے آثار نمایاں تھے، گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: سن لو، بلاشبہ جعفر شہید ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بازو عطا کر دیے ہیں جن سے وہ جنت میں اڑتے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے، مجھے لے کر اپنے گھر میں گئے، میرے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ تیار کیا گیا، میرے بھائی کو بھی بلا بھیجا، ہم نے آپ کے پاس اچھا اور بابرکت کھانا کھایا، آپ کی خادمہ سلئی نے جو لے کر پیسے، پھر چھائی سے چھانا، پھر پکایا، میں اور میرے بھائی نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ ❶

❶ صحیح البخاری، کتاب المغازی حدیث نمبر ۴۲۳۱

❷ فقہ السیرۃ للغضبان ص ۵۳۵

❸ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۰۲، ۲۵۰۳

❹ الصراع مع اليهود لابن فارس ۹۶/۳

❺ الطبقات تحقیق السلمي ۸/۲، اس کی سند ضعیف ہے، اس کے بعض شواہد ہیں۔

۵۔ آج کے بعد میرے بھائی پر گریہ وزاری مت کرنا:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ انھیں جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین دن بعد خبر دے کر ان کے پاس آئے اور فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر گریہ وزاری مت کرنا، پھر فرمایا: میرے بھائی کے بچوں کو میرے پاس لاؤ، ہمیں لایا گیا جب کہ ہم چھوٹے تھے، آپ نے فرمایا: حجام کو بلاؤ، آپ نے حکم دیا، اس نے ہمارا سر مونڈا، پھر فرمایا: محمد تو ہمارے چچا ابوطالب جیسے ہیں، اور عبداللہ ساخت و اخلاق میں میرے مشابہ ہیں، پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا اور فرمایا: اے اللہ! جعفر کے بچوں کی دیکھ رکھ کر، اور عبداللہ کی تجارت میں برکت دے، کہتے ہیں پھر ہماری والدہ آئیں اور ہماری یتیمی کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا: تمہیں ان کے فقر و فاقہ کا خوف ہے جب کہ میں دنیا و آخرت میں ان کا ولی ہوں۔^①

۶۔ نبی کریم ﷺ کا انھیں اپنی سواری پر سوار کرنا:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب کسی سفر سے آتے تو اپنے گھرانے کے بچوں سے ملتے، کہتے ہیں: آپ ایک سفر سے تشریف لائے، چنانچہ مجھے آپ تک لے جایا گیا، آپ نے مجھے اپنے سامنے سوار کر لیا، کہتے ہیں، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں بیٹوں میں سے ایک (حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ) کو لایا گیا، آپ نے انھیں پیچھے سوار کر لیا، کہتے ہیں کہ ایک سواری پر ہم تین آدمی مدینہ میں داخل ہوئے۔^②

۷۔ نبی کریم ﷺ کا آپ کے لیے دعا کرنا:

عمر و بن حریث سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! عبداللہ کی تجارت میں برکت عطا فرما۔^③

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پر تین مرتبہ دست شفقت پھیرا اور ہر مرتبہ یہ دعا فرمائی: اے اللہ جعفر کے بچوں کی حفاظت فرما۔^④

۸۔ نبی کریم ﷺ کے لیے آپ کی بیعت:

ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ دونوں نے نبی کریم ﷺ سے بیعت کی جب کہ وہ سات سال کے تھے، رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں دیکھا تو ہنس

① مسند أحمد ۱/ ۲۴، اس کی سند قوی ہے۔

② صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۴۲۸

③ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۴۵۸، مجمع الزوائد ۹/ ۲۸۶، دونوں کے رجال ثقہ ہیں۔

④ مسند أحمد ۱/ ۲۰۴، اس کی سند قوی ہے۔

پڑے، اپنا ہاتھ پھیلا یا اور ان دونوں سے بیعت لی۔ ۱ صحیح بات یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔ ۲

۹۔ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کی خبر گیری:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا بات ہے، میرے بھائی کے بچے دبلے پتلے ہیں، کیا انھیں فقر و فاقہ لاحق ہے؟ کہا: نہیں، لیکن انھیں نظر بد جلد لگ جاتی ہے، کیا میں ان پر دعا پڑھ کر دم کر دیا کروں؟ پوچھا: کون سی دعا؟ چنانچہ انھوں نے آپ سے دعا ذکر کی، آپ نے فرمایا: پڑھ کر ان پر دم کر دیا کرو۔ ۳

۱۰۔ میری والدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے مجھے وہ قول سکھایا جسے رسول اللہ ﷺ نے انھیں مصیبت کے وقت کہنے کا حکم دیا تھا:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: مجھے میری والدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے وہ قول سکھایا جسے آپ ﷺ نے انھیں مصیبت کے وقت کہنے کا حکم دیا تھا:

((اللَّهُ اللَّهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا)) ۴

”اللہ، اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“

۱۱۔ رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کی شکایت:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیا، آپ نے چپکے سے مجھ سے ایک ایسی حدیث بیان کی جسے میں کبھی کسی سے بیان نہ کروں گا، رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے وقت پردے کے لیے کسی اونچی عمارت یا کھجور کے گھنے باغ کو پسند کرتے تھے، چنانچہ ایک دن آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے، اچانک ایک بیٹھے ہوئے اونٹ نے آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، رسول اللہ ﷺ جب اس کی پیٹھ اور کان پر ہاتھ پھیرنے لگے، تو وہ پرسکون ہو گیا، آپ نے پوچھا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ میرا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم اس جانور کے سلسلے میں اللہ سے نہیں ڈرتے، جس نے تمھیں اس کا مالک بنا دیا ہے، اس اونٹ

۱۔ المستدرک ۳/ ۵۶۶، ۵۶۷، اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ضعیف ہیں۔

۲۔ الإصابۃ ۴/ ۳۸

۳۔ الطبقات بتحقیق السلمی ۲/ ۱۸، اس کی سند ضعیف ہے۔

۴۔ الطبقات بتحقیق السلمی ۲/ ۱۱، اس کی سند ضعیف ہے۔

تھا۔ ❶ کہا جاتا ہے کہ ان کے زمانے میں مسلمانوں میں ان سے زیادہ سخی کوئی نہیں تھا، لوگوں کا خیال ہے: اسلام میں زیادہ سخاوت کرنے والے عرب دس تھے، اہل حجاز میں سب سے زیادہ سخی عبداللہ بن جعفر، عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ تھے، اور اہل کوفہ میں بنو رباح بن یربوع کے عتاب بن ورقاء، اسماء بن خارجہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ، بنو تميم اللہ بن ثعلبہ کے عکرمہ بن ربیع فیاض تھے، اہل بصرہ میں عمرو بن عبید بن معمر، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بن خلف خزاعی، بنو لیث کے طلحہ الطلحات اور عبید اللہ بن ابوبکرہ تھے، اہل شام میں خالد بن عبد اللہ بن خالد بن اسد بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس تھے، ان تمام لوگوں میں عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سخی کوئی نہیں تھا، جو دو سخا میں کوئی بھی مسلمان ان کے مرتبے کو نہیں پہنچتا تھا، اس پر ان کی سرزنش کی گئی تو کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک عادت کا عادی بنا دیا ہے اور میں نے لوگوں کو ایک عادت کا عادی بنا دیا ہے، مجھے خوف ہے کہ اگر لوگوں کے ساتھ اپنی عادت کو ختم کر دوں تو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عادت نہ ختم ہو جائے۔ ❷

علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے ہمیں جو دو سخا سکھایا ہے۔ ❸ یہ حسین رضی اللہ عنہ کو تواضع ہے، ورنہ وہ اور ان کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ جو دو سخا اور خرچ کرنے میں بہت آگے تھے، جو دو سخا میں عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے بعض واقعات درج ذیل ہیں:

۱۔ تمہیں دینے کے لیے ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن تم ابن جعفر کے پاس جاؤ:

تاریخ میں اس بات کا تذکرہ آتا ہے کہ ایک بدوی موسم حج میں مدینہ میں مروان کے پاس پہنچا، مانگا تو انھوں نے کہا: تمہیں دینے کے لیے ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن ابن جعفر کے پاس جاؤ، چنانچہ آپ کے پاس بدوی آیا تو سامان تجارت جاچکا تھا، دروازے پر ایک سواری تھی، جس پر اس کا ساز و سامان اور ایک تلوار تھی، بدوی یہ اشعار پڑھنے لگا:

أبو جعفر من أهل بيت نبوة

صلاتهم للمسلمين طهور

”ابو جعفر نبوی گھرانے کے ہیں، جن پر درود بھیجنا مسلمانوں کے لیے پاکیزگی ہے۔“

أبا جعفر ضمن الأمير بماله

و أنت علي ما في يدك أمير

”اے ابو جعفر! امیر نے اپنے مال میں بخل کیا اور تو جو کچھ تیرے پاس ہے اس کا امیر ہے۔“

تھا۔ ❶ کہا جاتا ہے کہ ان کے زمانے میں مسلمانوں میں ان سے زیادہ سخی کوئی نہیں تھا، لوگوں کا خیال ہے: اسلام میں زیادہ سخاوت کرنے والے عرب دس تھے، اہل حجاز میں سب سے زیادہ سخی عبداللہ بن جعفر، عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ تھے، اور اہل کوفہ میں بنو ربیع کے عتاب بن ورقاء، اسماء بن خارجہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ، بنو تميم اللہ بن ثعلبہ کے عکرمہ بن ربیع فیاض تھے، اہل بصرہ میں عمرو بن عبید بن معمر، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بن خلف خزاعی، بنو لیث کے طلحہ الطلحات اور عبید اللہ بن ابوبکرہ تھے، اہل شام میں خالد بن عبد اللہ بن خالد بن اسد بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس تھے، ان تمام لوگوں میں عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سخی کوئی نہیں تھا، جو دو سخا میں کوئی بھی مسلمان ان کے مرتبے کو نہیں پہنچتا تھا، اس پر ان کی سرزنش کی گئی تو کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک عادت کا عادی بنا دیا ہے اور میں نے لوگوں کو ایک عادت کا عادی بنا دیا ہے، مجھے خوف ہے کہ اگر لوگوں کے ساتھ اپنی عادت کو ختم کر دوں تو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عادت نہ ختم ہو جائے۔ ❷

علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے ہمیں جو دو سخا سکھایا ہے۔ ❸ یہ حسین رضی اللہ عنہ کو تواضع ہے، ورنہ وہ اور ان کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ جو دو سخا اور خرچ کرنے میں بہت آگے تھے، جو دو سخا میں عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے بعض واقعات درج ذیل ہیں:

۱۔ تمہیں دینے کے لیے ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن تم ابن جعفر کے پاس جاؤ:

تاریخ میں اس بات کا تذکرہ آتا ہے کہ ایک بدوی موسم حج میں مدینہ میں مروان کے پاس پہنچا، مانگا تو انھوں نے کہا: تمہیں دینے کے لیے ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن ابن جعفر کے پاس جاؤ، چنانچہ آپ کے پاس بدوی آیا تو سامان تجارت جاچکا تھا، دروازے پر ایک سواری تھی، جس پر اس کا ساز و سامان اور ایک تلوار تھی، بدوی یہ اشعار پڑھنے لگا:

أبو جعفر من أهل بيت نبوة

صلاتهم للمسلمين طهور

”ابو جعفر نبوی گھرانے کے ہیں، جن پر درود بھیجنا مسلمانوں کے لیے پاکیزگی ہے۔“

أبا جعفر ضمن الأمير بماله

و أنت علي ما في يدك أمير

”اے ابو جعفر! امیر نے اپنے مال میں بخل کیا اور تو جو کچھ تیرے پاس ہے اس کا امیر ہے۔“

أبا جعفر يا ابن الشهيد الذي له
جناحان في أعلى الجنان يطير

”اے ابو جعفر! اے اس شہید کے بیٹے جن کے دو بازو ہیں جن سے وہ فردوسِ اعلیٰ میں اڑتے رہتے ہیں۔“

أبا جعفر ما مثلك اليوم أرتجى

فلا تتركنى بالفلاة أدور ❶

”اے ابو جعفر! آج کے دن آپ جیسا کوئی نہیں جس سے میں مانگوں، اس لیے مجھے چٹیل میدانوں میں حیراں و سرگرداں نہ چھوڑیے۔“

آپ نے کہا: اے بدوی! سامان تجارت چاچکا ہے، اس لیے یہ سواری مع ساز و سامان لے لو، تلوار کے بارے میں تمھیں دھوکہ نہیں ہونا چاہیے میں نے اسے ایک ہزار دینار میں لیا ہے۔ ❷

۲۔ ہم نے اسے فنا ہونے والی چیز دی ہے اور اس نے ہماری تعریف کی ہے جو بیان کی جائے گی اور ایسی ستائش کی ہے جو باقی رہے گی:

ایک شاعر نے آپ کی تعریف کی، آپ نے اسے اونٹ، گھوڑے، کپڑے، دراہم اور دنانیر دیے، آپ سے کہا گیا: اس مقدار میں اس کا لے کلوٹے کو دے رہے ہیں؟ آپ نے کہا: اگر وہ کالا ہے تو اس کے اشعار سفید ہیں، اپنے اشعار کے بدلے جو کچھ پایا ہے اس سے زیادہ کا وہ حقدار ہے، ہم نے تو اسے فنا ہونے والی چیز دی ہے اور اس نے ہماری تعریف کی ہے جو بیان کی جائے گی، ایسی ستائش کی ہے جو باقی رہے گی، ایک قول کے مطابق یہ معاملہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اور عبید اللہ بن قیس الرقیات کے درمیان کا ہے۔ ❸ نیز انھوں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے بارے میں درج ذیل اشعار بھی کہے ہیں:

وما كنت إلا كالأغر بن جعفر

رأى المال لا يبقى فأبقى له ذكرا ❹

”اے ابن جعفر! آپ اس معزز شخص کی طرح ہیں جس کا خیال ہے کہ مال باقی رہنے والا نہیں، اس خیال کے باعث اس نے اپنی یاد کو باقی رکھا۔“

❶ تاریخ الإسلام حوادث و وفیات ۶۱-۸۰، ص ۳۱

❷ الاستیعاب ۳/ ۸۸۲

❸ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۴۵۹

❹ الإصابة ۴/ ۳۸

نیز یہ بھی انہی کے اشعار ہیں:

نفذت بی الشہباء نحو ابن جعفر

سواء علیہا لیلہا ونہارہا

”اوٹنی نے مجھے رات و دن سفر کر کے ابن جعفر تک پہنچایا۔“

تزور امرأ قد یعلم اللہ انہ

تجود لہ کف قلیل غرارہا

”ایسے شخص سے ملاقات کرنے پہنچی جس کا دست سخاوت اللہ کے علم میں دھوکہ نہیں دیتا۔“

فو اللہ لولا أن تزور ابن جعفر

لکان قلیلاً فی دمشق قرارہا

”اللہ کی قسم اگر وہ ابن جعفر سے نہ ملاقات کرتی تو دمشق میں بہت کم ٹھہر پاتی۔“

أتیتک أثنی بالذی أنت أہلہ

علیک کما أثنی علی الروض جارہا

”میں آپ کے پاس آکر آپ کی شایان شان تعریف کر رہا ہوں، جیسا کہ خوبصورت باغ کا پڑوسی

اس کی تعریف کرتا ہے۔“

ذکرتک إذ فاض الفرات بارضنا

وجلل اعلی الرقتین بحارہا

”آپ کی سخاوت کا سیلاب مجھے یاد آیا جب جب دریائے فرات میں سیلاب اور سمندروں میں

طوفان آیا ہے۔“

فیأن مت لم یوصل صدیق و لم تقم

طریق من المعروف أنت منارہا

”آپ کے مر جانے پر نہ تو دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا، اور نہ ہی بھلائی و احسان کا وہ

راستہ باقی رہے گا جس کی علامت آپ ہیں۔“

مصعب بن عبد اللہ کا قول ہے کہ عبد الملک بن مروان نے کہا: اے ابن قیس تیرے لیے بربادی ہو، ابن

جعفر کے بارے میں یہ شعر کہتے ہوئے ڈرا نہیں:

عن ابن جعفر بن عبد اللہ بن جعفر

اتت رجلا قد يعلم الله أنه

يجوله كف قليل غرارها

”وہ اونٹنی ایسے شخص کے پاس پہنچی جس کا دست سخاوت اللہ کے علم میں دھوکہ نہیں دیتا۔“

تو نے ”قد يعلم الله“ کے بجائے ”قد يعلم الناس“ کیوں نہیں کہا؟ ابن قیس نے ان سے کہا: اللہ کی

قسم یہ چیز اللہ کو معلوم ہے، تمہیں بھی معلوم ہے اور لوگوں کو بھی معلوم ہے۔^①

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی تعریف میں شامخ بن ضرار نے کہا:

إنك يا ابن جعفر نعم الفتى

و نعم ماوى طارق إذا أتى^②

”اے ابن جعفر! آپ کتنے اچھے نوجوان ہیں، اور رات کو آنے والے کے لیے کتنی اچھی پناہ گاہ

ہیں۔“

و رب ضيف طرق الحى سرى

صادف زادا و حديثا ما اشتهى^③

”بہت سے مہمان جورات میں قبیلے میں پہنچتے ہیں تو وہ من پسند کھانا اور اچھی گفتگو پاتے ہیں۔“

ایک بدوی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا جب کہ انھیں بخار تھا، چنانچہ کہنے لگا:

كم لوعة للندی و كم قلق

للجود والمكرمات من قلقك

”آپ کی پریشانی و تپش کے باعث جود و سخا اور داد و دہش کو کتنی پریشانی و تپش ہے۔“

البسك الله منه عافية

فى نومك المعترى و فى أرقك

”سوئے جاگتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے عافیت عطا کرے۔“

أخرج من جسمك السقام كما

أخرج ذم الفعال من عنقك

”آپ کی جسمانی بیماری آپ سے دور کر دے جس طرح بری عادتوں کو آپ سے دور کر دیا ہے۔“

② تاریخ دمشق ۲۹/۱۸۵

① الإصابة ۴/۳۸

③ الإصابة ۴/۳۹

چنانچہ آپ نے اسے ایک لاکھ دینار دینے کا حکم صادر کر دیا۔^①

ایک دن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سفر میں تھے، آپ کا گزر چند نو جوانوں کے پاس سے ہوا جو ہانڈی میں کچھ پکا رہے تھے، ان میں سے ایک نے آپ کے پاس پہنچ کر کہا:

أَقُولُ لَكَ حِينَ الْفِتْنَةِ

عَلَيْكَ السَّلَامُ أَبَا جَعْفَرٍ

”ان سے ملنے پر میں نے کہا: اے ابو جعفر آپ پر سلامتی ہو۔“

چنانچہ انھوں نے رک کر جواب دیا: عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، پھر اس نے کہا:

وَهَذِي ثِيَابِي قَدْ أَخْلَقْتُ

وَقَدْ عَقَّنِي زَمَنٌ مِّنْكَ

”یہ میرے کپڑے بوسیدہ ہو چکے ہیں، اجنبی زمانے نے مجھ سے تعلق توڑ لیا ہے۔“

کہا: ان کے بدلے میرا یہ ریشمی جوڑا لے لو، یہ تمھاری پریشانی میں کام آئے گا، اس پر اس نے کہا:

فَأَنْتَ كَرِيمٌ بَنِي هَاشِمٍ

وَفِي الْبَيْتِ مِنْهَا الَّذِي يَذْكُرُ

”آپ بنو ہاشم کے اچھے آدمی ہیں، اور اس کے مشہور خاندان سے آپ کا تعلق ہے۔“

اس پر آپ نے کہا: ارے بھائی، ایسی ذات تو رسول اللہ ﷺ کی ہے۔^② ایک شخص نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو ایک رقعہ لکھ کر ان کے گاؤں تکبہ کے نیچے رکھ دیا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تکبہ کو پلٹا تو رقعہ پر نظر پڑی، پڑھ کر اسی جگہ رکھ دیا، نیز اسی کے ساتھ ایک تھیلی میں پانچ ہزار دینار بھی رکھ دیے، وہ آدمی آپ کے پاس آیا، آپ نے اس سے کہا: گاؤں تکبہ پلٹو، دیکھو اس کے نیچے جو ہے لے لو، چنانچہ وہ تھیلی لے کر یہ کہتے ہوئے جانے لگا:

زَادَ مَعْرُوفُكَ عِنْدِي عَظْمًا

أَنَّهُ عِنْدَكَ مُسْتَوْرٌ حَقِيرٌ

”آپ کے احسان کی عظمت اس سے بڑھ جاتی ہے کہ وہ آپ کے نزدیک حقیر ہے اور آپ نے اس

کا اعلان نہیں کیا ہے۔“

① تاریخ دمشق ۲۹/۱۹۴

② تاریخ دمشق ۲۹/۱۹۹

تَنَاسَاهُ كَأَنَّهُ لَمْ تَأْتِهِ

وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ مَشْهُورٌ كَبِيرٌ ❶

”آپ اس کو اس طرح بھلا دیتے ہیں گویا آپ نے اسے انجام نہیں دیا جب کہ وہ عند اللہ عظیم و معروف ہے۔“

۳۔ زبیر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مابین قرض:

عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے زبیر کو دس لاکھ قرض دیا، جب ان کی وفات ہو گئی تو زبیر کے بیٹے نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے اپنے والد کے نوشتہ میں ملا ہے کہ ان کا آپ پر دس لاکھ درہم باقی ہے، آپ نے کہا: انھوں نے سچ لکھا ہے، چاہو تو لے لو، پھر جب بعد میں ملاقات ہوئی تو کہا: مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مذکورہ قرض آپ کا ان پر ہے، آپ نے کہا: میں ان کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں، انھوں نے کہا میں ایسا نہیں چاہتا۔ ❷

ابن عساکر کی روایت کے مطابق جب زبیر کے بیٹے نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں ایسا نہیں چاہتا، تو عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر چاہو تو میں ان کے حق میں معاف کر دیتا ہوں، اور اگر تم اسے ناپسند کرتے ہو تو تم جتنی مہات چاہو اتنی مہلت ہے، اگر یہ بھی نہیں چاہتے تو اس کے بدلے ان کا کوئی مال مجھ سے بیچ دو، کہا: میں بیچوں گا، لیکن پہلے قیمت کا تخمینہ کر لوں، چنانچہ وہ قیمت کا تخمینہ لگا کر آپ کے پاس آئے اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کے اور میرے علاوہ کوئی دوسرا نہ رہے، ابن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہیں گے جو تمہارے گواہ ہوں گے، انھوں نے کہا: میں چاہتا ہوں کوئی نہ رہے، کہا: چلو، چنانچہ آپ کے ساتھ وہ چل پڑے اور آپ کو ایک بنجر غیر آباد زمین دی، جب خرید و فروخت ہو چکی تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے کہا: اس جگہ مصلیٰ بچھاؤ، چنانچہ اس نے اس زمین کے سخت ترین حصے میں مصلیٰ بچھایا، لمبے سجدوں کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرنے لگے، جب اپنی مطلوبہ دعا کر چکے تو غلام سے کہا: میرے سجدے کی جگہ کھودو، چنانچہ اس نے کھدائی کی تو ایسا چشمہ ملا کہ کھودے ہوئے حصے کو بھر دیا، اس پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: بیع ختم کر کے زمین مجھے واپس کر دیں، آپ نے کہا: میں نے دعا کی، اللہ نے قبول کر لی، اس لیے میں واپس نہیں کروں گا، چنانچہ آپ کے حصے کی زمین ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس باقی رہ جانے والی زمین سے زیادہ کارآمد ہو گئی۔ ❸

❶ تاریخ دمشق ۲۹/۱۸۹

❷ تاریخ الإسلام حوادث و وفیات ۶۱-۸۰ھ، ص ۴۳۱

❸ تاریخ دمشق ۲۹/۱۸۷

۴۔ اللہ کی قسم اگر اللہ نے ہم سے اخروی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے تو آپ نے دنیوی نعمت کو پہلے پیش کر دیا ہے:

محمد بن عبید اللہ بن ابوملیکہ سے مروی ہے، وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ابن ابی عمار (جو ان دنوں اہل حجاز کے فقیہ تھے) ایک غلام فروش کے پاس گئے، اس سے ایک لونڈی دکھانے کے لیے کہا، چنانچہ انھیں ان کے پاس موجود قیمت سے زیادہ قیمتی ایک لونڈی دکھائی، وہ بہت خوبصورت تھی، اس پر فدا ہو گئے، ان کی حالت کافی دگرگوں ہو گئی، غلام فروش اسے تازہ کیا، چنانچہ خوب زیادہ قیمت بتائی، وہ اس کی یاد میں پاگل ہو گئے، عطاء، طاؤس اور مجاہد ان کے پاس جا کر ملامت کرنے لگے تو جواباً انھوں نے کہا:

یلومنی فیک أقوام أجالسهم

فما أبالی أطار اللوم أم وقعا

”تمہارے بارے میں میری ملامت وہ لوگ کرتے ہیں جن کے ساتھ میں اٹھتا بیٹھتا ہوں، مجھے ملامت کی کوئی پروا نہیں۔“

کہتے ہیں اس کی خبر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو پہنچی، انھوں نے لونڈی کے آقا کو بلا بھیجا، اس سے اس لونڈی کو چالیس ہزار درہم میں خرید لیا، اپنی لونڈیوں کی ذمہ دار کو حکم دیا کہ اس کا بناؤ سنگار کر دے، زیورات پہنا دے، اس نے ایسا کیا، آپ مدینہ آئے، لوگ آپ سے ملنے آتے رہے، اہل حجاز کے اکثر لوگ آئے، آپ نے کہا: کیا بات ہے میں ملاقاتیوں میں ابن ابی عمارہ کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ اس کی خبر انھیں دی گئی، چنانچہ آپ کے پاس آئے، جب جانے کا ارادہ کیا تو انھیں بیٹھا کر کہا: فلاں سے تمہاری محبت نے کیا اثر کیا ہے؟ کہا: اس کی محبت گوشت پوست، ہڈی و خون، دل و دماغ، رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہے، پھر ان سے پوچھا: کیا دیکھ کر اسے پہچان جاؤ گے؟ کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، جب جب تصور کرتا ہوں، اس کا سراپا میری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم جب سے میں اس کا مالک ہوا ہوں، اس کو دیکھا نہیں، اے لونڈی اسے نکال، چنانچہ بہترین لباس اور زیورات زیب تن کیے ہوئے نکلی تو پوچھا: کیا وہ یہی ہے؟ تو وہ کہنے لگے:

ہی التی ہام قلبی من تذکرھا

والنفس مشغولة أيضا بذكرھا

”یہی ہے جس کی یاد میں میرا دل دیوانہ ہے، اس کی یاد جان و دل پر چھائی ہوئی ہے۔“

آپ نے کہا: تمہارا معاملہ اس کے ساتھ ہے، اس کو لے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت عطا کرے،

انہوں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، آپ نے ایسی چیز دے دی جس کے دیے جانے کی اللہ کے علاوہ کسی اور سے امید نہیں تھی، جب اسے لے کر وہ جانے لگے تو کہا: اے غلام! اس کے ساتھ ایک لاکھ درہم بھی دے دو، تاکہ دونوں میں سے کسی کو دوسرے سے کوئی دکھ نہ پہنچے، یہ سن کر ابن ابی عمار کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (الانعام: ۱۲۴)

”اس موقع کو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔“

اللہ کی قسم میں آپ پر قربان جاؤں اگر اللہ نے ہم سے اخروی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے تو آپ نے دنیوی نعمت کو پہلے پیش کر دیا ہے۔ ❶

۵۔ جو دوسخا میں بنو عذرہ کے بوڑھے ہی نے ہمیں مغلوب کیا:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے غلام بدیع سے مروی ہے، کہتے ہیں: ایک سفر میں میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، بالوں سے بنے ایک خیمے کے پاس ہم نے پڑاؤ ڈالا، خیمہ والا بنو عذرہ کا ایک آدمی تھا، ہم ابھی اسی حالت میں تھے کہ ایک بدوی ایک اونٹنی لیے ہوئے ہمارے پاس پہنچا اور کہا: اے لوگو مجھے چھری دو، ہم نے اسے چھری دی، اس نے اسے ذبح کیا اور کہا: اسے لے لو، دوسرے دن بھی ہم ٹھہرے رہے، پھر بنو عذرہ کا وہ بوڑھا دوسری اونٹنی لے کر پہنچا اور کہا: لوگو مجھے چھری دو، ہم نے کہا: ہمارے پاس گوشت ہے، اس نے کہا: کیا میری موجودگی میں آپ لوگ باسی گوشت کھائیں گے؟ ہم نے چھری دی، اس نے ذبح کیا، پھر کہا: اس سے اپنی ضرورت پوری کرو، تیسرے دن بھی ہم رکے رہے، وہی عذری بوڑھا ایک اونٹنی لیے ہمارے پاس پہنچا، کہا: لوگو مجھے چھری دو، ہم نے کہا: تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے پاس گوشت ہے، اس نے کہا: کیا آپ لوگ میری موجودگی میں باسی گوشت کھائیں گے؟ میرے خیال میں آپ لوگ کبھوس ہیں، مجھے چھری دو، اس نے ذبح کیا، پھر کہا: اسے آپ لوگ لے لیں، ہم لوگ کوچ کرنے کی تیاری کرنے لگے تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے اپنے خادم سے کہا: تمہارے پاس کیا ہے؟ کہا: کپڑوں کی گٹھڑی اور چار سو دینار، کہا لے جاؤ اور عذری بوڑھے کو دے آؤ، لے کر گیا تو خیمہ میں ایک لونڈی تھی، اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: یہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا ہدیہ ہے، اسے لے لو، اس نے جواب دیا: ہم لوگ مہمان نوازی کا بدلہ نہیں قبول کرتے، اس نے عبداللہ بن جعفر کے پاس آکر بتایا، آپ نے کہا: دوبارہ اس کے پاس جاؤ، اگر لے لیتی ہے تو ٹھیک، ورنہ خیمے کے دروازے پر پھینک کر چلے آنا، وہ دوبارہ اس کے پاس گیا، اس نے کہا: اللہ تمہیں برکت دے، چلے جاؤ، ہم مہمان نوازی کا بدلہ قبول نہیں کرتے، اللہ کی

قسم! اگر میرے آقا آگئے اور تمہیں یہاں دیکھ لیا تو تمہیں ماریں گے بھی، چنانچہ وہ کپڑے کی گٹھڑی اور دینار کی تھیلی خیمے کے دروازے پر پھینک کر چلا آیا، پھر ہم چل پڑے، تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ ایک شخص نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے آ رہا تھا، قریب ہوا تو پتہ چلا کہ یہ وہی عذری بوڑھا ہے، جو کپڑے کی گٹھڑی اور دینار کی تھیلی لیے آپہنچا ہے، دونوں کو ہماری طرف پھینکا اور مڑ کر جانے لگا، ہم اسے دیکھنے لگے کہ کیا وہ پلٹتا ہے تو ایسا نہیں ہوا، چنانچہ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جو دو سخا میں عذری بوڑھے نے ہی ہمیں مغلوب کیا۔ ❶

۶۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات میں نے نہیں سنی:

عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سمرج پر نکلے، راستے میں تھے، ان کا ساز و سامان ایک سواری پر آگے چلا گیا تھا، آپ ایک خیمے کے دروازے پر بیٹھی ایک عورت کے پاس پہنچے، سواری سے اتر کر ساتھیوں کو دیکھنے لگے، اس عورت نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کے پاس آ کر کہا: میرے یہاں تشریف لایے، اللہ آپ کو نیک لوگوں کی جگہوں میں رکھے، کہتے ہیں کہ آپ کو اس کی بات بہت اچھی لگی، اس کے خیمے پر گئے، اس نے آپ کو چمڑے کا گدا دیا، آپ اس پر بیٹھے، اس نے خیمے کے ایک گوشے میں موجود اپنی بکری کو ذبح کیا، بہت جلد اس کا ایک ٹکڑا بھون کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ کھانے لگے، آپ کے ساتھی آئے، آپ کو دیکھ کر وہ بھی اتر پڑے، بکری کا بقیہ حصہ اس نے پیش کر دیا، سب نے کھایا، نیز اپنے توشہ دان کو بھی نکالا، عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اب مجھے دن بھر تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں، جب کوچ کا ارادہ کیا تو اخراجات کے ذمہ دار اپنے غلام کو بلا کر کہا: اخراجات میں سے تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہا: ہاں، کہا: کتنا؟ کہا: ایک ہزار دینار، کہا: پانچ سو اسے دے دو، باقی خرچ کے لیے رکھ لو، چنانچہ وہ دینے لگا، اس نے لینے سے انکار کیا، عبد اللہ رضی اللہ عنہما اس سے بات کرتے رہے اور وہ کہتی رہی، اللہ کی قسم میں اپنے شوہر کی ملامت کو ناپسند کرتی ہوں، عبد اللہ رضی اللہ عنہما اس سے اصرار کرتے رہے آخر اس نے قبول کر لیا، آپ اور اس کے ساتھی چل پڑے، جلد ہی ایک بدوی اپنے اونٹوں کے ساتھ آتا دکھائی دیا، عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے معاملہ گڑبڑ دکھائی دے رہا ہے، کوئی جا کر معلومات حاصل کر کے ہمارے پاس آئے، چنانچہ ایک شخص لوٹ کر گیا اور اس کے قریب اترا، عورت نے جب بدوی کو آتے دیکھا تو اس کے استقبال میں کھڑی ہو کر کہنے لگی: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اور یہ اشعار پڑھنے لگی:

توسمتہ لما رأيت مهابة

عليه فقلت: المرء من آل هاشم

”جب میں نے اس کی وجاہت کو دیکھا تو تاڑ گئی اور دل میں کہا کہ یہ شخص بنو ہاشم قبیلہ کا ہے۔“

وإلا فمن آل الممرار فإنهم
ملوك ملوك من ملوك أعظم

”یا بنو ممرار قبیلے کا ہے جو بڑے بڑے بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔“

فقمتم إلى عنز بقية أعنز
فأذبحها فعل امرئ غير نادم

”چنانچہ بچی ہوئی بکری کو ذبح کر دیا، اور مجھے اس پر کچھ بھی ندامت و افسوس نہیں۔“

يعو ضنى منها عنانٌ ولم يكن

يساوى لحيم العنز خمس دراهم ①

”ایک بہت نمایاں شخص نے مجھے اس کا معاوضہ دیا ہے جب کہ بکری کا تھوڑا سا گوشت پانچ درہم کے مساوی بھی نہیں تھا۔“

پھر اس کے سامنے دینار پیش کر کے پورا واقعہ بیان کیا، اس نے کہا: اللہ کی قسم کیا ہی بری مہمان نواز ہوں، کیا تم نے اپنی مہمان نوازی کو ایسی چیز کے عوض بیچ دیا جو میرے نزدیک پتھر کے برابر ہے؟ جواب دیا: اللہ کی قسم مجھے یہ چیز ناپسند تھی، اور مجھے ملامت کا خوف تھا، کہا: تجھے ملامت کا خوف تھا اور طعنے کا خوف نہیں رہا؟ وہ لوگ کس طرف گئے؟ اس نے راستے کی جانب اشارہ کیا، اور جسے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اس کے بارے میں کہا: یہ تمہاری مدد کرے گا، چنانچہ اس نے کہا: گھوڑے پر زین کسو، پوچھا: کیا کرو گے؟ کہا؟ میں لوگوں کے پاس جاؤں گا اگر میری مہمان نوازی (بغیر معاوضہ) انھوں نے قبول کر لی تو ٹھیک ورنہ میں ان سے جنگ کروں گا، اس نے کہا: میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم ایسا نہ کرو اور نہ انھیں تکلیف پہنچاؤ، وہ اسے مارتے ہوئے کہنے لگا: کیا تم مہمان نوازی کو ختم کر دینا چاہتی ہو؟ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور نیزہ لے کر چل پڑا، جسے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا، وہ اس کے ساتھ چلتے رہے اور کہتے رہے: میں نہیں سمجھتا کہ آپ ان لوگوں کو پاسبانیں گے، کہا: اللہ کی قسم وہ چاہے جہاں پہنچ جائیں میں ان تک ضرور بالضرور جاؤں گا، جب وہ سمجھ گئے کہ وہ اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں ہے تو کہا: ٹھہرو، میں تمہیں ان لوگوں سے ملاتا ہوں، اور انھیں تمہارے بارے میں بتلاتا ہوں، چنانچہ آگے بڑھ کر اس نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو پورے معاملے کی جانکاری دی، عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اس بدوی عورت کو اسی پریشانی کا ڈر تھا، جب وہ بدوی شخص ان کے قریب پہنچا تو عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اسے سلام کیا، نیز اس عورت کے اچھے سلوک کی اسے خبر دی، اس نے کہا: میرے خیال میں یہی پوری بات نہیں، آپ اس سے بات

کرتے اور قبول کر لینے پر اصرار کرتے رہے، مگر بدوی واپس کرنے پر مصر رہا، جب عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ معاملہ دیکھا تو کہا ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ جو ہم نے دے دیا ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہمیں واپس لوٹا دیا جائے، چنانچہ وہ اٹھا ایک گوشے میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر اٹھا، گھوڑے پر سوار ہوا، اور اپنے تیر و کمان نکال لیے، عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: یہ دو رکعت نماز کیسی؟ کہا: میں نے اس میں تم سے لڑنے سے متعلق اپنے رب سے استخارہ کیا ہے۔ پوچھا: تو تمہیں کس چیز کا اشارہ ملا ہے؟ کہا: اچھائی ہی کا اشارہ ملا ہے، الایہ کہ تم اپنے دنا نیر واپس لے لو، اور ہماری مہمان نوازی کو قبول کر لو، جواب میں عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ہم ایسا کریں گے، چنانچہ دنا نیر واپس لے لیے گئے، بدوی مڑ کر واپس جانے لگا تو اس سے عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم تمہیں (کھانا کا) توشہ نہ دے دیں؟ اس نے کہا: قبیلہ قریب ہے تو کیا کوئی ضرورت ہو سکتی ہے؟ کہا: ہاں، پوچھا: کیا؟ کہا: (توشہ نہ دینے کی صورت میں) تم بیوی سے ہمارے برے سلوک کو بتاؤ گے، اس پر بدوی ہنس پڑا اور مڑ کر واپس چل دیا، اس کے بعد عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما یزید بن معاویہ کے پاس آئے اور بدوی کا واقعہ بیان کیا تو یزید نے کہا: میں نے اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہیں سنی۔^①

۷۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا:

ایک عورت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک ٹوکری میں ایک مرغی لے کر آئی جو ذبح کی ہوئی تھی، اور اس کے پر نکال دیے گئے تھے، آپ سے کہا: میرے باپ آپ پر قربان ہوں، یہ مرغی میری بیٹی کی طرح مجھے بہت محبوب تھی، میں اس کے انڈے کھاتی تھی، اور یہ میری انسیت کا سامان تھی، چنانچہ میں نے قسم کھائی تھی کہ حسب استطاعت سب سے اچھی جگہ میں اس کو دفن کروں گی، اللہ کی قسم آپ کے پیٹ سے اچھی کوئی دوسری جگہ نہیں، آپ نے کہا: اسے لے لو، اور اس کو اتنا گیہوں، اتنی کھجور، اتنے درہم دے دو، آپ نے مختلف چیزیں گنائیں، اس پر اس عورت نے کہا: آپ پر میرے باپ قربان ہوں، اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔^②

۸۔ مدینہ کی بازار میں آئے ہوئے سامان کا نہ بکنا:

بصرہ کا ایک شخص شکر لے کر مدینہ آیا، شکر بک نہیں رہی تھی، چنانچہ اس نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، آپ نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ وہ خرید کر تقسیم کر دے۔^③ دوسری روایت کے مطابق لوگوں نے اس آدمی سے کہا: عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ، وہ آپ کے پاس آیا آپ نے اس سے خرید لی اور کہا: جو چاہے لے لے، اس آدمی نے کہا: میں بھی لے لوں؟ آپ نے کہا: لے لو۔^④

② تاریخ الإسلام ۶۱-۸۰ھ، ص ۴۳۱، ۴۳۲

③ تاریخ دمشق ۱۹۳/۲۹

④ الطبقات بتحقيق السلمی ۱۹/۲

۹۔ یزید بن معاویہ کی جانب سے آئے ہوئے مال کو خرچ کر دینا:

یزید بن معاویہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس بطور ہدیہ بہت سا مال بھیجا، آپ نے اسے اہل مدینہ میں تقسیم کر دیا اور گھر کچھ نہ لے گئے، اس بارے میں عبداللہ بن قیس الرقیات نے کہا:

و ما كنت إلا كالأغر بن جعفر

رأى المال لا يبقى فأبقى له ذكرا ❶

”اے ابن جعفر! آپ اس معزز شخص کی طرح ہیں جس کے خیال میں مال باقی نہیں رہتا، اس خیال کے باعث اس نے اپنی یاد کو باقی رکھا۔“

جس وقت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما یزید کے پاس آئے تو اس نے آپ کو بیس لاکھ دینے کا حکم دیا، امام ذہبی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: یہ کوئی بڑی چیز نہیں، یہ دنیاوی بادشاہ کا انعام ہے اور یہ انعام ایسے شخص کے لیے تھا جو خلافت کا اس سے زیادہ حقدار تھا۔ ❷

۱۰۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے لیے ایک بدوی کی دعا:

ایک بدوی نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی: اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی مصیبت میں نہ مبتلا کرے جس پر آپ صبر نہ کر سکیں اور نہ آپ کو ایسی نعمت سے نوازے جس کا آپ شکر نہ ادا کر سکیں۔ ❸

۱۱۔ وہ میرا مال تھا جس میں میں نے فیاضی کی:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو بھاء میں ایک درہم کم کراتے دیکھا گیا تو ان سے کہا گیا: آپ ایک درہم کم کرانے میں لگے ہیں جب کہ آپ اتنا اتنا مال خرچ کر دیتے ہیں، آپ نے کہا: وہ میرا مال تھا اس میں میں نے فیاضی کی، یہ میری عقل ہے جس کی وجہ سے میں بخیل بن رہا ہوں۔ ❹

۱۲۔ یہ ایسے آدمی ہیں جو چاہتے ہیں کہ لوگ بخیل ہو جائیں، احسان کی بارش کرتے رہو:

بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ شعر پڑھا:

إن الصنعة لا تكون ضیعة

حتى یصاب بها طریق المقنع

”احسان نفع بخش نہیں ہو سکتا، تا آنکہ اطمینان بخش جگہ پر کیا جائے۔“

اس پر محمد بن عبداللہ مہرانی نے کہا: یہ ایسے آدمی ہیں جو چاہتے ہیں کہ لوگ بخیل ہو جائیں، احسان کی بارش

❶ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۵۷

❷ الإصابة ۴/ ۳۸

❸ تاریخ دمشق ۲۹/ ۲۰۱

❹ تاریخ دمشق ۲۹/ ۲۰۱

کرتے رہو، اگر احسان مناسب جگہ پہنچا تو یہی تمہاری چاہت ہے ورنہ تمہاری جانب لوٹ آئے گا۔^①
۱۳۔ حقیقت میں فیاض و سخی وہ ہے جو بے مانگے دے:

ذوالجراحین عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: مانگنے کے بعد جو دیتا ہے وہ حقیقت میں فیاض و سخی نہیں، اس لیے کہ جو سائل کو اپنے چہرے کی بشارت اور اچھی گفتگو سے نوازتا ہے اس کی یہ نوازش سائل کو عطیہ دینے والے کے عطیہ سے بہتر ہوتی ہے، حقیقت میں فیاض و سخی تو وہ ہوتا ہے جو بغیر مانگے دے۔^②
۱۴۔ ہم احسان کی قیمت نہیں لیتے:

ایک جاگیردار نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے درخواست کی کہ اس کی ایک ضرورت سے متعلق امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے یہاں سفارش کر دیں، چنانچہ آپ نے سفارش کر دی اور اس کی ضرورت پوری ہو گئی، جاگیردار نے آپ کے پاس چالیس ہزار درہم بھیج دیے، لوگوں نے بتایا کہ اس جاگیردار نے اپنا قاصد بھیجا ہے، آپ نے قاصد سے کہا: جا کر اسے بتا دو کہ ہم اہل بیت احسان کو نہیں بیچتے۔ دوسری روایت کے مطابق ہم احسان کی قیمت نہیں لیتے۔^③

۱۵۔ وہ اور دوسرے لوگ ان کے مال میں شریک تھے:

معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر سے پوچھا گیا: عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی سخاوت کس قدر تھی؟ کہا: لوگوں کو چھوڑ کر ان کے پاس کچھ نہیں تھا، وہ اور دوسرے لوگ ان کے مال میں شریک تھے، جو آپ سے مانگتا اسے دیتے، جو آپ سے کوئی چیز طلب کرتا اسے آپ وہ چیز دے دیتے، ان کے خیال میں دینے سے کم نہیں ہوتا کہ وہ نہ دیں، اور نہ ہی وہ آئندہ کی ضروریات کے لیے ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔^④

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے معاملات:

عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ معاویہ اور عبد الملک کے پاس جاتے تھے، آپ عظیم الشان، معزز، سخی اور امام وقت تھے۔^⑤ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کے تعلقات بہت اچھے اور مضبوط تھے، حتیٰ کہ اپنے ایک بچے کا نام آپ نے معاویہ رکھا، ابان بن تغلب سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہر سال آیا کرتے تھے، آپ انھیں ایک لاکھ درہم دیتے تھے، جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کرتے تھے۔^⑥

② تاریخ دمشق ۲۹/۲۰۰

① تاریخ دمشق ۲۹/۲۰۱

③ تاریخ دمشق ۲۹/۱۸۶، ۱۸۷

⑤ سیر أعلام النبلاء ۳/۵۸

④ تاریخ دمشق ۲۹/۱۹۸

⑥ سیر أعلام النبلاء ۳/۵۹

تاریخ و ادب کی کتابوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابن جعفر رضی اللہ عنہ سے متعلق بہت سے واقعات مذکور ہیں جو صحیح نہیں ہیں، انہی میں سے وہ واقعہ ہے جسے یحییٰ بن سعید بن دینار نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ایک رات دمشق میں ”خضراء“ نامی معاویہ رضی اللہ عنہ کے محل میں انہی کے ساتھ تھے، اسی وقت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک رنجیدہ کرنے والا خط پہنچا جس سے وہ رنجیدہ ہو گئے، اسے زمین پر پھینک کر کہا: ابوتراب (علی رضی اللہ عنہ) کے بیٹے سے مجھے کون انصاف دلائے گا؟ اللہ کی قسم جی میں آتا ہے کہ میں ان کی ایسی تیشی کر دوں، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے اور خوشامد کرتے رہے تا آنکہ اٹھ کر چلے گئے، میری نگاہ دونوں پر تھی، جب اپنے گھر پہنچے، سواری طلب کی، بیٹھے اور اسی وقت مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی فاختہ بنت قرظہ کے پاس رنجیدہ حالت میں پہنچے اور کہا: اس رات میں نے ابن جعفر کے ساتھ کیا کر دیا، میرا سلوک ان کے ساتھ اچھا نہیں رہا، آپ کے چچا زاد بھائی کے بارے میں آپ کو کچھ ناپسندیدہ باتیں سنا دی ہیں، ہم سے آپ کی محبت اور دوستی نے آپ کو ایسا ہی کرنے سے روک دیا، یہ سن کر بیوی نے کہا: آپ نے بہت غلط کیا، آپ نے بہت برا کیا، چنانچہ رنجیدہ حالت میں جا گتے رہے، بار بار اپنے کیے کو یاد کرتے اور ان کو نیند نہیں آتی، تا آنکہ رات کا پچھلا پہر ہو گیا، وہ اٹھے، وضو کیا اور کہا: میں ہی ان کو نیند سے بیدار کروں گا، چنانچہ وہ آپ کے پاس گئے، دیکھا گھر میں کوئی نہیں ہے، آپ کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ آپ کے پاس سے آتے ہی مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کی تلاش میں لوگوں کو بھیجا اور کہا: اگر وہ مل جائیں تو انھیں واپس لے آؤ، چاہے اپنے گھر میں داخل ہو چکے ہوں، بالآخر آپ کو واپس لایا گیا، معاویہ رضی اللہ عنہ رات والے معاملے پر آپ سے معذرت کرنے لگے اور کہا: جاتے ہوئے آپ کا گزر ہماری جن جن چیزوں سے ہوا ہے، ان سب کو میں نے آپ کے لیے ہبہ کر دیا، آپ کا گزر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سارے اونٹوں اور بکریوں پر ہوا تھا، انھوں نے سب کے بارے میں حکم دے دیا اور آپ نے وہ سب لے لیا اور دل کی رنجش ختم ہو گئی۔ ❶

یہ واقعہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے، یحییٰ بن سعید بن دینار سعدی، واقفی کے استاد ہیں اور مجہول ہیں۔ ❷ یہ واقعہ بطور مثال ہے، ورنہ دوسرے بہت سارے واقعات ہیں۔

تاریخ و ادب کی کتابوں میں معاویہ و عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مابین شعری مقابلوں کے تذکرے موجود ہیں، مثلاً یونس بن میسرہ سے مروی ہے کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو تنگ حالی لاحق ہو گئی ہے تو ان کے پاس دو شعر لکھ کر بھیجے:

❶ الطبقات تحقیق السلمي ۱۹/۲، ۲۰، اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔

❷ الطبقات تحقیق السلمي ۱۹/۲

لَمَالِ الْمَرْءِ يَصْلَحُهُ فِغْنَى

مُفَاقرَهُ أَعْفَ مِنَ الْقَنُوعِ

”آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے تو وہ اس کے اسبابِ غربت کو ختم کرتا ہے اور وہ از حد سوال سے بچنے والا ہوتا ہے۔“

يَسْدُ بِهِ نَوَائِبَ تَعْتَرِيهِ

مِنَ الْأَيَّامِ كَالنَّهْرِ الشَّرُوعِ

”اسی کے ذریعہ سے بہتے دریا کی طرح مسلسل پیش آنے والی زمانے کی گردشوں کا مقابلہ کرتا ہے۔“
ان کے پاس لکھا کہ وہ میانہ روی اختیار کریں، اس کی ترغیب دلائی، سفر سے روکا اور اسے معیوب قرار دیا، چنانچہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے درج ذیل اشعار سے جواب دیا:

سَلَى الطَّارِقِ الْمُعْتَرِيَا أَمْ خَالِدِ

إِذَا مَا أَتَانِي بَيْنَ نَارِي وَمَجْزَرِي

”اے ام خالد! رات میں آنے والے تنگ حال لوگوں سے پوچھو جب وہ کھانا تیار ہونے کے وقت میرے پاس آتے ہیں۔“

أَبْسَطُ وَجْهِي أَنَّهُ أَوَّلُ الْقَرَى

وَأَبْذَلُ مَعْرُوفِي بِهِمْ دُونَ مَنْكَرِي

”کیا میں خندہ پیشانی سے ان کا استقبال نہیں کرتا کہ یہ پہلی میزبانی ہے؟ اور ان کے ساتھ بھلائی میں تم سے سبقت لے جاتا ہوں۔“

وَقَدْ أَشْتَرِي عَرْضِي بِمَالِي وَمَاعَسِي

أُخْوَلُ إِذَا مَا ضِيعَ الْعَرْضُ يَشْتَرِي

”مال سے اپنی عزت کو باقی رکھتا ہوں اور جب عزت چلی جاتی ہے تو اسے خرید نہیں جاسکتا۔“

يَسْؤِدِي إِلَى اللَّيْلِ إِيَّانَ مَا جَدِ

كَرِيمٍ وَمَالِي سَارِحَ مَالٍ مُقْتَرِ

”رات میں معزز مہمان آتے ہیں، اور مجھ جیسے تنگ دست کا مال خرچ ہوتا ہے۔“

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اور گانا سننا:

ادب و تاریخ کی بہت ساری کتابوں میں ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما گانا سنتے اور گانے والی لونڈیوں میں

مشغول رہتے تھے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا صحیح ثبوت ہے، کچھ ضعیف روایتیں ہیں، چنانچہ مدینہ میں رہنے والے قبیلہ قریش کے بوڑھوں کی ایک جماعت سے ابن عساکر نے ایک طویل روایت نقل کی ہے، جس میں گانے والی ”عمارہ“ کا ذکر ہے، اور یہ کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اس پر حد درجہ فریفتہ تھے۔^① ابن کثیر نے اس قصہ کو صیغہ تریض ”قیل“ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔^② ابو عمر بن عبدالبر نے نقل کیا ہے:

”اور کہا جاتا ہے..... کہ وہ گانا سننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔“^③

امام ذہبی نے اس سلسلے میں کوئی معتمد سند نہیں ذکر کی ہے۔^④

چنانچہ اس طرح کے اقوال بے بنیاد و بے اصل ہیں، اس لیے میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ وہ گانے والی لونڈیوں کے گانے سنتے تھے، اور ان سے عشق و محبت کرتے تھے، جیسا کہ جھوٹی روایتیں اشارہ کرتی ہیں۔

ان کی وفات:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی وفات ۸۰ھ میں ہوئی، اس سال کو ”عام الحُجَف“ کہا جاتا ہے،^⑤ اس لیے کہ اس سال ایسا سیلاب آیا تھا جو مکہ کی ہر چیز بہا لے گیا، وادی مکہ سے حاجیوں، لدے لدائے اونٹوں، مردوں اور عورتوں کو بہا لے گیا، کوئی انھیں بچا نہیں سکا۔ پانی ”تھون“ تک پہنچ گیا، بہت سی مخلوق ڈوب گئی، ایک روایت کے مطابق سیلاب اس قدر بڑھا کہ قریب تھا کہ خانہ کعبہ کو ڈبو دے۔^⑥

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کی وفات ۸۴ھ یا ۸۵ھ میں ہوئی، اور اس وقت آپ کی عمر اسی سال تھی۔ ابن عبدالبر نے ۸۰ھ میں آپ کی وفات کو رائج قرار دیا ہے۔ عبدالملک بن مروان کی جانب سے مدینہ کے گورنر ابان بن عثمان نے صلاۃ جنازہ پڑھائی۔^⑦ ان کی قبر کے پاس درج ذیل دونوں شعر لکھے گئے:

مقیم إلی أن یبعث اللہ خلقه

لقاؤك لا یرجى و أنت قریب

① تاریخ دمشق ۲۹/ ۱۹۵

② البداية والنهاية ۱۲/ ۳۰۱

③ الاستيعاب ۳/ ۸۸۱

④ سير أعلام النبلاء ۳/ ۴۶۲

⑤ الطبقات بتحقيق السنمى، ۲/ ۲۵

⑥ الحجون: مکہ کے بالائی حصہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ معجم البلدان ۲/ ۲۱۵

⑦ البداية والنهاية ۱۲/ ۲۹۶

⑧ الاستيعاب ۳/ ۸۸۱

”تا قیامت آپ یہیں رہیں گے، قریب ہونے کے باوجود آپ سے ملاقات نہیں ہوگی۔“

تَزِيدُ بَلَى فِى كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ

وَتُنْسَى كَمَا تَبْلَى وَأَنْتَ حَبِيبٌ ❶

”ہر دن آپ کی بوسیدگی میں اضافہ ہوگا، آپ محبوب ہونے کے باوجود جیسے جیسے بوسیدہ ہوں گے بھلا دیے جائیں گے۔“



(۴)

جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی مصالحت

حسن رضی اللہ عنہ کے لیے عام بیعت انجام پائی، آپ کے ہاتھوں پر آپ کے والد کے ساتھ رہنے والے گورنروں اور ان تمام لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے آپ کے والد کے لیے بیعت کی تھی۔ آپ نے بحیثیت خلیفہ ذمہ داریوں کو سنبھالا، گورنروں اور حاکموں کو مقرر کیا، فوجیوں کو منظم کیا، عطیات تقسیم کیے، مجاہدوں کے عطیات میں سو کا اضافہ کیا، جس سے آپ کو ان کی خوشنودی حاصل ہو گئی۔^①

آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک خونریز جنگ چھیڑ سکتے تھے، سیاسی، فوجی، اخلاقی اور دینی حیثیت سے آپ کی منفرد شخصیت اس سلسلے میں آپ کی معاون ثابت ہوتی، ساتھ ہی ساتھ دوسرے اسباب و عوامل بھی معاون ہوتے جیسے قیس بن سعد بن عبادہ، حاتم بن عدی طائی وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جرنیلوں کا موجود ہونا، جو فوجی قیادت کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، ان سب کے باوجود حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے امن و امان اور صلح و مصالحت کو ترجیح دی تاکہ خونریزی سے بچاؤ، امت کا اتحاد، دنیاوی حکومت سے بے رغبتی، اللہ کی رضا اور ان جیسے دوسرے مقاصد (جن کی تفصیل آ رہی ہے) حاصل ہو سکیں۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مصالحت کے منصوبے کو آگے بڑھایا جس کے نتیجے میں امت متحد ہو گئی، معاملے کی باگ ڈور آپ کے اور آپ کے مؤیدین کے ہاتھوں ہی میں رہی، صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ کی فوجی طاقت مضبوط تھی، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس بات کو اپنے اس قول میں بیان کیا ہے:

((إِنِّي لَأَرَى كِتَابَ لَاتَوَلَّى حَتَّى تَقْتَلَ أَقْرَانَهَا.))^②

”بلاشبہ میں ایسی فوجوں کو دیکھ رہا ہوں جو اپنے دشمنوں کو قتل کیے بغیر واپس ہونے والی نہیں ہیں۔“

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

((كَانَتْ جَمَاعَةُ الْعَرَبِ بِيَدِي تُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُ وَتَسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُ))^③

”عرب سردار میری مٹھی میں تھے، میں جن سے جنگ کرتا ان سے جنگ کرتے، جن سے صلح کرتا ان

① تاریخ العراق فی ظل الحكم الأموی ص ۸۷، مقاتل الطالبيين، ص ۵۵

② صحيح البخاری کتاب الصلح حدیث نمبر ۲۷۰۴

③ المستدرک، ۳/ ۱۷۰

سے صلح کرتے۔“

اگر حسن رضی اللہ عنہ کا رعب و دبدبہ نہ ہوتا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان سے گفتگو کرنے اور ان کے شرائط و مطالبات کو مان لینے کی ضرورت نہ ہوتی، جاسوسوں کے ذریعہ سے ان کی کمزوری اور طاقت و قوت کا فقدان معلوم ہو جاتا، کسی سے گفتگو اور اس کے شرائط و مطالبات کو تسلیم کیے بغیر کوفہ پر قبضہ کر لیتے، بلاشبہ حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف معاویہ رضی اللہ عنہ کو طاقت و قوت کی برتری حاصل تھی، تو کیا اسی سبب سے حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تھی؟^① ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس سلسلے میں ”منہاج السنۃ“ میں فرماتے ہیں:

”ان لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے اعوان و انصار کی قلت کے باوجود دشمنوں سے جنگیں لڑیں، حسن رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑ سکتے تھے، اگرچہ ان کے ساتھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے کم تھے، لیکن حسن رضی اللہ عنہ اختلاف و انتشار اور فتنہ کو سخت ناپسند کرتے تھے اور امن و امان اور مصالحت کو ترجیح دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے امت کا اختلاف ختم کر کے انھیں متحد کر دیا۔“^②

آپ کا نظریہ نہایت واضح مصالحت کا تھا جو مختلف اسباب و عوامل کے باعث اور مختلف مراحل میں انجام پائی، رکاوٹیں دور ہو گئیں، شرائط لکھی گئیں اور اس کے بہت سارے نتائج برآمد ہوئے، اس مصالحت کا شمار ہمیشہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے قابل فخر کارناموں میں ہوگا۔ ڈاکٹر خالد الغیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مسلمانوں کو خوزیزی سے بچانے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کرنے میں حسن رضی اللہ عنہ کی حیثیت جمع قرآن میں عثمان رضی اللہ عنہ کی سی اور حروبِ ردہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سی ہے۔“^③

حسن رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اس پر صراحت کے ساتھ وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کیا ہے:

((قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى الْمُنْبَرِ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَ عَلَيْهِ أُخْرَى وَيَقُولُ: إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.))^④

① دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين بطائفة ص ٦٠، ٦١

② منہاج السنۃ ٥٣٦/٤، دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين، ص ٦١

③ مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري، خالد الغيث ص ١٣٤

④ صحيح البخاری حدیث نمبر ٧١٠٩

”فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا، حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) آپ کے بغل میں تھے، آپ ایک مرتبہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تو دوسری بار ان کی طرف، آپ فرما رہے تھے، میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین مصالحت کرائے گا۔“

بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت اسلامی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے، اس کی اس عظمت کے بہت سارے اسباب ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

- ۱۔ یہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔
 - ۲۔ اس مصالحت کے نتیجہ میں مسلمان خونریزی سے بچ گئے، اور کئی سالوں کے اختلاف و انتشار کے بعد ایک حاکم پر متفق ہو گئے۔
 - ۳۔ مسلمانوں کے مابین مصالحت کی خاطر حسن رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے قوت کے باوجود بغیر کسی دباؤ کے منصب خلافت سے تنازل کر کے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔
 - ۴۔ آپ خلفاء علی منہاج النہوۃ میں سے آخری خلیفہ تھے۔
- ان اور ان جیسے دوسرے اسباب کے باعث عقیدہ وحدیث، تاریخ و ادب وغیرہ کی کتابیں حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کی خبروں سے بھری پڑی ہیں، ان کتابوں بالخصوص تاریخ طبری کو پڑھنے والا آسانی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ مصالحت کی روایتیں کتنی زیادہ اور باہم متضاد ہیں، صحیح و ضعیف باہم خلط ملط ہیں، ساتھ ہی ساتھ اسے یہ معلوم ہوگا کہ ان کتابوں نے واقعات کی تاریخی ترتیب کی رعایت نہیں کی ہے جب کہ واقعات کے سمجھنے میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔^①

محترم ڈاکٹر خالد الغیث نے بڑی محنت سے ان کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے، ان سے صحیح روایتوں کو اخذ کر کے مصالحت کے واقعات کی تاریخی ترتیب میں انہی پر اعتماد کیا ہے، ساتھ ہی واقعات کی تفصیلات کو مکمل کرنے کے لیے صحیح روایات کے موافق بعض ضعیف روایات سے بھی استفادہ کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ”مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری“ میں اپنا منہج بیان کیا ہے۔^② ان کی اس بہترین کوشش اور مصالحت کے واقعات کی انوکھی ترتیب اور عمدہ تسلسل سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

① مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۲۵

② مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۲۵

مصالحت کے اہم مراحل

پہلا مرحلہ:

حسن رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین صلح کرائے، اس مبارک دعا نے حسن رضی اللہ عنہ کو پورے اعتماد اور غمِ مصمم کے ساتھ اس مصالحت پر آمادہ کر دیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.)) ❶

”میرا یہ لاڈلا سردار ہے اور توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے۔“

حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ محض پیشین گوئی نہیں تھی کہ اسے حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان سنیس اور دوسری پیشین گوئیوں کی طرح اس کی تصدیق کریں، بلکہ وہ ان کی شاہراہ حیات، افعال و کردار کی جہت متعین کرنے والی بات تھی، جو ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی، ان کے جذبات و خیالات پر حاوی تھی، ان کے گوشت پوست میں سرایت کر چکی تھی، آپ اسے رسول اللہ ﷺ کی وصیت تصور کرتے تھے، آپ کے نانا جب یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کر رہے تھے، تو آپ نے ان کے چہرے پر خوشی کے آثار اور آنکھوں میں چمک دیکھی تھی، چنانچہ آپ نے اس وصیت کو اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد اور مستقبل کا اعلیٰ ترین آئیڈیل سمجھا۔

اس پیشین گوئی کے اثرات آپ کی حرکات و سکنات میں نمایاں تھے، یہاں تک کہ والد بزرگوار کے ساتھ ان کی گفتگو میں بھی، جن سے آپ ویسی ہی محبت کرتے تھے جیسا کہ فرماں بردار بچے اپنے ان عظیم والدین سے کرتے ہیں، جنہیں خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں اور فضائل و مناقب سے نوازا ہو، آپ ایک بیٹے اور صحابی کی حیثیت سے ان فضائل و مناقب کو اچھی طرح جانتے تھے اور اپنے والد کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد آپ نے اپنے والد علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا تھا کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر کہیں چلے جائیں تاکہ عربوں کے دور کے سنے ختم ہو جائیں اور ان سے کہا تھا:

❶ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۲۵

❷ صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۰۹

”اگر آپ گوہ کے بل میں بھی ہوں گے تو وہ لوگ آپ کو ڈھونڈ نکالیں گے اور آپ کے لیے خود بخود بیعت کریں گے۔“

جب علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے جنگ اور اس کی تیاری کا عزم کیا اور اپنے فرماں برداروں کے تعاون سے نافرمانوں سے جنگ کے ارادے سے مدینہ سے نکلے تو آپ کے پاس حسن رضی اللہ عنہ آئے اور کہا:

((يَا أَبَتِ دَعْ هَذَا فَإِنَّ فِيهِ سَفَكَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ وَ وُقُوعَ الْإِخْتِلَافِ بَيْنَهُمْ)) ❶

”اے والد محترم! اس عزم کو ترک کر دیں، اس سے مسلمانوں کا خون بہے گا اور ان کے مابین اختلاف و انتشار بڑھے گا۔“

لیکن علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کا مشورہ نہیں مانا، آپ کی رائے تھی کہ لوگوں کو فتنے میں نہ چھوڑا جائے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جائے، معاملے کو ٹھیک کیا جائے، حق کو اہل حق تک پہنچایا جائے، ہر ایک کی اپنی رائے ہوتی ہے۔ ❷ یہاں علی رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی۔

حسن رضی اللہ عنہ کی اسلامی تربیت میں نبی کریم ﷺ کی معجزانہ تربیت کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ وہ ایک جلیل القدر سردار ہوئے، سرداری زبردستی، خوریزی، مال کے ضیاع اور محترم چیزوں کے احترام کی پامالی سے نہیں ملتی، بلکہ ان کی حفاظت اور آپس کی عداوت و دشمنی کو ختم کر کے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ مصالحت اور مسلمانوں کی خوریزی کو روک کر آپ نے سرداری کا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا جسے کوئی بھی بزرور بازو حاصل نہیں کر سکتا۔

حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی، جب کہ آپ کے ساتھ ہزاروں لوگ تھے، ان میں کچھ تو لالچی اور غیر مخلص تھے، لیکن اکثریت وفادار اور مخلص تھی، لیکن آپ نے چاہا کہ آپ کی وجہ سے اس سلسلے میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہے اور نہ ہی کوئی مسلمان زخمی ہو، اگر قوموں کی سرداری ان کی حفاظت، بچاؤ اور ترقی کے لیے نہ ہو تو وہ سراسر اندھی سرکشی، احتمالاً نہ انا قبت اندیشی اور خطرات مول لینا ہے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی، ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، ایسا کرنے والے اللہ کے غضب اور تاریخ کی لعنت کا شکار ہوتے ہیں، دنیا داری، سرداری اور حکومت کی لالچ کے نتیجے ہی میں ہمیشہ انسانوں کے خون بہتے رہے ہیں۔ ❸

حسن رضی اللہ عنہ کو دنیا، حکومت اور سرداری کی کوئی رغبت نہیں تھی، اگر آپ کو رغبت ہوتی تو آپ سالہا سال کی خوریز جنگ چھیڑ سکتے تھے، لیکن آپ کی نگاہ آخرت پر تھی، امت محمدیہ کو خون ریزی سے بچانا چاہتے تھے، حسن

❶ البدایة والنهاية ۷/ ۲۲۹، ۲۳۰، نقلاً عن المرتضى للندوی، ص ۱۹۸

❷ المرتضى للندوی ص ۱۹۸

❸ الدوحة النبوية الشريفة ص ۹۴

بصری جانشہ فرماتے ہیں: ”حسن رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو ناحق ان کے سبب کچھ بھی خون نہیں بہا، ❶ آپ اس کا صراحت سے اظہار کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے، نبوی وصیت کی تحفید اور ایمانی تربیت کی راہ پر چلنے کو عزت افزائی کا سبب سمجھتے تھے۔“ ❷

اللہ تعالیٰ نے حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اہل عراق اور ساری امت کے مابین صلح کرائی، نبی کریم ﷺ نے مصالحت کا شمار حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کیا ہے، اگر ترک خلافت اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے بجائے جنگ ہی مطلوب ہوتی تو نبی کریم ﷺ مطلوب فعل کے ترک اور غیر مطلوب فعل کو انجام دینے نیز افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کام کو کرنے پر آپ کی تعریف نہ کرتے، معلوم ہوا کہ حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت ہی اللہ اور اس کے رسول کو پسند تھی نہ کہ جنگ۔ ❸

دوسرا مرحلہ:

اہل عراق کی بیعت کو قبول کرنے کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کی بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ لوگ ان لوگوں سے صلح کریں گے جن سے وہ صلح کریں گے، اور جن سے وہ جنگ کریں گے ان سے وہ لوگ بھی جنگ کریں گے، ❹ چنانچہ یمون بن مہران سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے بعد اہل عراق سے دو باتوں کی بیعت لی، خلافت کی اور اس بات کی کہ وہ وہی کریں گے جو وہ کریں گے اور جس پر وہ راضی ہو جائیں گے اس پر وہ لوگ بھی راضی ہو جائیں گے۔ ❺

خالد بن مضرب کے طریق سے مروی ایک دوسری روایت ہے کہتے ہیں: میں نے حسن رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا اللہ کی قسم! میں تم سے اپنی اس بات پر بیعت لوں گا، لوگوں نے پوچھا: وہ کون سی بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میں جن سے صلح کروں گا ان سے تم صلح کرو گے اور جن سے میں جنگ کروں گا ان سے تم جنگ کرو گے۔ ❻

دونوں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لیے خلیفہ بنائے جانے سے پہلے ہی مصالحت کی پختہ نیت کر چکے تھے۔ ❼

حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی شرط سے عراقیوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ مصالحت کا معاملہ قابل بحث و

❶ دلائل النبوة للبيهقي ٤٤٣/٦، الدوحة النبوية الشريفة، ص ٩٥

❷ الدوحة النبوية الشريفة ص ٩٥ ❸ الفتاوى ٢٨/٣٠٠

❹ مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري ص ١٥٦

❺ الطبقات تحقيق السلمى ١/٣١٦، ٣١٧، اس کی سند حسن ہے۔

❻ الطبقات تحقيق السلمى ١/٣٨٧، ٣٨٨، اس کی سند صحیح ہے۔

❼ مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري ص ١١١

مناقشہ ہے، اس شرط میں جنگ کے مقابل صلح ہی کا متعین ارادہ نہیں ہے، بلکہ اس میں دونوں چیزیں شامل ہیں اگرچہ صلح کی جانب خاص اشارہ ہے، اس سے آپ کی عبقریت، حسن قیادت اور معاملات میں مہارت کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر آپ نے خلافت کو قبول کر لیا تھا۔

تیسرا مرحلہ:

خلیفہ بنائے جانے کے بعد جلد ہی جب آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ کو جان سے مارنے کی پہلی کوشش کی گئی، اس کی جانب درج ذیل روایتیں اشارہ کرتی ہیں:

ابو جہیلہ کے طریق سے ابن سعد نے ”الطبقات“ میں نقل کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد جب حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک شخص آپ پر جھپٹ پڑا، اور خنجر سے وار کر دیا جب کہ آپ مسجد میں تھے، حصین بن عبد الرحمن سلمی کے خیال کے مطابق حملہ کرنے والا بنو اسد کا آدمی تھا، حصین کہتے ہیں کہ میرے چچا وہاں موجود تھے، کہتے ہیں کہ خنجر آپ کے کولھے پر لگا جس سے آپ کئی مہینہ بیمار رہ کر شفا یاب ہوئے، پھر منبر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے عراقیو! ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہم تمہارے خلیفہ اور مہمان ہیں، ہم وہ اہل بیت ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

(الاحزاب: ۳۳)

”اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔“

راوی کہتے ہیں کہ آپ یہی بات دہراتے رہے تا آنکہ مسجد میں موجود ہر شخص سسک سسک کر رونے لگا۔ ابن سعد نے ”الطبقات“ میں ہلال بن یساف کے طریق سے نقل کیا ہے کہتے ہیں: میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ کہہ رہے تھے: اے اہل کوفہ! ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہم تمہارے خلیفہ اور مہمان ہیں، ہم وہ اہل بیت ہیں جن کے بارے میں ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

(الاحزاب: ۳۳)

”اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔“

راوی کہتے ہیں: اس دن سے زیادہ روتے ہوئے میں نے آپ کو کسی دن نہیں دیکھا۔^①
چوتھا مرحلہ:

حسن رضی اللہ عنہ کا عراقی فوج کو کوفہ سے لے کر مدائن تک جانا اور وہاں سے مقدمۃ الجیش (جسے شرطۃ الخمیس کہا جاتا تھا) کو قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کی قیادت میں آگے مقام ”مسکن“ تک بھیجنا، ابن سعد نے ”الطبقات“ میں شعی کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے وہ اسی جانب اشارہ کرتی ہے کہتے ہیں: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد اہل عراق نے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کی، پھر آپ سے کہا: ان لوگوں پر چڑھائی کیجیے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی ہے، گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے، لوگوں پر ظلم و زیادتی کی ہے، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مغلوب کر دے گا، چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ نے اہل شام پر چڑھائی کر دی، اور بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل مقدمۃ الجیش کا قائد قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا۔^②

مذکورہ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عراق نے حسن رضی اللہ عنہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اہل شام سے جنگ کے لیے نکلنے پر زبردستی آمادہ کیا، ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی جانب اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے:

”حسن رضی اللہ عنہ کی کسی سے بھی جنگ کی نیت نہیں تھی، لیکن ان لوگوں نے آپ کو اپنی رائے ترک کرنے پر زبردستی آمادہ کیا، چنانچہ انہوں نے ایک بہت بڑا اجتماع کیا، حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل مقدمۃ الجیش کا امیر قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا، اور انہیں پہلے بھیجا، انہی کے پیچھے بلاد شام پر چڑھائی کرنے کے لیے فوجوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے، جب مدائن پہنچے تو وہاں پڑاؤ کیا اور مقدمۃ الجیش کو آگے بھیج دیا۔“^③

حسن رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی ہوشیاری کا ثبوت دیا جس سے آپ کی فنی وسعت، تدبیر اور بصیرت کا پتہ چلتا ہے، وہ ہوشیاری یہ تھی کہ شروع ہی سے اہل عراق پر یہ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتے تھے کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت اور خلافت انہی کے حوالے کر دینا چاہتے ہیں، اس لیے کہ آپ بغیر سوچے سمجھے ان کے کسی معاملے میں دخل انداز ہونے سے واقف تھے، چنانچہ آپ نے چاہا کہ انہی کے تصرفات سے ان کے بارے میں اپنی رائے کی سچائی اور اپنی نیت و ارادے کی صحت پر دلیل فراہم کر دیں، اس لیے معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے کوچ کرنے پر ان کی موافقت کی اور فوج کو تیار کیا۔^④

① الطبقات تحقیق السلمي ۱/ ۳۸۱، اس کی سند صحیح ہے۔

② البداية والنهاية ۱۱/ ۱۳۲

③ الطبقات تحقیق السلمي ۱/ ۳۱۹-۳۲۱، اس کی سند لا باس بہ ہے۔

④ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، د. عبد الشافی محمد ص ۱۰۱

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا کوفہ سے مدائن کی جانب کوچ ڈاکٹر خالد الغیث کی ترجیح کے مطابق صفر ۳۱ھ میں انجام

پایا۔^①

پانچواں مرحلہ:

کوفہ سے مدائن کی جانب حسن رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کی خبر سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شام سے نکل پڑنے، اس سلسلے میں ابن سعد ”الطبقات“ میں فرماتے ہیں:

”حسن رضی اللہ عنہ سے جنگ کے ارادے سے معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کو لے کر نکل پڑے تا آنکہ ”جسر منیع“

نامی گاؤں کے پاس پڑاؤ کیا۔“

مزید فرماتے ہیں:

”پھر ”جسر منیع“ سے مقام ”مسکن“ تک کا سفر پانچ دن میں طے کیا اور چھٹے دن داخل

ہوئے۔“^②

حسن رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کی خبر سننے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی میں قدرے تاخیر ہوئی، سبب یہ تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس قاتلانہ حملہ میں شدید زخمی ہو گئے تھے، جس کا ارتکاب برک بن عبد اللہ تہمی نامی خارجی شخص نے کیا تھا، جب آپ صلاۃ فجر کے لیے نکلے تھے، یہ حملہ بھی اسی دن فجر کے وقت ہوا تھا جس دن علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا، صحیح قول کی روشنی میں وہ ۱۷ صفر ۴۰ھ جمعہ کے دن فجر کا وقت تھا۔^③ جندب کے طریق سے خلال نے جو روایت نقل کی ہے اس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے زخم کی شدت کو بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:

”ہم ایک قافلے میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، سعد رضی اللہ عنہ ٹھہرے اور میں بھی، میں نے

آپ کے ٹھہرنے کو غنیمت جانا، میں آپ کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگا، میں نے اللہ کی حمد و ثنا کے

بعد کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی کر دیے گئے ہیں، میرے خیال میں وہ زخم شاید ان کا کام تمام کر دے،

اور بلاشبہ خوارج بقیہ اصحاب شوریٰ و صحابہ کرام کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اس لیے اگر آپ خلیفہ بنائے

جائیں تو میں آپ کو اللہ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ آپ نہ تو ان میں اختلاف و انتشار پیدا ہونے دیں گے

اور نہ ہی ہلاکت و بربادی کی جانب دعوت دیں گے۔“

چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

”اللہ کی قسم! نہ تو میں ان میں اختلاف و انتشار پیدا ہونے دوں گا اور نہ ہی ہلاکت و بربادی کی

① مرویات خلافة معاوية في تاريخ الطبري ص ۱۳۰

② البداية والنهاية ۱۱ / ۱۳۱

③ الطبقات، تحقيق السلمی ۱ / ۳۲۳

جانب دعوت دوں گا، تا آنکہ لوگ تلوار لے کر آئیں اور کہیں: یہ مومن ہے اس کو چھوڑ دیجیے، اور یہ کافر ہے اس کو قتل کر دیجیے۔“^①

حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے کہ عراقیوں میں سے کسی نے باواز بلند اعلان کر دیا کہ قیس (رضی اللہ عنہ) قتل کر دیے گئے، نتیجتاً فوج میں افراتفری پھیل گئی، اہل عراق میں عدم ثبات کی فطرت عود کر آئی، حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے پر حملہ بول دیا، سارا سامان لوٹ لیا حتیٰ کہ جس چادر پر بیٹھے تھے اسے بھی چھین لیا اور آپ کو زخمی بھی کر دیا۔ یہاں ایک نہایت اہم اور معنی خیز واقعہ پیش آیا، علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدائن کے گورنر سعد بن مسعود ثقفی تھے، ان کے پاس ان کا بھتیجا مختار بن ابی عبید بن مسعود آیا جو اس وقت نوجوان تھا، ان سے کہا: کیا آپ مالدار اور اچھے مقام و مرتبہ والے بننا چاہتے ہیں؟ کہا: کیسے؟ کہا: حسن رضی اللہ عنہ کو قید کر لیں اور اس کے بدلے معاویہ رضی اللہ عنہ سے امن حاصل کر لیں، چچا نے سخت جواب دیا: تم پر اللہ کی لعنت ہو، کیا میں نواسہ رسول کے خلاف جرأت کر کے انھیں قید کر سکتا ہوں؟ تم بہت ہی برے آدمی ہو۔^②

حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھیوں کا سلوک دیکھ کر یہ یقین ہو گیا کہ ان سے کسی فائدے اور مدد کی توقع نہیں کی جاسکتی، شروع ہی سے یہی بات آپ کے دل و دماغ میں تھی، چنانچہ اسی کے باعث صلح کی جانب آپ کے قدم اور بڑھے اور اس سے مزید قریب ہو گئے۔

چھٹا مرحلہ:

حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اہلچلیوں کا آنا جانا، اور دونوں کے مابین صلح ہو جانا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں امت مسلمہ کی تاریخ کے ان مشکل ترین لحاظ کو ذکر کیا ہے جب شامی اور عراقی فوجیں آمنے سامنے ہوئی تھیں۔ چنانچہ حسن بصری کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، کہتے ہیں: اللہ کی قسم پہاڑوں کے برابر فوجی دستوں کو لے کر حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا سامنا کیا، اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسے فوجی دستوں کو دیکھ رہا ہوں جو اپنے مد مقابل کا کام تمام کر کے ہی واپس جائیں گے، ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ (جو دونوں میں بہتر تھے) نے کہا: اے عمرو! اگر یہ لوگ ان کو اور وہ ان کو قتل کر دیں گے تو لوگوں کے معاملات، ان کی عورتوں اور بچوں کا کون ذمہ دار ہوگا؟ چنانچہ قریش کے دو آدمیوں عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عامر بن کریر رضی اللہ عنہ کو اپنی بنا کر بھیجتے ہوئے کہا: اس آدمی کے پاس جاؤ، ان کے کچھ مطالبات تسلیم کر لینے اور اپنے کچھ مطالبات منوانے سے متعلق گفتگو کرو، چنانچہ دونوں آپ کے پاس گئے، گفتگو کی، دونوں سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم بنو عبدالمطلب اس

① السنۃ للخلال، تحقیق د. الزہرانی ص ۴۷۴، ۴۷۵، اس کی سند صحیح ہے۔

② تاریخ الطبری ۱۵۹/۵ نقل عن العالم الاسلامی فی العصر الأموی ص ۱۰۱

انجام سے آگاہ ہو چکے ہیں، امت اپنے خون میں لت پت ہو چکی ہے۔ دونوں نے کہا: وہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) آپ کے کچھ مطالبات تسلیم کر لینا اور اپنے کچھ مطالبات منوانا چاہتے ہیں، آپ نے کہا: میرے لیے اس کی ضمانت کون لے گا؟ دونوں نے کہا: ❶ ہم، چنانچہ جس چیز کی ان دونوں سے ضمانت طلب کی وہ اس کی ضمانت کے لیے تیار ہو گئے، اس طرح آپ نے ان (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ صلح کر لی۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا تھا، آپ کے بغل میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے، آپ ایک بار لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے تھے اور دوسری بار ان کی جانب، اور کہہ رہے تھے:

”میرا یہ لاڈلا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین صلح کرائے۔“ ❷

صلح کی اس مذکورہ حدیث سے مستنبط درج ذیل فوائد کو حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے:

- ۱۔ اس واقعے میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔
- ۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے فضائل میں سے ایک فضیلت ہے، آپ نے دنیاوی حکومت کو چھوڑ دیا، قلبِ تعداد، کمزوری یا کسی اور سبب سے نہیں بلکہ مسلمانوں کو خوزیزی سے بچا کر اللہ کے پاس موجود نعمتوں کے لالچ کے سبب، آپ نے دین اور امت مسلمہ دونوں کی مصلحت کی رعایت کی۔
- ۳۔ خوارج جو علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نیز معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو کافر قرار دیتے تھے اس روایت میں ان کی تردید ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں کے بارے میں مسلمان ہونے کی شہادت دی ہے۔
- ۴۔ اس روایت میں لوگوں کے مابین صلح کی فضیلت ہے خصوصاً جب اس کے نتیجے میں مسلمان خوزیزی سے بچ جائیں۔
- ۵۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ رعایا پر مہربان اور مسلمانوں پر شفیق تھے، آپ میں حکمرانی کی اعلیٰ صلاحیت تھی اور نتائج و عواقب پر آپ کی گہری نظر تھی۔
- ۶۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضل خلیفہ بن سکتا ہے، اس لیے کہ حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں خلیفہ ہوئے، جب کہ سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما با حیات تھے جو بدری صحابہ ہیں۔

❶ فتح الباری، ۱۳/۶۹، ۷۰

❷ صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۰۹

۱۔ اس واقعے میں اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ مسلمانوں کی بھلائی کی خاطر اپنے آپ کو خلافت سے الگ کر سکتا ہے، مال کے عوض دینی و دنیاوی منصب سے تنازل جائز ہے، اس سلسلے میں مال لیا اور دیا جاسکتا ہے، ان شرطوں کے ساتھ کہ جس کے لیے تنازل کیا جا رہا ہو وہ تنازل کرنے والے سے بہتر ہو، نیز یہ کہ دیا جانے والا مال شخصی ملکیت کا ہو، اور اگر معاملہ عام ولایت یعنی خلافت کا ہو اور دیا جانے والا مال بیت المال کا ہو تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس میں مصلحت عام ہو۔ ①

جیسا کہ صلح سے متعلق ابن سعد نے درج ذیل روایت نقل کی ہے جو امام بخاری کی روایت سے کم اہم نہیں ہے بلکہ اسی کا تکرار بھی جاتی ہے اور وہ عمرو بن دینار کے طریق سے منقول ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ فتنے کو سب سے زیادہ ناپسند کرنے والے تھے، جب علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی بھیج کر، خفیہ طور پر اپنے اور ان کے درمیان اختلافات کو ختم کر لیا، اور حسن رضی اللہ عنہ سے یہ عہد لینا چاہا کہ اگر ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آتا ہے اور وہ زندہ رہتے ہیں تو اپنے بعد خلافت کے لیے ان کا نام پیش کریں، اور معاملہ انھی کے حوالے کر دیں گے، جب حسن رضی اللہ عنہ نے اس عہد کی توثیق کر دی تو ابن جعفر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم میں حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا، اٹھنے لگا تو میرا کپڑا کھینچتے ہوئے کہا: ارے بھائی بیٹھو، بٹھایا تو میں بیٹھ گیا، کہنے لگے: میں نے ایک رائے قائم کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اس میں میری موافقت کرو، میں نے پوچھا: وہ کون سی رائے ہے؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ میں مدینہ جا کر وہیں قیام کر لوں اور یہ معاملہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے چھوڑ دوں، فتنہ بہت طویل ہو چکا، بہت خونریزیاں ہو چکیں، بہت سارے رشتے ناتے ٹوٹ چکے، بہت ساری راہیں مسدود ہو چکیں، سرحدیں بے حفاظت ہو چکیں۔ ابن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: امت محمدیہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ہم اس رائے میں آپ کے ساتھ ہیں، حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: حسین کو بلاؤ، انھیں بلایا گیا وہ آئے تو ان سے کہا: اے برادر محترم! میری ایک رائے ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اس میں میری موافقت کرو، پوچھا: کون سی رائے ہے؟ تو ان سے وہی بات کہی تو ابن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہی تھی، حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ کو اس بات سے پناہ میں رکھے، کہ آپ علی (جو قبر میں مدفون ہیں) کی تکذیب اور معاویہ کی تصدیق کریں، اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم تم میرے ہر ارادے کی مخالفت کرتے ہو، اللہ کی قسم جی میں آتا ہے کہ تمہیں ایک گھر میں اس وقت تک کے لیے بند کر دوں جب تک میں اپنے معاملے کا فیصلہ نہ کر دوں۔ راوی کہتے ہیں: جب حسین رضی اللہ عنہ آپ کے غصہ کو بھانپ گئے تو کہا: آپ والد محترم کے بڑے بیٹے ہیں، ہمارا معاملہ آپ کے تابع ہے آپ کی سمجھ میں جو آئے کیجیے۔ ②

امام بخاری اور ابن سعد دونوں کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ سے رابطہ کرنے اور صلح کی پیشکش کرنے میں پہل کرنے والے معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ❶

صلح کی جانب پہل کرنے والے حسن رضی اللہ عنہ تھے یا معاویہ رضی اللہ عنہ؟

کوئی پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ صلح کی جانب پہل کرنے والے حسن رضی اللہ عنہ تھے (جن کے بارے میں صلح سے متعلق حدیث رسول وارد ہے، جو قریب تھا کہ پہلے قاتلانہ حملہ میں قتل کر دیے جاتے، اس حملہ کا سبب وہ شرط تھی جو آپ نے اہل عراق سے بیعت لینے میں لگائی تھی اور اسی سے آپ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کی نیت کا پتہ چلتا تھا) یا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صلح کی چاہت دونوں کے یہاں تھی، حسن رضی اللہ عنہ بیعت کے ابتدائی لمحات ہی سے صلح کے لیے کوشاں تھے اور اس کے لیے منصوبہ بندی کر رہے تھے، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس صلح کی تکمیل کردی جس کی ابتداء حسن رضی اللہ عنہ نے کی تھی، اس طرح دونوں میں سے ہر ایک کا عمل دوسرے کے عمل کو مکمل کرنے والا تھا۔ ❷

ساتواں مرحلہ:..... حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کی دوسری کوشش:

حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کے مذاکرات کامیاب ہو جانے کے بعد حسن رضی اللہ عنہ صلح کو مان لینے کے لیے اپنے لوگوں کو تیار کرنے لگے، ان کے درمیان تقریر کرنے لگے تاکہ انھیں اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین طے ہونے والی باتوں سے آگاہ کریں، تقریر کے دوران ہی میں آپ کے بعض فوجیوں نے قتل کے ارادے سے آپ پر حملہ کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کی طرح اس بار بھی بچایا۔ بلاذری حسن رضی اللہ عنہ کی تقریر اور قاتلانہ حملے کو ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”مجھے امید ہے کہ میں لوگوں کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں، مجھے نہ کسی سے کینہ ہے اور نہ ہی حسد، نہ کسی کے لیے مصیبت چاہتا ہوں اور نہ ہی برائی، اجتماعیت میں جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو وہ تمھارے لیے اس چیز سے بہتر ہے جسے تم اختلاف میں پسند کرتے ہو، میں تمھارے لیے تم سے زیادہ بہتر سوچنے والا ہوں، تم میری مخالفت نہ کرو، اور نہ ہی میری بات کا انکار کرو، اللہ میری اور تمھاری بخشش کرے۔ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! انھوں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مصالحت کا پختہ ارادہ کر لیا ہے، وہ کمزور ہیں اور ہمت ہار چکے ہیں، وہ سب آپ کے خیمے

❶ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۳۸

❷ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۴۱

میں گھس گئے، آپ کے نیچے سے مصلیٰ کھینچ لیا، آپ کے کپڑے لوٹ لیے، پھر عبدالرحمن بن عبداللہ بن ابوجعال ازدی آپ کی جانب بڑھا، آپ کی چادر کو گردن سے کھینچ لیا آپ صرف تلوار لٹکائے ہوئے دکھائی دینے لگے، جس سے آپ کے ہوش اڑ گئے، پھر آپ کا ہوش کام کرنے لگا، چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر لوگوں میں گھومنے لگے، بعض آپ کو عاجز اور کمزور کر رہے تھے اور بعض دوسرے انھیں آپ سے دور کر رہے تھے اور ہٹا رہے تھے، بنوفضر بن قعین کے قبیلہ بنواسد بن خزیمہ کا جراح بن سنان نامی شخص جو خوارج میں سے تھا جاکر ”مظلم ساباط“ نامی مقام پر آپ کی گھات میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا، جب وہاں سے حسن رضی اللہ عنہما کا گزر ہوا تو اس نے آپ کی سواری سے قریب ہو کر تکلیف پکڑ لی، پھر اپنے ساتھ موجود پھاؤڑا نکال کر کہا: اے حسن تم نے شرک کیا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے تمہارے باپ نے شرک کیا ہے، پھر پھاؤڑے سے ران پر حملہ کر دیا، قریب تھا کہ زخم ہڈی تک پہنچ جائے، حسن رضی اللہ عنہما نے بھی اس کے چہرے پر مارا، پھر دونوں ایک دوسرے سے الجھ گئے اور زمین پر گر پڑے، عبداللہ بن فضل طائی نے کوہدر جراح کے ہاتھ سے پھاؤڑا چھین لیا، ظبیان بن عمارہ تمیمی نے اس کی ناک کاٹ لی، اینٹ کا ایک ٹکڑا لے کر اس کے چہرے اور سر کو پھینک دیا، جس سے وہ مر گیا، اور حسن رضی اللہ عنہما کو مدائن لے جایا گیا..... پھر سعد بن مسعود نے حسن رضی اللہ عنہما کے لیے طبیب مہیا کر لیا جو آپ کی دیکھ بھال کرتا رہا تا آنکہ آپ شفا یاب ہو گئے، پھر آپ کو مدائن کے قصر ابیض میں منتقل کر دیا۔“ ❶

مذکورہ تقریر کے سلسلے میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت سے پہلے ابوحنیفہ دینوری اور بلاذری کے یہاں اس تقریر کا وجود ملتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسن رضی اللہ عنہما کی فوج کے وصف سے متعلق صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہما کی فوج میں کافی قوت اور مضبوطی تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مدائن میں جب عراقی فوج شامی فوج کے مد مقابل تھی تو وہ مادی اور معنوی اعتبار سے بہت بہتر حالت میں تھی، اس کی حالت حسن رضی اللہ عنہما کی مذکورہ تقریر کے بعد بگڑ گئی تھی، اور اس کے بعد عراقی فوج میں شامی فوج سے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہی، اس لیے حقیقت سے قریب تر بات یہی ہے کہ عراقی اور شامی فوجوں کے باہم ٹکرانے اور حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کے بعد ہی حسن رضی اللہ عنہما نے اپنی فوج کے سامنے تقریر کی تھی۔ ❷

❶ الأنساب للبلاذری مخطوطة نقلت عن مرويات خلافة معاوية ص ۱۴۲

❷ الطبقات، السلمي، ص ۱/ ۳۱۷

نیز حسن رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر اپنے ساتھیوں کو، اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والی مصالحت سے باخبر کرنے کی تمہید تھی، درج ذیل روایتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں:

ابن سعد نے ریح بن حارث کے طریق سے نقل کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

”ہر آنے والی چیز قریب ہوتی ہے، لوگ اگرچہ ناپسند کریں، اللہ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے، اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ میں امت کی کوئی ایسی ادنیٰ ذمہ داری قبول کروں جس میں خون کا کوئی قطرہ بہایا جائے، مجھے اپنا نفع و نقصان معلوم ہے، اس لیے تم لوگ اپنی راہ لو۔“ ❶

کوئی اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس روایت کا تعلق تو کوفہ سے معلوم ہوتا ہے مدائن سے نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسی روایت کو ریح بن حارث کے طریق اور صحیح سند سے نقل کیا ہے اس میں الفاظ اس طرح ہیں:

((إِنَّ النَّاسَ اجْتَمَعُوا إِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ فِي الْمَدَائِنِ.....)) ❷

”لوگ مدائن میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس اکٹھا ہوئے۔“

پھر ابن سعد کی بقیہ روایت ذکر کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تقریر مدائن میں کی گئی، نیز یہ بھی راجح ہے کہ یہ تقریر حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کے بعد کی گئی تھی، اس لیے کہ اس تقریر سے متعلق اُسی باتوں کا ذکر ملتا ہے جنہیں حسن رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے متعلق ذکر کیا جاتا ہے جسے بلاذری نے نقل کیا ہے، بلکہ یہ تقریر بلاذری کی نقل کردہ تقریر کا ایک جز ہے، جس سے حسن رضی اللہ عنہ کی فوج میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔

فوج میں جو کچھ ہوا اس پر حسن رضی اللہ عنہ کا موقف کیا رہا؟ اس جانب وہ روایت اشارہ کرتی ہے جسے ابن سعد نے ہلال بن خباب کے طریق سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ نے قصر مدائن میں اپنے اہم ساتھیوں کو جمع کر کے کہا: اے اہل عراق! میں تمہاری تین باتیں نہیں بھول سکتا، میرے والد کو قتل کرنا، میری ران کی جڑ پر حملہ کر کے شدید زخمی کر دینا، میرے مال و اسباب کو لوٹ لینا، بلاشبہ تم لوگوں نے مجھ سے بیعت کی ہے کہ میں جس سے صلح کروں گا اس سے تم صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں گا اس سے تم جنگ کرو گے، میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی ہے اس لیے ان کی بات سنو اور مانو۔ راوی کہتے ہیں: پھر آپ منبر سے اترے اور قصر میں داخل ہو گئے۔ ❸

❶ فضائل الصحابة ۲/ ۷۷۳

❷ مرويات خلافة معاوية ص ۱۴۲

❸ الطبقات، السلمي، ص ۱/ ۳۲۴

۱۔ صلح سے متعلق شرطۃ الخمیس کا رویہ:

صلح سے متعلق شرطۃ الخمیس (جو مسکن کی جانب بھیجا جانے والا عراقی مقدمۃ الجیش تھا) کے رویہ کو وہ روایت واضح کرتی ہے جسے امام حاکم نے ابوالغریف کے طریق سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل حسن رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش میں تھے، اہل شام سے جنگ کے لیے ہماری تلواریں از حد تیز تھیں، ہمارے قائد ابو عمر طعیر بن یزید کندی تھے، جب حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کی خبر ہم تک پہنچی تو ایسا محسوس ہو کہ غیظ و غضب سے ہماری کمر ٹوٹ گئی، ہو، حسن رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو ہم میں سے ابوعامر سفیان بن لیل نے ان کے پاس جا کر کہا:

((الْسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُدِلَّ الْمُؤْمِنِينَ .))

”اے مومنوں کو رسوا کرنے والے تم پر سلامتی ہو۔“

یہ سن کر حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعامر! ایسا نہ کہو، میں نے مومنوں کو رسوا نہیں کیا ہے، بلکہ حکمرانی کی خواہش میں میں نے ان کے قتل کو ناپسند کیا ہے۔^①

لگتا ہے کہ ابو عمر طعیر مقدمۃ الجیش کے کسی کھڑے کا امیر تھا، اسی میں ابوالغریف تھا اس لیے کہ یہ ثابت ہے کہ مقدمۃ الجیش کے عمومی قائد قیس بن سعد رضی اللہ عنہ تھے۔

صحیح روایات میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا، کہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مقدمۃ الجیش میں موجود تھے، اس سے اس زمانے میں عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عراق میں موجود ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔^② ان باطل و موضوع روایات کا کوئی اعتبار نہیں جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مالی رشوتیں مل جانے کے باعث عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیانت کی تھی۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے شروع میں صلح کو تسلیم نہیں کیا تھا، اور اپنے ہاتھوں کو لے کر الگ ہو گئے تھے، پھر منجانب اللہ آپ کو شرح صدر حاصل ہو گیا اور صلح کو تسلیم کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی، مصالحت کی خبر آنے پر قیس رضی اللہ عنہ کا کیا رویہ تھا؟ اسے درج ذیل روایتیں واضح کرتی ہیں:

حبیب بن ابی ثابت کے طریق سے ابن حجر رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کا پیغام بھیجا، اور اس کی خبر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو دی، تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ فوجیوں میں کھڑے ہو کر انھیں خطاب کیا: اے لوگو! تمھارے لیے دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے، فتنہ

① المستدرک ۳/ ۱۷۵

② مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۱۴

میں داخل ہونا یا بغیر حاکم کے جنگ کرنا، لوگوں نے پوچھا: کیا مطلب؟ انھوں نے کہا کہ حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکے ہیں، چنانچہ لوگوں نے لوٹ کر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔^①

مذکورہ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مقدمہ لکھیش کے بہت سارے لوگوں نے صلح کی خبر کو سنتے ہی صلح کو قبول کر لیا، لیکن اس میں ان کے قائد قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے صلح کو قبول کر لینے کا ذکر نہیں ہے، اس کی جانب ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے مقدمہ لکھیش کے امیر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کر لیں، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، انھوں نے دونوں کی اطاعت و فرمانبرداری کو ترک کر دی، اور اپنے ماتحتوں کو لے کر الگ ہو گئے، پھر معاملے پر غور کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔^②

اسی طرح صلح سے متعلق قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے تابعین کے موقف کے بارے میں ابن ابی شیبہ گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”ہاشم بن عروہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ، حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے مقدمہ لکھیش کے امیر تھے، ان کے ساتھ پانچ ہزار فوجیوں نے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اپنا سر منڈوا لیا، اور موت پر باہمی معاہدہ کیا، جب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کر لی تو قیس رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا: جو تم چاہو گے میں وہی کروں گا، اگر تم چاہو تو تمہیں لے کر جنگ کروں تا آنکہ ہم میں پہلے مرنے والا مرجائے، اور اگر چاہو تو میں تمہارے لیے امان حاصل کروں، انھوں نے کہا: آپ ہمارے لیے امان لے لیں، چنانچہ انھوں نے ان کے لیے امان لے لی، اور یہ کہ انھیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی، اپنے لیے کچھ نہیں لیا۔ جب مدینہ کی جانب کوچ کیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر چلے تو ان کے لیے روزانہ اونٹ ذبح کیا تا آنکہ مدینہ پہنچ گئے۔“^③

مذکورہ روایت میں -باوجودیکہ اس میں واقعات کے تسلسل میں تقدیم و تاخیر ہے- اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل مقدمہ لکھیش میں سے کتنے لوگوں نے قیس رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا۔^④

① المطالب العلیہ ۴/ ۳۱۷-۳۱۹، اس کی سند صحیح ہے۔

② البداية والنهاية ۱۶/ ۸

③ مصنف ابن ابی شیبہ ۷/ ۴۷۲

④ البداية والنهاية ۱۶/ ۸

۲۔ صلح سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ گورنروں کے رویے:

اس سلسلے میں ان گورنروں کے رویے مختلف اور متضاد تھے، بعض نے اسے قبول کر لیا، بعض نے ناپسند کیا، ذیل میں ان کے رویوں کا ذکر ہے:

ا: صلح کو قبول کرنے اور اسے بہتر سمجھنے کا رویہ، اس میں سرفہرست عبید اللہ بن جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ تھے۔ پہلے انکار پھر قبول کرنے کا رویہ، اس میں سرفہرست قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ج: ایک تیسرا فریق تھا جس نے صلح کو ناپسند کرتے ہوئے اسے قبول کیا تھا، اس میں دو گروہ تھے۔ ایک گروہ یہ سمجھ رہا تھا کہ صلح پر عمل صرف حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی تک ضروری ہے، ان کے نمائندہ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ تھے، دوسرا گروہ یہ سمجھ رہا تھا کہ صلح پر عمل معاویہ و حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی تک یا ان میں سے جو بھی بعد میں انتقال کرتا ہے، اس کے انتقال تک ضروری ہے، ان کے نمائندہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ تھے۔

آٹھواں مرحلہ:

حسن رضی اللہ عنہ کی فوج میں جو فتنہ پیدا ہوا منجانب اللہ اس سے نجات اور مدائن چھوڑ کر کوفہ آ جانے کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت چھوڑ کر اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دینا۔

بلاذری حسن رضی اللہ عنہ کے سفر کوفہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جب حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن سے کوفہ کا سفر کرنا چاہا تو آپ کے پاس ابن عامر اور ابن سرہ رضی اللہ عنہ صلح کی دستاویز لے کر آئے جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے مطالبات کو تسلیم کیا تھا، اس موقع پر آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو اور من جانب اللہ تمہارے لیے اس میں بہت ساری بھلائیاں مقدر ہوں، پھر کوفہ کی جانب چل پڑے۔ ❶ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ مسکن سے نخیلہ نامی مقام کی جانب چل پڑے، اس سلسلے میں بلاذری کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ مسکن سے کوفہ کی جانب چل پڑے، نخیلہ اور دار الرزق کے مابین پڑاؤ کیا۔ ❷ پھر حسن رضی اللہ عنہ کوفہ سے نخیلہ آئے تاکہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے معاملہ ان کے حوالے کر دیں۔

مجاہد ❸ شعبی ❹ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: مقام نخیلہ میں جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو میں وہاں موجود تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ بات طے ہوگئی تو آپ کھڑے ہو کر لوگوں کو بتادیں کہ

❶ أنساب الاشراف مخلوطہ ہے، اسی سے مرویات خلافة معاویہ ص ۱۵۰ میں منقول ہے۔

❷ أنساب الاشراف نقلاً عن مرویات خلافة معاویہ ص ۱۵۰

❸ مجاہد بن سعید ہمدانی متکلم فیہ ہیں۔

❹ عامر شعبی ثقہ ہیں۔

اس امر خلافت کو آپ نے میرے حوالے کر دیا ہے، غالباً سفیان کے الفاظ ہیں: لوگوں کو اس امر خلافت کے بارے میں بتادیں جسے آپ نے میرے لیے چھوڑ دیا ہے، چنانچہ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی، اللہ کی حمد و ثناء بیان کی۔ شععی کہتے ہیں اور میں سن رہا تھا۔ پھر فرمایا: سب سے ذہین متقی ہوتا ہے اور سب سے احمق نافرمان ہوتا ہے، یہ امر خلافت جس میں میرا اور معاویہ کا اختلاف تھا، اگر میں اس کا مستحق تھا تو امت کی خوریزی روکنے اور اس کی بھلائی کی خاطر میں اسے معاویہ کے لیے چھوڑ دیتا ہوں یا کوئی دوسرا اس کا زیادہ مستحق تھا تو میں اس کو اس کا حق دیتا ہوں۔

﴿وَإِنْ أَدْرَىٰ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ (الانبیاء: ۱۱۱)

”مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ (پہنچانا) ہے۔“

طبرانی کی طرح اس روایت کو شععی کے طریق سے ابن سعد^۱، حاکم^۲، ابونعیم اصفہانی^۳، بیہقی^۴ اور ابن عبد البر^۵ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح بیعت کی روایت کو احمد بن حنبل نے انس بن سیرین کے طریق سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں: جس دن حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی فرمایا: جابلص اور جالبق^۶ کے مابین میرے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جس کے نانہ نبی ہوں، میں نے امت محمدیہ کا اتحاد چاہا ہے، اور میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، بلاشبہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی ہے، مجھے معلوم نہیں، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچانا ہو۔^۷

عمر و بن دینار کے طریق سے ابن سعد نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے: حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! میں اس معاملے کے ابتدائی حصے کو سب سے زیادہ ناپسند کرنے والا تھا، اور اس کے آخری حصے کی میں نے اصلاح کر دی ہے، حق والے کو جو اس کا زیادہ مستحق تھا میں نے حق دے دیا، یادہ میرا حق تھا، جسے میں نے امت محمدیہ کی بھلائی کے لیے قربان کر دیا ہے، اے معاویہ! اللہ تعالیٰ نے کسی بھلائی یا برائی کے لیے (جسے وہی جانتا ہے) آپ کو خلافت عطا کی ہے:

﴿وَإِنْ أَدْرَىٰ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ (الانبیاء: ۱۱۱)

① المعجم الكبير ۲۶/۳، اس کی سند حسن ہے۔

② الطبقات ۱/۲۲۹ المستدرک ۳/۱۷۵

③ حلیۃ الاولیاء ۲/۳۷ دلائل النبوة ۶/۴۴۴

④ الاستیعاب ۱/۳۸۸، ۳۸۹ جابلص اور جالبق دو شہر ہیں، ایک شرق میں ہے دوسرا مغرب میں۔

⑤ فضائل الصحابة ۲/۷۶۹، اس کی سند صحیح ہے۔

”مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ (پہنچانا) ہو۔“

پھر آپ منبر سے اتر گئے۔

لیکن وہ روایت جو اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ جب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تو عمرو بن عاص اور ابوعورسلی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ حسن (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیں کہ وہ منبر پر چڑھ کر تقریر کریں اور وہ تقریر نہیں کر پائیں گے اس طرح لوگ ان سے بیزار ہو جائیں گے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا نہ کرو، اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ان کی زبان اور ہونٹوں کو اپنی زبان سے چاٹ رہے تھے، اور ایسی زبان اور ہونٹ گفتگو سے عاجز نہیں ہو سکتے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے چاٹا ہو، لیکن وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات نہیں مانے، چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے، اللہ کی حمد و ثناء بیان کی.....۔

یہ روایت متن اور سند دونوں اعتبار سے باطل ہے، اس کی سند ضعیف ہے، اور منکر ہے۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ کی تقریر اور بلاغی صلاحیتوں سے ناواقف نہیں تھے۔

بلاذری نے ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کرنے گئے تھے، چنانچہ جریر بن حازم سے مروی ہے کہتے ہیں، میں نے محمد بن سیرین کو کہتے ہوئے سنا ہے: جب حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے تیار ہو گئے تو حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس ان کے لشکرگاہ میں گئے، اپنے ساتھ اپنے پیچھے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو بھی بٹھا کر لے گئے، جب دونوں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کر لی، پھر قیس رضی اللہ عنہ سے کہا: تم بھی بیعت کر لو، قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ایسے ہی بیعت کر لو، اور ہاتھ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب بڑھانے کے بجائے سمیٹ لیا، اور اسے معاویہ کی جانب نہیں بڑھایا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت تخت پر تھے انھوں نے گھٹنوں کے بل ہو کر اپنے ہاتھ کو بڑھایا اور قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو چھو لیا۔ جریر بن حازم کہتے ہیں: جیسا انھوں نے کیا تھا اس کی نقل کر کے محمد بن سیرین نے ہمیں بتایا۔ اور ہنسنے لگے، قیس رضی اللہ عنہ کھیم کھیم تھے۔ ❁

خلافت سے حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لینے پر ہی خلافت راشدہ کی مدت ختم ہو جاتی ہے جو تیس سالوں پر محیط ہے، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے:

((خِلَافَةُ النَّبِيِّ: ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُلْكَ، أَوْ مَلَكَهُ مِنْ بَشَاءٍ.)) ❶

① الطبقات تحقیق السلمي ۱/ ۳۲۵، اس کی سند ضعیف ہے اور متن منکر ہے۔

② أنساب الأشراف للبلاذری، اسی سے مرویات خلافت معاویہ ص ۱۵۴ میں منقول ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

③ صحيح سنن أبي داود للالباني ٣/ ٨٧٩، سنن أبي داود مع شرح عون المعبود، ١٢/ ٢٥٩

”خلافت علیؓ منہاج النبوة کی مدت تیس سال ہے پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہت عطا کرے گا۔“

دوسری حدیث میں ہے:

((الْخِلَافَةُ فِيَّ أُمِّيَّةٌ تَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَلِكَ)) ❶

”میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔“

ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خاتمے پر تیس سال پورے ہو جاتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں انھوں نے خلافت سے تنازل ربیع الاول ۴۱ھ میں کیا، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر یہاں تک تیس مکمل ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔ ❷ اس طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔“ ❸

صلح کے اہم اسباب و محرکات

وہاں بہت سارے اسباب و عوامل تھے جنھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح پر آمادہ کر دیا: اولاً:..... امت کی بھلائی کا ارادہ اور اخروی نعمتوں کی رغبت:

نفیر حسنی نے جب حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو خلافت کا لالچ ہے تو اس کے جواب میں فرمایا: عرب سردار میری مٹھی میں تھے جس سے صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے، لیکن میں اسے (خلافت کو) اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔ ❶

اور اپنی اس تقریر میں جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کا اعلان کیا تھا، فرمایا تھا: ”اگر میرا حق تھا بھی تو امت کی بھلائی کے لیے میں اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔“ ❷

حسن رضی اللہ عنہ کا تصور آخرت، اللہ کی رضا کو مقدم رکھنا، اتحاد و اتفاق اور میل ملاپ کا حریص ہونا، صلح کے اہم اسباب و عوامل تھے، صلح کا اسلام میں عظیم مقام و مرتبہ ہے، معاشرتی اخلاق میں اس کی بہت اہمیت ہے، مادی اور

❶ سنن الترمذی مع تحفة الأحوذی ۶/ ۳۹۵-۳۹۷، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

❷ البدایہ و النہایہ ۸/ ۶

❸ مآثر الإنافۃ، ۱/ ۱۰۵، للقلقشندی مرویات خلافة معاویہ، فی تاریخ الطبری، ص ۱۵۵

❹ البدایہ و النہایہ ۱۱/ ۲۰۶

❺ المعجم الکبیر للطبرانی ۳/ ۲۶، اس کی سند حسن ہے۔

معاشرتی طور پر باہمی تعامل کرنے والوں کے مابین جو جھگڑے اور لڑائیاں ہو جاتی ہیں اسی سے ختم ہوتی ہیں، اسی کے باعث باہم لڑنے والوں کے مابین محبت و اخوت لوٹ آتی ہے، اس لیے کہ یہی چیز جھگڑے کی بنیاد ختم کر کے طرفین کو راضی کرتی ہے، مذکورہ وجوہ کی بنا پر صلح ایک اہم ترین شرعی مقصد ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ بھائی چارگی پیدا ہو، جو مسلمانوں کے لیے مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ان کی صفت بتاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۰)

”(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو۔“

اور یہ ایسی اخوت ہے جس سے باہمی اختلافات اور جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ ❶

اس لیے قرآن کریم میں صلح کی بڑی تاکید ہے، اس کا حکم بھی ہے اور اس کی ترغیب بھی دلائی ہے، صلح اور اہل صلح کی بڑی تعریف کی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ صلح کا حکم:

درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے صلح کا حکم دیا ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْإِنْفَالِ ۖ قُلِ الْإِنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ أَصْلَحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَ

أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝﴾ (الانفال: ۱)

”یہ لوگ آپ سے غنیموں کا حکم دریافت کر رہے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح سے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔“

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى

الْآخَرَىٰ فَإِن تَلَبَّغَا إِلَىٰ أَهْلِ اللَّهِ فَأَنْتَ فَاذَنْتَ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ

أَقْسَطُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا

اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾ (الحجرات: ۹-۱۰)

”اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادیا کرو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو، اور عدل کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، (یاد رکھو) سارے

مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

اللہ کے بندوں کے مابین رشتہ اخوت ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ انھیں باہمی صلح اور میل ملاپ کا حکم دیتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں صراحت سے بیان کیا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۰)

”سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو۔“

اس آیت نے مسلمانوں کے مابین صلح کرانے کے حکم کی علت کو صیغہ حصر میں بیان کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بھائی چارگی کی صفت تو مومنوں ہی کی ہے۔ اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو باہمی صلح کرانے کے حکم کو تاکید ثابت کیا جائے اس لیے کہ ان کے مابین ایسا مضبوط ایمانی رشتہ ہے جس کا مقصد جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنا ہے، اس طرح ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ کا جملہ مسلمانوں کے مابین صلح کرانے کے وجوب کو بتاتا ہے۔ ان قرآنی احکام سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے مابین صلح کرانا کوئی نقلی چیز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ قدرت رکھنے والوں کو اس کا مکلف بناتا ہے، تاکہ مسلمانوں کے مابین اخوت ایمانی کے رشتے کمزور نہ ہوں، ساتھ ہی ساتھ یہ برو تقویٰ کے لیے باہمی تعاون اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قبیل سے ہے، جن کا اللہ تعالیٰ نے بہت ساری آیتوں میں حکم دیا ہے، نیز مسلمانوں کے معاشرتی تعلقات سے متعلق شرعاً یہ ایسی واجب چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں مکلف بنایا ہے۔

یہ تمام باتیں مسلمانوں بلکہ عام لوگوں کے مابین صلح کرانے کو ایک مسلمان پر واجب و لازم قرار دیتی ہیں تاکہ معاشرتی زندگی میں محبت و بھائی چارگی کا دور دورہ ہو۔ ❶ انھی باتوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کی کوشش پر آمادہ کیا۔

۲۔ صلح کرانے کی ترغیب:

اللہ تعالیٰ نے اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے اور اللہ کی رضا کی خاطر صلح کرانے والے کے لیے اجر عظیم مقرر کیا ہے:

﴿لَا خِيَدَ فِي كَيْفِ مَنْ نَجَّوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ أَصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَ

مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۱۱۴)

”ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں، ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک

بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے اور جو شخص صرف اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔“

نیز ایسا کرنے والوں کے لیے رحمت و مغفرت کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَإِنْ تَصْلَحُوهَا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝﴾ (النساء: ۱۲۹)

”اگر تم صلح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔“

اس آیت میں صلح کرانے والوں کے لیے اللہ کی مغفرت و رحمت کا اشارہ ہے جیسا کہ دو صفتوں اللہ کی مغفرت اور رحمت پر آیت کے خاتمے سے پتہ چلتا ہے۔^۱

اسی طرح ارشاد باری ہے:

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْجِ جَنَافًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ (البقرة: ۱۸۲)

”ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے پس وہ ان

میں آپس میں صلح کرادے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشش والا مہربان ہے۔“

پہلی آیت کی طرح اس میں بھی صلح کرانے والوں کے لیے اللہ کی رحمت و مغفرت کی جانب واضح اشارہ ہے۔^۲ اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا أَصْنَعُ اجْرَ الْمُصْلِحِينَ ۝﴾ (الاعراف: ۱۷۰)

”ہم صلح کرنے والوں کا ثواب ضائع نہ کریں گے۔“

۳۔ صلح اور صلح کرانے والوں کی اچھے لفظوں میں تعریف:

قرآن میں صلح کرانے پر رحمت و مغفرت اور اجر کے وعدوں کا بار بار ذکر ہے جس سے اللہ کے نزدیک اس کے بلند مقام و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے، اسی لیے اس پر حمد بدلہ اور اجر عظیم مقرر کیا ہے، نیز اس کے بلند مقام و مرتبہ کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اچھے لفظوں میں تعریف کی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۝﴾ (النساء: ۱۲۸) ”اور صلح بہتر چیز ہے۔“

صلح کو بہتر قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے، اس کو بہتر قرار دینا اس لیے ہے کہ لوگوں کے اس باہمی میل ملاپ میں اس کی عظیم تاثیر ہوتی ہے، جسے صاحب شریعت

۱۔ اخلاق النبی صی القرآن والسنة ۲/ ۹۷۱

۲۔ اخلاق النبی صی القرآن والسنة ۱/ ۹۷۱

انسانی معاشرہ میں دیکھنا چاہتا ہے، نیز اس سے صلح کرانے والے اور اس پر راضی ہونے والے کے اخلاق کریمانہ کا پتہ چلتا ہے، اسی لیے یہ چیز رسولوں کے اہم اخلاق میں سے تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

(ہود: ۸۸)

”میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہے، میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کو نقل کیا ہے جس میں انھوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو مخاطب کیا تھا:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ لِإِخْوَتِهِ هَارُونَ أَخْلَفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ﴾

(الاعراف: ۱۴۲)

”اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے بعد قوم کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدظلم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔“

ان دونوں آیتوں میں اصلاح عام ہے جو دین و دنیا کی اصلاح، نیز جھگڑا وغیرہ (جس سے کوئی انسانی معاشرہ خالی نہیں ہوتا) ہو جانے پر لوگوں کے مابین صلح کرانے کو شامل ہے۔^۱

اسی قرآنی مقصد کے لیے حسن رضی اللہ عنہ صلح پر آمادہ ہوئے، صلح کی چاہت میں اپنے نانا ﷺ کے نقش قدم پر چلے، نبی کریم ﷺ صلح کرانے کی انتھک کوشش کرتے تھے، ایک دن اہل قباء میں جھگڑا کیا، ان کے مابین سنگباری ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو پ نے فرمایا: چلو ہم ان کے مابین صلح کرائیں۔^۲

غور کیجیے مسلمانوں میں اختلاف ہو جانے کے بعد اسے ختم کرانے اور معاملے کو طول پکڑنے سے پہلے ان کے مابین اتحاد و اتفاق اور صلح کرانے کے لیے جانے میں آپ نے ذرا بھی سستی و کوتاہی نہیں کی۔^۳

لوگوں کے مابین صلح کی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر اسلام نے جھگڑنے والوں کے مابین صلح کرانے کی غرض سے جھوٹ کی اجازت دی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

۱- أخلاق النبی فی القرآن و السنة ۲ / ۹۷۱

۲- صحيح البخاری كتاب الصلح حديث نمبر ۲۶۹۰

۳- أخلاق النبی فی القرآن و السنة ۲ / ۹۷۹

((لَيْسَ الْكُذَّابُ الَّذِي يُضْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْتَوِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا)) ❶

”وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے مابین صلح کراتا ہے پس وہ بھلی بات آگے پہنچاتا ہے یا بھلی بات کہتا ہے۔“

نیز ارشاد نبوی ہے:

((لَا يَجِلُّ الْكُذْبُ إِلَّا فِي ثَلَاثِ الرَّجُلِ يُحَدِّثُ أَمْرًا تَلِيْرُضِيهَا، وَ الْكُذْبُ فِي

الْحَرْبِ، وَ الْكُذْبُ لِيُضْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ .)) ❷

”جھوٹ صرف تین چیزوں میں جائز ہے، آدمی کا اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے گفتگو میں جھوٹ بولنا، جنگ میں جھوٹ، لوگوں کے مابین صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔“

ایسا اس لیے ہے کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف و انتشار بہت خطرناک چیز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے:

((إِيَّاكُمْ وَ سُوءَ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّهَا الْحَالِقَةُ .)) ❸

”باہمی بگاڑ اور اختلاف سے بچو، بلاشبہ یہ چیز ہلاک و برباد کرنے والی ہے۔“

یعنی ایسی چیز جو دین کو ختم کر دے جس طرح استرا بالوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ❹

نبی کریم ﷺ نے صلح کے اجر عظیم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ مَنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَ الصَّلَاةِ وَ الصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا

رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ .)) ❺

”کیا میں تمہیں روزہ، نماز اور زکوٰۃ سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے

رسول ﷺ، آپ نے فرمایا: وہ باہمی صلح اور میل ملاپ ہے، بلاشبہ باہمی بگاڑ ہلاک و برباد کر دینے

والی چیز ہے۔“

اس لیے آپ ﷺ کی اپنے نواسے حسن رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں بڑی امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے

❶ صحیح البخاری کتاب الأدب حدیث نمبر ۴۹۰۰

❷ سنن أبی داؤد مع عون المعبود ۱۳/۲۶۳، حدیث نمبر ۴۹۰۰

❸ سنن الترمذی حدیث نمبر ۲۵۰۸، امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ صحیح حدیث ہے۔

❹ جامع الأصول لابن الاثیر ۶/۶۶۸

❺ سنن الترمذی حدیث نمبر ۲۵۰۹، امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس باہمی اختلاف کو ختم کر کے صلح کرائے گا جس اختلاف کے آپ کی وفات کے بعد وقوع پذیر ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے رکھی تھی۔ چنانچہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمَنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَ عَلَيْهِ أُخْرَى وَيَقُولُ: إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.)) ❶

”کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر دیکھا آپ کی بغل میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ ایک بار لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے، دوسری بار ان کی جانب، اور کہہ رہے تھے: میرا یہ لاڈلا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے۔“

ثانیاً:..... میرا یہ لاڈلا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے:

رسول اللہ ﷺ کی اس دعا (اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے) نے حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کی منصوبہ بندی، اس سے متعلق رکاوٹوں کو دور کرنے، اور اس کے لیے نفسیاتی طور پر تیار ہونے پر آمادہ کر دیا، یہی حدیث نبوی طرز زندگی، تصرفات اور میلانات میں حسن رضی اللہ عنہ کے لیے رہنما تھی، یہی رہنمائی آپ کے دل کی گہرائیوں میں پیوست تھی، آپ کے شعور و احساس پر چھائی ہوئی تھی، آپ کے گوشت پوست میں رچ بس گئی تھی، اسی رہنمائی کی روشنی میں آپ نے صلح کا منصوبہ تیار کیا، اس کے مراحل کی تقسیم کی، اور اس کے نتائج پر آپ کو یقین تھا، اس طرح صلح کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کے تیار ہو جانے میں اسی حدیث کا مرکزی کردار تھا اور وہی بنیادی سبب بنی۔

ثالثاً:..... مسلمانوں کی خوئریزی کو روکنا:

حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ قیامت کے دن ستر ہزار یا کچھ کم و بیش لوگ اس حال میں آئیں کہ ان کی رگوں سے خون جاری ہو اور سب کے سب خوئریزی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بدلہ دلانے کا مطالبہ کریں۔ ❷

نیز انھی کا قول ہے:

”بلاشبہ اللہ کا حکم اگرچہ لوگ ناپسند کریں نافذ ہو کر رہے گا، مجھے یہ چیز بالکل پسند نہیں کہ میں امت

❶ صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۰۹

❷ البداية والنهاية ۱۱/۲۰۶

محمد یہ کی کوئی ایسی ادنیٰ ذمہ داری لوں جس میں معمولی بھی خونریزی ہو، میں اپنا فائدہ اور نقصان سمجھتا ہوں تم سب اپنا راستہ لو۔“ ❶

آپ نے اپنی اس تقریر میں جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا تھا فرمایا تھا:

”حق خلافت اگر میرا تھا تو میں امت کی بھلائی اور خون ریزی سے بچاؤ کی خاطر اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔“ ❷

حسن رضی اللہ عنہ کی گفتگو اللہ تعالیٰ سے آپ کے شدید خوف پر غماز ہے، اسی خوف نے آپ کو صلح پر آمادہ کیا، اور اللہ تعالیٰ نے خوف الہی پر اپنے انبیاء و اولیاء کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسِرُّونَ فِي الْخَيْبَاتِ وَيَدْعُونَ عِبَادًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خُشِعِينَ ۝﴾

(الانبیاء: ۹۰)

”یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ، طمع، ڈر اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔“

﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۝﴾

(الرعد: ۲۱)

”اور اللہ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔“

اللہ کا خوف ہی علم پر ابھارتا ہے، تمام نفسانی خواہشات کو مکدر کرتا ہے، دل کو دنیا سے بے رغبت کرتا ہے اور دنیا سے دور رہنے کی دعوت دیتا ہے، نہ وہ نفسیاتی گفتگو، جس کی گناہوں سے روکنے اور اچھے کاموں کو بجالانے میں کوئی تاثیر نہ ہو اور نہ ہی وہ مایوسی جو ناامیدی کا باعث ہو۔ ❸

حسن رضی اللہ عنہ نے قربت الہی کی غرض سے مسلمانوں کو خونریزی سے بچانا چاہا، قیامت کے دن خونریزی سے متعلق اللہ کے محاسبہ سے ڈر گئے، چاہے اس کے لیے خلافت چھوڑنا ہی پڑے، چنانچہ اسی چیز نے آپ کو صلح پر آمادہ کیا۔

❶ تاریخ دمشق ۱۹/۱۶

❷ المعجم الكبير للطبرانی ۳/۲۶، اس کی سند حسن ہے۔

❸ جامع العلوم والحکم ص ۳۶۳، ایمان اولاً، ص ۱۱۷

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مسلمانوں کی خوزیزی کی خطرناکی کا اچھی طرح احساس تھا، اس لیے کہ وہ سب سے خطرناک چیز ہے، جو انسانیت کے وجود کو ہلا کر رکھ دیتی ہے، بنا بریں اس کی حرمت، اس پر وعید اور اس کی سزا کتاب و سنت کے بہت سارے نصوص میں وارد ہے، قیامت کے دن سب سے پہلے خون کے فیصلے کیے جائیں گے، اس سے قتل نفس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، کہتے ہیں:

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ))^①

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے مابین سب سے پہلے خونوں سے متعلق فیصلے کیے جائیں گے۔“

قیامت کے دن خون کا معاملہ بہت عظیم ہوگا، دنیا میں خون کی حفاظت کے لیے کام کرنا شریعت کا ایک اہم مقصد ہے۔ اسی لیے حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے صلح کے حریص تھے۔

اسلامی شریعت (جس کی پوری سمجھ حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی) نے نفس انسانی کو بڑی اہمیت دی ہے، چنانچہ ایسے احکام کو مشروع قرار دیا ہے، جن سے اس کی مصلحتیں حاصل ہوتی ہے اور نقصانات دور ہوتے ہیں، شریعت نے ایسا اس کی حفاظت، بچاؤ اور اس پر ظلم سے روکنے کے لیے کیا ہے، اس لیے کہ انسانی جانوں کے ضائع اور ہلاک ہونے سے اللہ کی عبادت کے مکلف لوگ ہلاک ہوں گے جس کا آخری نتیجہ دین کا ضیاع ہوگا اور جن نفوس کی حفاظت کا شریعت نے اہتمام کیا ہے وہ وہی نفوس ہیں جو اسلام لاکر جزیہ و امان سے محفوظ ہیں۔^②

بنا بریں صلح پر بعض اعتراض کرنے والوں نے جب حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے ”یاعار المؤمنین“ (اے مومنوں کے لیے باعث شرم) کہا تو آپ نے اس کے جواب میں کہا: ”للعار خیر من النار۔“^③ (باعث شرم ہونا جہنم کی آگ سے بہتر ہے)۔

ابن سعد کی روایت میں ہے:

((.....إِنِّي اخْتَرْتُ الْعَارَ عَلَى النَّارِ))^④

ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے متبعین سے مناقشہ کرتے، صلح کے اسباب کو بیان کرتے

① صحیح البخاری کتاب الدیات حدیث نمبر ۱۸۶۴

② روضة الطالبین ۱/۱۴۸، مقاصد الشریعة للیبوی، ص ۲۱۱

③ تاریخ دمشق ۱۴/۸۸

④ الطبقات تحقیق السنمی ۱/۳۲۹، اس کی سند ضعیف ہے۔

اور اس پر مقتنع کرنے کی کوشش کرتے تھے، آپ ایسے نہیں تھے کہ لوگ جہاں چاہیں آپ کو لے جائیں، اور جس کا وہ مطالبہ کریں وہ آپ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں، بلکہ حقائق کی سمجھ اور اپنے خیالات و افکار کے مطابق آپ نے اپنا راستہ متعین کیا، اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی مصلحت والے راستوں پر چلتے ہوئے لوگوں کے دباؤ کو قبول نہیں کیا، یہ بہت سارے اسلامی قائدین کے لیے بہت بڑا سبق ہے، کہ قائد ہی کو عام لوگوں کی قیادت کرنی چاہیے اور انھیں ان کے مقاصد تک پہنچانا چاہیے۔ حسن رضی اللہ عنہ جن حالات سے دوچار تھے ان حالات میں قائدین کے سامنے تین چیزیں ہوتی ہیں:

- ۱۔ جسے عام لوگ چاہیں وہی وہ کریں۔
 - ۲۔ یادہ کسی کا خیال نہ کریں اور نہ ہی کسی کا جواب دیں۔
 - ۳۔ حق اور درست بات پر عمل کریں اور عام لوگوں کو اس حق بات کے لیے مقتنع کریں۔
- حسن رضی اللہ عنہ نے تیسرا طریقہ اپنایا تھا، یعنی حق اور درست بات پر عمل کرنا، اور لوگوں کو اپنے متعین کردہ اعلیٰ مقاصد کی جانب لے جانا، اسی لیے صلح سے متعلق واضح تصور، چند مرحلوں میں عملی تدابیر اور تمہیدات کو پیش کیا، کچھ شرطیں رکھیں، اس سلسلے کی رکاوٹوں کو دور کر لیا اور اپنی رائے پر مخالفین کو قانع کرنے کا اہتمام کیا، یہی درست بات تھی۔ واللہ اعلم
- رابعاً:..... آپ کا اتحاد امت کے لیے حریص ہونا:

صلح کے ایک مرحلے میں حسن رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”لوگو! مجھ میں کسی مسلمان کے لیے کوئی حسد و کینہ نہیں، میں تمہیں اپنا سمجھتا ہوں، میری ایک رائے ہے تم میری رائے کو رد نہ کرو، جس اتفاق و اتحاد کو تم ناپسند کرتے ہو، وہ اس اختلاف سے بہتر ہے جسے تم پسند کرتے ہو۔“^①

اللہ کے فضل و کرم پھر اتحاد امت کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کے حریص ہونے کے باعث وہ عظیم مقصد حاصل ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ٹھہری کہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تاکہ مسلمانوں کی خونریزی روکی جاسکے، اور فتنے کے استمرار، خون بہنے، رشتے داریوں کے ٹوٹنے، باہمی روابط خراب ہونے، سرحدوں کے غیر محفوظ ہونے وغیرہ جیسی عظیم خرابیوں سے بچا جاسکے، اور بھمد اللہ ایک ختم ہو جانے والے دنیوی مفاد سے تنازل کے نتیجے میں امت میں اتحاد ہو گیا، اس لیے اس سال کو ”عام الجماعة“ (اتحاد کا سال) کہا جاتا ہے۔^② یہ حسن رضی اللہ عنہ کی

① الأخبار الطوال ص ۲۰۰

② اعتبار المآلات و مراعاة نتائج التصرفات ص ۱۶۷

بہترین فہم کی دلیل ہے کہ آپ انجام و نتائج کے اعتبار و رعایت کو اچھی طرح جانتے تھے، اور اس طرح کی اچھی سمجھ کے قرآن مجید میں بہت سارے مظاہر و دلائل ہیں، اللہ تعالیٰ نے نتائج کے تقاضوں کے مطابق بعض احکام مرتب کیے ہیں اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ مشرکین کو گالی دینے کی ممانعت:

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام: ۱۰۸)

”اور گالی نہ دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیوں کہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔“

باوجودیکہ مشرکین کے معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنا جائز ہے اس لیے کہ اس میں باطل کی اہانت اور حق کی نصرت ہے، لیکن صاحبِ حکمت شارع کی نگاہ اسی قرہی مقصد پر نہیں ٹھہری، بلکہ آخر میں اس جائز عمل کے جو غیر مستحسن نتائج سامنے آتے وہاں تک پہنچی، اس لیے مشرکین کے معبودان باطلہ کو گالی نہ دینے کا حکم صادر کیا تاکہ وہ انتقاماً اللہ کی شان میں گستاخی نہ کریں، بلاشبہ ان کے معبودوں کی اہانت کی اچھائی، اللہ تعالیٰ کی شان میں ان کے گستاخی کرنے کی خرابی کے مقابلے میں کمتر ہے اور جب خرابی اچھائی سے بڑی ہو تو خرابی کو دور کرنا اچھائی کے حصول پر مقدم ہوگا۔^①

۲۔ بہت بلند آواز سے یا بالکل پست قراءت سے ممانعت:

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ (الاسراء: ۱۱۰)

”اور نہ تو تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پست آواز سے بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے۔“

اللہ تعالیٰ نے انجام کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے نبی کو نماز میں بہت بلند آواز میں قراءت کرنے سے روک دیا، اس لیے کہ مشرکین جب آپ کی قراءت سنیں گے تو یہ چیز انھیں اللہ کی شان میں گستاخی، اس کی کتاب اور دین کو برا بھلا کہنے پر ابھارے گی۔^②

① اعتبار المآلات و مراعاة نتائج التصرفات ص ۱۲۴

② اعتبار المآلات و مراعاة نتائج التصرفات ص ۱۲۵

اس آیت کے نزول کے سلسلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس زمانے میں نبی کریم ﷺ کی دعوت خفیہ تھی کفار مکہ جب تلاوت قرآن سنتے تھے تو قرآن، اس کے نازل کرنے والے، اور اس کے لانے والے (یعنی جبریل علیہ السلام) کو برا بھلا کہتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کو حکم دیا: ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ﴾ یعنی نماز میں آپ اپنی تلاوت بہت بلند آواز میں نہ کریں کہ اس کو سن کر مشرکین قرآن کو برا بھلا کہیں، ﴿وَلَا تُخَافُ يَهَا﴾ اور نہ بہت ہی پست آواز میں کریں کہ آپ کے صحابہ نہ سن سکیں، ﴿وَأَنْتُمْ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ ۱ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لیں۔

۳۔ خضر علیہ السلام کا کشتی میں سوراخ کرنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾ (الکہف: ۷۹)

”کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو جبراً چھین لیتا تھا۔“

کسی دوسرے کی ملکیت میں ناحق تصرف کرنا شرعاً قطعی طور پر ممنوع ہے، لیکن خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا جو بظاہر عیب دار کرنا اور کشتی والوں کو نقصان پہنچانا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس فعل پر اعتراض کیا، اور اہل سفینہ کی بھلائی یاد دلائی کہ انھوں نے بغیر اجرت سوار کیا تھا تو ان سے اس بات کی وضاحت کی کہ اس چھوٹی خرابی کا ارتکاب ایک بڑی خرابی کو دور کرنے کے لیے کیا گیا ہے، اور وہ بڑی خرابی کشتی کا زبردستی چھین جانا تھا، اس لیے کہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح و سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فوری طور سے کسی چھوٹے نقصان کا ارتکاب مستقبل کی کسی بڑی خرابی کو روک دے تو یہ قابل تعریف چیز ہے، شریعت نے نتائج کی رعایت کرتے ہوئے متوقع بڑی خرابیوں کو روکنے کا اہتمام کیا ہے، چاہے انھیں فوری طور پر چھوٹی خرابیوں کے ارتکاب سے روکا جائے، کشتی میں سوراخ کرنے اور اسے عیب دار کرنے کی خرابی کو اس کی اصلاح کر کے ٹھیک کیا جاسکتا تھا، جب کہ کشتی ہاتھ سے چلے جانے کے بعد اس کی واپسی کی کوئی امید نہیں رہ جاتی۔ ۲

۱۔ اسباب النزول للواحیدی ص ۲۲۳، ۲۲۴

۲۔ اعتبار المآلات و مراعاة نتائج التصرفات ص ۱۲۶

۴۔ احادیث نبویہ میں نتائج کے اعتبار کے مظاہر اور دلائل میں سے بڑی خرابی کو چھوٹی خرابی سے دور کرنا ہے:

اسی کے قبیل سے منافقوں کے قتل سے رک جانا ہے، چنانچہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم ایک جنگ میں تھے، ایک مہاجر نے دوسرے انصاری کو لات سے مار دیا، پھر تو انصاری انصار کو اور مہاجر مہاجرین کو اپنی مدد کے لیے پکارنے لگا، اسے سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا: ایک مہاجر نے دوسرے انصاری کو لات مار دی، جس پر انصاری، انصار کو اور مہاجر مہاجرین کو اپنی مدد کے لیے پکار رہا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”دعوها فانها منتنة“ اس جاہلی عصبیت کو چھوڑ دو، یہ بدبودار چیز ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ آئے تو انصار زیادہ تھے، بعد میں مہاجرین بھی زیادہ ہو گئے، عبد اللہ بن ابی نے (فتنے کی غرض سے) کہا: انھوں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم مدینہ پہنچ کر عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا، اس پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((دَعُوهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ .)) ❶

”اسے چھوڑ دو تا کہ وہ لوگوں سے یہ بتاتا نہ پھرے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں۔“

بلاشبہ منافقین کے قتل اور ان کی بیخ کنی میں مسلمانوں کی ظاہری مصلحت تھی، اس سے ان کا معاشرہ فسادی عناصر سے پاک و صاف ہو جاتا، لیکن ایسا کرنے سے مسلمانوں پر لوگوں کا اعتماد متزلزل ہو جاتا، ان سے متعلق لوگوں میں یہ بری بات پھیل جاتی کہ نبی کریم ﷺ مذہب اسلام میں داخل ہونے والوں کا قتل کراتے ہیں، اس بناء پر ان کے قتل سے چشم پوشی، ان کی بیخ کنی کی مصلحتوں سے زیادہ اہم اور اعلیٰ مصلحت ٹھہری، منافقین کے باقی رہنے میں بہت ساری خرابیاں تھیں، جن کا کوئی بھی عاقل انکار نہیں کر سکتا تھا، لیکن انھیں ختم کرنے میں ان سے بھی بڑی خرابی تھی، اس لیے نبی کریم ﷺ کا حکیمانہ نظریہ یہ تھا کہ بڑی خرابی کو چھوٹی خرابی سے دور کیا جائے۔ ❷

نتائج و انجام کی رعایت اور اعتبار کے قبیل سے قواعد ابراہیم علیہ السلام پر تجدید کعبہ کو رسول اللہ ﷺ کا ترک کر دینا تھا، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث نبوی میں ہے کہتی ہیں:

((لَوْ لَا حَدَاثَةُ عَهْدِ قَوْمِكَ بِالْكَفْرِ لَنَقَضْتُ الْكُعْبَةَ وَلَجَعَلْتُهَا عَلَى أَسَاسٍ

❶ صحیح البخاری کتاب التفسیر حدیث نمبر ۴۹۰۵

❷ اعتبار المآلات و مرعاة نتائج التصرفات ص ۱۳۸، ۱۳۹

إِبْرَاهِيمَ، فَإِنَّ قُرَيْشًا حِينَ بَنَتِ الْبَيْتَ اسْتَفْصَرَتْ، وَ لَجَعَلَتْ لَهَا خَلْفًا))^❶
”رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: اگر لوگ تازہ تازہ کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل نہ ہوئے ہوتے تو میں خانہ کعبہ کو گرا کر ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا، قریش جب خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو پوری تعمیر سے قاصر رہ گئے اور اس کا ایک حصہ چھوڑ دیا، اس میں ایک دروازہ اور اسی دروازے کے مقابل رکھتا۔“

کعبہ مشرفہ چوں کہ مومنوں کے دلوں کی پرکشش جگہ اور انبیائے سابقین کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، اس لیے اصل یہی ہے کہ وہ اسی حالت پر باقی رہے، جس پر انبیائے سابقین نے اسے چھوڑا تھا، لیکن زمانہ جاہلیت میں جب قریش نے اس کی تجدید کرنی چاہی تو ان کے پاس اتنا حلال مال نہیں تھا جو اصلی حالت پر اس کی تعمیر جدید کے لیے کافی ہوتا، چنانچہ اس کی تعمیر ویسی ہی کر سکے جیسی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی، نبی کریم ﷺ کی چاہت تھی کہ قریش جس حصے کی تعمیر نہیں کر سکے تھے اسے پورا کر دیں، لیکن قواعد ابراہیم پر خانہ کعبہ کی تعمیر جدید میں جو مصلحت تھی اسے اس ڈر سے ترک کر دیا کہ خانہ کعبہ کا احترام دلوں سے جاتا رہے گا، اور اس بات کا بھی خوف تھا کہ لوگ یہ سوچ کر کہ یہ خانہ کعبہ کے خلاف جرأت اور اس کی حرمت کی پامالی ہے اسلام سے متغیر نہ ہو جائیں۔^❷

انجام و نتائج کی رعایت سے متعلق حسن رضی اللہ عنہ کو جو گہرا تفقہ حاصل تھا وہ کتاب و سنت کی روشنی میں آپ کی تربیت کا طبعی نتیجہ تھا، آپ شریعت کے مقاصد سے پوری طرح واقف، شرعی حکم اور امر واقع کے مابین تطبیق پر قادر تھے، سیاست شرعیہ میں آپ کے اجتہادات انوکھے تھے جس نے امت کے اتحاد و اتفاق اور دبدبہ، نیز اس کے تہذیبی و تمدنی کردار کی واپسی کے سلسلے میں وسیع آفاق کھول دیے تھے، ہمیں شدید ضرورت ہے کہ ہم اپنی موجودہ زندگی میں اس گہرے تفقہ کو سمجھیں اور اسی کے مطابق عمل کریں، حسن رضی اللہ عنہ نے ہمیں اتحاد و اجتماعیت یعنی اللہ کی ری کو مضبوطی سے تھامنے اور اختلاف نہ کرنے کی تعلیم دی ہے، جو اسلام کے عظیم ترین اصولوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی سخت تاکید کی ہے، اس کو ترک کرنے والے اہل کتاب وغیرہ کی شدید مذمت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے بھی بہت سارے عام و خاص موقعوں پر اس کی تاکید ہے۔^❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اختلاف و گروہ بندی کی سخت مخالفت کی ہے اور اتحاد امت سے متعلق قرآنی تعلیمات

❶ صحیح البخاری کتاب الحج حدیث نمبر ۱۵۸۵

❷ اعتبار المآلات و مرعاة نتائج التصرفات، ص ۱۴۸-۱۴۹

❸ رسالة الألفة بين المسلمين لابن تيمية ص ۲۷

پر عمل کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۳-۱۰۶)

”اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے قریب پہنچ چکے تھے اس نے تمہیں بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ، تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں، تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے جس دن بعض چہرے روشن ہوں گے اور بعض سیاہ۔“

خامساً:.....امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قتل:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو صلح پر آمادہ کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب وہ گھبراہٹ تھی جو والد کے قتل سے آپ کو لاحق ہوئی، اس سے عراقی خیمے میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا، اس قتل کے باعث حسن رضی اللہ عنہ شدید رنج و غم میں مبتلا ہو گئے، اس عظیم خلیفہ کا ناحق قتل ہوا، خوارج نے اسلام میں آپ کی سبقت نیز دیگر عظیم فضائل اور اسلام کی گراں قدر خدمات کا لحاظ نہیں کیا، آپ کی زندگی اچھے خصائل اور مثبت کارناموں سے بھری پڑی ہے، آپ قوی اور حکومتی سطح پر شرعی احکام کے نفاذ کے لیے زندگی بھر کام کرتے رہے، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کی وفات سے مسلمان متاثر ہوں اور آپ کی وجہ سے جو خلا پیدا ہوا تھا اس کا احساس کریں، آپ کے قتل کا مسلمانوں پر بڑا اثر تھا، سب غم میں ڈوبے ہوئے تھے، آنکھیں اشکبار تھیں، زبانوں سے مدحیہ و دعائیہ کلمات جاری تھے، اسی قتل کے باعث حسن رضی اللہ عنہ کی دلچسپی ان عراقیوں سے باقی نہیں رہی، جن کے ساتھ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے بہت اچھا

سلوک کیا تھا، اور انھیں اپنی صحبت کا شرف بخشا تھا، انھیں فتنوں اور طمع نے گمراہ کر دیا، وہ صراطِ مستقیم سے منحرف ہو گئے، سوائے ان لوگوں کے جو اپنے دین اور جانے والے عظیم خلیفہ کے لیے سچے اور مخلص تھے، آپ کا قتل عہدِ خلافتِ راشدہ کے حق میں ایک کاری ضرب تھا، اور بعد میں اس کے اسباب زوال میں سے ایک سبب تھا۔

سادساً:..... معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ چالیس ہزار ایسے لوگ تھے جنھوں نے آپ کے لیے موت کی بیعت کی تھی، اس کے باوجود انھوں نے خلافت، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی، اگر وہ اس کے اہل نہ ہوتے تو نواسہ رسول ﷺ ان کے حوالے نہ کرتے، بلکہ ان سے جنگ کرتے۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ بے بنیاد اہل شام کے قائد نہیں تھے، سوانح نگاروں نے اس صحابی کے بہت سارے فضائل و مناقب ذکر کیے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ قرآن کریم میں:

معاویہ رضی اللہ عنہ غزوہ حنین میں شریک تھے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝﴾ (التوبة: ٢٦)

”پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنھیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی، ان کفار کا یہی بدلہ تھا۔“

اور معاویہ رضی اللہ عنہ غزوہ حنین میں شریک تھے، اور مومنوں میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ ساتھ

ان پر بھی سکینت اتاری تھی۔ ❷

۲۔ حدیثِ نبوی میں:

رسول اللہ ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے درج ذیل دعائیں کی تھیں:

((اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِيْهِ ۝)) ❸

”اے اللہ انھیں ہادی (راہ دکھانے والا) مہدی (ہدایت یافتہ) بنا اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا۔“

((اللَّهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ۝)) ❹

❶ الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية ص ٥٢

❷ مرويات خلافة معاوية في تاريخ البصري، خالد الغيث ص ٢٣ ❸ صحيح سنن ابن جرير ص ٢٣٦/٣

۴۔ موارد النظمآن ۷/ ۲۴۹۔ اس کی سند حسن ہے۔

”اے اللہ! معاویہ کو قرآن مجید اور حساب و کتاب سکھا اور انھیں عذاب سے بچا۔“

نیز ارشاد نبوی ہے:

((أَوَّلُ جَنَيشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتَ فِيهِمْ۔ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَوَّلُ جَنَيشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ فَقُلْتُ: -أَيُّ أُمَّ حَرَامٍ- أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لَا)) ❶

”میری امت کی پہلی فوج جو سمندری راستے سے لشکر کشی کرے گی ان کے لیے جنت واجب ہے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ان میں رہوں گی؟ تو آپ نے فرمایا: تم ان میں رہو گی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر لشکر کشی کرے گی مغفور لہ ہوگی۔ میں (یعنی ام حرام) نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ان میں رہوں گی؟ کہا: نہیں۔“

مہلب کہتے ہیں: اس حدیث میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت ہے، اس لیے کہ انھوں نے ہی پہلے سمندری راستے سے لشکر کشی کی تھی۔ ❷

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل علم کے نقطہ ہائے نظر:

۱۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تعریف:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: کیا آپ کو امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے دلچسپی ہے وہ ہمیشہ ایک ہی رکعت وتر پڑھتے ہیں، انھوں نے کہا: بلاشبہ وہ فقیہ ہیں۔ ❸

ب۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے عبداللہ بن مبارک کی تعریف:

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے نزدیک آزمائش کی ایک کسوٹی ہیں، جسے ہم نے ان کی جانب ترجیحی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پایا، اسے ہم نے قوم یعنی صحابہ کرام میں متم سمجھا۔ ❹

ج۔ امام احمد بن حنبل کی تعریف:

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہے کہ میں اس کا قاتل

❶ صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۹۲۴

❷ فتح الباری ۶/ ۱۲۰

④ مرویات خلافة معاوية ص ۲۸

فتح الباری ۷/ ۱۳۰

نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا تپ وحی تھے اور نہ ہی اس کا کہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے، انھوں نے خلافت زبردستی بزور شمشیر حاصل کی تھی، ابو عبد اللہ احمد بن حنبل نے جواب دیا: یہ نہایت غلط اور برا قول ہے، ایسے لوگوں سے بچو، ان کے ساتھ نہ اٹھو بیٹھو، ہم لوگوں کے لیے ان کا معاملہ واضح کر رہے ہیں۔ ①

دعاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے قاضی ابن العربی کی تعریف:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصال کو ابن العربی نے بیان کرتے ہوئے درج ذیل خصلتوں کو بیان کیا ہے: اسلامی ناموس کا بچاؤ، سرحدوں کی حفاظت، فوجوں کی اصلاح، دشمنوں پر غلبہ، اور مخلوق کی سیاست۔ ②

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے محبت الدین خطیب کہتے ہیں:

”اس سلسلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمت اور توجہ اس حد تک تھی کہ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ روم بہت بڑا لشکر لے کر اسلامی حدود کے قریب آ رہا ہے تو صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ برسر پیکار ہونے کے باوجود بادشاہ روم کے پاس دھمکی بھرا پیغام بھیجا۔“ ③

اس سلسلے میں ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”بادشاہ روم کو معاویہ رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کر دینے کا لالچ ہوا، باوجودیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اسے خوفزدہ، ذلیل اور اس کی فوج کو مغلوب اور رسوا کر چکے تھے، بادشاہ روم نے جب دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں مشغول ہیں تو بہت بڑی فوج لے کر بعض اسلامی علاقوں کے قریب آ گیا اور ان پر چڑھائی کر دینے کا اسے لالچ پیدا ہوا، اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو لکھا: اللہ کی قسم اے ملعون! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے علاقوں میں واپس نہ گیا تو تیرے خلاف میں اپنے چچیرے بھائی (علی رضی اللہ عنہ) سے صلح کر لوں گا، اور تجھے تیرے تمام علاقوں سے بے دخل کر دوں گا اور وسعت کے باوجود زمین کو تجھ پر تنگ کر دوں گا، یہ سن کر بادشاہ روم ڈر گیا اور مصالحت کا پیغام بھیجا۔“ ④

4۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعریف:

آپ کے بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

① السنة للخلال تحقيق عطية الزهراني ۲/ ۴۳۴

② العواصم من القواصم ص ۲۱۰، ۲۱۱

③ مرویات خلافة معاوية ص ۳۱

”معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہ تواتر ثابت ہے کہ دوسروں کی طرح انھیں بھی نبی کریم ﷺ نے گورنر مقرر کیا، آپ ﷺ کے ساتھ وہ جہاد میں شریک ہوئے، آپ کا تب وحی تھی، کتابت وحی میں نبی کریم ﷺ کے نزدیک متہم نہیں تھے، آپ کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی گورنر مقرر کیا، جو بہت ہی مردم شناس تھے، من جانب اللہ آپ کی زبان حق گو اور دل حق سے معمور تھا، گورنری میں آپ عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک متہم نہیں تھے۔“ ①

و۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ابن کثیر کی تعریف:

آپ کے بارے میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”۴۱ھ میں تمام رعایا نے آپ کی بیعت پر اجماع کر لیا تھا، اس وقت سے وفات کے سال تک آپ تنہا خلیفہ رہے، دشمنوں کے علاقوں میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ سر بلند رہا، ہر طرف سے اموال غنیمت آرہے تھے، آپ کے ساتھ مسلمانوں کو آرام و راحت، عدل و انصاف اور غنودہ درگزر حاصل تھا۔“

مزید فرماتے ہیں:

”آپ بردبار، باوقار، سربراہ، لوگوں کے سردار، شریف، عادل اور نہایت دلیر و حوصلہ مند تھے۔“ ②

نیز آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

”آپ اچھی سیرت و کردار کے حامل، اچھی طرح درگزر کرنے، معاف کرنے اور ستر پوشی کرنے والے تھے۔“ ③

۳۔ آپ کا حدیث کی روایت کرنا:

معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ سے احادیث کی روایت کا شرف حاصل تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ چون کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی اور سرسالی رشتہ دار تھے، اس لیے فتح مکہ کے بعد آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک سوتریٹھ حدیثیں روایت کی ہیں، ان میں سے چار حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے اور ان میں سے چار حدیثوں کو تہا امام بخاری اور پانچ حدیثوں کو تہا امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ④

① مجموع الفتاویٰ ۴ / ۴۷۲، سیر أعلام النبلاء ۳ / ۱۲۹

② البداية والنهاية ۸ / ۱۱۸

③ البداية والنهاية ۸ / ۱۲۶

۴ مرویات خلافة معاوية في تاريخ الطبري ص ۲۳

گورنری کے زمانہ میں رعایا کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار دوسرے گورنروں سے بہتر تھا، جس کے باعث لوگ آپ سے محبت کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث میں وارد ہے آپ فرماتے ہیں:

((خِيَارُ أُمَّتِكُمْ - حُكَّامِكُمْ - الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَتَصْلُونَ عَلَيْهِمْ وَ يَصْلُونَ عَلَيْكُمْ، وَ شُرَ أُمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، تَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ.)) ۵

”تمہارے اچھے حکام وہ ہیں جنہیں تم پسند کرو اور وہ تمہیں پسند کریں، تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعائے خیر کریں اور تمہارے برے حکام وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تمہیں ناپسند کریں، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔“

۵۔ آپ کی حکومت سے متعلق امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قول:

سفیان بن لیل سے مروی ہے کہتے ہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما جب مدینہ سے کوفہ آئے تو انھیں مخاطب کرتے ہوئے میں نے ”یا مذل المؤمنین“ (اے مومنوں کو رسوا کرنے والے) کہا، انھوں نے کہا: ایسا نہ کہو، میں نے اپنے والد کو کہتے سنا ہے کہ کچھ ہی دنوں کے بعد معاویہ حکومت کریں گے، اس پر مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کا فیصلہ نافذ ہونے والا ہے، اس لیے مجھے ناپسند تھا کہ میرے اور ان کے مابین مسلمانوں کا خون بہے۔ ۶

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے:

”تم معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو ناپسند نہ کرنا، اللہ کی قسم ان کے نہ رہنے پر حنظل کے مانند سرتنوں سے جدا ہوں گے۔“ ۷

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ میں حکومت کی صلاحیت و طاقت تھی، نیز یہ کہ حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح سے متعلق باہمی گفت و شنید اور تعامل میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے اچھے اسلوب کے نتیجے میں مصالحت کی مشترکہ مصلحتیں وجود میں آئیں، صلح کے منصوبہ کے بالفعل منصوبہ ساز حسن رضی اللہ عنہ تھے، لیکن صلح کی کامیابی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت، ذہنی وسعت، کشادہ دلی اور اسلوب کی نرمی کا بہت بڑا دخل رہا۔

آپ حسن رضی اللہ عنہ کا ادب کرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے اور اہل بیت کے فضائل بیان کرتے تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ الہی قضا و قدر کے مطابق ان کے مابین جو بھی جھگڑے اور لڑائیاں ہو چکی تھیں اس کے باوجود

۱ صحیح مسلم کتاب الإمارة حدیث نمبر ۶۵

۲ تاریخ دمشق ۱۲/۱۰۵

۳ تاریخ دمشق ۱۲/۱۰۵

وہ حق بات (اہل بیت کے احترام) کو ترجیح دیتے تھے۔ ❶ امام احمد بن حنبل نے مسند میں معادیہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو نقل کیا ہے، کہتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ حسن رضی اللہ عنہ کی زبان اور ہونٹوں کو اپنی زبان سے چوستے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسی زبان اور ہونٹ کو عذاب میں ہرگز مبتلا نہیں کرے گا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان سے چوسا ہو۔“ ❷

معادیہ رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں بہت صراحت پسند، اپنے گناہوں کے معترف، رب کی مغفرت کے طالب اور اس کی رحمت کے امیدوار تھے، چنانچہ ابن شہاب سے مروی ہے وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ مسور رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ وہ معادیہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انھوں نے کہا: اے مسور! حکام کو تمھارے لعن طعن کرنے کا کیا نتیجہ نکلا؟ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا: چھوڑیے اس بات کو، جس بات کے لیے میں آیا ہوں اس پر اچھی طرح دھیان دیں، معادیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ میں جتنے عیوب تم پاتے ہو، انھیں تم بذات خود مجھ سے ذکر کرو، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تمام عیوب بیان کر دیے، اس پر معادیہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں برائیوں سے مبرا نہیں، لیکن کیا تم عام لوگوں کے ساتھ میری بھلائیوں کو شمار نہیں کرتے، بلکہ انھیں چھوڑ کر صرف برائیوں کو شمار کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، انھوں نے کہا: اللہ کے واسطے میں ہر برائی کا اقرار کرتا ہوں، لیکن کیا تمھارے اندر برائیاں نہیں، جنھیں تم نے خاص لوگوں کے ساتھ انجام دیا ہو اور تمھیں ان کا خوف لاحق ہو؟ چنانچہ انھوں نے اس کا اعتراف کیا، اس پر معادیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کون سی چیز تمھیں مغفرت کا مجھ سے زیادہ حق دار بناتی ہے؟ اللہ کی قسم میری بھلائیاں تمھاری بھلائیوں سے زیادہ ہیں، میں اللہ اور اس کے ماسوا میں سے صرف اللہ کا انتخاب کرتا ہوں، میں اس دین کا قائل ہوں جس میں اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور نیکیوں کا بدلہ دیا جاتا ہے، مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے مکمل احساس ہو گیا کہ انھوں نے مجھے مغلوب کر دیا، عروہ کہتے ہیں: اس کے بعد مسور رضی اللہ عنہ نے جب بھی معادیہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا تو ان کے لیے بھلائی کی دعا کی۔ ❸

اگر اللہ تعالیٰ نے قوت بخشی اور اسباب مہیا کیے تو خلافت بنی امیہ سے متعلق لکھوں گا اور وہاں معادیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کروں گا، لیکن اس نیت کے باوجود کوئی مانع نہیں کہ اس واقعے کا ذکر کروں، جو آپ کے خوف و خشیت الہی کا پتہ دیتا ہے، آپ کی مجلس میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کردہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

❶ النامیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ ص ۵۷

❷ المسند حدیث نمبر ۱۶۸۴۸، اس کی سند صحیح ہے۔

❸ سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۹۲

اس حدیث کا جب بھی ذکر کیا گیا جس میں ہے کہ قیامت کے دن امت محمدیہ کے جن لوگوں کو پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا وہ ریاکار، قرآن کا قاری، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کا ذکر کر کے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

((يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أُولَئِكَ الثَّلَاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللَّهِ تُسْعَرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) ❶

”اے ابو ہریرہ یہی تینوں پہلے لوگ ہوں گے جنہیں قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا۔“

تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سن کر فرمایا: جب اتنے بڑے بڑے کام کیے لوگوں کا یہ حال ہوگا تو بقیہ لوگوں کا حال کیا ہوگا؟ راوی کہتے ہیں: اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ ہمیں خدشہ لاحق ہو گیا کہ آپ ہلاک نہ ہو جائیں، پھر آپ کی حالت سدھری، چہرے کو صاف کیا اور فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُؤِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَتْهَا نُوفٍ إِلَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحِطَّ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلٍّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ❷ (ہود: ۱۵، ۱۶)

”جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو ہم ایسوں کے سارے اعمال (کا بدلہ) ہمیں بھرپور دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی، ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انھوں نے یہاں کیا ہوگا وہاں سب اکارت ہے، اور جو کچھ ان کے اعمال تھے، سب برباد ہونے والے ہیں۔“

بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور خدمت اسلام میں ان کے تاریخی کارناموں کا صلح کی کامیابی میں اہم کردار رہا، ہمارے خیال میں وہ ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طبقہ میں سے نہیں تھے، لیکن وہ عادل بادشاہوں میں سے تھے، آپ کی سیرت اجتماعی، اقتصادی، فوجی، اداری اور سیاسی تفقہ سے بھرپور تھی، ضرورت ہے کہ آپ کے کارناموں کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور لکھا جائے، اللہ سے اس کی توفیق کے ہم طالب ہیں۔

سابعا:..... عراقی فوج اور اہل کوفہ کا اضطراب:

خوارج کے نکل جانے سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی فوج کمزور ہو گئی تھی، نیز جمل، صفین اور نہروان جیسی

❶ صحیح سنن الترمذی للالبانی حدیث نمبر ۱۷۱۳، اس کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

❷ النہایۃ فی الفتن، والملاحم ۲/ ۵۲

جنگوں کے باعث اہل عراق جنگ سے اکتا چکے تھے اور متفر ہو چکے تھے، بالخصوص مقام صفین میں اہل شام سے جنگ، ان سے یہ جنگ معمولی جنگ نہیں تھی، صفین کا یہ خون ریز معرکہ ان کے ذہنوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا، اس میں مقصد بھی حاصل نہیں ہوا اور بہت سارے بچے یتیم ہو گئے، بہت ساری عورتیں بیوہ ہو گئیں، اگر صلح نہ ہو جاتی یا اس حکیم کا معاملہ نہ ہوتا جس کا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے بہت سارے ساتھیوں نے استقبال کیا تھا تو یہ معرکہ عالم اسلام کے لیے اتنی بڑی مصیبت ہوتا جس کے برے نتائج کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اس لیے دوبارہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام پر لشکر کشی سے کترانا کچھ لوگوں کو زیادہ پسند تھا اگرچہ وہ جانتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔^①

جن مشکلات کے باعث امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خیمے میں کمزوری آئی ان میں سے یہ چیز بھی تھی کہ خوارج علی رضی اللہ عنہ سے براءت کا اظہار اور انھیں کا فر قرار دیتے تھے، رد عمل کے طور پر ایسا فرقہ وجود میں آ گیا جو علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم میں غلو کرنے لگا اور انھیں مقام الوہیت تک پہنچا دیا۔^② ان کے مقاصد برے تھے کہ دین کو تباہ و برباد کرنے کے لیے مسلمانوں میں غلط عقائد داخل کر دیں اور صرف علی رضی اللہ عنہ کی فوج کو نہیں بلکہ پورے مسلمانوں کو کمزور کر دیں۔^③ علی رضی اللہ عنہ نے پوری مستعدی اور قوت سے ان کا مقابلہ کیا۔

بلاشبہ خوارج کے نکل جانے اور ان کے قتل کے سبب علی رضی اللہ عنہ کا خیمہ کافی کمزور ہو گیا، اس کے بعد باہمی اختلافات بڑھتے رہے، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ابواز پر مقرر گور زحریت بن راشد (دوسری روایت کے مطابق اس کا نام حارث بن راشد) نے اپنی قوم کے ساتھ بغاوت کر دی، لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کی دعوت دی، بہت سارے لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا، چنانچہ اس علاقے پر اس نے قبضہ کر لیا اور ٹیکس وصول کرنے لگا، اس لیے علی رضی اللہ عنہ نے معقل بن قیس ریا جی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس کی جانب فوج بھیجی جس نے اسے شکست دی اور قتل کر دیا۔^④

علی رضی اللہ عنہ کے خیمے میں خراج دینے والوں کو خراج نہ دینے کا لالچ پیدا ہو گیا، اہل ابواز الگ تھلگ ہو گئے اس کے باعث علی رضی اللہ عنہ کو بہت ساری فوجی و مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس سلسلے میں شععی کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے:

”جب علی رضی اللہ عنہ نے اہل نہروان سے جنگ کی تو بہت سارے لوگوں نے آپ کی مخالفت کی، اطراف و اکناف کے لوگ آپ سے الگ ہو گئے، بنو ناجیہ نے آپ کی مخالفت کی۔ ابن حضری بصرہ چلے

① خلافت علی بن ابی طالب، عبدالحمید علی ص ۳۴۵

② نظام الخلافة فی الفكر الإسلامی مصطفیٰ حلمی ص ۱۶، ۱۵

③ خلافت علی بن ابی طالب، عبدالحمید علی ص ۳۵۰

④ تاریخ الطبری ۶/۲۷-۴۷

آئے، اہل اہواز آپ سے الگ ہو گئے، خراج دینے والوں میں نہ دینے کا لالچ پیدا ہو گیا، اور ان لوگوں نے علیؑ کے گورنر سہیل بن حنیفؓ کو فارس سے نکال دیا۔^①

حسنؑ نے جب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو عراقی فوج میں اضطراب تھا، اہل کوفہ اپنے معاملہ میں سرحد تھے، ابن درید کی ”المجتبیٰ“ میں وارد ہے:

”حسنؑ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد کھڑے ہو کر تقریر کی: اللہ کی قسم! ہم نے اہل شام سے اس لیے منہ نہیں موڑا کہ ہم شک و نہامت میں مبتلا تھے، ہم صبر و سلامتی کے ساتھ ان کی مزاحمت کرتے تھے، پھر سلامتی میں دشمنی اور صبر میں بے صبری کی ملاوٹ ہو گئی، جب تم جنگ صفین میں گئے تھے تو تمہارا دین دنیا پر مقدم تھا، آج تمہاری حالت بدل گئی ہے، تمہاری دنیا دین پر مقدم ہے، تمہارے ساتھ ہمارا جو معاملہ تھا وہی ہے، لیکن ہمارے ساتھ تمہارا معاملہ بدل چکا ہے، تم دو طرح کے مقتولین کے مابین منقسم ہو، صفین کے مقتولین جن پر تم رورہے ہو، مہروان کے مقتولین جن کے بدلے کا تم مطالبہ کر رہے ہو، بقیہ لوگ جنگ سے کترانے والے ہیں، مقتولین پر رونے والے بغاوت کرنے والے ہیں، معاویہؓ نے ہمیں ایسی بات کی دعوت دی ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف، اگر تم جنگ میں موت کے لیے تیار ہو تو ان کی دعوت ہم ٹھکرا دیں، اور اگر جنگ نہ کر کے زندہ رہنا چاہتے ہو تو ان کی دعوت قبول کر لیں، ہر طرف سے لوگوں کی آواز آئی: ”جنگ سے بچو“ جنگ سے بچو، جب لوگوں نے انھیں تنہا کر دیا تو آپ نے صلح کر لی۔“^②

مجھے اگرچہ اس تقریر کی نسبت میں شک ہے، لیکن وہ حسنؑ اور ان کے تبعین کی اس نفسیات کی تصویر کشی کرتی ہے جس کے باعث اپنے اور معاویہؓ کے مابین صلح میں آپ نے جلدی کی۔^③

اہل عراق نے حسنؑ کے ساتھ جو کچھ کیا، اور جو برا اور اہانت آمیز سلوک کیا اس کا اظہار کرتے ہوئے حسنؑ نے کہا:

”اللہ کی قسم! میری رائے میں معاویہؓ میرے لیے ان لوگوں سے بہتر ہیں جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ میرے معاونین ہیں، انھوں نے مجھے قتل کرنا چاہا، میرے مال و اسباب کو لوٹ لیا، اللہ کی قسم میں معاویہؓ سے ایسا عہد لے لوں جس سے میں اپنی جان بچا لوں اور اپنے اہل و عیال میں امن و امان سے رہوں، یہ بہتر ہے اس سے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں، پھر میرے

② سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۹

① تاریخ الطبری ۶/ ۵۳

③ الدوحة النبوية الشريفة ص ۹۳

اہل بیت اور اہل وعیال برباد ہو جائیں، اللہ کی قسم! اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کروں گا تو یہ لوگ میری گردن ان کے حوالے کر کے صلح کر لیں گے، اللہ کی قسم! اگر میں باعزت ان سے صلح کر لوں یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ مجھے بہالت قید قتل کر دیں، یا مجھ پر احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیں، تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنو ہاشم پر احسان ہوگا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ نیز ان کی آنے والی نسل ہمارے زندوں اور مردوں پر اس کا احسان جتنا ہی رہے گی۔“ ❶

نیز فرمایا:

”میں اہل کوفہ کو پہچان چکا ہوں اور انھیں آزما چکا ہوں، ان میں سے جو خراب تھے وہ میرے لیے اچھے نہیں ہو جائیں گے، وہ وفادار نہیں ہیں، ان کے قول و عمل کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ان کے دل ہمارے ساتھ ہیں جب کہ وہ ہم سے اختلاف رکھنے والے ہیں، اور ان کی تلواریں ہمارے خلاف ہی اٹھنے والی ہیں۔“ ❷

اہل عراق نے حسن رضی اللہ عنہ کے والد کو قتل کر دیا، خود ان کو قتل کرنے کی کوشش کی، ان کا مال و اسباب لوٹ لیا، اس کے بعد حسن رضی اللہ عنہ ان پر کوئی بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ اس چیز کو اپنی تقریر میں بیان کرتے ہوئے کہا:

”اے اہل عراق! تمھاری تین غلطیاں میرے ذہن سے اوجھل نہیں ہوتیں ورنہ میں تمھاری غلطیوں کو بھول جاتا، تمھارا میرے والد کو قتل کر دینا، میری ران کی جڑ پر وار کر کے زخمی کر دینا، میرے مال و اسباب کو لوٹ لینا، دوسری روایت کے مطابق میری چادر کو میرے کندھے سے کھینچ لینا۔“ ❸

حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ایسا کرنے پر آپ کو کس چیز نے آمادہ کیا؟ تو جواب دیا: مجھے دنیا ناپسند تھی، مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ کوفیوں پر جو بھی بھروسہ کرے گا مغلوب ہو جائے گا، ان میں سے کوئی کسی معاملے اور رائے میں دوسرے کی موافقت نہیں کرتا، بھلائی یا برائی کی کوئی پختہ نیت ان کے پاس نہیں ہوتی، جب چاہتے ہیں اختلاف کر بیٹھتے ہیں، میرے والد نے ان کے بہت سے عظیم معاملات کو بھجلا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ میرے بعد یہ لوگ کس کے لیے اچھے ہوں گے۔ ❹ یہ بات علی الاطلاق نہیں تھی، حسن رضی اللہ عنہ کی فوج کو قوی قرار دیا جاسکتا ہے، اور اس کے کچھ دستے جنگ کے لیے تیار تھے، ان میں پیش پیش قیس بن سعد خزرجی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دوسرے قائدین تھے۔

❶ الشیعة و اهل البيت ص ۳۷۹، نقلا عن الاحتجاج للطبرسی ص ۱۴۸

❷ الشیعة و اهل البيت ص ۳۷۶، نقلا عن الاحتجاج للطبرسی ص ۱۴۸

❸ الطبقات، تحقیق السلمي ۱/ ۳۲۴، اس کی سند حسن ہے۔

❹ الکامل فی التاريخ ۲/ ۴۴۸

ثامناً:..... معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجی قوت:

دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے عراقی خیمہ کو کمزور کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ خفیہ اور کھلم کھلا ہر طرح کے وسائل استعمال کر رہے تھے، چنانچہ علوی فوج میں موجود اختلاف و انتشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مصر پر حملہ کر دیا، نتیجتاً اس پر قبضہ کر کے اسے اپنے علاقوں میں شامل کر لیا، اس سلسلے میں چند عوامل معاون ثابت ہوئے، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا خوارج کے ساتھ مشغول رہنا۔
 ۲۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے لیے مقرر گورنر محمد بن ابوبکر پہلے گورنر قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصاری کی طرح زیرک نہیں تھے، اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ طلب کرنے والوں کے ساتھ پہلے گورنر کی طرح سیاست سے کام نہیں لیا بلکہ ان کے ساتھ جنگ چھیڑ دی، نتیجتاً ان لوگوں نے انھیں شکست دے دی۔

۳۔ مصر میں خون عثمان کے بدلہ کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اتفاق کر لیا، یہ چیز اس پر قبضہ کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔^①

۴۔ مصر کا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مرکز ”عراق“ سے دور ہونا اور شام سے قریب ہونا۔

۵۔ مصر کی جغرافیائی صورت حال، چنانچہ وہ سیناء کے راستے بلاد شام سے ملا ہوا ہے، اور اسی کا طبعی پھیلاؤ معلوم ہوتا ہے، مصر نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی اقتصادی و افرادی قوت میں زبردست اضافہ کر دیا، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے قبضہ کرنے والوں کے معارضہ کے لیے لشکر بھیجا تھا۔^②

معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبائل کے بڑے لوگوں نیز علی رضی اللہ عنہ کے گورنروں کو اپنی جانب مائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے لیے مقرر گورنر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے، لیکن انھیں اتنی کامیابی مل گئی کہ علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب حل و عقد اور مشورہ دینے والوں کو ان کے بارے میں مشکوک کر دیا اس لیے وہ معزول کر دیے گئے۔^③ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی معزولی معاویہ رضی اللہ عنہ کی بڑی کامیابی تھی۔ اسی طرح فارس کے لیے علی رضی اللہ عنہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان کو اپنی جانب مائل کرنا چاہا، لیکن ناکام رہے۔^④ بعض بڑے لوگ اور گورنریہ دیکھ کر کہ علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ کمزور ہے اور معاویہ رضی اللہ عنہ

① الطبقات لابن سعد ۳/ ۸۳۹، خلافة علی بن أبی طالب، عبد الحمید علی ص ۳۵۱، اس کی سند حسن ہے۔

② تاریخ خلیفہ ص ۱۹۸

③ الاستیعاب ۲/ ۵۲۵، ۵۲۶

④ ولائہ ص ۴۵-۴۶

کا معاملہ قوی ہے، اور یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ انھیں لالچ دلا رہے ہیں وہ سب ان سے متاثر ہو گئے، یہاں تک کہ حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک تقریر میں کہا:

”بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بسر (رضی اللہ عنہ) فوجوں کو لے کر چڑھائی کر چکے ہیں، میری رائے میں وہ تم پر غالب آ جائیں گے، اس لیے کہ وہ باطل پر ہونے کے باوجود متحد ہیں، تم حق پر ہونے کے باوجود منتشر ہو، وہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں، تم نافرمانی کرتے ہو، وہ امین ہیں تم خائن ہو، میں نے فلاں کو گورنر بنایا، اس نے دھوکہ دیا اور مال لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا، فلاں کو گورنر بنایا، اس نے بھی خیانت کی، دھوکہ دیا اور مال لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا، تا آنکہ اگر میں نے ان میں سے کسی کو ایک پیالے کا امین بنایا تو مجھے اس کے دستے تک کا ڈر لگا رہا، اے اللہ! میں ان سے نفرت کرتا ہوں اور یہ مجھ سے، اس لیے انھیں مجھ سے اور مجھے ان سے چھکارا دے دے۔“

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد بھی عراق کے بڑے لوگوں اور لیڈروں سے معاویہ رضی اللہ عنہ مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بہت سے اسباب فراہم ہو گئے جو ان کے خیمے کے قوی ہونے میں معاون ثابت ہوئے۔ ان میں سے چند اسباب یہ ہیں: فوج ان کی مطیع و فرماں بردار تھی، ان پر اہل شام متفق تھے، شام میں ان کو انتظامی تجربہ حاصل تھا، ان کے مالی وسائل مضبوط تھے، امت کی مصلحتوں پر مشتمل مقاصد کے حصول میں مال بے دریغ خرچ کرتے تھے۔

صلح کی شرائط

تاریخی کتابوں نیز نئے مصادر و مراجع نے صلح اور طرفین کی جانب سے طے شدہ شرائط سے متعلق گفتگو کی ہے، وہ شرطیں مورخین کے پاس منتشر تھیں، بعض علما نے ان کے جمع و ترتیب کی کوشش کی ہے، ان کی کوشش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی سمجھ کے مطابق میں نے بھی ان کی ترتیب کی کوشش کی ہے، اور صلح کے بندوں میں سے ہر بند پر مناسب تبصرہ کیا ہے۔

اولاً:..... کتاب و سنت اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل:

صحیح بخاری کی روایت میں مذکور ہے کہ آنے والے وفد (عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ) بے حسن رضی اللہ عنہ نے جس چیز کا مطالبہ کیا دونوں نے کہا: ہم اس کی ذمہ داری لیتے ہیں، جن حالات میں صلح کی تکمیل ہوئی ان میں عین مناسب تھا کہ کتاب و سنت اور سیرت خلفائے راشدین کے مطابق عمل کی یاد دہانی کرائی

جائے، یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک طرح کی یاد دہانی تھی اور انھیں کتاب و سنت و سیرت خلفائے راشدین کی پیروی کے لیے پابند کرنا تھا، میرے استاد ڈاکٹر محمد بطایینہ سمیت ان مورخین سے میں اتفاق نہیں کرتا جن کی رائے میں اگر یہ شرط صلح کی شرائط میں سے مان لی جائے تو یہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک طرح کی تہمت طرازی ہوگی اور اس سلسلے میں ان پر کوتاہی کی تہمت لگانی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانین سے صلح کی مقررہ شرائط میں سے یہ شرط نہیں تھی۔^①

اس شرط کو بہت سارے علما نے ذکر کیا ہے، انھی میں سے ابن حجر عسقلانی ہیں، انھوں نے معاویہ و حسن رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کی صورت حال اس طرح بیان کی ہے:

”حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ خلافت ان کے حوالے کر دیں گے، اور وہ لوگوں

کے ساتھ کتاب و سنت اور سیرت خلفائے راشدین کی روشنی میں معاملہ کریں گے۔“^②

یہاں تک کہ بعض شیعہ کتابوں میں اس شرط کا تذکرہ ہے، یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک ابوبکر، عمر، عثمان اور علی تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی عزت اس حد تک تھی کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے جو شرائط مقرر کیں، ان میں یہ شرط تھی کہ وہ کتاب و سنت اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل کریں گے اور اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے۔^③ ایک دوسرے نسخے کے مطابق..... سیرت خلفائے صالحین کی پیروی کریں گے۔^④ اس شرط کے ذریعہ سے دستور زندگی اور بنیادی قانون کے سلسلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو پابند کرنا تھا، اس شرط سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ عہد خلافت راشدہ میں شریعت کے مصادر:

۱۔..... قرآن کریم :

ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَادَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِلْخَافِينَ حَصِيمًا﴾ (النساء: ۱۰۵)

”یقیناً ہم نے تمھاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شاسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔“

① دراستہ فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۸

② الصواعق المحرقة ۲/ ۳۹۹

③ الشیعة وأهل البيت ص ۵۴

④ منتہی الآمال، ۲/ ۲۱۲۔ نقلاً عن الشیعة وأهل البيت ص ۵۴

چنانچہ وہی مصدر اول ہے جو زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق شرعی احکام پر مشتمل ہے، اس میں تمام شعبہ ہائے حیات کی اصلاح کے قطعی احکام اور بنیادی اصول موجود ہیں، اس نے مسلمانوں کے لیے تمام بنیادی باتوں کو بیان کر دیا ہے۔

ب: حدیث نبوی:

یہ مصدر ثانی ہے جس سے اسلامی قانون اپنے اصول و ضوابط حاصل کرتا ہے، اس سے قرآنی احکام کی تفسیری شکلوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، ﴿اور اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران: ۳۲) ”کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے رسول کے حکم کی مخالفت کی خطرناکی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(النور: ۶۳)

”سنو جو لوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔“

نیز بتایا کہ رسول کے فیصلہ کے بعد مومنوں کو اختیار نہیں رہ جاتا، فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ يُؤْمِنُ وَلَا مُؤْمِنَةٌ إِذْ أَقْضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶)

”اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔“

اختلافی صورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول ہی کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿وَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ۵۹)

”پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف۔“

اور اختلاف کے وقت رسول کی جانب لوٹنے کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کا تقاضا اور لازمہ قرار دیا ہے:

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فُذْلكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النساء: ۵۹)

”اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے۔“

مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ بات لازمی تھی کہ حدیث نبوی عہد خلافت راشدہ میں شریعت کے مصادر میں سے ہو۔

بلاشبہ خلافت راشدہ کی حکومت شریعت کی پابند تھی، اس میں اسلامی قانون و شریعت کو ہر قانون پر فوقیت حاصل تھی، وہ نہایت روشن و تابناک حکومت تھی، اپنے تمام شعبوں میں شرعی احکام کی پابند تھی، اس کا حاکم ان احکام کی سختی سے پابندی کرتا تھا۔ ❶

عہد خلافت راشدہ اور صحابہ کے معاشرے میں شریعت کو ہر چیز پر فوقیت حاصل تھی، حاکم و محکوم سب اس کے پابند تھے، اسی لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امت سے جس اطاعت کا مطالبہ کیا اسے اللہ و رسول کی اطاعت سے مربوط کرتے ہوئے فرمایا:

((أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ عَصَيْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْهِكُمْ)) ❷

”جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں۔“

۲۔ خلفائے راشدین کی سنت کی اہمیت:

جیسا کہ گزر چکا ہے حسن رضی اللہ عنہ عہد خلافت راشدہ سے پوری طرح واقف تھے، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین اور اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے بہت سارے اسباق سیکھے اور تجربات حاصل کیے، عہد خلافت راشدہ کی اہمیت اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ وہ عہد نبوی سے ملا ہوا ہے اور اس سے قریب ہے، عہد خلافت راشدہ عہد نبوی ہی کا تسلسل تھا، اس میں عہد نبوی کی تمام باتوں پر مکمل عمل ہوتا تھا، انھیں مکمل طور پر عمل میں لایا جاتا تھا، حرف بہ حرف ان کی تنفیذ ہوتی تھی اور ان کا التزام کیا جاتا تھا، ساتھ ہی ساتھ عہد خلافت راشدہ میں شورائی اصولوں پر حکومت کو مضبوط کرنے اور نئے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے

❶ نظام الحكم في الإسلام ص ۲۲۷

❷ البداية والنهاية ۶/ ۳۰۶

حکومت کے تمام شعبوں سے متعلق نئی ترتیبات وضع کی گئیں، مختلف مجالات میں نئے اجتہادات سامنے آئے، جن سے حکومت اور ملتِ اسلامیہ نے استفادہ کیا۔ تاقیامت مسلمان حکمرانوں کے لیے عہدِ خلافت راشدہ کی اہمیت کی سب سے بڑی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ مِنْ بَعْدِي.)) ❶

”تم میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔“

نیز آپ کا یہ قول بھی:

((اِقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَو.)) ❷

”میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرو۔“

۳۔ خلافت راشدہ کے نقوش و آثار:

ا: خلفائے راشدین اپنے فیصلوں، تصرفات، حکومتی معاملات کی دیکھ رکھ، پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے میں اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی شوریائیت پر عمل کرتے تھے۔

ب: ان میں سے کسی نے بھی خلافت اس طرح حاصل نہیں کی کہ انھوں نے اپنے کو، یا انھیں پیشرو خلیفہ نے مسلمانوں پر تھوپ دیا ہو، بلکہ خلیفہ بنائے جانے کا عمل مسلمانوں کی شوریائیت سے پورا ہوتا تھا، لیکن اس شوریائیت کی مختلف وقتوں میں مختلف شکلیں رہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے اسلام نے کوئی خاص کیفیت متعین نہیں کی ہے۔

ج: شوریائیت سے منتخب ہونے کے بعد کھلم کھلا خلیفہ کی بیعت مکمل ہوتی تھی، بعض لوگوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا تھا، امت کی اکثریت کی رائے کا اعتبار ہوتا تھا، بیعت ہو جانے کے بعد بغیر صریح کفر کے اسے توڑا نہیں جاسکتا تھا۔

د: مالی امور سے لے کر سیاسی امور تک تمام تصرفات میں خلیفہ کے احتساب کی ذمہ داری پوری امت کی ہوتی تھی، لیکن وہ احتساب اسلام کے مقرر کردہ نظام کے مطابق ہوتا اور ارباب حل و عقد کے ذریعہ سے اس کی تکمیل ہوتی تھی، یہ جائز نہیں تھا کہ پوری امت خلیفہ کے خلاف بھڑک اٹھے، اس لیے کہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا اور افواہیں پھیلتیں جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ میں ہوا۔ ❸

❶ سنن أبی داؤد ۴/ ۲۰۱، سنن الترمذی، سنن الترمذی ۵/ ۴۴، اس کی سند حسن ہے۔

❷ صحیح سنن الترمذی للالبانی ۳/ ۲۰۰

❸ الخلفاء الراشدون أعمال و أحداث د. امین القضاة ص ۱۳

حاکم کے احتساب کے اصول اور اس کے مراقبہ سے متعلق امت کے حق کو خلفائے راشدین نے اپنے اقوال و افعال سے ثابت کیا ہے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((إِنِّى أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِى وَإِنِّى أَسَأْتُ فَفُؤْمُونِى .)) ❶

”اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو، اگر غلط کروں تو تم مجھے سیدھا کرو۔“

اور عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَحَبُّ النَّاسِ إِلِىَّ مَنْ رَفَعَ إِلِىَّ عُيُوبِى .)) ❷

”مجھے وہ شخص زیادہ پسندیدہ ہے جو مجھ تک میرے عیوب پہنچاتا ہے۔“

نیز فرمایا:

((إِنِّى أَخَافُ أَنْ أُخْطِئَ فَلَا يَرُدُّنِى أَحَدٌ مِّنْكُمْ تَهْمِيَا .)) ❸

”میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو ڈر کے باعث تم میں سے کوئی مجھے نہ ٹو کے۔“

عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((إِنِّى وَجَدْتُكُمْ فِى كِتَابِ اللّٰهِ أَنْ تَضَعُوا رِجْلِي فِى الْقَيْدِ فَضَعُوا رِجْلِي فِى الْقَيْدِ .)) ❹

”اگر تم کتاب اللہ میں پاتے ہو کہ تم میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دو تو میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دو۔“

علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((إِنَّ هَذَا أَمْرُكُمْ لَيْسَ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقٌّ إِلَّا مَنْ أَمَرْتُمْ، إِلَّا إِنَّهُ لَيْسَ لِيْ أَمْرٌ دُونَكُمْ)) ❺

”بلاشبہ یہ (خلافت) تمہارے حوالے ہے، وہی اس کا مستحق ہوگا تم جس کے حوالے کر دو، تمہارے بغیر مجھے خلافت کا کوئی حق نہیں۔“

❶ البداية والنهاية ۶/ ۳۰۵

❷ الشيخان ابوبکر و عمر و من رواية البلاذرى ص ۲۳۱

❸ الشيخان ابوبکر و عمر و من رواية البلاذرى ص ۲۳۱، نظام الحكم فى عهد الخلفاء الراشدين ص ۱۹۸ .

❹ مسند أحمد حديث نمبر ۵۲۴

❺ تاريخ الطبرى ۵/ ۴۴۹-۴۵۷

عہد خلفائے راشدین میں حکام سے متعلق امت کے حق مراقبہ کو تسلیم کیا جاتا ہے، اس کا کسی نے انکار نہیں کیا ہے، جس سے اس پر اجماع کا پتہ چلتا ہے۔ ❶ عہد خلافت راشدہ میں صحابہ (چاہے حاکم ہوں یا محکوم) کے اجماع کے ایک ہی معنی تھے: کتاب اللہ کی صحیح سمجھ، سنت پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ۔ ❷

ھ: جن امور میں کتاب و سنت کی کوئی نص نہیں ہوتی ان میں باہمی مشورے اور مصالح مرسلہ کے تحت مصلحت عامہ کے حصول کے لیے جن تنظیمی کارروائیوں کو خلیفہ مناسب سمجھتا انجام دے سکتا تھا۔ جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن میں، عمر رضی اللہ عنہ نے شہر کے اطراف کی زمینوں اور دیگر تنظیمی امور (جیسے فوج اور خراج کے دفاتر کے قیام) کے سلسلے میں، عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کے نسخوں کو تیار کرانے اور مختلف علاقوں میں بھیجنے کے بارے میں کیا۔

و: امت کے اکابر اور علما کا اختلاف فطری امر ہے، لیکن امت کی مصلحت، باہمی خیر خواہی اور بھائی چارگی کے سائے میں، عقول کے اختلاف سے آراء و نظریات کا اختلاف وجود میں آتا ہے، جیسا کہ سقیفہ بنو ساعدہ، حروبِ ردہ، اور جمع قرآن میں ہوا، لیکن اس اختلاف کو امت کی گردہ بندی اور باہمی جھگڑے تک نہیں پہنچنا چاہیے، اس لیے کہ اس سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، اور اس سلسلے میں اصل فیصلہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔ ❸

ز: خلافت راشدہ کے نقوش و آثار کا اختصار یوں کیا جاسکتا ہے کہ سیاسی نظام میں سب سے اعلیٰ دستوری حیثیت کتاب و سنت کو حاصل تھی، آسمانی شریعت کے احکام کی مکمل تنفیذ ہوتی تھی، حاکم منتخب ہوتا اور موظف ہوتا تھا، بیت المال حاکم کے بجائے پوری امت کا ہوتا تھا، مکمل شورائی نظام تھا، اس کے کچھ منتظمین ہوتے جو معاشرہ کے افراد کو راضی کرنے کا کام انجام دیتے تھے، پیش آمدہ مسائل میں امت کا عمل دخل ہوتا تھا۔

معاشرتی امور میں عہد خلافت راشدہ کو اجمالاً یہ امتیاز حاصل تھا کہ لوگوں کی ایمانی تربیت کی گئی تھی، لوگوں کے دلوں میں محرمات شرعیہ سے روکنے کی پوری صلاحیت تھی، نسلی تعصب کی بالکل اجازت نہیں تھی، لوگوں کو مکمل طور پر مسلمان بنایا گیا تھا، عموماً انسانی حقوق اور داخلی اتحاد و اتفاق پر زور دیا جاتا تھا، حکومت کی سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی، تمدنی ذمہ داری سب کی تھی چاہے وہ حاکم ہوں یا محکوم۔

❶ الدولة و السيادة في الفقه الإسلامي، فتحي عبد الكريم ص ۳۷۸

❷ علی بن ابی طالب، للصلابی ۱/ ۳۴۵

❸ علی بن ابی طالب للصلابی ۱/ ۳۴۵

اسلامی حکومت کے یہ بنیادی مفہام تھے جو ہر زمانے کے لیے آئیڈیل اور معیار بن گئے، مسلمانوں نے ان کی تعبیر خلافت راشدہ سے کی تاکہ وہ حکومت کی دوسری تمام شکلوں سے ممتاز رہے۔ ❶ اسی لیے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح میں کتاب و سنت اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل کرنے کی شرط لگائی۔

ثانیاً:..... اموال:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفد عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم بنوعبدالمطلب اتنا مال پاچکے ہیں تو کون اس کی ذمہ داری لے گا؟ دونوں نے کہا: ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ ان اموال کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جنہیں وہ اور بنوعبدالمطلب کے دوسرے لوگ پاچکے تھے، ان کی مراد یہ تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ان کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں، ایسے اموال کا ذکر نہیں کر رہے تھے جن کی آئندہ سال سے ادائیگی کا وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کرتے۔ ❸

ابن اعثم نے ذکر کیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: مال سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ مجھ پر مسلمانوں کے مال فنی کی واپسی کی شرط نہیں لگائیں گے۔ ❹ ابو جعفر طبری نے عوانہ بن حکم کی روایت ذکر کی ہے کہ اہل بصرہ نے اپنے مال فنی کا مطالبہ کرنے کے لیے حسن رضی اللہ عنہ اور ”دار ابجرڈ“ کے خراج کے مابین رکاوٹ ڈال دی۔ ❺

اس میں شک نہیں کہ خراج وصول کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اس سلسلے میں حسن رضی اللہ عنہ اور اہل بصرہ کے مابین کوئی براہ راست ربط نہیں تھا، لیکن روایت اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ ”دار ابجرڈ“ کا خراج ان اموال میں نہیں تھا۔ جو حسن رضی اللہ عنہ کو ملے تھے۔ ❻

بعض روایتوں میں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھ پر بہت ساقرض ہے اور بہت سے لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہے، چنانچہ انھیں بیت المال سے چار لاکھ سے زیادہ دلادیا۔ ❷

ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ بیت المال سے انھیں دیا جاتا تھا جس سے وہ اپنے قرضوں کو ادا کرتے اور

❶ الذاکرة التاريخية للأمة د. قاسم محمد ص ۷۰

❷ صحيح البخاری کتاب الصلح حدیث نمبر ۲۷۰۴

❸ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۴

❹ الفتن ۲۹۳/۳

❺ تاریخ الطبری ۱۶۵/۵

❻ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۴

❷ تاریخ الإسلام، عهد معاویة ص ۷

کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے تھے، اسی سے وہ خود اور ان کے ساتھ رہنے والے اپنے اہل و عیال اور اپنے والد کے اہل و عیال کی ذمہ داری نبھاتے تھے۔^①

بعض مورخین کی رائے ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے پچاس لاکھ درہم جنگوں میں ساتھ دینے والوں کے لیے روک لیے تھے۔ آپ اسی میں سے ان کو دیتے، اور وہی ان کے، نیز ان کے اہل بیت اور ساتھیوں کے اخراجات میں کام آتا تھا۔^② اس میں شک نہیں کہ فوجیوں کو مال دینا کشیدگی کو کم کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

لیکن صحیح بخاری کی روایت میں جو ہے میرے نزدیک وہی رائج ہے، معاملہ صرف ان اموال کو چھوڑ دینے کا مطالبہ کرنا تھا، جنہیں گزشتہ دنوں میں حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خاندان پا چکے تھے۔^③

ایسی روایتیں جن میں ان باتوں کا تذکرہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال حسن رضی اللہ عنہ کو دس لاکھ درہم اور ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم دیتے تھے، عطیات میں بنو ہاشم کو بنو عبد شمس پر فوقیت دیتے تھے،^④ گویا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا، تو اس طرح کی روایتیں اور ان کی تفسیر و تجزیہ میں جو کچھ کہا گیا ہے سب ناقابل قبول ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ وہ اس بات کی تصویر کشی کرتی ہیں کہ اپنی خاص مصلحتوں کے بالمقابل امت کی مصلحتوں سے متعلق حسن رضی اللہ عنہ کا شعور و احساس بہت کمزور تھا۔^⑤ رہا معاملہ بیت المال سے عطیات کا تو اس میں حسن رضی اللہ عنہ تنہا نہیں تھے بلکہ سب مسلمان شریک تھے، یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں ان کا حق دوسروں سے زیادہ رہا ہو، لیکن وہ روایتوں میں مذکور مقدار کا عشر عشر بھی نہیں ہو سکتا۔^⑥

ثالثاً:.....خون:

دونوں فریقوں کے مابین صلح میں یہ بات شامل تھی کہ تمام لوگوں کو امن حاصل ہوگا، کسی سے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفد سے کہا: یہ امت خون میں لت پت ہے، چنانچہ وفد نے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ذمہ داری لی کہ جن لوگوں نے خواریزی کی ہے سب کو معاف کر دیا جائے گا۔^⑦

① تاریخ دمشق ۹۰/۱۴

② فی تاریخ الإسلامی، شوقی ابوخلیل ص ۲۶۸

③ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۴

④ الأخبار الطوال ص ۲۱۸

⑤ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۳

⑥ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۳

⑦ صحیح البخاری کتاب الصلح ۹۶۳/۲

لیکن زہری سے مروی روایت میں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کے قائد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جب اس بات کا پتہ چل گیا جو حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے چاہتے تھے، تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیج کر امان طلب کر لی اور اپنے لیے ان مالوں کی شرط لگائی جنہیں وہ پا چکے تھے، پھر رات میں نکل کر ان سے جا ملے، اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ (جن کو انھوں نے اپنے بعد فوج کا ذمہ دار بنایا تھا) اور فوج نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کا عہد کیا تاکہ وہ ہیمان علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے اموال اور خونوں کی حفاظت کی شرط کو قبول کر لیں۔^①

مستشرق ولہاؤزن نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ یہ باطل تہمت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر لگا دے اور یہ ذکر کیا ہے کہ فوج کے قائد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے، اس سلسلے میں ولہاؤزن کی دلیل ہے کہ تاریخ طبری کے بعض مخطوط نسخوں میں وارد نام عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہے، اور عبداللہ و عبید اللہ میں مخطوطات کے اختلاف کا تعلق ناخ سے نہیں ہے، بلکہ ان راویوں سے ہے جن کا ارادہ تھا کہ یہ تہمت و عار عباسیوں کے جد اعلیٰ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر نہ لگے، اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے بھائیوں نے ان کے عدم دفاع میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔^②

حالاں کہ تاریخی حقیقت یہ ثابت کرتی ہے کہ فوج کے قائد خود حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے، اور ان کے مقدمہ انجیش کے قائد قیس بن سعد رضی اللہ عنہما تھے، اس سلسلے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یا عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا۔^③ سوائے ضعیف روایتوں کے جو دلیل نہیں بن سکتیں۔ ابو حنیفہ دینوری نے ”الأخبار الطوال“^④ اور ابن حجر نے ”المطالب العالیہ“^⑤، اور ابن اُعثم نے ”الفتوح“^⑥ میں ذکر کیا ہے کہ فوج کے قائد حسن بن علی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما تھے۔ عبداللہ بن عباس اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا کوئی ذکر نہیں ہے۔^⑦

ولہاؤزن کی اس بات کی تائید کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوج کے قائد تھے نہ کہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اس پر اس کی مذکورہ دلیل کی مخالفت وہ روایت کرتی ہے جسے زیاد بن عبداللہ بکائی نے عوانہ بن حکم سے نقل کیا ہے، جن پر عباسیوں کی طرف داری کی تہمت نہیں تھی، وہ کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے یمن کے گورنر تھے، جب انھیں اپنی جانب بسر بن ابی ارطاة رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کا علم ہوا تو انھوں نے یمن میں اپنا نائب عبید اللہ بن عبدالمدائن حارثی کو بنا دیا اور خود کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے، ایسا ۴۰ھ میں ہوا، اور علی رضی اللہ عنہ نے بسر رضی اللہ عنہ کی فوج کے تعاقب کے لیے ایک فوج یمن کی جانب بھیج دی، اسی سال علی رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور ایسا

② تاریخ الدولة العربیة ص ۱۰۳-۱۰۶

① تاریخ الطبری ۵/ ۱۶۳، ۱۶۴

③ ص ۲۱۷

② تاریخ الطبری ۵/ ۱۵۹-۱۶۰

④ ۲۸۹/۳

⑤ ۳۱۹، ۳۱۸/۴

⑦ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۶

کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی فوج چھوڑ کر یمن کی جانب کوچ کر گئے تھے۔ ❶

فوج کے قائد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، یا عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یا کوئی دوسرے رہے ہوں، معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسن رضی اللہ عنہ کی فوج کے قائد کے ربط قائم کرنے اور ان سے امان طلب کرنے کے اسباب موجود نہیں تھے، بخاری کی روایت کے مطابق حسن رضی اللہ عنہ کی فوج مضبوط اور طاقتور تھی، نقلًا و عقلاً حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے قائدین کے مابین روابط قائم رہتے تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ ہی صاحب معاملہ اور اصل ذمہ دار تھے، ان کے اور وفد معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین گفت و شنید ہوئی تھی، انھوں نے بنو عباس اور بنو عبدالمطلب کے دوسرے خاندانوں اور اپنے تمام ساتھیوں کے جان و مال سے متعلق امان لے لی تھی اور حسن رضی اللہ عنہ اپنے قائدین کو صلح اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کی اطلاع دے چکے تھے، انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت اور جماعت میں داخل ہونے کا حکم دے چکے تھے، قیس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جب محسوس کیا کہ وہ کسی واجب الاماعت خلیفہ کے ساتھ نہیں رہے تو جنگ ترک کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور جماعت میں داخل ہو گئے۔ ❷ لیکن زہری کی روایت میں حسن رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں کو چھوڑ کر بلا ضرورت قیس رضی اللہ عنہ کی تعریف موجود ہے۔ ❸ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ اہل مدینہ، اہل حجاز اور اہل عراق سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ ❹ تاریخ سے واقف شخص کو یہ پتہ ہے کہ اس وقت سے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ ترک کر دیا گیا۔ ❺ اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہونے والی چیزوں میں سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ بڑی اہمیت کا حامل قاعدہ تھا، جو ماضی کی طرف مڑ کر دیکھنے سے روکتا اور ایسے نئے صفحہ کو کھولتا ہے جس کی پوری توجہ حاضر و مستقبل پر تھی۔ ❻ ایسا باہمی اتفاق وجود میں آیا جسے قانونی حیثیت حاصل تھی اور جس میں ہر بات پر عمل کرنا ضروری تھا، اس لیے کہ صلح کی بنیاد ان تمام معاملات کی عام معافی پر تھی جو فریقین کے مابین صلح سے پہلے وجود میں آئے تھے، اور بالفعل معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی سابقہ غلطی کی وجہ سے کسی کو سزا نہیں دی، اس طرح حسن رضی اللہ عنہ کو اختیار ہونے کے باوجود ان کی مصالحت لوگوں کی تالیف قلب کے لیے احسان اور غفو پر مبنی تھی، یہی وہ عظیم کارنامہ تھا جسے حسن رضی اللہ عنہ نے انجام دے کر امت کے مابین نئے سرے سے ربط و اتحاد پیدا کر دیا، اور

❶ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۶، تاریخ الطبری (۱۳۹/۵، ۱۴۰)

❷ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۷

❸ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۷

❹ التبيين فی أنساب القرشيين ص ۱۲۷

❺ الخلفاء الراشدون للنجار ص ۴۸۲

❻ الدور السياسي للصفوة فی صدر الإسلام ص ۳۴۱

معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں کافی حد تک امن و امان ہو گیا اور خوزیری بند ہو گئی، بہت سارے معاملات میں آپ کے اجتہادات ہیں جن کی تفصیل ان شاء اللہ اپنی جگہ پر آئے گی۔

رابعا:..... ولی عہد مقرر کرنا یا معاملے کو مسلمانوں کی شورا بیت پر چھوڑ دینا:

کہا جاتا ہے کہ جانبین جن شرطوں پر متفق ہوئے تھے ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ خلافت، معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ہوگی، ① اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا اور حسن رضی اللہ عنہ زندہ رہے تو وہ انھیں ضرور نامزد کر دیں گے اور خلافت ان کے حوالے کر دیں گے۔ ②

لیکن اس سلسلہ میں ابن اعثم نے حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”رہا ان کے بعد خلافت کا معاملہ تو مجھے اس کی کوئی چاہت نہیں، اگر مجھے اس کی چاہت ہوتی تو ان کے حوالے نہ کرتا۔“ ③

صلح کی عبارت جسے ابن حجر بیہقی نے نقل کیا ہے، اس میں وارد ہے کہ معاملہ ان کے بعد مسلمانوں کی شورا بیت پر موقوف ہوگا۔ ④

معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے خلافت کے مطالبہ سے متعلق روایتوں کی چھان بین کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ روایتیں حسن رضی اللہ عنہ کی عالی ظرفی، قوت اور خودداری سے میل نہیں کھاتیں، اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی خوزیری کو روکنے کی خاطر کس طرح وہ خلافت سے دست بردار ہو کر پھر چاہیں گے کہ محکوم بن کر دنیاوی اسباب کو تلاش کریں اور دوبارہ خلافت کو لپٹائی ہوئی نگاہوں سے دیکھیں، اس کی عدم صحت کی دلیل جبر بن نفیر کا قول ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو خلافت کی چاہت ہے، آپ نے فرمایا: عرب کے لوگ میری مٹھی میں تھے، جن سے میں صلح کرتا ان سے وہ صلح کرتے اور جن سے میں جنگ کرتا ان سے وہ بھی جنگ کرتے، لیکن میں نے اسے (خلافت کو) اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑ دیا۔ ⑤

قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یا ان کی اولاد میں سے کسی نے بھی یزید کے لیے بیعت کرتے وقت ایسی کسی چیز کا ذکر نہیں کیا ہے، اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کے ولی عہد مقرر کرنے کا معاملہ ہوتا جیسا کہ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے تو حسین رضی اللہ عنہ اسے دلیل بناتے، لیکن مطلقاً ایسا کچھ نہیں سنا گیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کا معاملہ بے بنیاد ہے، اگر شرائط صلح میں حسن رضی اللہ عنہ

② سیر اعلام النبلاء ۳/ ۲۶۴

① فتح الباری ۱۳/ ۷۰

④ الصواعق المرسلة ۲/ ۲۹۹

③ الفتوح ۳/ ۲۹۳

⑤ البداية والنهاية ۱۱/ ۲۰۶

کے ولی عہد مقرر کرنے کی بات شامل ہوتی تو حکومت چلانے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پیش پیش ہوتے، یا کسی بڑے علاقے کے گورنر ہوتے، نہ یہ کہ مدینہ جا کر حکومت کے تمام معاملات سے الگ تھلگ ہو جاتے، نیز اس زمانے کے حالات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شورشائی طریقے سے خلیفہ اور حاکم کا انتخاب ہی اصل تھا۔

معاویہ و حسن رضی اللہ عنہما کے مابین امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے کا معاملہ:

تاریخی کتابوں میں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ شرط لگائی تھی کہ ان کے سنتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہ کہا جائے، گویا نہ سننے کی صورت میں علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے کو حسن رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا تھا، اسی لیے میرے استاد ڈاکٹر محمد بطاینہ کہتے ہیں:

”اس معاملہ پر حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین بحث ہی نہیں ہوئی ہوگی۔“^①

شیعہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی ہے کہ وہ لوگوں کو مسجدوں کے منبروں سے علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے اور ان پر لعنت بھیجنے کے لیے ابھارتے تھے، لیکن یہ تہمت بے بنیاد ہے، سب سے زیادہ تکلیف کی بات یہ ہے کہ بائین نے اس افترا پر دازی اور تہمت کو بلا چھان بین اور تجربے کے قبول کر لیا، یہاں تک کہ متاخرین کے یہاں یہ ایسی تسلیم شدہ بات بن گئی جس میں بحث و مناقشہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی، حالاں کہ یہ بات کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، اور دیمیری، یعقوبی اور ابو الفرج اصفہانی کی کتابوں میں جو وارد ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، نیز صحیح تاریخ سے ثابت ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کا احترام کرتے تھے اور یہ بات ان لوگوں کی ذکر کردہ بات کے خلاف ہے۔^②

اس لیے بنی امیہ کے منبروں سے علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجنے کی بات واقعات اور جھگڑنے والوں کی فطرت سے میل نہیں کھاتی، عہد بنو امیہ کی تاریخی کتابوں کا مراجعہ کرنے پر ہمیں ان میں اس طرح کی کسی چیز کا تذکرہ ہرگز نہیں ملتا، بعد کے مورخین کی کتابوں میں ایسی باتیں ملتی ہیں جنہوں نے اپنی تاریخی کتابیں عہد بنی عباس میں لکھیں، ان کا مقصد تھا کہ مسلمانوں کی نگاہ میں بنو امیہ کی ساکھ خراب کر دیں، لعنت کی اس بات کو مسعودی نے ”مروج الذهب“ میں اور دوسرے شیعہ مورخین نے لکھا ہے، یہ جھوٹ اہل سنت کی تاریخی کتابوں میں در آیا، حالاں کہ اس سلسلے میں کوئی صریح اور صحیح روایت نہیں ملتی، جب کہ اس طرح کے دعویٰ کو صحیح روایت، جرح سے عاری سند اور اعتراض سے خالی متن کی ضرورت ہوتی ہے، بائین و محققین کو پتہ ہے کہ اس طرح کے دعویٰ میں کتنا دم ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ اس طرح کی تہمتوں سے مبرا ہیں اس لیے کہ دین کے معاملے میں آپ کی فضیلت ثابت ہے

① دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۸

② الحسن و الحسين محمد رضا ص ۱۸، کلام المحقق د. أحمد أبو الشبَاب

اور لوگوں میں آپ کا کردار قابل تعریف تھا، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بہت سے بلند پایہ تابعین نے آپ کی تعریف کی ہے، آپ کی دینداری، علم، عدل و انصاف، حلم و بردباری، اور بہت ساری اچھی عادتوں کی گواہی دی ہے۔^①

۱۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب انھیں (معاویہ رضی اللہ عنہ کو) شام کا گورنر بنایا تو کہا: ”معاویہ رضی اللہ عنہ کو اچھائی سے یاد کرو۔“^②

۲۔ جنگ صفین سے واپسی کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”لوگو! معاویہ کی امارت کو تم ناپسند نہ کرو، ان کے نہ رہنے پر لوگوں کے سرخظل کے مانند تلوں سے جدا ہوں گے۔“^③

۳۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ کے بعد میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا بزرگ نہیں دیکھا۔ پوچھا گیا: آپ کے والد بھی نہیں؟ کہا: میرے والد عمر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بزرگ تر تھے۔“^④

۴۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ”معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بادشاہت کے لائق میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا۔“^⑤

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کوئی رائے ہے؟ وہ تو صرف ایک ہی رکعت وتر پڑھتے ہیں، جواب دیا: بلاشبہ وہ فقیہ ہیں۔“^⑥

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا: ابن ہند (معاویہ) کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے، ان کا خاندان کتنا اچھا ہے، ان کی صلاحیت کتنی اچھی ہے، اللہ کی قسم انھوں نے ہماری اور اپنی خاندانی وجاہت کی حفاظت کرتے ہوئے نہ تو منبر سے اور نہ ہی زمین پر کبھی ہمیں برا بھلا کہا۔“^⑦

۵۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ”ابن ہند یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے، ہم ان سے ڈرتے تھے، شیر اپنے خونخوار بچوں کے باوجود ان سے زیادہ جری نہیں تھا، اگر ہم انھیں دھوکہ بھی دیتے تو وہ ہمیں چھوڑ دیتے تھے، حالاں کہ کوئی بھی ان سے زیادہ زیرک نہیں تھا (یعنی بے وقوف نہیں تھے) کہ وہ ہم سے دھوکہ کھا جاتے، اللہ کی قسم میری خواہش تھی کہ ہم ان سے فائدہ اٹھاتے جب تک جبل ابوتیس میں کوئی پتھر رہتا، یعنی ہمیشہ ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتے۔“

① الانتصار للصحب والال، للرحلی ص ۳۶۷

② البداية والنهاية ۸/ ۲۵

③ البداية والنهاية ۸/ ۱۳۴

④ سير أعلام النبلاء ۲/ ۱۵۲، السنة للخلال ۱/ ۴۴۳

⑤ البداية والنهاية ۸/ ۱۳۷

⑥ صحيح البخاری حدیث نمبر ۳۷۶۵

⑦ تاریخ دمشق ۶۲/ ۱۲۸، ۱۲۹

۶۔ زہری کا قول ہے: معاویہ رضی اللہ عنہ نے سالہا سال تک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر بلا کسی کمی و کوتاہی کے عمل کیا۔

اس سلسلے میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بہت سے آثار و اقوال ہیں، ہم نے صرف ایک جزء کو ذکر کیا ہے۔ اسی طرح سیرت و تاریخ کے بہت سے محققین اور اہماء الرجال کے بہت سے ناقدین نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ہے:

۱۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: علما کا اتفاق ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے بہتر بادشاہ ہیں، ان سے پہلے چاروں حضرات علی منہاج النبوة خلیفہ تھے، اور آپ پہلے ملک (بادشاہ) تھے، ان کی بادشاہت، بادشاہت اور رحمت تھی۔ ❶

نیز ان کا قول ہے: مسلمانوں کے بادشاہوں میں کوئی بھی معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں تھا اور کسی بھی بادشاہ کے زمانے کے لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے کے لوگوں سے بہتر نہیں تھے۔ ❷

۲۔ ابن کثیر رحمہ اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح میں لکھتے ہیں: ۴۱ھ میں تمام لوگوں نے آپ کی بیعت پر اجماع کر لیا، اسی سال سے لے کر اپنی وفات کے سال تک خلیفہ رہے، دشمنوں کے علاقوں میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ سر بلند رہا، اطراف و اکناف سے اموال غنیمت آتے رہے، آپ کے زمانے میں مسلمانوں کو پورا آرام، عدل و انصاف اور عفو و درگزر حاصل تھا۔ ❸

۳۔ ابن ابوالعزخنی کا قول ہے: مسلمانوں کے سب سے پہلے بادشاہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ مسلمانوں کے بادشاہوں میں سب سے بہتر ہیں۔ ❹

۴۔ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کی سوانح میں لکھا ہے: أمیر المومنین ملک الاسلام ❶ (یعنی مسلمانوں کے بادشاہ) تھے نیز انہی کا قول ہے: معاویہ رضی اللہ عنہ ان اچھے بادشاہوں میں سے تھے جن کا عدل و انصاف ان کے ظلم پر غالب تھا۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکورہ باتیں ثابت ہیں، اور جس کی یہ سیرت ہو نہایت محال ہے کہ وہ لوگوں کو منبروں سے علی رضی اللہ عنہ جیسے صاحب فضیلت پر لعنت بھیجنے کے لیے ابھارے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سلف صالحین

❶ منہاج السنة ۶/ ۲۳۲

❷ مجموع الفتاویٰ ۴/ ۴۷۸

❸ شرح العقيدة الطحاوية ص ۷۲۲

❹ البداية والنهاية ۸/ ۱۲۲

❶ سير أعلام النبلاء ۳/ ۱۲۰

❷ سير أعلام النبلاء ص ۳۷۱

اور ان کے بعد کے اہل علم جنہوں نے ان کی جم کر تعریف کی ہے ظلم و زیادتی میں ان کا تعاون کیا ہے اور سب غلطی پر ہیں۔ ❶ اور یہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے علمائے ربانین پر بہت بڑی تہمت ہوگی۔ جو حکومت سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور رعایا کے حق میں آپ کے مشہور حلم و بردباری، عفو و درگزر اور حسن سیاست سے واقف ہوگا اسے آسانی معلوم ہو جائے گا کہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ حلم و بردباری میں ضرب المثل اور آنے والی نسلوں کے قد و نمونہ تھے، ذیل میں بعض مثالیں پیش ہیں:

۱۔ عبدالملک بن مروان کے پاس معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا: حلم و بردباری، قوت برداشت اور عالی ظرفی میں میں نے ان کے جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ ❷

۲۔ قبیصہ بن جابر کا قول ہے: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بردبار، ان سے بڑا سردار، ان سے زیادہ بادشاہ، نرم اور بھلائی میں آگے رہنے والا نہیں دیکھا۔ ❸

۳۔ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت برا بھلا اور سخت وست کہا۔ ان سے کہا گیا: کاش آپ اس پر چڑھ بیٹھتے تو انھوں نے کہا: میں اس بات پر اللہ سے شرماتا ہوں کہ رعایا میں سے کسی کی غلطی پر میری بردباری جواب دے جائے۔ ❹

۴۔ ایک شخص نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے تم سے زیادہ خسیس اور کمینہ نہیں دیکھا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں اس طرح کے سلوک کے ساتھ لوگوں سے کون پیش آئے گا۔ ❺

معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں، احمق قسم کے لوگ انھیں گالی گلوچ دیتے ہیں، پھر بھی آپ ان کے ساتھ حلم و بردباری سے پیش آتے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی یہ بات عقل میں ساتی ہے کہ وہ خلیفہ راشد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر منبروں سے لعنت بھیجنے کا حکم دیں گے، اور تمام علاقوں کے گورنروں کو اس کا حکم دیں گے، اور یہ لعنت و ملامت جاری رہے گی تا آنکہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ آکر اسے ختم کریں؟ ہر صاحب عقل و فہم اس بارے میں فیصلہ کر سکتا ہے۔ ❻

اس افتراء پر دازی اور تہمت کی دلیل میں شیعہ صحیح مسلم کی جو روایت پیش کرتے ہیں اس میں ان کے زعم باطل کی کوئی دلیل نہیں:

((فَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَمَرَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ

❶ البداية والنهاية ۸/ ۱۳۸

❷ البداية والنهاية ۸/ ۱۳۸

❸ البداية والنهاية ۸/ ۱۳۸

❹ البداية والنهاية ۸/ ۱۳۸

❺ الانتصار للصحب والآل ص ۳۷۲

❻ البداية والنهاية ۸/ ۱۳۸

سَعْدًا فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا تَرَابٍ؟ فَقَالَ: أَمَّا مَا ذَكَرْتُ ثَلَاثًا قَالَهُنَّ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَنْ أَسُبَّهُ لِأَنْ تَكُونُ لِي وَاحِدَةً مِنْهُنَّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ. (۱)

”عمر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا تو ان سے پوچھا: کیا چیز ابو تراب علی (رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کہنے سے تمہیں روکتی ہے؟ جواب دیا: جن تین باتوں کا میں نے ذکر کیا ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں کہا ہے تو میں (ان کے باعث) انہیں ہرگز برا بھلا نہیں کہوں گا، ان میں سے ایک بات بھی میرے لیے ہوتی تو وہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتی۔“

امام نووی کہتے ہیں:

”معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں اس بات کی صراحت نہیں کہ انھوں نے سعد رضی اللہ عنہ کو انہیں برا بھلا کہنے کا حکم دیا تھا، بات صرف اتنی تھی کہ انھوں نے ان سے صرف اس سبب کے بارے میں سوال کیا جو انہیں برا بھلا کہنے سے روکنے والا تھا، گویا وہ کہہ رہے تھے کیا احتیاط کے سبب برا بھلا نہیں کہتے ہو یا خوف کے سبب یا کسی دوسری چیز کے سبب، اگر ایسا احتیاط اور اکرام و احترام کے سبب ہے تو تمہارا ایسا کرنا درست ہے، اور اگر کسی دوسرے سبب سے ہے تو اس کا دوسرا جواب ہوگا، شاید سعد رضی اللہ عنہ کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ تھے جو برا بھلا کہتے تھے، لیکن وہ برا بھلا کہنے میں ان کا ساتھ نہیں دیتے تھے، انہیں روکنے سے عاجز تھے، یا روکتے تھے، اس پر انھوں نے ان سے یہ سوال کیا تھا۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک دوسری تاویل کا احتمال ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں: کون سی چیز مانع ہے کہ تم ان کی رائے اور اجتہاد کو غلط قرار دو اور ہماری اچھی رائے اور اجتہاد کا اور ان کی غلطی کا لوگوں میں اعلان کرو۔“ (۲)

معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ضرار صدائی نے علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کیے اور ان کی تعریف کی، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور ضرار کی باتوں کی تصدیق کی۔ اس پر صاحب ”المفہم“ ابو العباس قرطبی تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت، قدر و منزلت، ان کے عظیم

① صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة ۴/ ۱۸۷۱

② شرح صحیح مسلم ۱۵/ ۱۷۵

حق اور بلند مقام و مرتبہ کا اعتراف تھا، ایسی صورت میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعید تھا جب کہ ان میں عقل، دین، حلم اور اچھے اخلاق کے اوصاف تھے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجنے اور انھیں برا بھلا کہنے کے لیے صریح حکم دیتے، اس سلسلے میں ان سے جو کچھ مروی ہے اس کی اکثریت سراسر جھوٹ ہے، اس سلسلے میں صحیح ترین بات سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ان کا سوال کرنا ہے کہ ابوتراب علی (رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کہنے سے تمہیں کون سی چیز روک رہی ہے؟ یہ برا بھلا کہنے کا صریح حکم نہیں ہے، یہ تو صرف ان کے برا بھلا نہ کہنے کے سبب کے بارے میں سوال تھا، تاکہ اس سلسلے میں ان کی ثبوت یا منفی رائے کو جان لیں، جیسا کہ ان کے جواب سے ظاہر ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے جب یہ جواب سنا تو مطمئن ہو گئے اور اسے قبول کر لیا، اور مستحق کے حق کا اعتراف کر لیا۔^①

بہترین کتاب ”الانتصار للصحب و الآل من افتراءات السماوی الضال“ کے مؤلف

ڈاکٹر ابراہیم رحیمی کہتے ہیں:

”اس سلسلے میں، واللہ اعلم، جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کی چٹکی لیتے ہوئے ان سے سوال کیا تھا، اس سے آپ کا مقصد تھا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل کا اظہار کریں، بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ بہت ذہین اور ہوشیار تھے، لوگوں سے سوال و جواب کرنا اور اس کے ذریعہ سے ان کی رائے معلوم کر لینا پسند کرتے تھے، چنانچہ آپ نے چاہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سعد رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کر لیں، چنانچہ ان سے اس برا بھلا کرنے والے اسلوب میں سوال کیا، ان کا یہ قول اس قول جیسا ہے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تھا: کیا آپ علی (رضی اللہ عنہ) کے طور طریقے پر ہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں جواب دیا: عثمان (رضی اللہ عنہ) کے طور طریقے پر بھی نہیں ہوں، میں تو رسول اللہ ﷺ کے طور طریقے پر ہوں۔“^②

ظاہر سی بات ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چٹکی لیتے ہوئے کہی تھی، اسی طرح سعد رضی اللہ عنہ سے جو بات کہی تھی وہ بھی اسی قبیل سے تھی۔

شیعوں کا یہ دعویٰ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے برا بھلا کہنے کا حکم دیا تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس طرح کے حکم کا صادر ہونا بعید از قیاس ہے۔^③ اور اس طرح کے حکم کے صدور سے درج ذیل باتیں مانع ہیں:

① المفہم للقرطبی ۶/ ۲۷۸

② الإبانة لابن بطہ ۱/ ۳۵۵، شرح أصول اعتقاد، اللانکافی ۱/ ۹۴

③ الانتصار للصحب و الآل ص ۳۷۴

۱۔ معاویہ رضی اللہ عنہ بذات خود علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہیں کہتے تھے تو دوسرے کو اس کا حکم کیسے دیں گے، بلکہ وہ تو ان کی تعظیم کرتے تھے، ان کی فضیلت اور اسلام میں سبقت کا اعتراف کرتے تھے، جیسا کہ ان کے اقوال ان چیزوں پر دلالت کرتے ہیں۔

۱..... ابن کثیر کا قول ہے: کئی طرق سے یہ بات وارد ہے کہ ابو مسلم خولانی اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: آپ علی رضی اللہ عنہ سے لڑتے ہی ہیں یا آپ ان کے جیسے ہیں؟ جواب دیا: اللہ کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں، اور خلافت کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ ❶

ب..... نیز ابن کثیر رحمہ اللہ نے جریر بن عبد الحمید کی روایت نقل کی جسے وہ منیرہ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو رونے لگے، اس پر ان کی بیوی نے کہا: آپ ان پر رو رہے ہیں جب کہ آپ نے ان سے جنگ کی ہے؟ کہا: تیرا ستیا ناس ہو، تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں نے کس فضل، فقہ اور علم کو کھود دیا ہے۔ ❷ تو کیا کوئی صاحب عقل و دین اس بات کو قبول کرے گا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہیں، بلکہ لوگوں کو اس پر ابھاریں جب کہ وہ ان کے بارے میں اس طرح کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ ❸

۲۔ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو ان کی زندگی میں اور ان سے برسرِ پیکار رہتے ہوئے برا بھلا کہا ہو، تو کیا یہ بات معقول ہے کہ لڑائی ختم ہو جانے اور ان کی وفات پا جانے کے بعد ان کو برا بھلا کہیں گے، یہ عقلاء کے نزدیک بہت ناممکن ہے اور اس سے زیادہ ناممکن یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے سب و شتم پر ابھاریں۔

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت ہوشیار اور عقلمندی اور زیرکی میں مشہور تھے۔ اگر وہ لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے پر ابھارنا ہی چاہتے تو کیا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے شخص سے اس کا مطالبہ کرتے جب کہ وہ نہایت بہادر، صاحب فضل اور پرہیزگار تھے، فتنے میں بالکل شامل ہی نہیں تھے، یہ تو معمولی عقل و خرد والا شخص بھی نہیں کرتا چہ جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کریں۔

۴۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد تنہا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پوری خلافت رہی، آپ کا اتفاق ہو گیا، تمام علاقوں پر انہی کی بادشاہت ہو گئی، تو علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے میں ان کا کیا فائدہ تھا، بلکہ حکمت اور حسن سیاست کا تقاضا تھا کہ ایسا نہ کیا جائے، اس لیے کہ اس سے لوگ پر سکون ہوں گے، معاملات سلجھیں گے، اس طرح کی باتیں معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتیں، جن کے حسن سیاست و تدبیر کی

امت گواہی دیتی ہے۔

۵۔ مستقل خلیفہ بن جانے کے بعد معاویہ اور علیؑ کی اولاد کے مابین الفت اور ایک دوسرے سے قربت تھی، جس کا تذکرہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں مشہور و معروف ہے۔ ❶ اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

حسن و حسینؑ معاویہؓ کے پاس گئے تو انھوں نے ان دونوں کو دو لاکھ دیے اور کہا: مجھ سے پہلے کسی نے اتنا نہیں دیا ہے۔ جواب میں حسینؑ نے کہا: تو آپ نے ہم سے افضل کسی شخص کو نہیں دیا ہوگا۔ ❷

ایک مرتبہ حسنؑ معاویہؓ کے پاس گئے، انھوں نے کہا: اے نواسہ رسول ﷺ! ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں اور انھیں تین لاکھ دینے کا حکم دیا۔ ❸

اس طرح کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علیؑ کو برا بھلا کہنے پر لوگوں کو ابھارنے کی جوتہمت معاویہؓ پر لگائی جاتی ہے وہ قطعی جھوٹ ہے، اس لیے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کے مابین اور ان کی اولاد کے مابین اس طرح کی الفت و محبت اور اکرام و احترام موجود ہو، اس سے اس مسئلے کی حقیقت اور سچائی واضح ہو جاتی ہے۔ ❹

اسی طرح اس وقت کے لوگ شرعی احکام کے پابند تھے، ان پر عمل کرنے کے حریص تھے، اس لیے وہ لعن طعن، فحش گوئی اور بدکلامی سے بہت دور رہتے تھے، چنانچہ ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا بِالْفَاحِشِ وَلَا بِالْبِذِيِّ)) ❶

”مومن نہ تو طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے، نہ ہی لعنت و ملامت کرنے والا، اور نہ فحش گو ہوتا ہے اور نہ بدکلام۔“

نیز رسول اللہ ﷺ نے مشرک مردوں کو برا بھلا کہنے سے روکا ہے تو اللہ کے اولیائے صالحین کو کیسے برا بھلا کہا جاسکتا ہے؟ عائشہؓ نے مرفوعاً روایت ہے:

((لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضُوا إِلَى مَا قَدَّمُوا)) ❷

”مردوں کو برا بھلا نہ کہو، وہ اپنے بھیجے ہوئے عمل تک پہنچ چکے۔“

❶ الانتصار للصحیح والآل ص ۳۷۶

❷ البداية والنهاية ۸ / ۱۴۰

❸ البداية والنهاية ۸ / ۱۳۹

❹ الانتصار للصحیح والآل ص ۳۷۷

❺ صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۴۷، الصحیحۃ للالبانی حدیث نمبر ۳۲۰

❻ صحیح البخاری حدیث نمبر ۶۵۱۶

صلح ہو جانے کے بعد حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہو گئے، وہیں سے اختلاف و انتشار ختم ہو گیا، سب متحد ہو گئے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ متفق علیہ خلیفہ بن گئے، ایک روایت کے مطابق ایسا ۴۰ھ میں ہوا، لیکن ابن اسحاق ۵، وادعی ۶ اور خلیفہ بن خیاط ۷ کی رائے میں ایسا ۴۱ھ میں ہوا، البتہ ان کے مابین مہینہ میں اختلاف ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ تھا یا ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخریٰ کا، ۸ اس کے بعد سے بلا کسی فتنہ کے معاویہ رضی اللہ عنہ امت کی قیادت کرتے رہے۔ ۹

قاتلین عثمان سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کا رویہ:

کوئی پوچھ سکتا ہے کہ خلیفہ بن جانے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا کیا؟ تو ”عیون الاخبار“ میں اس کا جواب دیتے ہوئے ابن قتیبہ کہتے ہیں:

”عام الجماعة (اتحاد کا سال) کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ آئے اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے، اس پر عائشہ بنت عثمان بن عفان چیخ اٹھیں، رونے لگیں اور اپنے والد کو بلانے لگیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بیٹی! لوگوں نے میری اطاعت قبول کر لی، میں نے انھیں امان دی ہے، ہم نے ان کے لیے حلم و بردباری کا اظہار کیا ہے جس کی تہ میں غصہ ہے، اور انھوں نے ہمارے لیے اتباع کا اظہار کیا ہے جس کی تہ میں کینہ ہے، ہر انسان کے پاس اس کی تلوار ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے لوگ کہاں ہیں، اگر ہم لوگوں کے ساتھ بدعہدی کریں گے تو وہ بھی ہمارے ساتھ بدعہدی کریں گے، اور ہمیں نہیں معلوم کہ انجام ہمارے حق میں ہوگا یا ہمارے خلاف، عوام میں سے ایک عورت ہونے کے بالمقابل تمہارا امیر المؤمنین کی چچا زاد بہن ہونا بہتر ہے۔“ ۱۰

ابن قتیبہ کے کلام کا وہ حصہ قابل لحاظ ہے جس کا تعلق ان عہود و مواثیق سے ہے جو معاویہ و حسن رضی اللہ عنہما کے مابین طے ہوئے اور جن کے باعث لوگوں کے مابین مصالحت ہو گئی، جنگ رک گئی، خونریزی بند ہو گئی، لوگوں کو براہِ گنجینہ کرنے کا سلسلہ ختم کیا، ساتھ ہی ساتھ جمل، صفین، نہروان اور مصر وغیرہ کی جنگوں پر مشتمل پانچ سالوں میں

① دراسة فی الخلفاء الأمویین ص ۶۹، المعجم الكبير للطبرانی ۲۶/۳

② تهذيب التهذيب ۲/۲۹۹ ترجمۃ الحسن بن علی

③ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۹

④ تاریخ خلیفۃ ص ۲۰۳

⑤ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۶۹

⑥ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۷۰

⑦ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۷۰

وہ لوگ ختم ہو چکے تھے جن کے نام قتل عثمان کی تہمت میں بار بار آتے تھے، اس کے باوجود قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ خلفائے بنو امیہ اور ان کے وزیروں کے ذہنوں میں موجود تھا، رہا بنو امیہ کی جانب سے خون عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلہ کا مطالبہ تو یہ بلاشبہ ایک واضح حقیقت ہے۔^①

اسی طرح وہ تمام صحابہ جنہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کی تھی محال تھا کہ اموی حکومت کے منبروں سے علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا جائے اور وہ سب خاموش رہیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ نہ انجام دیں، ان کے نام درج ذیل روایت میں مذکور ہیں، اوزاعی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: بہت سارے صحابہ کرام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تائید کی تھی، انھی میں سے سعد، اسامہ، جابر، ابن عمر، زید بن ثابت، سلمہ بن ملکہ، ابوسعید خدری، رافع بن خدیج، ابوامامہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں، جن کے نام ذکر کیے گئے ہیں ان سے کئی گنا زیادہ صحابہ کرام نے تائید کی تھی، وہ سب کے سب چراغ ہدایت اور سراپا علم تھے، نزول قرآن کے وقت وہ موجود تھے، رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر سیکھی تھی، اور تابعین نے بھی تائید کی جن میں سے عبدالرحمن بن اسود بن عبد یغوث، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن محیریز رحمہم اللہ تھے، امت محمدیہ کے کسی بھی اتحاد سے ان لوگوں نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا۔^②

صلح کے نتائج:

اولاً:..... ایک قائد کی ماتحتی میں امت کا اتحاد:

امت کی تاریخ میں عام الجماعة (اتحاد کا سال) درج ہو گیا، یہ واقعہ امت کے قابل فخر کارناموں میں سے ہے جس پر امت ہمیشہ فخر کرتی رہے گی، پوری امت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں اکٹھی ہو گئی، انھیں خلیفہ تسلیم کر لیا، اختلاف و انتشار کے بعد اس جامع اتحاد پر اچھے مسلمان خوش ہوئے، اس میں اللہ کے بعد سب سے اہم کردار اس مصالحانہ منصوبہ کے منصوبہ ساز حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا تھا، عام الجماعة (اتحاد کا سال) نبی کریم ﷺ کی نبوت کی دلیل اور حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلتوں میں سے بہت بڑی فضیلت تھی، جن مورخین نے ۳۱ھ کو ”عام الجماعة“ قرار دیا ہے، عقد نے ان پر جو شدید نکتہ چینی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، نکتہ چینی میں انھوں نے کہا ہے: ایسے مورخین سے زیادہ گمراہ اور جاہل کوئی نہیں ہوگا جنہوں نے ۳۱ھ کو ”عام الجماعة“ قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہی وہ سال ہے جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت پر بلاشرکت غیرے قابض ہو گئے، اس لیے بھی کہ ابتدائے اسلام میں امت جتنا اس سال گروہوں میں بٹی اور اس کے ہر گروہ میں اختلاف پیدا ہوا اتنا کسی اور

① دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ۷۰

② البداية و النہایة ۸/ ۳۳ نقلًا عن أثر العلماء فی الحیاة السیاسیة فی الدولة الأمویة، عبد اللہ الخرغان ص ۸۳

سال میں نہیں۔^①

عقاد نے اپنی اس نکتہ چینی میں کوئی نئی چیز نہیں پیش کی ہے، بلکہ اس کی جانب بہت سارے اثنا عشریہ شیعہ مورخین نے سبقت کی ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے فخر کے لیے یہ بات کافی تھی کہ ان کے عہد میں زندہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے بیعت کی تھی، چنانچہ ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے بیعت کی۔^②

اس سلسلے میں ابن حزم کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی گئی، پھر خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی گئی، حالاں کہ موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے بھی صحابی تھے جو بالاتفاق ان دونوں سے افضل تھے، اور فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے تھے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور انھیں خلیفہ تسلیم کیا۔^③

معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رویہ اور حسن رضی اللہ عنہ کے تفقہ سے پتہ چلتا ہے کہ اختلاف سے روکنے والی آیات وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَأَتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ لَعْنَةً ۖ تَتَّقُونَ ۝﴾ (الانعام: ۱۵۳)

”اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکید کی حکم دیا ہے تاکہ تم پر ہیزگاری اختیار کرو۔“

صراط مستقیم سے مراد قرآن، اسلام اور وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، بل سے مراد خواہشات نفس، فرقے اور بدعتیں ہیں۔ امام مجاہد کہتے ہیں: آیت کے اس نکلے ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ میں سبل سے مراد بدعات، شبہات اور گمراہیاں ہیں۔^④

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس اختلاف و انتشار سے روکا ہے، جس کی شکار سابقہ قومیں اس کے بعد ہوئیں کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آچکی تھیں اور اللہ نے ان کے لیے کتاب نازل کر دی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

① معاویہ بن ابی سفیان، للعقاد ص ۱۲۵

② مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۶۷

③ الفصل ۶/۵ ④ تفسیر مجاہد ص ۲۲۷

عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

”تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ ان مشرکین میں سے ہو جائے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ درگروہ ہو گئے، چنانچہ فرمایا:

﴿فَاَوَمَّٓ ذٰلِكَ لِذٰلِیْنَ حٰزِنًا ۚ فَطَرَتُ اللّٰهُ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۚ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الَّذِیْنَ اَقٰمِیْمٌ ۚ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَ اٰثِقُوْهُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاَلَّا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ مِنَ الَّذِیْنَ فَتَرَقَوْا دِیْنَهُمْ وَاَكَاوَا شِیْعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝﴾ (الروم: ۳۰-۳۲)

”پس ایک ہو کر اپنا مذہب دین کی طرف متوجہ کر دیں، اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے، (لوگو) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو، اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ درگروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے گمن ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں سے بری ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ درگروہ ہو گئے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَرَقَوْا دِیْنَهُمْ وَاَكَاوَا شِیْعًا اَنْتَ مِنْهُمْ فِی شَیْءٍ ۚ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یَنْتَظِرُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝﴾ (الانعام: ۱۵۹)

”بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ درگروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، پس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے، پھر ان کو ان کا کیا ہوا بتلا دیں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاَعِصْمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۝﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

”اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔“

اللہ کے فضل پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے میں حسن رضی اللہ عنہ کی کامیابی سے شریعت کا ایک بہت بڑا

مقصد مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق حاصل ہو گیا، اور یہ مقصد اللہ کے دین کے غلبہ کے اہم اسباب میں سے ہے۔
چوں کہ ہمیں باہمی طور پر حق بات اور صبر کی تلقین کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے آپس کے اختلافات کو بناوٹی نہیں بلکہ مکمل اور حقیقی طور پر ختم کرنے کے لیے طلبہ کرام، علمائے عظام، اسلامی تحریکات کے قائدین اور دعاۃ کی مشرکہ کوششیں ضروری ہیں، مسلمانوں کے مابین الفت قائم کرنے اور انہیں متحد کرنے سے متعلق جہاد پر شیخ عبدالرحمن سعدی رحمہ اللہ نے گفتگو کی ہے، مسلمانوں کے باہمی ربط اور اتحاد پر دلالت کرنے والی آیات و احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: جہاد کی عظیم ترین قسموں میں سے مسلمانوں کے مابین الفت پیدا کرنے، دین اور دینی و دنیاوی مصلحتوں پر انہیں اکٹھا کرنے کی کوشش ہے۔^①

بلاشبہ مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنے اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے وسائل کو اپنانا جہاد کی عظیم ترین قسموں میں سے ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کو معزز بنانے، ان کی حکومت کے قیام اور رب کی شریعت کے نفاذ کے لیے ایسا قدم اٹھانا بہت ضروری ہے، یہی خلفائے راشدین کا فتنہ تھا، اور اس کی نمایاں شکل امت کے اتحاد، خونریزی سے بچاؤ اور مخائب اللہ اجر و ثواب کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت سے دست بردار ہو جانا ہے۔

ثانیاً: فتوحات کا پہلا دور لوٹ آیا:

لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دینا اسلام کے عظیم ترین مقاصد میں سے ہے، اور اس کے حصول کے لیے عہد خلفائے راشدین میں جن وسائل کا استعمال کیا گیا انہی میں سے اسلامی فتوحات کا مبارک سلسلہ تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی تحریک ارتداد کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فتنہ اسلامی دعوت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مانا جاتا ہے، اس لیے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے باعث اسلامی جہاد کا سلسلہ رک گیا اور مسلمانوں کی تلواروں کا رخ باہم ایک دوسرے کی جانب ہو گیا، اور ایسا فتنہ پیدا ہوا جو قریب تھا کہ امت اسلامیہ کا صفایا کر دیتا اگر اللہ کی رحمت سے حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح ہو کر اس کا خاتمہ نہ ہو جاتا۔

مصادر و مراجع ایسے نصوص سے بھرے پڑے ہیں جو تحریک جہاد اسلامی کے رک جانے میں اس فتنے کی تاثیر کو واضح کرتے ہیں،^② ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے سوچا کہ مدینہ جاکر وہیں قیام کر لوں، اور اس چیز کو معاویہ کے لیے چھوڑ دوں، فتنہ بہت طویل ہو چکا، اس میں بہت خونریزی ہو چکی، رشتہ داریاں منقطع ہو

① وجوب التعاون بین المسلمین ص ۵

② مرویات خلافة معاویة ص ۳۰۹

گئیں، راستے مسدود ہو گئے، سرحدیں بے حفاظت چھوڑ دی گئی ہیں۔^①

۲۔ وہ روایت جسے ابو زرہ دمشقی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہتے ہیں: جب عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا اور ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو ان کا جہادی حملہ نہ تو گرمی میں ہوتا تھا نہ ہی اس کے علاوہ موسم میں، تا آنکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں امت متحد ہو گئی۔^②

۳۔ ابوبکر مالکی کا قول ہے: فتنہ پیدا ہوا، عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے تک افریقہ کے علاقے اپنی حالت پر باقی رہے۔^③

اس طرح صلح کے نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ نکلا کہ فتوحات کا پہلا دور لوٹ آیا، اور عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں جہاد کے تین بنیادی محاذ کھل گئے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ روم کا محاذ:

روم کے طاقتور ہونے اور مسلمانوں کے پڑوس میں ہونے کے باعث یہ محاذ بہت اہم تھا، اس کے علاوہ ان کے پاس نہایت منظم اور تجربہ کار بری اور بحری فوجیں تھیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کو رومیوں کے ساتھ بری و بحری دونوں جنگیں لڑنی پڑیں۔

۲۔ مغرب کا محاذ:

اس محاذ کا روم کے محاذ سے بہت قوی ربط تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ مغرب کے علاقوں میں رومی کالونیاں تھیں، اس کا اس علاقے میں اسلامی فتوحات کی رکاوٹ میں بڑا اثر تھا۔

۳۔ جستان، خراسان اور ماوراء النہر^④ کا محاذ:

جستان و خراسان پہلے وہ ممالک ہیں جنہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا۔^⑤

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جہادی سیاست کے واضح نقوش چھوڑے ہیں، انہیں خلیفہ بن خیاط اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”جس آخری چیز کی معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ رومیوں کا ناطقہ بند کیے رہو،

① الطبقات، تحقیق السلمي ۳۳۱/۱

② مرویات خلافة معاوية ص ۳۱۰

③ ریاض النفوس ۲۷/۱

④ ماوراء النہر سے وہ علاقے مراد ہیں جو دریائے جیخون کے پرے واقع ہیں۔

⑤ مرویات خلافة معاوية ص ۳۴

اس کے ذریعہ سے دوسری قوموں کو کنٹرول کیے رہو گے۔“ ❶

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس سیاست کو بروئے کار لانے کے لیے درج ذیل تدبیروں کو اپنایا:

ا: چند مقاصد کے حصول کے لیے گرمیوں اور سردیوں کے حملوں پر خاص توجہ دینا، ان میں سے چند مقاصد درج ذیل ہیں:

☆ رومی قوم کو کمزور کرنا۔

☆ رومیوں سے اقدامی صلاحیت چھین کر انھیں دفاعی حالت میں کر دینا۔

☆ رومیوں کو اپنی فوجی قوتوں کو منتشر کرنے پر مجبور کرنا تاکہ وہ اسلامی حکومت کے خلاف مؤثر اور فیصلہ کن حملے نہ کر سکیں۔

ب: رومیوں پر ان کے علاقوں میں حملہ کرنا اور ان کے دار السلطنت کا محاصرہ کر لینا، تاکہ ان کے حوصلوں کو پست اور ان کے دلوں میں رعب طاری کیا جاسکے۔

ج: شام کے سمندر میں واقع جزیروں کو فتح کر کے رومیوں کے بحری اثر و نفوذ کو کم کرنا، تاکہ رومیوں کے جہازوں کو بحری اڈوں سے محروم کر دیا جائے۔

مغرب کے محاذ سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست اس طرح تھی:

۱۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مغرب کے محاذ پر خاص اہتمام تھا، اس کا ربط براہ راست ان کی ذات سے تھا، اس محاذ کے قائدین ۴۷ھ تک براہ راست معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہی رجوع کرتے تھے، اسی سال مغرب کا محاذ مصر کے گورنر کے حوالے کر دیا گیا۔

۲۔ قلب مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہر ”قیروان“ بسا کر ایک ترقی یافتہ جہادی اڈہ قائم کیا۔ ❷

بجستان، خراسان اور ماوراء النہر کے محاذ سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست اس طرح تھی:

۱۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بجستان و خراسان کے فاتح عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے تعاون حاصل کرنا اور دوبارہ ان علاقوں کو فتح کرنے کا ذمہ دار بنانا۔

۲۔ خراسان میں پچاس ہزار عربوں کو مع اہل و عیال آباد کر کے اس علاقے میں اسلامی دعوت کو پھیلانے اور

❶ تاریخ خلیفہ ص ۲۳۰

❷ مرویات خلافت معاویہ ص ۳۶۳

اسلامی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے کام کرنا۔^①

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلافت سے دست بردار نہ ہوتے تو اسلامی جہاد اور فتوحات کا پہلا دور نہ لوٹ آتا، چنانچہ صلح کا ایک نتیجہ اس عظیم شرعی مقصد کا حصول تھا۔
کتاب و سنت پر مبنی مسلمانوں کے اتحاد کے بہت سارے اچھے ثمرات ہوتے ہیں، اگر امت عموماً اور اس کے قائد خصوصاً اس مقصد کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنی زندگی میں اس کو نافذ کر لیں تو وہ ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں۔

ثالثاً:..... خوارج کے مقابلے کے لیے حکومت کا فارغ ہو جانا:

صلح کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ خوارج کے مقابلے کے لیے اسلامی حکومت فارغ ہوگئی، چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طاقت و قوت کم کرنے میں کامیاب رہے، اور فروہ بن نوفل اشجعی، مستورد بن علف جمی، حیان بن ظہیان سلمیٰ کی تحریکات کا معارضہ کیا، یہ تحریکات کوفہ میں ظہور پذیر ہوئیں۔^② یزید باہلی، سہم جہمی، قریب ازدی، زحاف طائی وغیرہم کی تحریکات بصرہ میں تھیں۔^③

خوارج اور اسلامی حکومت کے مابین اس کشمکش کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، لیکن ہمیں یہاں صلح کے ایک فطری نتیجہ کو واضح کرنا ہے اور وہ نتیجہ خوارج کا معارضہ اور ان کا ناطقہ بند کرنا ہے، اسی لیے عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں خوارج کی تحریک میں سوجھ بوجھ کی کمی اور تنظیم کا فقدان پایا جاتا ہے، جو کچھ وہ کرتے تھے وہ اجتماعی خودکشی کے مترادف تھا، اس لیے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں خروج کرتے تھے، جن کا جلد ہی خاتمہ کر دیا جاتا تھا، ان کا سوجھ بوجھ اور تجربہ رکھنے والا کوئی قائد نہیں تھا، جو مقاصد کے حصول کے لیے ان کی بہادری اور گھڑ سواری کا فائدہ اٹھا پاتا۔ اپنے ہی کچھ لوگوں کی غلطیوں کا وہ اعادہ کرتے تھے، کوئی تحریک سابقہ تحریک کے تجربہ سے فائدہ نہیں اٹھاتی تھی، اپنی دعوت میں مناظرہ اور سوال و جواب کا اسلوب نہیں اپناتے تھے، مسلم معاشرہ پر اپنی فکر کو زبردستی مسلط کرنا چاہتے تھے، ان کی تحریکات میں دینی محرکات (جس نے ان کے زعم باطل کے مطابق انھیں خروج پر آمادہ کیا) جاہلی عصبيت کے محرکات سے ملے ہوئے تھے، جس کا ثبوت یہ تھا کہ ان میں سے بعض نے اپنے بعض ساتھیوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے خروج کیا تھا، اسلامی معاشرے میں وہ اجنبیت محسوس کرتے، اور اس سے نفرت کرتے، وہ اس بات پر مطمئن تھے کہ اہل قبلہ سے جنگ کفار کی جنگ سے بہتر ہے، اپنی دعوت کو پھیلانے

① مرویات خلافة معاویة فی تاریخ طبری ص ۳۶۴، ۳۶۵

② مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۷۹-۱۹۶

③ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۹۷-۲۰۸

کے لیے کوئی نیا علاقہ نہیں تلاش کر رہے تھے، بلکہ عراق کے بعض شہروں خصوصاً کوفہ و بصرہ پر اکتفا کیے ہوئے تھے۔ ❶ اس طرح صلح کا ایک نتیجہ خوارج کی تحریک کا ناطقہ بند کرنا تھا۔

عہد خلافت راشدہ کا خاتمہ:

خلافت علی منہاج النبوۃ کا زمانہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری پر ختم ہو گیا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعَهَا اللَّهُ إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مَنَهِاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُونُ مَا شَاءَ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعَهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاصِيًا فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعَهَا اللَّهُ إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيًّا، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعَهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مَنَهِاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ.)) ❷

”جب تک اللہ چاہے گا نبوت رہے گی، پھر جب چاہے گا ختم کر دے گا، پھر جب تک چاہے گا خلافت علی منہاج النبوۃ رہے گی، پھر جب چاہے گا ختم کر دے گا، پھر جب تک چاہے گا ظالمانہ بادشاہت رہے گی، پھر جب چاہے گا ختم کر دے گا، پھر جب تک چاہے گا غاصبانہ بادشاہت رہے گی، پھر جب چاہے گا ختم کر دے گا، پھر خلافت علی منہاج النبوۃ ہوگی، پھر خاموش ہو گئے۔“

نیز رسول اللہ ﷺ نے بیان کر دیا ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ تیس سال تک رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بادشاہت یا اپنی بادشاہت دے گا۔ ❸

اور ارشاد نبوی ہے:

((الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَلِكَ.)) ❹

”میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔“

حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پرتیس سال پورے ہو جاتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ ربیع الاول ۳۱ھ میں

❶ مرویات خلافة معاوية ص ۲۰۹، ۲۱۰

❷ مسند أحمد ۴/ ۳۷۱، ۳۷۲، سلسلة الأحاديث الصحيحة

❸ صحيح سنن أبي داود للالباني ۳/ ۸۷۹، سنن أبي داود شرح عون المعبود ۱۲/ ۲۵۹

❹ سنن الترمذی مع تحفة الأحوذی ۶/ ۳۹۵-۳۹۷ یہ حدیث حسن ہے۔

خلافت سے دست بردار ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر اس وقت تک تیس سال پورے ہو جاتے ہیں اس لیے کہ آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی، اور یہ پیشین گوئی نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل تھی۔^①

اس طرح ربیع الاول ۴۱ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری پر خلافت علی منہاج النبوة کا مرحلہ پورا ہو جاتا ہے۔^② مذکورہ حدیث نبوی درج ذیل تاریخی مراحل کی جانب اشارہ کرتی ہے:

۱۔ عہد نبوت۔

۲۔ عہد خلافت راشدہ۔

۳۔ تشدد و ظالم بادشاہ کا عہد۔

۴۔ غاصب بادشاہ کا عہد۔

۵۔ پھر خلافت علی منہاج النبوة کا عہد۔

رسول اللہ ﷺ نے واضح کر دیا ہے کہ علی منہاج النبوة خلافت و رحمت ہوگی، پھر بادشاہت و رحمت ہوگی۔^③

خلفائے راشدین کے بعد کے لوگوں کو بھی (اگرچہ انبیاء کے خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ ہیں) خلیفہ کہا جاسکتا ہے، اس کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جسے امام بخاری و امام مسلم دونوں نے اپنے صحیح میں نقل کیا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَتَّبِعُونَ النَّبِيَّ فَإِنْ كَانَ مِنْهُمْ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنْهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: وَفُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَلِأَوَّلٍ، ثُمَّ أَعْطَوْهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرَعَاهُمْ.))^④

”بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے، جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو اس کا خلیفہ و جانشین دوسرا نبی ہوتا، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، خلیفہ ہوں گے جو بکثرت ہوں گے، لوگوں نے پوچھا: آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: اول بہ اول خلیفہ کی بیعت کو پورا کرنا، انھیں ان کا حق دینا، اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھتا چھ کرنے والا ہے۔“

② مرویات خلافة معاوية ص ۱۶۵

① البداية والنهاية ۱۶/۸

③ سنن الدارمی ۱۱۴/۲، الاشارة (الفتاویٰ ۱۴/۳۵)

④ صحيح البخاری حدیث نمبر ۳۴۵۵

آپ کا قول ”فتکشر“ خلفائے راشدین کے علاوہ خلفاء کی دلیل ہے، اس لیے کہ خلفائے راشدین کثیر نہیں تھے، آپ کا قول ”وفوا بیعة الأول فالأول“ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اختلاف کریں گے حالاں کہ خلفائے راشدین نے ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کیا تھا، آپ کا قول ”فأعطوهم حقهم فإن الله سائلهم عما استرعاهم“ حکام کو مال اور غنیمت میں ان کا حق دینے سے متعلق اہل سنت کے مذہب کی دلیل ہے۔^①

معاویہ رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے بہتر بادشاہ ہیں، جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ علی منہاج النبوة خلیفہ تھے، لیکن ان کی خلافت بادشاہت تھی، نیز ان کی بادشاہت بادشاہت اور رحمت تھی، آپ کی بادشاہت میں جو رحمت، حلم و بردباری، اور مسلمانوں کو نفع رسانی تھی وہ سب باتیں بتلاتی ہیں کہ وہ دوسرے بادشاہوں سے بہتر تھے۔^②

معاویہ رضی اللہ عنہ عالم، پرہیزگار، اور عادل تھے، لیکن وہ ان اوصاف میں خلفاء اربعہ سے کمتر تھے، جیسا کہ اولیاء بلکہ ملائکہ اور انبیاء کے مابین تفاوت پایا جاتا ہے، چنانچہ ان کی خلافت و حکومت اگرچہ اجماع صحابہ اور حسن رضی اللہ عنہ کے سونپ دینے کے باعث صحیح تھی، مگر ان سے پہلے خلفاء کی خلافت کے طرز پر نہیں تھی، انھوں نے بہت ساری ایسی مباح چیزوں میں وسعت دے دی جن سے خلفاء اربعہ بچ رہے تھے، نیز عبادات و معاملات میں خلفاء اربعہ کی فضیلت بالکل ظاہر و باہر ہے۔^③

ابن خلدون نے تبدیلیوں کو ذکر کرتے ہوئے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ خلافت اگرچہ ملکیت میں تبدیل ہوگئی تھی مگر خلافت کے مفاہیم باقی رہ گئے تھے، تبدیلی تصرفات کے بنیادی محرک میں ہوئی تھی، پہلے بنیادی محرک دین ہوا کرتا تھا، لیکن اس وقت عصبيت اور تلواریں بنیادی محرک بن گئی تھیں، مراد یہ کہ پہلے لوگوں کے تصرفات میں بنیادی محرک دین تھا، اور خلافت شوریٰ تھی، بعد میں حکومت کی بنیاد عصبيت اور قوت پر ہوگئی، لیکن خلافت کے اہداف و مقاصد باقی رہ گئے تھے، یعنی اس بادشاہت کے اغراض و اہداف یہ تھے کہ وہ دین کے مقاصد کو پورا کرے، اسلامی شریعت کے مطابق عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے، ان واجبات کو بروئے کار لائے جن کا اسلام حکم دیتا ہے، یعنی بادشاہت و حکومت اسلامی و شرعی ہی باقی رہی۔^④

خلافت کے ادوار کی تلخیص کرتے ہوئے کہتے ہیں:

② مذکورہ کتاب ۴/ ۲۹۲

① مجموع الفتاویٰ ۳۵/ ۱۵

③ الناہیة عن طعن امیر المومنین معاویہ ص ۷۸

④ النظریات السیاسة للریس ص ۱۹۴ نقلا عن المقدمة ابن خلدون

”یہ بات واضح ہوگئی کہ پہلے بغیر بادشاہت کے خلافت تھی، پھر اس کے مفاہیم بادشاہت کے ساتھ مل گئے، پھر صرف بادشاہت رہ گئی، اس لیے کہ عصیت خلافت سے بالکل علیحدہ شے ہے اور دن اور رات کی آمد و رفت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔“^①

چنانچہ پہلا دور جس کی جانب انھوں نے اشارہ کیا ہے وہ خلفائے راشدین کا زمانہ تھا اور وہ خالص خلافت کا زمانہ تھا اور دوسرا دور خلفائے امویین و عباسیین اور اسی طرح خلفائے عثمانیین کا زمانہ تھا، اور وہ ایسی خلافت کا زمانہ تھا جو بادشاہت کے ساتھ ملی ہوئی تھی، یا ایسی بادشاہت کا زمانہ تھا جو خلافت کے ساتھ ملی ہوئی تھی یعنی اس زمانہ میں خلافت کے مقاصد کو بروئے کار لایا جاتا تھا، اور تیسرا دور خالص بادشاہت کا تھا جس کا مقصد بادشاہ بننا اور دنیاوی مقاصد کو حاصل کرنا تھا، اور یہ دور خلافت کی حقیقت اور اس کے دینی مفاہیم سے بالکل عاری ہو گیا تھا، یہ فقیہ و مؤرخ ابن خلدون کی جانب سے ہونے والی تبدیلیوں اور ان ادوار کی تفسیر ہے جن سے خلافت گزری۔^②

بلاشبہ حقیقی خلافت یا خلافت علیٰ منہاج النبوة تیس سال تک رہی اور یہ خلفائے راشدین کا زمانہ تھا، پھر بادشاہت آ گئی، لیکن حقیقت کے اظہار کے لیے اس تحدید کی رعایت ضروری ہے کہ خلافت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے مفاہیم و مقاصد باقی تھے، تبدیلی اس بنیاد میں ہوئی تھی جس پر اس کا قیام ہوتا تھا، لیکن اس کی حقیقت باقی تھی، اس طرح تبدیلی کلی نہیں، بلکہ جزوی تھی، یعنی پہلے دور کی خلافت کامل و مثالی تھی، پھر بعض وجوہ سے مثالی کے درجے سے گھٹ گئی، لیکن اس کے اکثر عناصر باقی رہ گئے تھے، اس طرح یہ کم درجے کی خلافت تھی، یا ایسی خلافت تھی جو بادشاہت سے ملی ہوئی تھی۔^③

اسلام میں عام لوگوں کے نزدیک مثالی و کامل اور علیٰ منہاج النبوة خلافت ہی قابل عمل ہے، اس کی بنیاد شوریئت اور امت کے مکمل انتخاب پر ہوتی ہے، واقعی حالات و ظروف اور اجتماعی اسباب و عوامل کی بناء پر اگر یہ تبدیلی ہو جائے تو اسے وقتی طور پر یا ضرورت کے طور پر ہی برداشت اور قبول کیا جاسکتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ مثالی اور کامل خلافت کا تصور ہمیشہ لوگوں کے ذہنوں میں رہے، مذکورہ حالات و ظروف اور اسباب و عوامل کے ختم ہوتے ہی کامل و مثالی خلافت کی جانب لوٹ جانا واجب ہے، اسی لیے خالص اسلامی تحریریں مثالی و کامل خلافت کا التزام کرتی ہیں، اور اسی سے اصول و مبادی کا استنباط کرتی ہیں، نیز شرعی و حقیقی خلافت کے درمیان اور بالفعل پائی جانے والی اس خلافت کے درمیان تفریق کرتی ہیں جو حقیقت سے تھوڑا بہت دور ہوگئی تھی۔^④

① مقدمہ ابن خلدون، النظریات السیاسة ص ۱۹۵

② مقدمہ ابن خلدون، النظریات السیاسية ص ۱۹۵

③ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۷

④ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۶

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ خلافت کا بادشاہوں، ان کے نائبین، گورنروں، قاضیوں اور حاکموں کے ہاتھوں میں ہو جانا صرف ان کے اندر کمی کے باعث نہیں تھا، بلکہ راعی اور رعیت دونوں کے اندر کمی کے باعث تھا، اور تم جیسے ہو گے اللہ تعالیٰ تم پر ویسے ہی آدمی کو مقرر کرے گا، ارشادِ باری ہے:

﴿وَكَذَلِكَ تُوِيَّتْ بَعْضُ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (الانعام: ۱۲۹) ❶

”اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بعض کے ساتھ ملا دیں گے۔“

خلفائے راشدین کی حکومت ختم ہو گئی، خلافت بادشاہت میں بدل گئی تو حاکموں میں اسی طرح علما اور دینداروں میں کمی و خامی واقع ہو گئی، خلفائے اربعہ کی خلافت کے خاتمے پر جمہور صحابہ کرام ختم ہو چکے تھے، تا آنکہ بدری صحابیوں میں بہت کم لوگ بچے تھے، اور جمہور تابعین زیرِ نبیؐ اور عبد الملک کی امارت میں ختم ہو چکے تھے اور جمہور تبع تابعین اموی حکومت کے اواخر اور عباسی حکومت کے اوائل میں ختم ہو چکے تھے۔ ❷

کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار بارہ خلیفوں میں ہوتا ہے؟

((عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَا يَنْقُضِي حَتَّى يَمُضِيَ فِيهِمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً، قَالَ: ثُمَّ تَكَلَّمُ بِكَلَامٍ خَفِيَ عَلَيَّ، قَالَ: فَقُلْتُ لِأَبِي، مَا قَالَ: قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.)) ❶

((وَفِي رَوَايَةٍ أُخْرَى عَنْ جَابِرٍ: لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَى عَشَرَ خَلِيفَةً..... كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.)) ❷

((وَفِي رَوَايَةٍ أُخْرَى عَنْهُ: لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَنِيعًا إِلَى اثْنَى عَشَرَ خَلِيفَةً..... كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.)) ❸

((زَادَ أَبُو دَاوُدَ فِي سَنَنِهِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ أَتَتْهُ قُرَيْشٌ فَقَالُوا: ثُمَّ يَكُونُ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ يَكُونُ الْهَرَجُ.)) ❹

”جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں اپنے والد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس گیا تو آپ کو فرماتے ہوئے سنا: بلاشبہ یہ معاملہ (دین کی قوت) ختم نہیں ہوگا تا آنکہ بارہ خلیفہ گزر جائیں۔ کہتے ہیں کہ پھر آپ نے ایک بات کہی جو مجھ پر مخفی رہی۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا: آپ

❶ مجموع الفتاویٰ ۱۵/۳۵

❷ مجموع الفتاویٰ ۲۰۷/۱۰

❸ صحیح مسلم مع شرح النووی ۲۰۳، ۲۰۲/۱۲

❹ صحیح سنن أبی داود للآلبانی ۸۰۷/۳، سنن أبی داود مع شرحها عون المعبود ۲۴۹/۱۱

نے کیا فرمایا؟ (جواب دیا) آپ نے فرمایا: سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

اور جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا، سب کے سب قریش کے ہوں گے۔

انھیں کی دوسری روایت ہے: بلاشبہ یہ دین غالب و مضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک، وہ سب کے سب قریش کے ہوں گے۔

امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اپنی سند سے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کا اضافہ ذکر کیا ہے، راوی کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے گھر لوٹے تو آپ کے پاس قریش کے لوگ آئے اور پوچھا: پھر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: پھر ہرج یعنی فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری ہوگی۔“

ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس حدیث کا معنی بارہ اچھے خلفاء کے ہونے کی بشارت ہے جو لوگوں میں حق و عدل قائم کریں گے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اور ان کے زمانے مسلسل ہوں گے، بلکہ ان میں سے چار بالترتیب ہوئے اور وہ خلفائے اربعہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ہیں، اور بلاشبہ ائمہ کرام کے نزدیک انھی میں سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور بنو عباس کے بعض خلفاء ہیں، ان کی خلافت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، ایسا لگتا ہے کہ انھی میں سے مہدی بھی ہیں جن کے آنے کی بشارت حدیثوں میں وارد ہے۔“

ابن کثیر رحمہ اللہ نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ہم ان میں خامس الخلفاء الراشدین امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کا اضافہ کرتے ہیں اور میں نے اپنی کتاب ”أسمی المطالب فی سیرة أمير المؤمنين علی بن ابی طالب شخصیتہ و عصرہ“ میں مہدی منتظر سے متعلق اہل سنت و شیعہ امامیہ کے عقائد کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، جسے تفصیل مطلوب ہو اس کا مراجعہ کرے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو بات ذکر کی ہے اس کی بنیاد پر بارہ خلفاء کے مرحلہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی مدت دوسرے تمام مراحل کے بیچ بیچ میں آتی رہے گی، اور اس مرحلہ کے خلفاء کا ظہور بالترتیب اور الگ الگ وقتوں میں دونوں طرح ہوگا، یہ اس امت پر اللہ کی رحمت ہے، اور ان کے ظہور کی ابتداء، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے ہوگی اور اس مرحلہ کی انتہا بعد کے زمانہ میں ان میں سے آخری خلیفہ کے ظہور پر ہوگی، جس کی خلافت کے بعد فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری کا دور ہوگا۔ ❶

کیا حسن بن علی رضی اللہ عنہما قوت رکھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے یا کمزوری کی حالت میں؟

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما قوت رکھتے ہوئے دست بردار ہوئے تھے، اس کے بہت سارے دلائل ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ وہ قانونی حیثیت جو حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی:

آپ کی بیعت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رمضان ۴۰ھ میں انجام پائی، آپ کا انتخاب شوریٰ طریقہ پر ہوا، آپ حجاز، یمن، عراق، اور ان تمام علاقوں کے قانونی خلیفہ ہو گئے جو آپ کے والد کے تابع تھے، آپ چھ مہینے خلیفہ رہے، یہ مدت اس خلافت راشدہ میں شامل ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اس کی مدت تیس سال ہوگی، پھر بادشاہت ہوگی۔ امام ترمذی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَلِكَ.)) ❶

”میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔“

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کو لے کر تیس سال پورے ہوتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی، وہاں سے لے کر یہاں تک تیس سال پورے ہوتے ہیں، اور یہ پیشین گوئی نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ایک نشانی ہے۔ ❷ اس طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما پانچویں خلیفہ راشد ہوں گے۔ ❸ خلافت حسن رضی اللہ عنہ کی قانونی حیثیت کے بارے میں بہت سارے علمائے اہل سنت نے گفتگو کی ہے، انھی میں ابو بکر ابن العربی، ❹ قاضی عیاض، ❺ ابن کثیر، ❻ شارح طحاویہ، ❼ مناوی، ❽ اور ابن حجر عسقلانی ❾ ہیں۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ حسن رضی اللہ عنہ کو قانونی حیثیت حاصل تھی اگر وہ چاہتے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو پریشان

❶ سنن الترمذی مع تحفة الأحوذی ۶/ ۳۹۵-۳۹۷

❷ البداية والنهاية ۱/ ۱۳۴

❸ أحكام القرآن لابن العربي ۴/ ۱۷۲۰

❹ البداية والنهاية ۱/ ۱۳۴

❺ فيض القدير ۲/ ۴۰۹

❻ شرح الطحاوية ص ۵۴۵

❼ الصواعق المحرقة ۲/ ۳۹۷

کر سکتے تھے، اور اہل شام کا اعتماد حاصل کرنے یا کم از کم ان کے مابین معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف کمزور کرنے کے لیے ان کے درمیان منظم طور پر اعلامی جنگ چھیڑ سکتے تھے، قانونی حیثیت حاصل ہونے اور نواسہ رسول ہونے کے باعث آپ کو معنوی طاقت و قوت اور روحانی اثر و نفوذ حاصل تھا۔

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا موجودہ حالات اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا صحیح جائزہ:

نفیر بن حضری نے جب آپ سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو خلافت کی خواہش ہے تو آپ نے فرمایا: عرب کے لوگ میری مٹھی میں تھے، جن سے میں صلح کرتا ان سے وہ بھی صلح کرتے، جن سے میں جنگ کرتا ان سے وہ بھی جنگ کرتے لیکن میں نے اللہ کی رضا کی خاطر اسے چھوڑ دیا ہے۔^①

یہ حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس بات کی شہادت ہے کہ وہ مضبوط حالت میں تھے، ان کے متبعین جنگ یا صلح جو آپ چاہتے اس کے لیے تیار تھے، ساتھ ہی ساتھ آپ شعلہ بیانی، طلاقت لسانی، جذبہ صادق، قوت تاثیر اور قرابت رسول اللہ ﷺ کے مالک تھے، یہ چیزیں آپ کی قوت و طاقت میں اضافہ کر رہی تھیں، مذکورہ باتوں کی دلیل یہ ہے کہ آپ اپنے والد کا ساتھ دینے کے لیے اہل کوفہ کو آمادہ کرنے میں کامیاب رہے، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انھیں خروج، جنگ اور فتنے سے روک رہے تھے، فتنے میں ملوث ہونے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی جو تحذیر وہ سن چکے تھے اسے لوگوں کو سنار ہے تھے۔^②

علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے پہلے محمد بن ابوبکر اور محمد بن جعفر کو بھیجا، دونوں اپنی مہم میں کامیاب نہیں ہوئے، اس کے بعد ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کو بھیجا، لیکن وہ بھی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ان پر اثر انداز ہونے کے باعث اپنی مہم میں ناکام رہے۔^③ ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا، ان کی دعوت پر بھی نال منول کر رہے تھے، ان کے بعد عمار بن یاسر اور حسن رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔^④

حسن رضی اللہ عنہ کی بہت واضح تاثیر تھی، لوگوں میں کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: لوگو! اپنے امیر کی دعوت پر لبیک کہو، اپنے بھائیوں کی جانب چل پڑو، اس مقصد کے لیے کوچ کرنے والے ل جائیں گے، لیکن اللہ کی قسم اگر اس کام کو عقلمند لوگ انجام دیں، تو فوری طور پر اس کا اثر اچھا ہوگا اور انجام بہتر ہوگا، اس لیے ہماری دعوت پر لبیک کہو اور جس مصیبت میں ہم پھنسے ہیں اس میں ہماری مدد کرو۔^⑤

① البدایہ والنہایہ ۲۰۶/۱۱

② تاریخ الطبری ۵۱۴/۵ مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۱۵، اس کی سند حسن ہے۔

③ خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید علی ص ۱۴۴، سیر أعلام النبلاء ۴۸۶/۳

④ علی بن ابی طالب للصلاہی ۶۰/۲، فتح الباری ۵۳/۱۳

⑤ تاریخ الطبری ۵۱۶/۵

چنانچہ بہت سارے اہل کوفہ نے اس دعوت پر لبیک کہا اور عمار و حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ چھ سے سات ہزار تک علی رضی اللہ عنہ کی جانب نکل پڑے۔^①

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے، عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے وہ عراق کے محبوب قائدین میں سے تھے، علم و زہد میں آپ کا بڑا اونچا درجہ تھا، لوگوں کے نزدیک آپ کا مقام و مرتبہ نہایت اعلیٰ تھا، ان سب چیزوں کے باوجود حسن رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کو اپنی جانب مائل کرنے میں کامیاب رہے اور وہ سب کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

۳۔ حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اچھے قائدین تھے:

حسن رضی اللہ عنہ کی صف میں اچھے قائدین تھے، جیسے آپ کے بھائی حسین، آپ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر، قیس بن سعد بن عبادہ (وہ عربوں کے زیرک ترین لوگ میں تھے) اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ اگر آپ کو خلافت کی چاہت ہوتی تو اپنے قائدین کو لوگوں کو تیار کرنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں کود پڑنے کی اجازت دیتے اور کم از کم ایک وقت تک اپنے علاقے کے خلیفہ ہوتے۔

۴۔ آپ اہل عراق کے ساتھ تعامل اور ان کی نفسیات سے واقف تھے:

آپ کے پاس اہل عراق کے ساتھ تعامل اور ان کی نفسیات کی آگاہی کے بارے میں خاص صلاحیتیں تھیں، اسی لیے آپ نے خلافت کی ابتداء ہی سے ان کے عطیات میں اضافہ کر دیا، اسی طرح صلح کے منصوبے کو کامیاب بنانے میں آپ کی مہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ سے زیادہ مشکل تھی، اس کے باوجود آپ نے پیش آنے والی بہت ساری رکاوٹوں کو دور کر لیا، لوگوں نے آپ کے قتل کی کوشش کی، بعض لوگوں نے صلح کا انکار کر دیا، اس کے علاوہ بہت سی رکاوٹیں تھیں، مگر آپ ان سب کو دور کرنے میں کامیاب رہے، خونریزی کو روکنے، امت کے اتحاد، راستوں کا امن اور فتوحات کا دور لوٹ آنا، یہ اور اس طرح کے اہداف (جن کی آپ نے منصوبہ سازی کی تھی) کو پایا، یہ آپ کی بے مثال قائدانہ صلاحیت کی دلیل ہے۔

۵۔ عمرو بن عاص اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کی فوجوں کا جائزہ:

صحیح بخاری میں وارد ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا سامنا پہاڑ جیسے فوجی دستوں کے ساتھ کیا، اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے خیال میں یہ دستے اپنے مقابل فوجیوں کا کام تمام کر کے ہی واپس لوٹیں گے، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ (جو دونوں میں بہتر تھے) نے کہا: اے عمرو، اگر یہ لوگ قتل کر دیے گئے تو ان کے معاملات، ان کی عورتوں اور ان کی جاگیروں کا کون ذمہ دار ہوگا؟ چنانچہ انھوں نے ان (حسن رضی اللہ عنہ) کے پاس قریش کے دو

آدمیوں عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریم رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور کہا: تم دونوں ان کے پاس جاؤ، بات چیت کرو، کچھ ان کے مطالبات کو مان لینے اور اپنے کچھ مطالبات منوانے کی بات کرو۔^①

ا: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسا مشہور فوجی جرنیل، تجربہ کار سیاست دان اور لڑائیوں کا طویل تجربہ رکھنے والا کہہ رہا ہے: میرے خیال میں یہ فوجی دستے اپنے مقابل فوجیوں کا کام تمام کر کے ہی لوٹیں گے۔

ب: فوجی صورت حال کا جائزہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس طرح پیش کرتے ہیں: بغیر دونوں فریقوں کے زبردست نقصانات کے کسی فریق کو فتح اور فوجی بالادستی نہیں مل سکتی، معاویہ رضی اللہ عنہ ہی اگر فتح مند ہوتے پھر بھی وہ اچھے مسلمانوں کے قتل، قبیضوں، ہواؤں اور امت اسلامیہ کے لیے بڑی بڑی اخلاقی، اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی خرابیوں کی شکل میں جنگ کے نتائج کو برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

ج: اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی معاشرے میں اثر و رسوخ رکھنے والے اور حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک محترم صحابہ کرام میں سے دو عظیم شخصیتوں کا انتخاب فرمایا، دونوں قریش کے تھے۔

☆ ایک عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، ابوسعید قرشی رضی اللہ عنہ تھے، آپ فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ اشراف میں سے تھے، بصرہ میں قیام کیا، جنگ جستان میں شریک ہوئے۔^② وہی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا:

((يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِن أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِن أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِّلْتَ إِلَيْهَا.))^③

”اے عبدالرحمن! امارت کا مطالبہ مت کرو، اگر بغیر مطالبے کے امارت تمہیں دی گئی تو الہی مدد تمہیں ملے گی اور اگر مطالبے پر ملی تو تمہا تمہارے حوالے کر دی جائے گی (یعنی الہی مدد نہیں ملے گی)۔“

مسند قحی بن مخلد میں ان کی روایت کردہ چودہ حدیثیں ہیں، ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیب، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حبان بن عمیر، ابن سیرین، حسن، ان کے بھائی سعید بن ابوالحسن اور حمید بن ہلال وغیرہم نے روایت کی ہے۔

ایک روایت کے مطابق ان کا نام عبدالکلال تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے عبدالرحمن سے بدل دیا۔^④ آپ کی وفات بصرہ میں ۵۰ھ میں ہوئی، دوسری روایت کے مطابق ۵۱ھ میں۔^⑤

① صحیح البخاری کتاب الصلح حدیث نمبر ۲۷۰۴

② سیر أعلام النبلاء ۲/ ۵۷۱ ③ صحیح مسلم کتاب الإیمان حدیث نمبر ۱۶۵۲

④ سیر أعلام النبلاء ۲/ ۵۷۲ ⑤ سیر أعلام النبلاء ۲/ ۵۷۲

عبدالرحمن بن سرہ رضی اللہ عنہ ایک مجاہد، جلیل القدر صحابی تھے، اس زمانے میں آپ کو اچھا مقام حاصل تھا، بہت ساری فتوحات میں آپ شریک رہے، عہد عثمانی میں فتح کرنے والی فوجوں کے امیر رہے، جستان کو بغیر جنگ کے فتح کیا، اس کے بعد ”بُست“ اور اس سے متصل علاقوں کو فتح کیا، کابل اور زابلستان تک پہنچ کر ان دونوں کو فتح کیا، اور بہت سارا مال غنیمت ابن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ ❶

☆ دوسرے عبداللہ بن عامر بن کریم بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی رضی اللہ عنہ تھے۔ ❷ عہد نبوی ۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ❸ رسول اللہ ﷺ جب ۷ھ میں عمرۃ القضاء ادا کرنے آئے اور مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے پاس عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آپ نے زبان نکالی اور جھائی لی تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کے منہ میں اپنا تھوک ڈال دیا اور پوچھا: یہ سلمیہ کے لڑکے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: یہ ہمارے مشابہ ہے اور ان کے منہ میں آپ اپنا تھوک ڈالتے رہے اور ان کے لیے شیطان سے بچاؤ کی دعا کرتے رہے اور وہ نبی کریم ﷺ کے تھوک کو نگلتے رہے، آپ نے فرمایا: بلاشبہ یہ سیراب کیے ہوئے ہیں، چنانچہ جو زمین بھی آپ کھودتے وہاں سے پانی نکلے لگتا۔ ❹

عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنی کتاب میں عہد ذوالنورین میں گورنروں کے ادارے پر گفتگو کے وقت میں نے آپ کی سوانح حیات لکھی ہے۔ ❺

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان کی نیکیاں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت معروف ہیں۔ ❻ ان کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں: آپ کا شمار عرب کے بڑے امراء، بہادروں اور شہسواروں میں ہوتا تھا، ان میں نرمی و بردباری تھی۔ ❼ جنگ جمل و صفین سے آپ بالکل الگ تھلگ رہے۔

مذکورہ دونوں شخصیتوں کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بھیجا جانا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قیمت پر بھی صلح کی کامیابی کے حریص تھے، اور معاملے کی باگ ڈور حسن رضی اللہ عنہ اور آپ کے مؤیدین کے ہاتھوں رہی۔ صحیح بخاری کی سابقہ روایت نیز دیگر روایات کے مطابق آپ کا فوجی محاذ نہایت مضبوط تھا، رہا معاملہ حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے اور قتل کرنے کی کوشش کا، تو اس کا تعلق جنگی حالات اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حقیقت میں

❶ البدایہ والنہایہ ۹۱/۸

❷ تاریخ دمشق ۲۶/۲۸۹، ۲۹۰

❸ تہذیب التہذیب ۵/۲۷۲

❹ تہذیب التہذیب ۵/۲۷۲

❺ منہاج السنۃ ۳/۱۸۹، ۱۹۰

❻ عثمان بن عفان للصلابی ص ۳۰۲

❼ سیر أعلام النبلاء ۳/۲۱

یا بطور افواہ صلح سے ہے، افواہ پھیلانے والے ناکام رہے، آپ پر حملہ کرنے والا قتل کر دیا گیا، اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔

اگر حسن رضی اللہ عنہ کی دھاک نہ ہوتی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان سے گفتگو کرنے، ان کے مطالبات اور شرائط کو مان لینے کی ضرورت نہ ہوتی، اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے حسن رضی اللہ عنہ کی کمزوری اور قوت کے انتشار کو جان لیتے، نیز کسی سے گفتگو کرنے اور ان کے مطالبات و شرائط کو مان لینے کی زحمت اٹھائے بغیر کوفہ میں داخل ہو جاتے۔^①

اپنے اعوان و انصار کے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کر سکتے تھے، لیکن حسن رضی اللہ عنہ امن و سلامتی کو پسند کرتے تھے اور فتنہ و تفرقہ بازی کو ناپسند کرتے تھے، آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی باہمی پھوٹ کو ختم کر کے انھیں متحد کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.))^②

”میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

حسن رضی اللہ عنہ اور حکومت سے بے رغبتی:

دنیا کو چھوڑ کر جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے اور اجر و ثواب کو طلب کرنے میں حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے اسوہ و نمونہ تھے، مناصب اور کرسیوں کو چھوڑنا انسانوں پر گراں گزرتا ہے، ان کے بارے میں بھائی، ساتھی اور رشتہ دار ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، پرانی تاریخ کو پلٹ کر دیکھنے پر عجیب و غریب باتیں دکھائی دیں گی۔

دنیا کے بہت کم لوگ ریاست و سرداری کو چھوڑتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو مال و دولت اور عورتوں وغیرہ کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن ریاست و سرداری اور مناصب کو چھوڑنے میں ناکام رہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ سرداری کی محبت آخری چیز ہوتی ہے جو صالحین کے دلوں سے نکلتی ہے، سفیان ثوری کے اس قول پر غور کرو، سب سے کم جس چیز سے آدمی بے رغبت ہوتا ہے وہ ریاست و سرداری ہے، آدمی کھانے، پینے، مال اور کپڑوں سے بے رغبت ہو جاتا ہے، لیکن ریاست و سرداری سے بے رغبت نہیں ہوتا، اگر کوئی اسے چھیننے لگے تو اس سے جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس کا دشمن بن جاتا ہے، ریاست و سرداری کی محبت سے بچو اس لیے کہ یہ آدمی کو سونے اور چاندی سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے، وہ ایک گنجلک معاملہ ہے جسے پرکھ رکھنے والے با بصیرت علما ہی

① صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۰۹

② سیر أعلام النبلاء ۷/ ۲۶۲

جان پاتے ہیں، اپنے آپ کا جائزہ لو اور خالص نیت سے کام کرو، ایسا معاملہ لوگوں سے قریب ہو چکا ہے، جس کے لیے آدمی مرجانا چاہتا ہے۔^①

حسن رضی اللہ عنہ ہمیں سکھلا رہے ہیں کہ ہم کس طرح مناصب اور کرسیوں کو چھوڑ دیں اگر ایسا کرنے میں اللہ کی رضا، امت کی مصلحت، خوزریزی سے رکاوٹ اور امت کا اتحاد مضمر ہو۔

دنیا سے بے رغبتی پر معادوں چیزوں میں سے امیدوں کا اختصار، موت کی یاد دہانی اور قبروں کی زیارت ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی انگلی پر یہ شعر لکھا ہوا تھا:

قدم لنفسك ما استطعت من التقى

إن السمنية نازل بك يافتي

”تقویٰ کے کام جتنا کر سکے کر لے، اے نوجوان! تجھے موت سے دو چار ہونا ہی ہے۔“

أصبحت ذا فرح كأنك لا تری

أحباب قلبك في المقابر والبلى^②

”تم بہت خوش ہو گویا تم اپنے جگری ساتھیوں کو نہیں دیکھ رہے ہو جو قبروں میں جا کر بوسیدہ ہو رہے ہیں۔“

حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے زاہدوں میں سے تھے، زہد میں آپ کو سبقت حاصل تھی، آپ نے دنیا اور اس کے ساز و سامان کو ترک کر دیا تھا، لوگوں کے نزدیک مقام و مرتبہ کی چاہت کو چھوڑ کر رضائے الہی کے کاموں میں مشغول تھے، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں آپ کو قدر و منزلت اور عزت و شرف سے نوازا تھا، جب کہ آپ کو اس کی چاہت نہیں تھی، بلکہ اس سے اس خوف سے بہت دور بھاگتے تھے کہ کہیں لوگوں کے سبب آپ کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے کمزور نہ ہو جائے۔ فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ (مریم: ۹۶)

”بے شک جو ایمان لائے، نیک کام کیے ان کے لیے اللہ رحمن محبت پیدا کر دے گا (یعنی لوگوں کے دلوں میں)۔“

اور حدیث میں وارد ہے:

((إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا نَادَىٰ يَا جَبْرِيلُ إِنِّي أَحْبَبْتُ فَلَانَا فِيحِبُّهُ جَبْرِيلُ ثُمَّ يَحِبُّهُ

① حلیۃ الأولیاء ۶/ ۳۷۶، فقہ الفتن، عبد اللہ شعبان ص ۱۴۲

② تاریخ دمشق ۱۴/ ۸۶

أهل السماء ثم يوضع له القبول في الأرض .)) ❶

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اعلان کرتا ہے اے جبریل میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تو اس سے جبریل علیہ السلام محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر روئے زمین میں اس کو مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔“

بہر حال اخروی مقام و مرتبہ کی طلب پر بلا چاہت و طلب دنیاوی مقام و مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے، اس کے برعکس دنیاوی مقام و مرتبہ کی طلب پر اخروی مقام و مرتبہ نہیں حاصل ہوتا، سعادت مند وہ ہے جو باقی رہنے والی چیز کو فانی پر ترجیح دے۔ ابوالفتح بستی کا قول ہے:

أمران مفترقان لست تراهما

يتشوقان لخلطة و تلاقى

”دوا لگ الگ چیزیں ہیں جنہیں تم اکٹھا ہوتے اور ملتے ہوئے نہیں دیکھو گے۔“

طلب المعاد مع الرياسة و العلى

فدع الذى يفنى لما هو باقى ❷

”دنیاوی سرداری و سر بلندی کے ساتھ آخرت کی چاہت، اس لیے فانی کو باقی کی چاہت میں چھوڑ دو۔“

حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہمیں سکھلا رہے ہیں کہ رضائے الہی کی چاہت میں دنیاوی شہرت، حکومت، طاقت اور مقام و مرتبہ سے ہم کس طرح بے رغبت بنیں، دنیاوی معاملے سے دست برداری کے باعث حسن رضی اللہ عنہ کی سر بلندی و سرداری میں اضافہ ہو گیا، آپ ذاتی مفاد سے اوپر اٹھنے اور دوسروں کے لیے ایثار کی علامت بن گئے، نیز امت کے اتحاد اور خوریزی سے بچاؤ کی مصلحت کو کسی اور مصلحت پر مقدم کرنے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امت کے واسطے قابل فخر نمونہ بن گئے، مقام و مرتبہ کی شدید خواہش بہت سارے لوگوں کے دلوں میں انتہا کو پہنچ چکی ہے، اور وہاں تک پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لیے بہت ساری طاقت اور اموال خرچ کرتے ہیں، دھوکہ بازی اور بہت سارے حیلوں کو اپناتے ہیں اور اسے مال کی چاہت پر درج ذیل اسباب کے باعث ترجیح دیتے ہیں:

۱۔ اس لیے کہ مقام و منصب کے ذریعہ سے مال کے حصول تک پہنچنا بالمقابل مال کے ذریعہ سے مقام و

❶ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۶۳۷

❷ أمراض النفس د۔ انس کروزون ص ۷۷

منصب تک پہنچنے سے زیادہ آسان ہے، چنانچہ عالم یا پرہیزگار جسے لوگوں کے دلوں میں مقام و مرتبہ حاصل ہو چکا ہو اگر وہ مالدار بننا چاہے تو لوگ اسے اپنے مال اور عملی تعاون سے ایسا بنادیں گے۔

۲۔ مال ضائع یا ختم ہو سکتا ہے، اسے خطرات لاحق رہتے ہیں، لیکن مقام و مرتبہ جب دلوں میں داخل ہو جائے تو ان کا مالک ہو جاتا ہے اور مضبوطی سے ان میں جگہ بنا لیتا ہے، اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا الا یہ کہ کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے صاحبِ جاہ کے بارے میں لوگوں کا نظریہ بدل جائے۔

۳۔ دلوں کی حکومت بغیر پریشانی و مصیبت کے بڑھتی رہتی ہے، جب لوگوں کی نگاہ میں کوئی شخص جم جاتا ہے تو وہ لوگ بکثرت اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، اس کی تعریف کرتے ہیں، اور ان کے مابین اس کی شہرت پھیل جاتی ہے۔^①

حب ذات اور حب جاہ کی خواہشوں کے مابین شدید تداخل ہے، اس تداخل سے بہت سی نفسانی بیماریاں جنم لیتی ہیں، ان میں سے بعض بیماریاں یہ ہیں، ریاکاری، گھمنڈ، لوگوں سے اپنے آپ کو برتر سمجھنا، خود پسندی، لوگوں کے مابین اپنی تعریف کی خواہش، انانیت، بخل، حسد، غصہ کی کثرت، دوسروں کے سامنے جھک جانا اور چالپوسی کرنا وغیرہ۔ یہ حقیقت میں دل سے متعلق حرام چیزیں ہیں جن کو چھوڑنے کے لیے کتاب و سنت کی روشنی، اخلاقی تربیت اور مجاہدے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جو دنیا والوں کے نزدیک مقام و مرتبہ چاہتا ہے، اور یہی اس کی مصروفیت رہتی ہے تو وہ ان لوگوں کے لیے اپنے دین اور عزتِ نفس کو قربان کر دیتا ہے، تاکہ اپنا مقصد حاصل کر لے، اور ان کے سامنے جھک جاتا ہے تاکہ ان کی رضامندی حاصل کر لے۔^② اس سلسلے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اسی طرح روئے زمین میں ریاست و سرداری اور بلندی و سرفرازی کے طالب کا دل ان لوگوں کے لیے نرم ہوتا ہے جو اس کے اس سلسلے میں معاون و مددگار ہوتے ہیں، وہ اگرچہ بظاہر ان کا سربراہ اور فرمانروا ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ان سے امید لگائے رہتا ہے، ان سے ڈرتا رہتا ہے، وہ بظاہر سردار اور فرمانروا ہے، لیکن حقیقت میں ان کا فرمانبردار و غلام ہوتا ہے۔“^③

یہ بہت اہم بات ہے، اسلامی قائدین کو اسے اچھی طرح سمجھنا چاہیے، اور لوگوں کے ایسے مطالبات کے سامنے رقتِ قلب اور نرمی کا مظاہرہ بالکل نہ کریں جو دین و شریعت سے متصادم ہوں۔

حسن بن علیؓ ہمیں نفس کی خفیہ خواہشوں پر مبادی و قییم کو ترجیح دینا سکھاتے ہیں۔ آپ کے بعض

② أمراض النفس ص ۷۸-۹۲

① أمراض النفس ص ۷۷

③ العبودیۃ لابن تیمیہ ص ۴۸-۴۹

ساتھیوں نے (جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح نہیں چاہتے تھے) صلح کی شدید مخالفت کی، لیکن آپ نے ان کو بہت اچھا جواب دیا، انھیں ذاتی خواہش سے اوپر اٹھانے کی کوشش کی، نیز معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کے لیے خوزریزی سے بچاؤ، امت کا اتحاد، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کی چاہت جیسے اسباب کو لوگوں کے سامنے بیان کیا ہے، اور اپنے عظیم منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے پوری امت کی قیادت میں آپ کامیاب رہے، قومی یا غیر قومی کسی طرح کے دباؤ کو قبول نہیں کیا، اور اللہ والے قائدین ایسا ہی کرتے ہیں۔

حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے میں حق بجانب، کامیاب، صحیح راہ پر اور قابل تعریف تھے، کسی طرح کے حرج، ملامت یا اندامت کا احساس نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ اس پر راضی اور خوش تھے۔^①

آپ اپنے اوپر تنقید کرنے والوں کو مضبوط دلیل اور ادب سے بھرپور جواب دیتے تھے۔ چنانچہ ابو عامر سفیان بن یزید نے جب آپ سے کہا: اے مومنوں کو رسوا کرنے والے تم پر سلامتی ہو تو ان سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو عامر ایسا نہ کہو، میں مومنوں کو رسوا کرنے والا نہیں ہوں، لیکن حکومت کے لیے ان سے جنگ کرنا مجھے پسند نہیں تھا۔^②

حسن رضی اللہ عنہ کے قول: "العار خیر من النار" (شرمندگی جہنم سے بہتر ہے) نے ہمارے لیے اللہ کی جانب متوجہ ہونے سے متعلق تفقہ کے وسیع دروازے کھولے ہیں، آپ اپنی زندگی میں اس پر عامل رہے، اور اس کے نتائج سے پوری طرح واقف تھے، اس بات کا ظہور آپ کی پسندیدہ چیزوں اور حرکات و سکنات سے ہوتا ہے۔

صلح کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی مدنی زندگی

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کے بعد حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ چھوڑ دیا، آپ کے ساتھ آپ کے جو ساتھی اور بنو ہاشم کے لوگ تھے ان کو لے کر آپ مدینہ چلے آئے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ بنو ہاشم کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حالانکہ ان کے قائد حسن بن علی رضی اللہ عنہ تھے، اس وقت مدینہ میں بہت سے علماء صحابہ اور ایسے بہت سے تابعین قیام پذیر تھے جو علماء صحابہ کے شاگرد تھے اور انہی کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ یہ لوگ انصار و مہاجرین اور دوسرے لوگوں کا مجموعہ تھے۔ عبادت، لوگوں کی تعلیم اور یاد کردہ حدیثوں کی روایت ان کا اصل مقصد تھا، جو پوری امت کو قتی تھی وہی یہ لوگ بھی کرتے تھے، کسی بھی جماعت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے، انہی میں سے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ، ابوسعید خدری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے،^③ علمی زندگی کے لیے مدینہ کی فضا بہتر تھی، اس لیے کہ اس میں علم کے طالب روایت حدیث، تفسیر قرآن

① البداية والنهاية ۱۲/ ۱۴۱

② البداية والنهاية ۱۲/ ۲۰۴ ③ تاريخ الطبري ۶/ ۸۰، المدينة في العصر الأموي ص ۸۴، شراب

اور احکام فقہیہ کے استنباط کے لیے فارغ تھے، اس لیے علم کے لیے لوگ وہاں جاتے تھے، وہاں سکون و اطمینان تھا جو علم و تحقیق کے لیے معاون ہوتا ہے۔^①

اصلح کے بعد معاویہ و حسن رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس آیا کرتے تھے، ایک بار ان کے پاس آئے تو ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو ایسا عطیہ دے رہا ہوں جیسا نہ آپ سے پہلے کسی کو دیا ہے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دوں گا، چنانچہ انھیں چار لاکھ درہم دیے اور انھوں نے قبول کر لیا۔^②

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہر سال معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور وہ انھیں ایک لاکھ درہم دیتے تھے، ایک سال نہیں گئے اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس کچھ بھیجا، چنانچہ دوات منگوائی تاکہ ان کے پاس لکھیں، لکھنے سے پہلے آپ کو نیند آ گئی، چنانچہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں یہ کہتے ہوئے سنا:

((يا حسن أكتب إلى مخلوق تسأله حاجتك و تدع أن تسأل ربك؟ قال: فما أصنع يا رسول الله و قد كثر ديني؟ قال: قل: اللهم إني أسألك من كل أمر ضعفته عنه قوتي و حيلتي و لم تنته إليه رغبتى و لم يخضر ببالي و لم يبلغه أملى، و لم يجز على لسانی من اليقين الذي أعطيته أحدا من المخلوقين الأولين و المهاجرين و الآخرين إلا خصصتنى يا أرحم الراحمين.))

”اے حسن! کیا تم اپنی حاجت طلب کرنے کے لیے کسی مخلوق کو لکھ رہے ہو اور اپنے رب سے طلب نہیں کر رہے ہو؟ پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا کروں میرا قرض زیادہ ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھو، اے اللہ میں تجھ سے ہر وہ چیز طلب کر رہا ہوں جو میری قوت و وسیلہ سے باہر ہے، اور ہر وہ چیز جس تک میری چاہت نہیں پہنچ سکتی ہے، نہ ہی وہ میرے دل میں کھٹکی، جہاں تک میری امید نہیں پہنچی اور نہ ہی وہ میری زبان پر آئی ہے، جو یقین تو نے کسی بھی مخلوق کو دیا ہے چاہے وہ پہلے لوگوں میں سے ہو یا مهاجرین یا دوسرے لوگوں میں سے، اے ارحم الراحمین مجھے بھی وہ عطا کر۔“

حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بیدار ہوا تو مجھے دعا یاد ہو چکی تھی، میں یہ دعا پڑھتا رہا، معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلد ہی میری یاد آئی، ان سے کہا گیا کہ وہ ایک سال نہیں آئے ہیں تو ان کے لیے دو لاکھ درہم کا حکم دیا۔^③

① المدینة فی العصر الأموی ص ۶۲ شراب

② سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۹

③ تاریخ دمشق ۸/ ۱۴

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو دعا رسول اللہ ﷺ نے خواب میں حسن رضی اللہ عنہ کو سکھلائی تھی وہ یہ تھی:

((اللَّهُمَّ أَفْذِفْ فِي قَلْبِي رَجَاكَ، وَ أَفْطَعْ رَجَائِي عَمَّنْ سِوَاكَ حَتَّى لَا أَرْجُو أَحَدًا غَيْرَكَ، اللَّهُمَّ وَمَا ضَعُفْتُ عَنْهُ قُوَّتِي وَ قَصُرَ عَنْهُ عَمَلِي، وَ لَمْ تَنْتِهِ إِلَيْهِ رَغْبَتِي وَ لَمْ تُبْلِغْهُ مَسْأَلَتِي وَ لَمْ يَجْرَ عَلَى لِسَانِي مِمَّا أَعْطَيْتَ أَحَدًا مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ مِنَ الْيَقِينِ فَخُصِّنِي بِهِ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ.))

”اے اللہ! تو میرے دل میں اپنی امید بٹھا دے اور اپنے علاوہ سے میری امید ختم کر دے تاکہ میں تیرے علاوہ کسی سے امید نہ باندھوں، اے اللہ! جو یقین میرے قوت و عمل سے باہر ہو، جن تک میری چاہت نہ پہنچی ہو اور نہ ہی میں اس کا سوال کر سکا ہوں اور نہ ہی وہ میری زبان پر جاری ہوا ہو، اور تو نے اولین و آخرین میں سے کسی کو دیا ہو تو اے رب العالمین مجھے بھی وہ یقین عطا کر۔“

کہتے ہیں: اللہ کی قسم ایک ہفتہ ہی میں نے یہ دعا پڑھی تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے میرے پاس پندرہ لاکھ بھیج دیتے، میں نے کہا: تمام تعریف اس اللہ کے لیے جو اپنے یاد کرنے والے کو نہیں بھولتا ہے، اور جو اس سے دعا کرتا ہے اس کی دعا کو رائیگاں نہیں کرتا، پھر میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا: اے حسن تم کیسے ہو؟ میں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول میں خیریت سے ہوں، اور آپ کو میں نے اپنی بات بتائی تو آپ نے فرمایا: اے لاڈلے! یہی حالت اس شخص کی ہوتی ہے جو مخلوق کو چھوڑ کر خالق سے امید باندھتا ہے۔ ①

۲۔ حسن، حسین اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے روابط:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایک لاکھ کا حکم دیا، آپ تک پہنچایا گیا تو اپنے پاس موجود لوگوں سے آپ نے کہا: تم میں سے جو جتنا لے لے وہ اس کا ہے، اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایک لاکھ کا حکم دیا، آپ تک پہنچایا گیا تو آپ نے اپنے پاس موجود دس آدمیوں پر دس دس ہزار تقسیم کر دیے، اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ایک لاکھ کا حکم دیا۔ ②

معاویہ رضی اللہ عنہ جب بھی حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ملے تو ان کا پر تپاک استقبال کرتے ہوئے کہتے: نواسہ رسول ﷺ کو خوش آمدید ہو اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملے تو ان کا بھی اچھی طرح استقبال کرتے ہوئے کہتے: رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کو خوش آمدید ہو، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے لیے تین لاکھ، اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک لاکھ کا حکم دیا۔ ③

حسن سند سے مروی بعض روایات میں وارد ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے، ان کی ضروریات اور مطالبات کو فوراً پورا کرتے اور کافی مقدار میں انھیں عطیات دیتے تھے،^① شیعہ حضرات نے خود حسن، حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے عطیات کا اعتراف کیا ہے۔^②

قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسین رضی اللہ عنہ کے روابط اچھے تھے، طرفین کے تعلقات عزت و احترام پر مبنی تھے، کوفہ سے نکل کر مدینہ میں قیام کرنے کے بعد حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ اہل کوفہ کے تعلقات منقطع نہیں ہوئے تھے، بلکہ طرفین کے تعلقات ان خطوط کے توسط سے باقی تھے جنہیں اہل کوفہ بھیجتے رہتے تھے، وہ خطوط موجودہ حکومت کی مخالفت کی دعوت اور خلافت کے لیے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے زیادہ حق دار ہونے اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنے پر مشتمل ہوا کرتے تھے، یہ خطوط حسن رضی اللہ عنہ کو متاثر نہ کر سکے، بلکہ انھیں کوفہ کے شیعوں کے بارے میں واضح تصور اور تاثر دیا، اور آگاہ کیا کہ وہ فتنہ و فساد والے ہیں، امت کا اتحاد و اتفاق نہیں چاہتے۔^③

یزید بن اہم کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ کے پاس خطوط کا ایک بنڈل پہنچ چکا تھا تو آپ نے کہا: اے لونڈی لگن لے کر آ، وہ لے کر آئی اور پانی ڈال دیا، اور آپ نے ان تمام خطوط کو اس پانی میں ڈال دیا، اس میں سے ایک خط بھی نہیں کھولا اور نہ ہی اسے پڑھا، میں نے پوچھا: اے ابو محمد! یہ خطوط کن کے پاس سے آئے تھے؟ کہا: اہل عراق کے پاس سے، ایسی قوم کے پاس سے جو باطل سے باز آ کر حق کی جانب رجوع کرنے والی نہیں ہے، میں ان سے اپنے بارے میں نہیں لیکن ان کے بارے میں ڈرتا ہوں، اور حسین رضی اللہ عنہ کی جانب اشارہ کیا۔^④

حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شیعہ سلیمان بن صرد کے مکان پر اکٹھے ہوئے اور حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر حسین رضی اللہ عنہ کے پاس تعزیت کا خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جانے والے کے بالمقابل عظیم ترین اخلاق سے نوازا ہے، ہم آپ کے شیعہ (ہم نوا) ہیں، آپ کی مصیبت ہماری مصیبت، آپ کا غم ہمارا غم، آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے، ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔“^⑤

① مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۹۴، اس کی سند حسن ہے۔ مواقف المعارضة فی خلافة یزید بن معاویہ حول الحسین ص ۱۷۷
 ② جلاء العیون للمجلسی ص ۳۷۶، والكافی فی الفروع كتاب الحقيقة باب الأسماء والكنی ۱۹/۶، الأمالی لسلطوسی ۲۲/۳۳۴، شرح ابن أبی الحدید ۲/۸۲۳، اور ڈاکٹر محمد شیبانی نے اپنی کتاب: مواقف المعارضة فی خلافة یزید حول الحسین ص ۱۷۷ میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

③ مواقف المعارضة فی خلافة یزید بن معاویہ حول الحسین ص ۱۷۸

④ المعرفة و التاريخ ۲/۷۵۶، اس کی سند حسن ہے، معجم الكبير للطبرانی و قال المجمع الزوائد ۶/۲۴۳

⑤ أنساب الاشراف ۳/۱۵۲، الأخبار الطوال ص ۲۲۱، ۲۲۲

حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے خط کا جواب دیا: مجھے امید ہے کہ خلافت سے علیحدگی کے بارے میں میرے بھائی کی رائے اور ظالموں سے جہاد کے بارے میں میری رائے درست ہے، جب تک ابن ہند (معاویہ رضی اللہ عنہ) زندہ ہیں، زمین دوز ہو کر روپوش ہو جاؤ، اپنی خواہش کو چھپائے رکھو، زمین کی کشادگیوں میں رہ کر محتاط رہو، اگر ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور میں زندہ رہتا ہوں تو ان شاء اللہ تم تک میری رائے پہنچے گی۔^①

حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے نزدیک حسین رضی اللہ عنہ کا اہم مقام تھا، لوگوں کا یہ خیال کافی مضبوط تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت کے تنہا امیدوار حسین رضی اللہ عنہ ہیں، کبار اہل حجاز اور زعمائے کوفہ آپ سے ملنے آیا کرتے تھے، انھیں یقین تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد وہی خلیفہ ہوں گے۔^②

کوفیوں نے اپنی کوشش میں صرف حسین رضی اللہ عنہ کو بلانے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے محمد بن حنفیہ کو بھی اپنے پاس آنے کی دعوت دی، لیکن وہ اپنے اور آل علی سے متعلق اہل کوفہ کی خطرناکی کو تاڑ گئے، چنانچہ ان کے پیچھے بھاگنے اور ان کے باطل خیالات کی تصدیق سے حسین رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرنے لگے، انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے ہی ذریعہ سے اپنی روزی روٹی چلائیں اور ہمارا ہی خون بہائیں۔^③

حسین رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کے مابین خط و کتابت سے مدینہ میں بنو امیہ کو اندیشے لاحق ہو گئے، چنانچہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا، جواباً انھوں نے ان لوگوں کو لکھا کہ ان سے بالکل کوئی تعرض نہ کرو۔^④

وہ خطوط، نیز حسین رضی اللہ عنہ اور کوفیوں کے مابین مضبوط تعلقات معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخفی رہیں ایسا ممکن نہیں تھا، اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ اللہ سے ڈریں، مسلمانوں میں اختلاف نہ پیدا کریں، اور مسلمانوں کے معاملے میں اللہ کا حوالہ دے کر انھیں نصیحت کرتے تھے۔^⑤ حسن اور حسین رضی اللہ عنہ اپنے عہد میں مخلص تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دونوں اپنی بیعت پر قائم رہے، حسین رضی اللہ عنہ کی رائے میں حسن و معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں، اسی طرح بھائی کی وفات کے بعد صلح ان پر لازم و ضروری ہے۔

۳۔ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کی تہمت لگانا صحیح ہے؟

بعض روایتوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات انھیں دیے گئے زہر سے ہوئی، تہمت کی

① الأنساب الاشراف (۳/ ۱۵۲)، الأخبار الطوال ص ۲۲۱، ۲۲۲، مواقف المعارضة ص ۱۷۹

② أنساب الاشراف ۳/ ۱۵۲ نقلًا عن مواقف الصحابة في خلافة يزيد ص ۱۷۹

③ الطبقات لابن سعد ۵/ ۳۵۶ ④ أنساب الاشراف ۳/ ۱۵۲ مواقف المعارضة ص ۱۸۰

⑤ أنساب الاشراف ۳/ ۱۵۲ مواقف المعارضة ص ۱۸۰

انگلیاں حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی کندہ کے امیر اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیٹی جعدہ کی طرف اٹھیں، جعدہ پر یہ تہمت ہے کہ اس نے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا جس سے آپ سخت بیمار ہو گئے، تقریباً چالیس دن تک آپ کے نیچے ایک طشت رکھا جاتا دوسرا اٹھایا جاتا ❶۔ یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ ❷

بعض مورخین اور راویوں نے کوشش کی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات اور یزید کی بیعت کے مابین رابطہ پیدا کریں، ان کا زعم باطل ہے کہ یزید بن معاویہ نے جعدہ بنت قیس کو پیغام بھیجا کہ تم حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دو، میں تم سے شادی کر لوں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جب حسن رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو جعدہ نے یزید کو پیغام بھیج کر وعدہ وفا کی کا مطالبہ کیا، اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم ان کے لیے ہم تمہیں پسند نہیں کرتے تھے تو کیا اپنے لیے ہم تمہیں پسند کریں گے۔ ❸ اس کی سند میں یزید بن عیاض ہے جس کی امام مالک وغیرہ نے تکذیب کی ہے۔ ❹

یہ روایتیں بغیر چھان بین کے حدیث کی کتابوں میں آگئی ہیں جب کہ ان روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں۔ ❺ علمائے محققین نے اس باطل تہمت کے بارے میں گفتگو کی ہے، ان میں سے بعض کے اقوال درج ذیل ہیں:

ابن العربی کا قول ہے:

”اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ دو سبب سے محال ہے، پہلا یہ کہ حسن رضی اللہ عنہ خلافت سونپ چکے تھے اور انھیں ان سے کسی طرح کا کوئی ڈر اور خوف نہیں تھا۔ دوسرا یہ کہ اس معاملے کا تعلق غیب سے ہے، جسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، لہذا بغیر دلیل اور بہت بعد میں اس کی ذمہ داری کسی پر کسی طرح ڈالی جاسکتی ہے، نیز فتنوں اور عصیتوں والے زمانے میں جب کہ ہر شخص دوسرے کی جانب نامناسب بات منسوب کر دیتا ہے خواہشات کے تبعین میں سے ہر ناقل کی بات پر ہم بھروسہ نہیں کر سکتے، ایسے حالات میں صاف و شفاف بات ہی قبول کی جاسکتی ہے اور نہایت ثقہ و عادل کی بات ہی سنی جاسکتی ہے۔“ ❻

ب: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

”معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا تھا اس بات کا بعض لوگوں نے تذکرہ کیا، لیکن کسی شرعی

❶ الطبقات تحقیق السنمی ۳۳۸/۱، اس کی سند ضعیف ہے۔

❷ الطبقات تحقیق السنمی ۳۳۸/۱

❸ تہذیب الکمال ۴۵۳/۶، سند میں یزید بن عیاض ہیں جن کی امام مالک وغیرہ نے تکذیب کی ہے۔

❹ تقریب التہذیب ص ۶۰۴

❺ مرویات خلافة معاویہ فی تاریخ الطبری ص ۳۹۳

❻ العواصم من القواصم ص ۲۲۰، ۲۲۱

دلیل، قابل اعتبار اقرار اور یقینی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہے، اس لیے اس طرح کا قول، قول بلا علم ہے۔“ ①

حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلانے کی تہمت اور یہ کہ انہوں نے اس جرم کی تنفیذ کے لیے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا جن کی بیٹی حسن رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھی، ان باتوں کی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس انداز سے تردید کی ہے جو تاریخی روایات کی پختہ علمی تنقید اور چھان بین سے متعلق آپ کی صلاحیت و قدرت کا پتہ دیتا ہے، آپ نے فرمایا:

”اگر یہ کہا جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جعدہ کے باپ کو اس کا حکم دیا تھا تو محض گمان ہوگا، اور ارشاد نبوی ہے: گمان سے بچو، بلاشبہ گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے..... پھر یہ کہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۰ھ یا ۴۱ھ میں ہو چکی تھی، اس لیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ کے مابین صلح میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا جو ۴۱ھ عام الجماعۃ (اتحاد کے سال) میں انجام پایا۔ اشعث رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ کے سر تھے، اگر وہ موجود ہوتے تو اس میں ان کا تذکرہ ضرور ملتا۔ اور جب وہ خود حسن رضی اللہ عنہ سے دس سال پہلے وفات پا چکے تھے تو کس طرح اپنی بیٹی کو اس کا حکم دیتے۔“ ②

ج: امام ذہبی کا قول ہے کہ یہ درست نہیں ہے، کس نے اس چیز کو دیکھا تھا۔ ③

د: ابن کثیر کا قول ہے:

”بعض لوگوں نے روایت کیا ہے کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے جعدہ بنت اشعث کو یہ پیغام بھیجا کہ حسن (رضی اللہ عنہ) کو زہر دے دو، ان کے بعد میں تم سے شادی کر لوں گا، چنانچہ اس نے ایسا کیا، جب حسن رضی اللہ عنہ وفات پا چکے، تو اس نے یزید کو پیغام بھیجا، اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم ہم تمہیں حسن (رضی اللہ عنہ) کے لیے پسند نہیں کرتے تھے، تو کیا اپنے لیے پسند کر لیں گے؟ لیکن میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں، اور ان کے والد معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہے۔“ ④

ہ: ابن خلدون کا قول ہے:

”یہ بات جو نقل کی جاتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے زہر دلایا یہ شیعوں کی من گھڑت باتوں میں سے ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے مبرا ہیں۔“ ⑤

② المنتقى من منهاج الاعتدال ص ۲۶۶

① منهاج السنة النبوية ۴/ ۶۹

④ البداية والنهاية ۸/ ۴۳

③ تاريخ الإسلام، عهد معاوية ص ۴۰

⑤ تاريخ ابن خلدون ۲/ ۵۲۷

و: ڈاکٹر جمیل مصری اس معاملے پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

”پھر معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزید کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلانے کی کہانی گھڑی گئی..... بظاہر اس کہانی کے گھڑنے کا معاملہ اس وقت مشہور نہیں تھا، اس لیے کہ ہم حسین رضی اللہ عنہ کے اٹھ کھڑے ہونے میں اس کا کوئی اثر نہیں پاتے، یا ہم یہ بھی نہیں پاتے کہ اس سلسلے میں حسین رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ناراضی کا اظہار کیا ہو۔“ ❶

اپنی کتاب ”مرویات خلافة معاوية في تاريخ الطبري“ میں ڈاکٹر خالد الغيث نے وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ سے متعلق روایتوں میں موجود طبی پہلو کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے، اس مسئلے کے طبی پہلو سے متعلق نصوص درج ذیل ہیں:

ابن سعد نے اپنی سند سے روایت نقل کی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ اپنے بیت الخلاء میں داخل ہوئے، پھر نکل کر فرمایا: اللہ کی قسم! ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے کلیجے کا ایک ٹکڑا گرا ہے، اپنے ساتھ موجود چھڑی سے میں نے اسے الٹا پلٹا ہے، مجھے کئی بار زہر دیا گیا، لیکن اس طرح کا زہر نہیں دیا گیا۔ ❷

نیز ابن سعد نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے کئی بار زہر دیا گیا، لیکن اس طرح کا زہر نہیں دیا گیا، میرا کلیجہ کٹ کٹ کر گر رہا ہے۔ ❸

نیز ابن سعد نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو کئی بار زہر دیا گیا، ہر مرتبہ بچ گئے، تا آنکہ آخری مرتبہ دیا گیا جس میں آپ کی وفات ہو گئی، اس کی تکلیف سے آپ کا کلیجہ کٹ کٹ کر پاخانے کے راستے سے نکل رہا تھا۔ ❹

(ڈاکٹر خالد الغيث کہتے ہیں:) میں نے اس مسئلہ کے طبی پہلو سے متعلق نصوص کو ڈاکٹر کمال الدین حسین طاہر کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس طرح جواب دیا:

”مریض کو ناک اور منہ وغیرہ سے سیال خون کے بہنے کی شکایت نہیں ہوئی، یہ چیز اس بات کو رائج قرار دیتی ہے کہ انھیں کوئی ایسا کیمیائی یا زہریلا مادہ نہیں دیا گیا جس میں خون کے گاڑھا ہونے یا جسنے میں مؤثر چیزوں کی تاثیر کو روک دینے کی قدرت ہوتی ہے، یہ بات معروف ہے کہ بعض کیمیائی

❶ أثر أهل الكتاب في الفتن والحروب الأهلية ص ٤٨٢، مرويات خلافة معاوية ص ٣٩٥

❷ الطبقات تحقيق السلمی ١/ ١٣٥، اس کی سند ضعیف ہے۔

❸ الطبقات تحقيق السلمی ١/ ٣٣٨، اس کی سند ضعیف ہے۔

❹ الطبقات تحقيق السلمی ١/ ٣٣٩، اس کی سند ضعیف ہے۔

وز ہر پیلے مادے ناک و منہ وغیرہ سے خون بہنے کا سبب بن جاتے ہیں، اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ان مادوں میں خون کے گاڑھا ہونے یا جمنے میں بعض موثر چیزوں کی تاثیر کو روکنے کی قدرت ہوتی ہے، اس لیے اس طرح کے بعض مادوں کے استعمال سے جسم کے بہت سارے اعضاء مثلاً آنکھ، ناک، منہ اور معدے سے خون نکلنے لگتا ہے، سیال خون پاخانے کے راستے سے صرف خون کی شکل میں یا پاخانے کے ساتھ مل کر نکلتا ہے، جے ہوئے یا خون کی سخت یا سفیجی شکل کے ٹوٹھڑے کی صورت میں یا کلیجہ کے ٹکڑوں کی صورت میں نہیں نکلتا ہے، اس لیے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اس مریض (حسن رضی اللہ عنہ) کو کوئی ایسا کیمیائی یا زہریلا مادہ دیا گیا ہو جس سے خون بہنے لگتا ہے۔“^①

جے ہوئے خون کے ان ٹکڑوں (جن کا روایتوں میں ذکر ہے کہ وہ کلیجہ کے ٹکڑے تھے) کی کیفیت کے بارے میں ڈاکٹر کمال الدین حسین طاہر کہتے ہیں:

”کینسر یا معدے کے ورم کی بعض قسمیں (جو ایک جگہ رہتی ہیں یا آنتوں کے ذریعہ سے منتقل ہوتی رہتی ہے) یا بلغمی کینسر کی بعض قسمیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے جما ہوا خون پاخانے کے راستے سے نکلنے لگتا ہے، جس میں بعض خلیات اور معدے کے اندر کی بعض چیزیں ملی ہوتی ہیں، کبھی وہ چیزیں کلیجہ کے ٹکڑوں کی شکل میں نکلتی ہیں، جیسا کہ روایات میں مذکور ہے، اس لیے میں اس بات کو رائج قرار دیتا ہوں کہ مریض (حسن رضی اللہ عنہ) کو آنتوں کے ورم یا ایک طرح کے کینسر کی بیماری لاحق تھی۔“^②

اس طبی تحلیل و تجزیہ کا تعلق ضعیف روایتوں سے ہے، اس لیے جس نتیجہ پر وہ پہنچے ہیں اسے تسلیم کرنا مشکل ہے، رہا معاملہ حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کا تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے، جب یہ بات ثابت ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی ہے تو یہ آپ کے لیے شہادت و کرامت کی بات ہے۔^③

معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے بیٹے کو متہم کرنا نہ تو سند کے اعتبار سے ثابت ہے (جیسا کہ گزرا) اور نہ متن کے اعتبار سے، کیا جعدہ بنت اشعث بن قیس کو کسی شرف یا مال کی ضرورت تھی (جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے) کہ وہ یزید کی اس چاہت کو جلدی سے نافذ کر کے اس کی بیوی بن جائیں؟ کیا جعدہ پورے قبیلہ کندہ کے سردار اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نہیں تھیں؟ پھر کیا ان کے شوہر حسن بن علی رضی اللہ عنہ نہیں تھے جو بالاتفاق عز و شرف اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے افضل تھے؟ آپ کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نانا رسول اللہ ﷺ تھے اور یہ

② مرویات خلافة معاویہ ص ۳۹۷

① مرویات خلافة معاویہ ص ۳۹۶

③ منهاج السنة ۴/ ۴۲

بات آپ کے لیے فخر کے لیے کافی تھی، آپ کے والد علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ تھے جو ان خوش نصیب صحابہ میں سے ایک ہیں جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی ہے، اور چوتھے خلیفہ راشد ہیں، ایسی صورت میں ایسا خطرناک کام انجام دے کر جعدہ کیا حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ❶

بہت سارے لوگ اسلامی اتحاد کے دشمن تھے، حسن رضی اللہ عنہ کے کارنامہ نے ان کی دشمنی اور غصے میں اور اضافہ کر دیا، اس بات پر ان کا یقین قوی تھا کہ آپ کا زندہ رہنا امت کے امن و امان کی ضمانت ہے، آپ امت کے اتحاد و اتفاق کے امام تھے، اس لیے حالات کے خراب ہونے اور پہلے کی طرح فتنوں کے واپس آ جانے کے لیے ان کا خاتمہ اور صفایا کر دینا ضروری تھا، اس لیے میری نظر میں اولاً متہم عبداللہ بن سبا کے متبعین ہیں جنہیں حسن رضی اللہ عنہ نے بہت سخت طمانچہ رسید کیا تھا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور باہمی لڑائی کو روک دیا..... دوسرے نمبر پر وہ خوارج ہیں جنہوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا، اور یہ وہی ہیں جنہوں نے آپ (حسن رضی اللہ عنہ) کی ران پر حملہ کر کے زخمی کر دیا تھا، ہو سکتا ہے کہ نہروان وغیرہ میں اپنے مقتولین کا بدلہ لینا چاہا ہو۔ ❷

۴۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا خواب اور ان کی وفات کا قریب ہونا:

عمران بن عبداللہ بن طلحہ سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا گویا ان کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ اس سے وہ اور ان کے گھر والے خوش ہو گئے اور اس معاملے کو سعید بن مسیب سے بیان کیا تو انہوں نے کہا: اگر ان کا خواب سچا ہے تو ان کی زندگی بہت کم باقی ہے، چنانچہ وہ چند دن ہی زندہ رہے۔ ❸

۵۔ حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام:

مدینہ کی زندگی میں انہیں کئی بار زہر دیا گیا، جب آخری بار زہر دیا گیا تو طبیب آیا اور کہا: زہر نے آپ کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ ❹ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں: میں اور قریش کا ایک آدمی دونوں حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، آپ اٹھے اور بیت الخلاء میں داخل ہوئے، پھر نکل کر کہا: میرے کلیجہ کا ایک ٹکڑا گرا ہے، جسے میں اس چھڑی سے الٹ پلٹ رہا تھا، مجھے کئی بار زہر دیا گیا، اس مرتبہ کا زہر سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ عمیر بن اسحاق کہتے

❶ مواقف المعارضة في خلافة يزيد بن معاوية ص ۱۲۳

❷ مواقف المعارضة ، في خلافة يزيد بن معاوية ص ۱۲۴

❸ الطبقات تحقيق السلمي ۱/ ۳۳۴، اس کی سند منقطع ہے۔

❹ الدوحة النبوية الشريفة ص ۹۷-۹۸

ہیں: اس قرشی آدمی سے آپ کہنے لگے: مجھ سے مانگ لو قبل اس کے کہ مانگنے کا موقع نہ رہ جائے، اس نے کہا: اللہ آپ کو اچھا کر دے میں آپ سے کچھ نہیں مانگ رہا ہوں، عمیر بن اسحاق کہتے ہیں: ہم آپ کے پاس سے چلے آئے، دوسرے دن آپ کے پاس گئے تو آپ جاں کنی کی حالت میں تھے، حسین رضی اللہ عنہ آئے اور سر کے پاس بیٹھ گئے اور پوچھا: بھائی جان! آپ کو زہر دینے والا کون ہے؟ پوچھا: تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو؟ کہا: ہاں، انھوں نے کہا: اگر مجھے زہر دینے والا وہی ہے جسے میں سوچ رہا ہوں تو بلاشبہ میرے لیے بدلہ لینے میں اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سخت ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو مجھے پسند نہیں کہ میری وجہ سے کسی بری شخص کو قتل کر دو۔ ❶

ا:..... حسین رضی اللہ عنہ کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت:

ابن عبدالبر کہتے ہیں: کئی طرق سے ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات جب قریب ہوئی تو اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اے بھائی جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ہمارے والد کی نگاہ اس خلافت پر تھی، انھیں امید تھی کہ وہی صاحب خلافت ہوں گے، لیکن من جانب اللہ انھیں خلافت نہ مل سکی، خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوئے، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات قریب ہوئی تب بھی ان کی نگاہ اس پر تھی، لیکن ان کے بجائے عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی، جب عمر رضی اللہ عنہ جاں کنی کے عالم میں ہوئے انھوں نے خلافت چھ رکنی شوری کے حوالے کر دی جس کے ایک ممبر وہ بھی تھے، انھیں یقین تھا کہ خلافت انھی کو ملے گی، لیکن ان کے بجائے عثمان رضی اللہ عنہ کو دی گئی، جب عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ کے لیے خلافت کی بیعت کی گئی، پھر خلافت ان سے چھینی جانے لگی تو تلوار نکال لی اور اسے طلب کرنے لگے، اس کے بعد نزاع سے پاک و صاف آپ کی خلافت نہیں رہی، اللہ کی قسم میرے رائے میں ہم اہل بیت میں اللہ تعالیٰ نبوت و خلافت کو جمع نہیں کرے گا، تمہارے حق میں بے وقوف کو فیوں کا تمہیں بھڑکانے اور خروج پر آمادہ کرنے کو میں برداشت نہیں کروں گا۔ ❷

ابن عبدالبر نے اپنی روایت کی سندوں کو ذکر نہیں کیا اور حدیث کے متن میں نکارت ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ حدیث خلافت میں علی رضی اللہ عنہ کے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو مقدم کرنے کی ثابت شدہ حقیقت کے منافی ہے، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت سے متعلق اپنی دونوں کتابوں میں میں نے اس چیز کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ب:..... حسن رضی اللہ عنہ کا آسمان کی نشانیوں میں غور و فکر کرنا اور اپنی جان کے جانے پر اللہ کے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کرنا:

جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہا: مجھے صحن میں کر دو، تاکہ میں آسمان کی نشانیوں میں

❶ الطبقات، تحقیق السملی ۱/ ۳۳۵، اس کی سند ضعیف ہے۔

❷ الاستیعاب ۱/ ۳۹۱

غور و فکر کروں، چنانچہ انھیں وہاں کر دیا گیا، آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا: میں اپنی جان کے جانے پر اے اللہ! تیرے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کر رہا ہوں، بلاشبہ میری جان مجھے سب سے عزیز ہے، اللہ کا ان کے ساتھ احسان یہ تھا کہ انھوں نے اپنی جان کے جانے پر اللہ کے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کیا۔ ❶

ایک دوسری روایت میں ہے: اے اللہ! میں اپنی جان کے جانے پر تیرے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کر رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر اس جیسی مصیبت مجھے لاحق نہیں ہوئی۔ ❷

اس خوفناک منظر اور عظیم موقف سے پتہ چلتا ہے کہ سچے دل سے حسن رضی اللہ عنہ صرف اللہ کی جانب متوجہ تھے جو اپنی کبریائی، عظمت و طاقت میں منفرد ہے، ان عبارتوں سے اللہ کے لیے خشوع و خضوع، اسی سے مکمل امید باندھنے اور صرف اللہ سے دل لگانے کے معانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اس لیے ہمیں غیر اللہ سے اپنے دلوں کو نہیں لگانا چاہیے۔ اسی طرح وہ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں تب بھی آسمانوں کی مخلوقات اور ان کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی عبادت کو نہیں بھول رہے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾

(آل عمران: ۱۹۰)

”آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

پھر اپنی جان پر غور کیا جو رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھی، اس کے جانے پر اللہ کے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کیا:

﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (الذاریات: ۲۱)

”اور خود تمھاری ذات میں بھی تو (نشانیاں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔“

بلاشبہ کائنات و ذات میں اور نظر آنے والی اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنا، ایمان کا نہایت مضبوط و قوی ذریعہ ہے، اس لیے کہ ان چیزوں میں پیدا کرنے والے اللہ کی ایسی عظمت ہوتی ہے جو ان کے خالق کی قدرت و عظمت کا پتہ دیتی ہے، اور اس لیے بھی کہ ان میں عقلوں کو حیران کر دینے والی خوبصورتی، ترتیب اور مضبوطی ہوتی ہے، جس سے اللہ کے علم کی وسعت اور اس کی حکمت کی شمولیت کا پتہ چلتا ہے، اور اس لیے بھی کہ ان میں انواع و اقسام کے منافع اور بے شمار نعمتیں ہیں جو اللہ کی رحمت، اس کی سخاوت اور اس کے احسان کی وسعت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ سب چیزیں ان کے خالق کو عظیم سمجھنے، اس کا شکر یہ ادا کرنے، اس کے ذکر میں مشغول رہنے، دین

و اسی کے لیے خاص کرنے کی جانب دعوت دیتی ہیں اور یہی ایمان کی روح اور اصل ہے۔ ❶

جب ہم اللہ کی تمام مخلوقات پر غور کرتے ہیں تو ہر طرح سے انھیں اپنے رب کا محتاج پاتے ہیں، پلک جھپکنے تک وہ اللہ سے مستغنی نہیں ہو سکتیں، خاص طور سے محتاج ہونے کی جن دلیلوں کا مشاہدہ تم اپنی ذات میں کرتے ہو، چیز بندے پر واجب کر دیتی ہے کہ دینی و دنیاوی نقصانات کو روکنے اور دینی و دنیاوی منافع کو حاصل کرنے میں اللہ کے لیے مکمل خشوع و خضوع کا اظہار کرے، بکثرت اسی سے دعا کرے اور اسی کے سامنے روئے لڑگڑائے، نیز بندے پر یہ بھی واجب کر دیتی ہے کہ اپنے رب پر مضبوط بھروسہ رکھے، اس کے وعدہ پر مکمل اعتماد کرے، اس کی بھلائی اور احسان کی شدید امید رکھے، اس سے ایمان کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور عبودیت مضبوط ہوتی ہے، اس لیے کہ دعا عبادت کا مغز اور اصل ہے۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی دنیاوی زندگی کے آخری لمحات میں غور و فکر کی عبادت کو اچھی طرح انجام دیا ہے، اور عبادت کے وسیع مفہوم کے عظیم معانی ہمیں سکھائے ہیں۔

آپ نے اپنی جان کے جانے پر اپنے رب کے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی روح اللہ کے پاس ثواب کی توقع کے معانی کو سمجھتے تھے، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے عاذا! تم قرآن کی تلاوت کیسے کرتے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا: میں رات کے پہلے پہر سو جاتا ہوں پھر اپنی نیند کا ایک حصہ پورا کر کے قیام للیل کرتا ہوں، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ میسر کرتا ہے تلاوت کرتا ہوں اور اپنے سونے پر بھی عند اللہ ویسے ہی ثواب کی توقع رکھتا ہوں جیسے قیام للیل پر۔ ❸ اسی طرح کھانے اور اپنی بیوی سے ہم بستری میں جب کوئی مسلمان اللہ سے ثواب کی توقع کرتا ہے تو من جانب اللہ اسے اجر و ثواب ملتا ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنی جان کے جانے پر عند اللہ ثواب کی توقع کرتے ہیں اور مصیبتوں کے وقت احتساب و تفکر کی عبادت انجام دیتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، وہ لسان حال سے گویا یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

﴿قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

”آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنایہ سب خالص

❶ التوضیح و البیان لشجرة الإيمان للسعدی ص ۴۹، الوسطیة فی القرآن الکریم للصلابی ص ۲۳۹

❷ التوضیح و البیان لشجرة الإيمان ص ۵۱، الوسطیة للصلابی ص ۲۳۹

❸ صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث نمبر ۴۳۴۲

اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔“

ج:..... اے بھائی میرا سابقہ من جانب اللہ ایک ایسے معاملے سے پڑ رہا ہے جس طرح کے معاملے سے اس سے پہلے نہیں پڑا تھا اور اللہ کی ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں جیسی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی ❶:

ابو نعیم کہتے ہیں جب حسن رضی اللہ عنہ کی تکلیف شدید ہو گئی تو وہ بے تاب ہو گئے، ان کے پاس ایک آدمی گئے اور کہا: اے ابو محمد! یہ بے تابی کیسی؟ معاملہ صرف اتنا ہے کہ آپ کی روح جسد خاکی سے الگ ہوگی اور آپ اپنے والدین علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما، اپنے نانائے کریم ﷺ اور اپنی نانی خدیجہ رضی اللہ عنہا، اپنے چچا حمزہ و جعفر رضی اللہ عنہما، اپنے ماموں قاسم، طیب، طاہر، اپنی خالہ رقیہ، ام کلثوم، زینب رضی اللہ عنہا کے پاس چلے جائیں گے، یہ سن کر آپ کی بے تابی ختم ہو گئی۔ ❷

دوسری روایت کے مطابق مذکورہ بات کے قائل حسین رضی اللہ عنہ تھے اور یہ کہ حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے بھائی میرا سابقہ من جانب اللہ ایسے معاملے سے پڑ رہا ہے جس طرح کے معاملے سے اس سے پہلے نہیں پڑا تھا، اور اللہ کی ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں جیسی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، تو حسین رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ❸
(و فی رواية: یا أخی إنی أقدم علی أمر عظیم و هول لم أقدم علی مثله قط)) ❹

کتاب وسنت میں انسان کی روح نکلنے سے لے کر جنتوں کے جنت اور جہنموں کے جہنم میں داخل ہو جانے کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اسی لیے سلف صالحین سوء خاتمہ سے ڈرتے تھے، کوئی نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کیسا ہوگا، اعمال کا دار و مدار تو خاتموں پر ہوتا ہے، اور مومنین قدم قدم پر سوء خاتمہ سے ڈرتے ہیں، انھیں کا اللہ تعالیٰ وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ﴾ (المومنون: ۶۰)

”اور ان کے دل لرزیدہ رہتے ہیں۔“

نیز سکرات الموت، قبض روح اور انجام کی آگہی سے ڈرتے رہتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

❶ البداية والنهاية ۱۱/ ۲۱۰

❷ البداية والنهاية ۱۱/ ۲۱۰

❸ تہذیب الکمال ۶/ ۲۵۴، سبک العبرات ۱/ ۱۴۸

❹ تاریخ دمشق ۱۴/ ۱۰۹

((اللَّهُمَّ هَوِّنْ عَلَيَّ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ .)) ❶

”اے اللہ! تو میرے لیے سكرات الموت کو آسان کر دینا۔“

سكرات الموت کے خوف کے ساتھ ملك الموت کی شکل کی ہیبت نیز اس کا ڈر اور خوف دل میں رہتا ہے۔ ❷
امام قرطبی کہتے ہیں: ملك الموت کا مشاہدہ اور اس سے دل پر جو خوف و دہشت طاری ہوتی ہے اپنی ہولناکی کے باعث بیان سے باہر ہے اور اس حقیقت کو وہی جانتا ہے جس کے سامنے ملك الموت ظاہر ہوتے ہیں اور وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ❸

سكرات الموت و ملك الموت کا خوف ہمیشہ ہمیں لاحق رہنا چاہیے، ایک دوسرا خطرناک معاملہ ہے جو ہمارے اس خوف میں اضافہ کر دیتا ہے، وہ ہے اس وقت دنیاوی زندگی کے امتحان کے نتیجہ کا ظاہر ہونا، تو کیا ہم ان لوگوں میں سے ہوں گے جن سے فرشتے کہیں گے:

﴿الَّذِينَ تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (فصلت: ۳۰)

”تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔“

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْعَوْنِ﴾ (الانفال: ۵۰)

”کاش تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور پیٹھوں پر ہاتھ پڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) تم جلتے کا عذاب چکھو۔“

ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ، فَقَالَ: لَيْسَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ مِنَ اللَّهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ، فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ، وَأَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللَّهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهُ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَكَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ وَكَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ .)) ❹

❶ سنن الترمذی کتاب الجنائز حدیث نمبر ۹۷۸

❷ الإیمان أولاً ص ۹۴ ❸ التذکرۃ ۱/۱۱۳

❹ صحیح البخاری حدیث نمبر ۶۵۰۷

”جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا پسند کرتے ہیں اور جو اللہ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمیں موت ناپسند ہے تو آپ نے فرمایا: یہ مراد نہیں، بلکہ مومن کی جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کی رضا اور اس کی تکریم کی بشارت دی جاتی ہے، اس وقت اسے سامنے والی چیز ہی سب سے زیادہ پسند ہوتی ہے اور وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے اور جب کافر کی موت آتی ہے تو اسے اللہ کے عذاب و عقاب کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت سامنے والی چیز اسے سب سے زیادہ ناپسند ہوتی ہے، اور وہ اللہ سے ملنے کو ناپسند کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے۔“

((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَرَجَتْ رُوحُ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ تَلْقَاهَا مَلَكَانِ يَصْعَدَانِ بِهَا - فَذَكَرَ مِنْ طَيِّبٍ رِيحَهَا - وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ: رُوحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ، وَعَلَى جَسَدٍ كُنْتَ تَعْمُرُ بِهِ فَيَنْطَلِقُ بِهِ إِلَى رَبِّهِ ثُمَّ يَقُولُ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا خَرَجَتْ رُوحُهُ - فَذَكَرَ مِنْ نَنْهَاءِ - وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ: رُوحٌ خَبِيثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ فَيَقَالُ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ.)) ❶

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن بندے کی روح جب نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے لے کر اوپر جاتے ہیں۔ اس وقت اس کی بہترین خوشبو کو ذکر کیا۔ اور آسمان والے کہتے ہیں: زمین سے آنے والی تو بہت اچھی روح ہے، اللہ تعالیٰ تم پر اور اس جسم پر جس میں تو تھی رحمت نازل کرے۔ پھر اسے اس کے رب کے پاس لے جایا جاتا ہے، پھر رب کہتا ہے: اسے اس کے مقررہ ٹھکانے تک لے جاؤ۔ اور کافر کی روح جب نکلتی ہے۔ اس وقت اس کی بدبو کا ذکر کیا۔ اور آسمان والے کہتے ہیں تم زمین سے آنے والی خبیث روح ہو، پھر کہا جائے گا: اسے اس کے مقررہ ٹھکانے تک لے جاؤ۔“

قبر صاحب قبر کو دبوچے گی جس سے کوئی نہیں بچے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِلْقَبْرِ ضَغْطَةً لَوْ نَجَا أَحَدٌ مِنْهَا لَنَجَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ.)) ❷

”قبر دبوچے گی، اگر کوئی اس سے بچتا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بچتے۔“

❶ صحیح الجامع حدیث نمبر ۵۰۴

❷ مسند أحمد ۵۵ / ۶

”جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا، یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔“^۱

اور ہمارے سامنے دوبارہ اٹھایا جانا اور قیامت کا قائم ہونا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (الحج: ١)

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے۔“

وہ بہت ہولناک دن ہوگا:

﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (المطففين: ٦)

”جس دن سب لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے اٹھ کھڑے ہوں گے۔“

بوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے آخری انسان سب کو زندہ کر کے اکٹھا کیا جائے گا: ﴿۲﴾

﴿ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْجُوعٌ ۖ لَهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾ (هود: ١٠٣)

”وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔“

نیا مت کی ہولناکیوں کو کتاب و سنت نے بیان کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۖ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۖ وَجِئْتَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ

يَوْمَئِذٍ تَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۖ يَقُولُ يَلِيَّتَنِي قَدِّمْتُ لِحَيَاتِي ۖ ﴿١٠﴾

(الفجر: ٢١-٢٤)

”یقیناً جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گا اور تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے

صفیں باندھ کر (آجائیں گے) اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی، اس دن انسان کی سمجھ میں آئے

گا، مگر آج اس کے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟ وہ کہے گا کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی

سامان کیا ہوتا۔“

ارشاد نبوی ہے: ”جہنم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار رسیاں ہوں گی، ہر رسی کو ستر ہزار فرشتے تھامے کھینچ

رہے ہوں گے۔“ ③

چنانچہ وہ بہت ہی ہولناک منظر ہوگا جس سے دل پھٹ رہے ہوں گے۔^④ اسی لیے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے کہا تھا:

① سنن الترمذی حدیث نمبر ۲۵۷۸ ② ایمانِ اولاً فکیف ندایہ ص ۹۶

③ صحیح المسلم، کتاب صفة النار، صحیح الجامع حدیث نمبر ۸۰۰۱

④ رحلة إلى الدار الآخرة ص ٣٩٠

”الْعَارُ خَيْرٌ مِنَ النَّارِ“

”باعث شرم بات جہنم سے بہتر ہے۔“

اور اسی بناء پر اپنے بارے میں ڈر گئے کہ کہیں قیامت کے دن اللہ کے سامنے ان کا محاسبہ نہ ہو جب کہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں۔

((أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدَّمَاءِ .)) ❶

”قیامت کے دن لوگوں کے مابین سب سے پہلے خون سے متعلق فیصلے کیے جائیں گے۔“

قیامت کے خوفناک منظر کو یہ حدیث پیش کرتی ہے:

((يَجِيءُ الْمَقْتُولُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاصِيئَتُهُ بِيَدِهِ وَأَوْدَاجُهُ تَسْحَبُ دَمًا

فَيَقُولُ: يَا رَبِّ سَلْ هَذَا فِيمَا قَتَلْتَنِي؟ حَتَّى يُذْنِبَهُ مِنَ الْعَرْشِ .)) ❷

”قیامت کے دن مقتول قاتل کو لے کر آئے گا، اس کی پیشانی اس کے ہاتھ میں ہوگی، اس کی رگوں

سے خون بہہ رہا ہوگا وہ کہے گا: اے میرے پروردگار اس سے پوچھئے کس وجہ سے اس نے مجھے قتل کیا

تھا؟ یہاں تک کہ اسے عرش سے قریب کر دے گا۔“

یہ ہولناکیاں ہوں گی جن سے سب کو دوچار ہونا پڑے گا، جب جنتی جوانوں کے سردار موت و مابعد الموت سے ڈرتے ہیں، تو قارئین کرام ہماری اور آپ کی حیثیت کیا ہے؟ ہمیں عبرت حاصل کرنا اور اس سخت ترین مرحلے کے لیے عمل کرنا چاہیے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحم فرمائے اور ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے، بلاشبہ وہ مہربان، بردبار، ودود و رحیم ہے۔

بقیع قبرستان میں آپ کی تدفین:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما جب جاں کنی کی حالت میں ہو گئے تو حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس دفنانا، ہاں اگر خوزیری کا خوف ہوگا تو میرے بارے میں خون مت بہانا، مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا، جب وفات ہوگئی تو حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ہم نوا مسلح ہو گئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: میں آپ کو آپ کے بھائی کی وصیت اور اللہ کا واسطہ دے رہا ہوں، آپ جو چاہے رہے ہیں اسے قوم بغیر خوزیری کے ہونے نہیں دے گی۔ نبی کریم ﷺ کے جوار میں آپ کی تدفین کی مخالفت کرتے ہوئے مروان بن حکم نے کہا: یہاں کسی صورت میں ان کو دفن نہیں کیا جائے گا، چنانچہ ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ، ابن عمر، عبد اللہ بن جعفر اور مسور

بن مخرمہ وغیرہم رضی اللہ عنہم حسین کو اپنی رائے سے رجوع پر آمادہ کرتے رہے تا آنکہ انھوں نے رجوع کر لیا، پھر لوگوں نے آپ کو بقیع الغرقہ قبرستان میں آپ کی والدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے جوار میں دفن دیا۔^①

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ذہن سے متعلق ضعیف روایتیں گڈمڈ ہو گئیں اور اس سے گمراہ لوگوں کو جھوٹ اور من گھڑت باتوں کو ملانے کا موقع مل گیا، انھی میں سے بعض کا زعم باطل ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے جوار میں ان کی تدفین کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا: یہاں کبھی کوئی چوتھا شخص نہیں ہوگا، یہ میرا گھر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں مجھے دے دیا تھا، لیکن یہ بات درست نہیں، اس کی سند تاریک یعنی غیر معروف ہے۔^②

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں اپنے حجرے میں دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی، لیکن دوسرے لوگوں نے اسے ناپسند کیا، ان کا خیال تھا کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین اس میں نہیں ہوئی تو کوئی دوسرا اس میں دفن نہیں کیا جائے گا، اور قریب تھا کہ فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔^③

تاریخی کتابوں میں جو یہ بات مذکور ہے کہ ابان بن عثمان بن عفان نے کہا: یہ بڑی تعجب خیز ہے کہ قاتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن کیا جائے اور مظلوم و شہید امیر المومنین کو بقیع الغرقہ میں دفن کیا جائے،^④ تو اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے، اس کی متن میں نکارت ہے۔^⑤

نبی کریم ﷺ کے جوار میں حسن رضی اللہ عنہ کے دفن پر مروان بن حکم کے اعتراض کو بعض روایتوں میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن ان کی سندیں ضعیف ہیں، انھیں ڈاکٹر محمد صالح سلی نے کتاب الطبقات کی تحقیق میں ذکر کیا ہے۔^⑥

اس سلسلے کی صحیح روایت وہ ہے جسے ابو حازم روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: جب حسن رضی اللہ عنہ جاں کسی کے عالم میں ہوئے تو حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس دفن کرنا، لیکن اگر تمھیں خوزیری کا خوف ہو تو میرے بارے میں کوئی خون مت بہانا، مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن دینا، جب آپ کی وفات ہوگئی تو حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام ہم نوا مسلح ہو گئے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کو آپ کے بھائی کی وصیت اور اللہ کا واسطہ دے رہا ہوں، آپ جو چاہ رہے ہیں اسے قوم بغیر خوزیری کے ہونے نہیں دے گی، چنانچہ وہ آپ کو اپنی رائے سے رجوع پر آمادہ کرتے رہے تا آنکہ آپ نے رجوع کر لیا، کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے آپ کو بقیع الغرقہ قبرستان میں دفن کر دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھاری کیا رائے ہے اگر موسیٰ علیہ السلام کے بیٹے کو لا کر باپ کے

② سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۷۶

① الدوحة النبوية الشريفة ص ۹۸

③ الطبقات تحقيق السلمي ۱/ ۳۵۵، اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔

④ مجموع الفتاوى ۲۷/ ۲۲۲

⑤ الطبقات تحقيق السلمي ۱/ ۳۵۵

⑥ الطبقات تحقيق السلمي ۱/ ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۴، ان کی سندوں کے ضعف کو بیان کیا ہے۔

پاس دفنایا جاتا، پھر لوگوں کی جانب سے منع کر دیا جاتا، تو کیا ان کا منع کرنا ان پر ظلم ہوتا؟ راوی کہتے ہیں: لوگوں نے کہا: ہاں، پھر انھوں نے (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کہا: یہ اللہ کے نبی کے نواسے ہیں، انھیں لایا گیا ہے تاکہ اپنے نانا کے پاس انھیں دفنایا جائے۔^①

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ پڑھاتے ہوئے رو رہے تھے، آپ کے مرض الموت کی مدت چالیس دن تھی۔^② حسین رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بڑھایا اس لیے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ کے گورنر تھے، وہ فتنے سے دور تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ کر جنگ بھی نہیں کی تھی، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے گورنر رہے، انھی کے بارے میں فرزدق نے کہا تھا:

تَرَى الْغُرَّ الْجَحَاجِعَ مِنْ قَرِيشَ

إِذَا مَا الْأَمْرُ ذُو الْحَدَثَانِ عَلَا

”جب کہ کوئی پریشانی والا معاملہ پیش آتا ہے تو قریش کے معزز گورے سرداروں کو دیکھو گے“

قِيَامًا يَنْظُرُونَ إِلَى سَعِيدِ

كَانَهُمْ يَرُونَ بِهِ هَلَا لَا^③

”کہ وہ کھڑے ہو کر سعید بن عاص کو اس طرح دیکھتے ہیں گویا وہ انھیں ہلالِ عید (خوشی کا باعث) سمجھتے ہوں۔“

سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی فصاحت اور اس لیے بھی کہ ان کا لہجہ رسول اللہ ﷺ کے لہجہ کے مشابہ تھا انھیں بھی عثمان رضی اللہ عنہ نے کتابتِ مصحف کا مکلف بنایا تھا۔^④

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے پاس کھڑے ہو کر رو رہے تھے، اور باوازا بلند اعلان کر رہے تھے، لوگو! آج کے دن اس شخصیت نے وفات پائی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ بڑی محبت کرتے تھے، اس لیے تمہیں رونا چاہیے۔^⑤ آپ کے جنازے میں لوگ اس طرح جمع ہو گئے کہ بھیڑ کے باعث بقیع میں کسی اور کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔^⑥ اگر کوئی سوئی بھی پھینک دی جاتی تو کسی انسان کے سر پر ہی رہ جاتی۔^⑦

② المستدرک علی الصحیحین ۳/ ۱۹۰

③ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۴۴۸، ۴۴۹

① الطبقات تحقیق السلمي ۱/ ۳۴۰، اس کی سند صحیح ہے۔

④ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۴۴۵

⑤ البداية والنهاية ۱۲/ ۲۱۱، الدوحة النبوية الشريفة ص ۹۸

⑦ الطبقات، تحقیق السلمي ۱/ ۳۵۱، اس کی سند ضعیف ہے۔

⑥ البداية والنهاية ۱۲/ ۲۱۱

حسن رضی اللہ عنہ بروہار، تقویٰ شعار اور صاحبِ فضیلت تھے، تقویٰ شکاری ہی نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کی چاہت میں انھیں خلافت اور دنیا کو ترک کر دینے کی دعوت دی تھی، آپ کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ امام سردار، خوبصورت، عقلمند، باوقار، سخی، لائقِ تعریف، دین و تقویٰ شکاری میں بہتر، وضع دار اور بڑی شان والے تھے۔ ❶ اللہ کی رحمت اور خوشنودی ہو اس جلیل القدر سردار پر، ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ رکھے، آپ کی سیرت میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ علامہ اقبال پر رحم فرمائے انھوں نے کہا ہے:

فی روض فاطمة نما غصنان لم
 ینجہا فی النیرات سواہا
 فامیر قافلة الجہاد و قطب دا
 ثرة الوئام و الاتحاد ابنہا
 حسن الذی صان الجماعة بعد ما
 أمسى تفرقہا یحل عراہا
 ترک الإمامة ثم أصبح فی الدیا
 ر إمام الفتہا و حسنُ علہا ❷

آپ کی عمر اور سن وفات کی تحقیق:

اکثر مورخین کی رائے کے مطابق حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی۔ ❶ ایک اور روایت کے مطابق ۵۰ھ، ❷ ایک دوسری روایت کے مطابق ۵۱ھ ❸ میں ہوئی۔ ڈاکٹر خالد الغیث نے رائج قرار دیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی ❹ اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ❺ میرا بھی رجحان اسی طرف ہے۔ جعفر صادق کا قول ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ ۷۷ سال زندہ رہے۔ ❻ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ذہبی کہتے ہیں:

❶ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۵۳ ❷ الدوحة النبوية الشريفة ص ۹۹

❸ تاریخ خلیفہ ص ۲۰۹، تہذیب الکمال ۶/ ۲۵۶، أنساب الأشراف ۳/ ۶۴

❹ فتح الباری ۷/ ۱۲۰

❺ مرویات خلافة معاوية فی تاریخ الطبری ص ۴۰۲

❻ مرویات خلافة معاوية فی تاریخ الطبری ص ۴۰۲

❷ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۷۷

❸ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۷۷

”وہ لوگ غلطی پر ہیں جو جعفر سے یہ بات نقل کرتے ہیں کہ آپ (حسن رضی اللہ عنہ) کی عمر ۲۸ سال تھی۔“ ❶

ڈاکٹر خالد الغیث کہتے ہیں:

”آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر ۲۸ سال تھی۔“ ❷

اور اپنی رائے کی تائید ابن عبدالبر کے قول سے کی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت نصف رمضان ۳ھ میں ہوئی، اس سلسلے میں یہ سب سے صحیح بات کہی گئی ہے، ❸ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ اس طرح حسن رضی اللہ عنہ کی عمر وفات کے وقت ۲۸ سال ہوگی اور آپ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ❺

اس طرح حسن رضی اللہ عنہ دنیا سے خدا روں اور خاندانوں کے ہاتھ شہید ہو کر رخصت ہوئے، آپ نے اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا کام انجام دیا اور ایسا بے مثال مصالحتی منصوبہ پیش کیا جس نے امت کے اتحاد میں زبردست کردار ادا کیا، اور چہار دانگ عالم میں اللہ کے دین کی نشر و اشاعت میں اس کے تہذیبی کردار کو لوٹا دیا، امت اسلامیہ اس جلیل القدر سردار کی قرض دار رہے گی جس نے وحدت و الفت، خوئیزی سے روکنے اور لوگوں کے مابین صلح کرانے میں زبردست کردار ادا کیا ہے، اپنے عمدہ جہاد اور صبر جمیل کے ذریعہ ایسی مثال قائم کی ہے جس کی ہمیشہ اقتداء کی جائے گی، آپ کے زبردست کارنامے اور دنیا سے بے رغبتی کو تاریخ نے ہمارے لیے محفوظ کر دیا ہے، مروجہ زمانہ اور صدیوں کے فاصلے انہیں ہم سے جدا نہیں کر سکتے۔

میں اس کتاب کی تالیف سے ۲۱ صفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۴/۲۱/۱۱ء پونے دس بجے رات فارغ ہوا۔ فضل ہمیشہ اللہ کا ہوتا ہے، میں اسی سے طلب کر رہا ہوں کہ وہ میرے اس معمولی عمل کو شرف قبولیت سے نوازے، اور اپنے کرم و احسان سے اس سے استفادہ کے لیے لوگوں کے سینوں کو کھول دے اور اس میں برکت عطا کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهَا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (فاطر: ۲)

”اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔“

❶ مرویات خلافة معاوية ص ۴۰۲

❷ سير أعلام النبلاء ۳/ ۲۷۷

❸ الإصابة ۲/ ۶۸

❹ الاستيعاب ۱/ ۳۸۴

❺ مرويات خلافة معاوية ص ۴۰۲

اس کتاب کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، فضل و کرم، سخاوت و توفیق ارزانی کا اعتراف کرتے ہوئے دلی خشوع و خضوع کے ساتھ اسی کی جناب میں گڑگڑائے اور اس کے اسماء و صفات کے توسط سے اس سے یہ دعا کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ میرے اس کام کو صرف اپنے لیے خالص اور اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے، میرے لکھے ہوئے ہر حرف پر مجھے ثواب دے، اور اسے میری نیکیوں کے پلڑے میں رکھے اور میرے ان بھائیوں کو بھی ثواب دے جنہوں نے اس کتاب کے اتمام میں ہر طرح سے میری مدد کی، میں ہر اس مسلمان سے امید کرتا ہوں جو اس کتاب کو پڑھے کہ وہ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ﴾ (النمل: ۱۹)

”اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں، اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جس سے تو خوش رہے، مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔“

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

الفقير إلى عفو ربه و مغفرته و رحمته و رضوانه

علی محمد محمد الصلابی

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ



مراجع و مصادر

- ۱- سیر أعلام النبلاء، شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی، الطبعة الثانية، مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴۰۲ھ.
- ۲- نسب قریش: أبو عبد الله مصعب بن عبد الله الزبیری دار المعارف القاهرة.
- ۳- الدوحة النبوية الشريفة، د. فاروق حمادة، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ- ۲۰۰۰م.
- ۴- الذرية الطاهرة النبوية، لمحمد بن أحمد بن حماد الدولابی وأخرج أحاديثه سعد المبارك الحسن، نشر الدار السلفية، الكويت الطبعة الأولى ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۶م.
- ۵- الطبقات الكبرى، محمد سعد بن منيع الزهری، دار صادر، بیروت، بدون تاریخ.
- ۶- مسند أحمد، المكتبة الاسلامية، بیروت، لبنان.
- ۷- صحيح ابن حبان، أبو حاتم بن حبان البستي، تحقيق شعيب الأرناؤوط، وحسين الأسد، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ۱۴۰۴ھ.
- ۸- المستدرک علی الصحیحین، لأبی عبد الله محمد بن عبد الله النيسابوري، دار الكتب العلمية، بیروت - لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۱۱ھ.
- ۹- معجم الطبرانی الكبير، لأبی القاسم، سليمان بن أحمد الطبرانی، مكتبة العلوم والحكم، الطبعة الثانية ۱۴۰۶ھ - ۱۹۸۵م.
- ۱۰- منهج التربية النبوية للطفل، محمد نور بن عبد الحفيظ سويد، مؤسسة الريان، بیروت لبنان، مكتبة المنار الاسلامية، الطبعة الخامسة ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۴م.
- ۱۱- الحسن بن علی ودوره السياسي، فتیخان کردی، رسالة ماجستير لم تطبع بعد.
- ۱۲- صحيح البخاری، لأبی عبد الله محمد بن اسماعيل البخاری، دار الفكر، الطبعة الأولى، ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۱م.
- ۱۳- تسمية المولود، بكر عبد الله أبو زيد، دار العاصمة، الطبعة الثالثة ۱۴۱۶ھ - ۱۹۹۵م.
- ۱۴- تحفة المودود بأحكام المولود، المكتبة العصرية، بیروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ - ۲۰۰۱م.
- ۱۵- موسوعة تربية الأجيال، نصر الصنقری، دار الايمان، الطبعة الأولى.
- ۱۶- صحيح مسلم، تحقيق، محمد فؤاد عبد الباقي، دار احیاء التراث العربی، بیروت - لبنان الطبعة الثانية ۱۹۷۲م.
- ۱۷- سنن الترمذی، أبو عيسى، محمد بن عيسى الترمذی، دار الفكر ۱۳۹۸ھ.

- ۱۸۔ ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی، لأبی العباس أحمد بن محمد الطبری المکی، مكتبة الصحابة الامارات العربية.
- ۱۹۔ المعجم الصغير للطبرانی، لأبی القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی.
- ۲۰۔ موسوعة عظماء حول الرسول، خالد العك.
- ۲۱۔ سيرة آل بيت النبي الأطهار، مجدى فتحى السيد، المكتبة التوفيقية.
- ۲۲۔ الاصابة فى تمييز الصحابة، أحمد بن على بن حجره، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۵هـ - ۱۹۹۵م.
- ۲۳۔ الاستيعاب فى معرفة الأصحاب، لأبی عمر يوسف بن عبدالله بن عبد البر، دار الجليل، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۲هـ - ۱۹۹۲م.
- ۲۴۔ ميزان الاعتدال فى نقد الرجال، محمد بن عثمان الذهبى تحقيق: على البجاوى، دار احياء الكتب العربية، القاهرة الطبعة الأولى.
- ۲۵۔ لسان الميزان، أحمد بن على بن حجر، حيدر آباد الدكن، مطبعة دائرة المعارف العثمانية ۱۳۳۱هـ - ۱۹۱۲م.
- ۲۶۔ البداية والنهاية، أبو الفداء الحافظ ابن كثير الدمشقي دار الريان، الطبعة الأولى ۱۴۰۸هـ - ۱۹۸۸م.
- ۲۷۔ تقريب التهذيب لابن حجر.
- ۲۸۔ دائرة المعارف البريطانية.
- ۲۹۔ جمهرة أنساب العرب، على بن أحمد بن الأندلسي، تحقيق: عبدالسلام هارون، القاهرة ۱۳۸۲هـ.
- ۳۰۔ فضائل الصحابة، لأبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل، دار بن الجوزي، السعودية، الطبعة الثانية ۱۴۲۰هـ - ۱۹۹۹م.
- ۳۱۔ تحفة الأحوذى لشرح سنن الترمذی، محمد عبدالرحمن المبارکفوری، تصحيح عبدالرحمن محمد عثمان، مطبعة الاعتماد، نشر محمد عبدالمحسن الكتبي.
- ۳۲۔ منهاج السنة لابن تيمية، تحقيق: محمد رشاد سالم، مؤسسة قرطبة.
- ۳۳۔ التبيين فى أنساب القرشيين، موفق الدين أبى محمد عبدالله بن أحمد بن قدامة المقدسى، حققه محمد نايف الدليمى، عالم الكتب، الطبعة الثانية.
- ۳۴۔ الشيعة وأهل البيت، احسان الهى ظهير، الناشر ادارة ترجمان السنة، توزيع دار السلام الرياض، الطبعة العاشرة.
- ۳۵۔ نساء أهل البيت منصور عبدالحكيم، التوفيقية.
- ۳۶۔ المرتضى أبو الحسن على بن أبى طالب، لأبی الحسن الندوى، دار القلم.

- ۳۷۔ السيرة النبوية لابن هشام، دار احياء التراث، الطبعة الثالثة ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۷م.
- ۳۸۔ تاريخ الاسلام للذهبي، محمد أحمد بن عثمان الذهبي، دار الكتاب العربي، الطبعة الأولى ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷م.
- ۳۹۔ دلائل النبوة للبيهقي.
- ۴۰۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، نور الدين علي بن أبي الهيثمي دار الكتاب العربي، بيروت الطبعة الثالثة ۱۴۰۲ھ.
- ۴۱۔ سنن ابن ماجه، الحافظ أبو عبدالله محمد بن زيد القزويني، دار الفكر.
- ۴۲۔ أسد الغابة في معرفة الصحابة، لعز الدين بن الأثير، أبي الحسن بن علي بن محمد الجزري، دار احياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶م.
- ۴۳۔ حلية الأولياء، وطبقات الأصفياء، لأبي نعيم أحمد بن عبدالله الأصفهاني، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ۴۴۔ صحيح السيرة النبوية، ابراهيم العلي، دارا النفائس الطبعة الثالث، ۱۴۰۸ھ.
- ۴۵۔ صفة الصفوة الامام أبي الفرج بن الجوزي، دار المعرفة، بيروت.
- ۴۶۔ التاريخ الاسلامي مواقف وعبر، د. عبدالعزيز عبدالله الحميدي، دار الدعوة، الاسكندرية، دار الأندلس الخضراء، جدة، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ.
- ۴۷۔ من معين السيرة، صالح أحمد الشامي، المكتب الاسلامي، الطبعة الثانية ۱۴۱۲ھ۔ ۱۹۹۲م.
- ۴۸۔ السيرة النبوية، لعلي محمد الصلابي، دار التوزيع والنشر الاسلامية.
- ۴۹۔ صحيح سنن أبي داود، محمد ناصر الدين الألباني، مكتبة التربية العربي لدول الخليج، الرياض الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ.
- ۵۰۔ أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب، د. علي محمد الصلابي، دار التوزيع والنشر الاسلامية.
- ۵۱۔ العقيدة في أهل البيت بين الافراط والتفريط د. سليمان بن سالم بن رجاء السحيمي، مكتبة الامام البخاري، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰م.
- ۵۲۔ السنن الكبرى للبيهقي، للحافظ أحمد بن الحسين البيهقي، طبع دار المعارف، بيروت، لبنان، توزيع مكتبة المعارف الرياض.
- ۵۳۔ الانتصار للصاحب والآل من افتراءات السماوي الضال، الدكتور ابراهيم الرحيلي، مكتبة الغرباء الأثرية، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷م.
- ۵۴۔ ديوان محمد اقبال، الأعمال الكاملة، سيد عبد الماجد غوري، دار ابن كثير، الطبعة الأولى ۲۰۰۳م.
- ۵۵۔ أحاديث بشأن السبطين، عثمان الخميس، رسالة ما جستبر لم تطبع حتى الآن.

- ۵۶۔ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، لأبی الحسین الأمير علاء الدین علی ابن بلبان، قدم له وضبط نصه کمال یوسف الحوت، دارالکتب العلمیة، بیروت الطبعة الأولى ۱۹۸۷ م.
- ۵۷۔ الشریعة للأجری، دراسة وتحقیق د. عبد اللہ الدمیجی، دار الوطن، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ- ۱۹۹۷ م.
- ۵۸۔ النہایة فی غریب الحدیث، لابن الأثیر، تحقیق طاهر أحمد الزاوی، ومحمود محمد الطناحی.
- ۵۹۔ فتح الباری، لابن حجر العسقلانی، دارالمعرفة بیروت - لبنان.
- ۶۰۔ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف للمزى، جمال الدین أبو الحجاج یوسف بن الزکی عبد الرحمن المزى، الدار القیمة.
- ۶۱۔ شرح النووی علی صحیح مسلم للإمام أبو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف، المتوفى ۶۷۶ھ- ۱۳۴۹ م.
- ۶۲۔ شرح فتح القدير لکمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الهمام مطبعة دارلفکر، بیروت الطبعة الثانية ۱۳۹۷ھ.
- ۶۳۔ الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف علی مذهب الامام أحمد: لعلاء الدین أبی الحسن علی بن سلیمان المرذاقی، دار احیاء التراث العربی.
- ۶۴۔ معالم السنن للخطابی لأبی سلیمان بن محمد الخطابی المکتبة العلمیة، بیروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۱ھ مصور عن الطبعة الأولى ۱۳۵۲ھ.
- ۶۵۔ الأم للشافعی، لمحمد بن ادريس الشافعی، تصحیح محمد زهری النجار، نشر دارالمعرفة، بیروت.
- ۶۶۔ المجموع شرح المذهب للنوی، الناشر دارالفکر.
- ۶۷۔ هاشیة رد المحتار علی الدر المختار المعروف بحاشیة ابن عابدين، لمحمد أمين عمر الدمشقی الشهير بابن عابدين الطبعة الثانية، مطبعة البابى الحلبي، مصر.
- ۶۸۔ بلغة السالك لأقرب المسالك الى مذهب الامام مالك، أحمد بن محمد النساوی المالکی، دارالمعرفة، بیروت ۱۳۹۸ھ.
- ۶۹۔ حاشیة الدسوقي علی الشرح الكبير، لمحمد أحمد بن عرفة الدسوقي، نشر دارالفکر.
- ۷۰۔ شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، لأبی الفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی، دار احیاء التراث العربی، بیروت.
- ۷۱۔ المستقى: شرح مؤطا مالك، لأبی الولید سلیمان بن خلف الباجی، دارالكتاب العربی الطبعة الرابعة ۱۴۰۴ھ، مصور عن الأولى ۱۳۲۲ھ.
- ۷۲۔ الاختیارات الفقهیة من فتاوی شیخ الاسلام، ابن تیمیة: لعلاء الدین أبی الحسن علی بن محمد البعلی تحقیق محمد حامد الفقی، دارالمعرفة بیروت.

- ۷۳۔ اعلام الموقعین لابن القيم، دارالجيل، بيروت لبنان.
- ۷۴۔ مختارات من أدب العرب للندوی، دار ابن کثیر، دمشق.
- ۷۵۔ حقبة من التاريخ، عثمان الخميس، دارالایمان الاسکندرية.
- ۷۶۔ ثم أبصرت الحقيقة، محمد سالم الحضر، دارالایمان الاسکندرية طبعة ۲۰۰۳ م.
- ۷۷۔ دراسات فی الفرق د. أحمد جلی، شركة الطباعة العربية السعودية، الطبعة الأولى ۱۳۰۶ هـ.
- ۷۸۔ الامامة والنص، فیصل نور، کتاب لم يطبع حتى الآن.
- ۷۹۔ وسطية أهل السنة بين الفرق، د. محمد باکریم محمد با عبد الله، دارالرایة، الرياض، السعودية، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ هـ - ۱۹۹۴ م.
- ۸۰۔ زاد المعاد فی هدی خیر العباد، أبو عبد الله محمد بن أبی بکر المعروف بابن القيم، الطبعة الأولى ۱۳۹۹ هـ، دارالرسالة.
- ۸۱۔ السيرة النبوية فی ضوء القرآن والسنة، محمد أبو شهبة، دارالقلم، دمشق، الطبعة الثالثة ۱۴۱۷ هـ - ۱۹۹۶ م.
- ۸۲۔ مقدمة ابن خلدون.
- ۸۳۔ الامام الزهري، محمد شراب، دارالقلم دمشق.
- ۸۴۔ استخلاف أبی بکر الصديق، د. جمال عبدالهادی، د. وفاء محمد رفعت جمعة، دارالوفاء، المنصورة، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ هـ - ۱۹۸۶ م.
- ۸۵۔ أبو بکر رجل الدولة، مجدی حمدي، دار طيبة الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ هـ.
- ۸۶۔ عصر الخلافة الراشدة د. أكرم ضياء العمری مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ۱۴۱۴ هـ - ۱۹۹۴ م.
- ۸۷۔ الأنصار فی العصر الراشدي، حامد محمد الخليفة، دارالصحابة ۲۰۰۳ م.
- ۸۸۔ الانسراح ورفع الضيق بسيرة أبی بکر الصديق، علی محمد الصلابی، دارالتوزيع والنشر الاسلامية.
- ۸۹۔ الاسلام وأصول الحكم، محمد عمارة.
- ۹۰۔ عقيدة أهل السنة فی الصحابة الكرام، د. ناصر بن علی عائض حسن الشيخ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۱۳ هـ - ۱۹۹۳ م.
- ۹۱۔ أباطيل يجب أن تمحى من التاريخ، د. ابراهيم علی شعوط المكتب الاسلامی، الطبعة السادسة، ۱۴۰۸ هـ - ۱۹۸۸ م.
- ۹۲۔ تاريخ بغداد، الخطيب البغدادي، دارالغرب الاسلامی، بيروت لبنان.
- ۹۳۔ الابانة عن أصول الديانة، لأبى الحسن علی بن اسماعيل الأشعري، الطبعة الثانية، الجامعة الاسلامية ۱۴۰۵ هـ.

- ۹۴۔ الانصاف فیما يجوز اعتقاده ولا يجوز الجهل به، لأبی بکر بن الطیب الباقلانی، تحقیق عماد الدین أحمد حیدر، نشر عالم الکتب، بیروت الطبعة الأولى ۱۹۸۶ م.
- ۹۵۔ الخلافة والخلفاء الراشدون بین الشوری والديمقراطية، سالم بهنساوی، مكتبة المنار الاسلامیة، الكويت، الطبعة الثانية ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷ م.
- ۹۶۔ دراسات فی عهد النبوة والخلافة الراشدة د. عبدالرحمن الشجاع، دارالفکر المعاصر، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۹ م.
- ۹۷۔ صحیح سنن ابن ماجه، لمحمد ناصر الدین الألبانی، منشورات المكتب الاسلامی.
- ۹۸۔ تاریخ الأمم والملوک لأبی جعفر الطبری، دارالفکر، بیروت، الطبعة الأولى ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ م.
- ۹۹۔ معجم الطبرانی الأوسط لأبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی.
- ۱۰۰۔ أصول مذهب الشيعة الإمامية الاثنى عشرية، د. ناصر القفاری، دارالرضا بمصر الطبعة الثالثة.
- ۱۰۱۔ الارشاد الى قواطع الأدلة فی أصول الاعتقاد، أبو المعالی الجوينی، تحقیق: محمد یوسف موسی - علی عبدالمنعم - بمكتبة الخانجي، مصر.
- ۱۰۲۔ خلافة علی بن أبی طالب و ترتيب و تهذيب كتاب البداية والنهاية، محمد صامل السلمي، دار الوطن، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۲ م.
- ۱۰۳۔ تاریخ اليعقوبي، دار بیروت للطباعة والنشر، طبعة ۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰ م.
- ۱۰۴۔ الكامل فی التاريخ، أبو الحسن علی بن أبی المکارم الشيباني المعروف بابن الأثر، تحقیق: علی شیري، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعة الأولى.
- ۱۰۵۔ الشوری بین الأصالة والمعاصرة، عز الدین التیمی، دار البشیر، الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ م.
- ۱۰۶۔ تاریخ خلیفة بن خیاط، أبو عمر خلیفة بن خیاط بن أبی هبيرة الليثی، تحقیق: أكرم ضياء العمری، الطبعة الثانية، مؤسسة الرسالة، ودار القلم، طبعة ۱۳۹۷ھ.
- ۱۰۷۔ قصة بعث أبی بکر جيش أسامة، د. فضل الهی، دار بن حزم، بیروت، الطبعة الثانية ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰ م.
- ۱۰۸۔ تاریخ الدعوة الى الاسلام فی زمن الرسول ﷺ والخلفاء الراشدين، د. جميل عبدالله المصري، مكتبة الدار بالمدينة المنورة، الطبعة الأولى ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ م.
- ۱۰۹۔ عبقرية الصديق، عباس محمود العقاد، المكتبة العصرية، بیروت.
- ۱۱۰۔ الصديق أبوبکر، محمد حسين هیکل، دارالمعارف بمصر، الطبعة ۱۹۷۱ م.
- ۱۱۱۔ حركة الردة د. علی العتوم، مكتبة الرسالة الحديثة عمان، الطبعة الثانية ۱۹۹۷ م.

- ۱۱۲۔ مشکاة المصابیح، تحقیق ناصر الدین الألبانی، المکتب الاسلامی.
- ۱۱۳۔ فقہ التمكن فی القرآن الکریم د. علی محمد الصلابی، دار الوفاء المنصورة، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ھ- ۲۰۰۱م.
- ۱۱۴۔ تفسیر الطبری، لأبی جعفر الطبری.
- ۱۱۵۔ تاریخ دمشق الکبیر، لأبی القاسم علی بن الحسن بن هبة الله الشافعی، دار احیاء التراث العربی، الطبعة الأولى ۱۴۱۲ھ- ۲۰۰۱م.
- ۱۱۶۔ الخراج لأبی یوسف، منشورات مکتبة الرياض الحديثة، بدون تاریخ الطبع.
- ۱۱۷۔ مصنف فی الأحادیث والآثار لأبی شیبہ، دار التاج، بیروت، لبنان.
- ۱۱۸۔ عقائد الثلاثة والسبعین فرقة لأبی محمد الیمنی تحقیق ودراسة: محمد عبدالله زربان الغامدی، مکتبة دارالعلوم، الطبعة الأولى ۱۴۱۴ھ.
- ۱۱۹۔ تهذیب التهذیب، أحمد بن علی بن حجر، دار صادر، بیروت، لبنان.
- ۱۲۰۔ مختصر التحفة الاثنی عشریة، لمحمود شکرى الألوسى؛ تحقیق: محب الدین الخطیب، المطبعة السلفية، القاهرة ۱۳۷۳ھ.
- ۱۲۱۔ علی بن أبی طالب مستشار أمين للخلفاء الراشدين، د. محمد عمر الحاجی، دارالحافظ بدمشق، الطبعة الأولى ۱۹۹۸م.
- ۱۲۲۔ فقہ السيرة للبوطی، محمد سعید رمضان البوطی، الطبعة الحادية عشرة، ۱۹۹۱م، دارالفکر، دمشق.
- ۱۲۳۔ المختصر من کتاب الموافقة بین أهل البيت والصحابہ للزمخشري، تحقیق سید ابراهيم صادق، دار الحديث، أمام جامعة الأزهر.
- ۱۲۴۔ النہی عن سب الأصحاب وما فیہ من الاثم والعقاب لمحمد عبدالواحد المقدسی، تحقیق: عبدالرحمن التركي، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى.
- ۱۲۵۔ النضرة فی مناقب العشرة لأبی جعفر أحمد الشهير بالمحب الطبری، المکتبة القيمة القاهرة.
- ۱۲۶۔ أضواء البیان فی تاریخ القرآن، صابر حسن محمد أبو سلیمان، دار عالم الکتب، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ھ- ۲۰۰۰م.
- ۱۲۷۔ تیسیر الکریم المّان فی سيرة عثمان بن عفان، د. علی محمد الصلابی، دار التوزيع والنشر الاسلامیة، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ- ۲۰۰۲م.
- ۱۲۸۔ الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب، عبدالرحمن عبدالکریم العانی، د. حسن فاضل زعین، دارالشؤون الثقافية العامة بغداد طبعة ۱۹۸۹م.
- ۱۲۹۔ أولیات الفاروق للقرشی، د. غالب عبدالکافی القرشی، المکتب الاسلامی بیروت، مکتبة الحرمين الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۰۳ھ- ۱۹۸۳م.

- ۱۳۰۔ الخلفاء الراشدون للخالدي، دار القلم دمشق.
- ۱۳۱۔ الخلافة والخلفاء الراشدون بين الشورى، والديمقراطية، سالم البهنساوي، مكتبة المنار الاسلامية، الكويت، الطبعة الثانية ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷ م.
- ۱۳۲۔ أشهر مشاهير الاسلام في الحرب والسياسة، رفيق العظم، دار الرائد العربي، بيروت، لبنان، الطبعة السادسة ۱۴۰۲ھ۔ ۱۹۸۳ م.
- ۱۳۳۔ مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري، يحيى ابراهيم اليحيى، دار العاصمة، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۱۰ھ.
- ۱۳۴۔ المدينة النبوية، فجر الاسلام والعصر الراشدي، محمد حسن شراب، دار القلم، دمشق، الدار الشامية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۴ م.
- ۱۳۵۔ نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الاسلامي، ظافر القاسمي، دار النفائس - بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ م.
- ۱۳۶۔ عثمان بن عفان، لصادق عرجون، الدار السعودية الطبعة الثالثة ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰ م.
- ۱۳۷۔ شهيد الدار، عثمان بن عفان، أحمد الخروف، دار البيارق، دار عمار الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷ م.
- ۱۳۸۔ التمهيد والبيان في مقتل الشهيد عثمان، محمد بن يحيى بن أبي بكر المالقي الأندلسي د. محمود يوسف زايد، دار الدوحة، الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ م.
- ۱۳۹۔ مجلة البحوث الاسلامية، العدد (۱۰).
- ۱۴۰۔ أثر التشيع على الروايات التاريخية، د. عبدالعزيز نور ولي، دار الخضري، المدينة الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶ م.
- ۱۴۱۔ عقيدة السلف وأصحاب الحديث، ضمن الرسائل المنبرية، للبهيج اسماعيل الصابوني، نشر محمد أمين رمح ۱۹۷۰ م.
- ۱۴۲۔ رياض النفوس، للمالكي، أبو بكر عبدالله بن محمد المالكي، دار الغرب الاسلامي، بيروت، لبنان، طبعة عام ۱۴۰۳ھ۔ ۱۹۸۳ م.
- ۱۴۳۔ الجهاد والقتال في السياسة الشرعية، محمد خير هيكل، الطبعة الأولى ۱۴۱۴ھ۔ ۱۹۹۳ م.
- ۱۴۴۔ ليبيا من الفتح العربي حتى انتقال الخلافة الفاطمية للدكتور صالح مصطفى مفتاح المزيني، منشورات جامعة قاريونس، بنغازي، الطبعة الثالثة ۱۹۹۴ م.
- ۱۴۵۔ التسرف والتسامي بحركة الفتح الاسلامي، د. علي محمد الصلابي، مكتبة الصحابة، الشارقة، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱ م.
- ۱۴۶۔ فتنة مقتل عثمان د. محمد عبدالله الغبان، مكتبة العبيكان، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۹ م.
- ۱۴۷۔ تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة من روايات الطبري، والمحدثين، تأليف د. محمد

- أمحزون، دار طيبة، مكتبة الكوثر، الرياض الطبعة الأولى ١٤١٥ هـ.
- ١٤٨- عثمان بن عفان الخليفة الشاكر الصابر، عبدالستار الشيخ، الطبعة الأولى ١٤١٢ هـ- ١٩٩١ م.
- ١٤٩- تاريخ المدينة، أبو زيد عمر بن شبة النميري البصري، تحقيق: محمود شلتوت، نشر السيد حبيب محمود أحمد، المدينة ١٣٩٣ م.
- ١٥٠- منهاج القاصدين في فضل الخلفاء الراشدين، مخطوط في مكتبة عارف حكمت بالمدينة رقم ٢٥٣.
- ١٥١- مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين، لأبي الحسن الأشعري، مكتبة النهضة المصرية.
- ١٥٢- لوامع الأنوار البهية للسفاريني، المكتب الاسلامي.
- ١٥٣- الوصية الكبرى، لشيخ الاسلام ابن تيمية، طبع دار المطبعة السلفية ومكبتها، نشر قصي محب الدين الخطيب، الطبعة الثالثة ١٤٠١ هـ.
- ١٥٤- الثقات لابن حبان، محمد بن حبان، مكتبة العلم، مكة المكرمة، الطبعة الأولى، ١٣٩٣ م.
- ١٥٥- استشهاد عثمان ووقعة الجمل في مرويّات سيف بن عمر في تاريخ الطبري دراسة نقدية، د. خالد بن محمد الغيث، دار لأندلس الخضراء جدة.
- ١٥٦- أحكام القرآن لابن العربي، دار المعرفة، بيروت لبنان.
- ١٥٧- شرح الطحاوية، للعلامة محمد بن علي بن محمد الأذري، المكتب الاسلامي، بيروت.
- ١٥٨- التاريخ الصغير للبخاري.
- ١٥٩- عبدالله بن سبأ وأثره في أحداث الفتنة في صدر الاسلام، سلمان بن حمد العودة، دار طيبة، الرياض، الطبعة الثالثة ١٤١٢ هـ.
- ١٦٠- العواصم من القواصم، القاضي أبو بكر بن العربي، تحقيق محب الدين الخطيب، دار الثقافة، قطر الدوحة - الطبعة الثانية ١٩٨٩ م.
- ١٦١- تثبيت دلائل النبوة للهمداني.
- ١٦٢- الفصل في الملل والنحل، لأبي محمد بن حزم الظاهري، مكتبة الخانجي، مصر.
- ١٦٣- دول الاسلام، للذهبي.
- ١٦٤- الوافي بالوفيات للصدفي.
- ١٦٥- مروج الذهب ومعادن الجوهر لأبي الحسن علي بن الحسين بن علي المسعودي، دار الكتاب اللبناني، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٠٢ هـ.
- ١٦٦- سنن سعيد بن منصور، دار الصميعي، الرياض، الطبعة الثانية، ١٤٢٠ هـ.
- ١٦٧- كتاب أهل البغي من الحاوي الكبير للماوردي.
- ١٦٨- المتقى من منهاج الاعتدال، للمحافظ أبي عبدالله محمد بن عثمان الذهبي، دار البيان، وحققه وعلق على حواشيه محب الدين الخطيب.

- ۱۶۹۔ الفتن لنعيم بن حماد.
- ۱۷۰۔ أحداث وأحاديث فتنه الهرج، د. عبدالعزيز دخان، مكتبة الصحابة، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳م.
- ۱۷۱۔ تهذيب ابن عساكر، دار احياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۰۷ھ- ۱۹۸۷م.
- ۱۷۲۔ عقيدة الامام ابن قتيبة، على العلياني، مكتبة الصديق، الطبعة الأولى ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۱م السعودية.
- ۱۷۳۔ الامامة والسياسة المنسوب لابن قتيبة، مؤسسة الحلبي، القاهرة.
- ۱۷۴۔ الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقه لأبي العباس أحمد ابن محمد بن علي بن حجر الهيتمي، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ- ۱۹۹۷م.
- ۱۷۵۔ تفسير القرطبي، لأبي عبدالله محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي، دار احياء التراث العربي، بيروت لبنان.
- ۱۷۶۔ وقعة صفين لابن مزام، تحقيق عبدالسلام هارون - الطبعة الثانية - القاهرة ۱۳۸۲ھ.
- ۱۷۷۔ تنزيه خال المؤمنين معاوية بن أبي سفيان من الظلم والفسق في مطالبته بدم أمير المؤمنين عثمان لأبي يعلى محمد الفراء، تحقيق دار النبلاء، عمان، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ.
- ۱۷۸۔ دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين، د. محمد ضيف الله بطاينة، دارالفرقان، الأردن عمان.
- ۱۷۹۔ الأخبار الطوال، لأبي حنيفة أحمد بن داود، تحقيق عبدالمنعم عامر، مراجعة د. جمال الدين الشيال، مكتبة المتنبى بغداد.
- ۱۸۰۔ نهج البلاغة، شرح محمد عبده، دارالبلاغة لبنان.
- ۱۸۱۔ معاوية بن أبي سفيان، صحابي كبير، وملك مجاهد، منير محمد الغضبان، دارالقلم دمشق، الطبعة الثالثة ۱۴۱۷ھ- ۱۹۹۶م.
- ۱۸۲۔ مجموع فتاوى ابن تيمية، جمع وترتيب عبدالرحمن بن قاسم، الطبعة الأولى ۱۳۹۸ھ.
- ۱۸۳۔ الأساس في السنة، سعيد حوى، دارالسلام، القاهرة.
- ۱۸۴۔ الاعتقاد على مذهب السلف أهل السنة والجماعة لأبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي، الناشر، حديث أكاديمي، نشاط أباد فيصل أباد.
- ۱۸۵۔ المحن لابن أبي العرب.
- ۱۸۶۔ بذل المجهود في اثبات مشابهة الرافضة لليهود، عبدالله الجميلي، مكتبة الغبراء الأثرية، المدينة المنورة الطبعة الثانية، ۱۴۱۴ھ- ۱۹۹۴م.
- ۱۸۷۔ الامامة والرد على الرافضة، تحقيق علي ناصر فقيهي.
- ۱۸۸۔ تطور الفكر السياسي الشيعي من الشورى الى ولاية الفقيه، أحمد الكاتب.

- ۱۸۹۔ الحکومة الاسلامیة للخمینی .
- ۱۹۰۔ مقاتل الطالبیین لأبی الفرج الأصفهانی .
- ۱۹۱۔ الأغانی لأبی الفرج الأصفهانی .
- ۱۹۲۔ المستظم فی تاریخ الملوك والأمم ، لأبی الفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی ، دارالکتب العلمیة ، بیروت .
- ۱۹۳۔ کتب حذر منها العلماء ، لأبی عبیدة مشهور بن حسن آل سلمان دار الھیعی السعودیة ، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵م .
- ۱۹۴۔ السیف الیمانی فی نحر الأصفهانی ، ولید الأعظمی ، الطبعة الثانية ، ۱۴۱۰ھ - ۱۸۹م ، دار الوفاء ، مصر .
- ۱۹۵۔ معجم الأدباء ، یاقوت الحموی ، دار صادر .
- ۱۹۶۔ الأدب فی الاسلام ، نایف معروف ، دار النفائس ، الطبعة الأولى ، ۱۴۱۰ھ - ۱۹۹۰م .
- ۱۹۷۔ وفيات الأعیان وأنباء وأبناء الزمان لابن خلکان ، أبو العباس شمس الدین أحمد ، تحقیق احسان عباس ، دار صادر بیروت .
- ۱۹۸۔ منهج الرسول فی غرس الروح الجهادیة فی نفوس أصحابه ، السید محمد نوح ، الطبعة الأولى ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰م جامعة الامارات العربیة المتحدة .
- ۱۹۹۔ التفسیر المنیر ، د . وهبة الزحیلی ، دارالفکر المعاصر بیروت ، دارالفکر دمشق ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۱ الطبعة الأولى .
- ۲۰۰۔ الايمان أولاً فكيف نبداً به ، مجدی الهلالی ، دارالتوزیع والنشر الاسلامیة مصر .
- ۲۰۱۔ عیون الأخبار ، لأبی محمد عبدالله بن مسلم بن قتیبہ ، دارالکتب العلمیة ، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ - ۱۹۸۶م .
- ۲۰۲۔ تهذیب مدارج السالکین ، لابن القيم ، هذبہ عبدالمنعم صالح العزی مؤسسه الرسالة ، الطبعة الثالثة ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۹م .
- ۲۰۳۔ الرفائق ، لمحمد أحمد الراشد ، دارالبشیر مصر .
- ۲۰۴۔ صحیح الجامع الصغیر ، محمد ناصر الدین الألبانی ، الطبعة الثالثة ، ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م ، المكتب الاسلامی بیروت - لبنان .
- ۲۰۵۔ السلسلة الصحیحة ، للألبانی ، المكتبة الاسلامیة .
- ۲۰۶۔ رهبان اللیل ، د . سید بن حسین العفانی ، مكتبة معاذ بن جبل ، مصر .
- ۲۰۷۔ ماذنبان جائعان لابن رجب ، تحقیق محمد صبحی حلاق ، مؤسسة الريان ، الطبعة الأولى ۱۴۱۳ھ - ۱۹۹۲م .
- ۲۰۸۔ جواهر الأدب للهاشمی ، السید أحمد الهاشمی ، مؤسسة المعارف ، بیروت ، لبنان .

- ۲۰۹۔ صحیح الترغیب والترہیب، للمنذری .
- ۲۱۰۔ الأخلاق بین الطبع والتطبیع، لابی عبد اللہ فیصل بن عبدہ الحاشدی، دار الایمان۔ الاسکندریہ .
- ۲۱۱۔ صلاح الأمة فی علو الهمة، د. سید بن حسین العفانی، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۷م .
- ۲۱۲۔ جهاد النفس، علی بن محمد الدھامی، دار طیبہ، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳م .
- ۲۱۳۔ جامع العلوم والحکم، لابن رجب .
- ۲۱۴۔ الحسن والحسین سید شباب اهل الجنة، محمد رضا، المكتبة العصرية، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱م .
- ۲۱۵۔ علموا أولادکم حب آل بیت النبی، محمد عبدہ یمانی، دار القبلة للثقافة الاسلامیة، جدة الطبعة الثانية ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۸م .
- ۲۱۶۔ منهج الاسلام فی تزکیة النفس، د. محمد خیر فاطمة، دار الخیر، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳م .
- ۲۱۷۔ مدارج السالکین، لابن القيم، تحقیق محمد حامد الفقی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ .
- ۲۱۸۔ أمراض النفس، دراسة تربویة لأمراض النفوس ومعوقات تزکیتها وعلاج ذلك، د. أنس أحمد کرزون، دار ابن حزم، الطبعة الثالثة ۱۴۲۴ھ .
- ۲۱۹۔ الجواب الکافی، لابن القيم .
- ۲۲۰۔ جامع بیان العلم وفضله لأبی عمر یوسف بن عبد البر، الطبعة الرابعة، ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۸م .
- ۲۲۱۔ المحدث الفاصل للرامهرمزی .
- ۲۲۲۔ قواعد فی التعامل فی العلماء، عبد الرحمن بن معلا اللویحق، دار الوراق، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۴م .
- ۲۲۳۔ الداء والدواء لابن القيم .
- ۲۲۴۔ التعریفات للجرجانی .
- ۲۲۵۔ سنن النسائی، أحمد بن شعیب بن علی النسائی، دار الفکر بیروت .
- ۲۲۶۔ الزواجر لابن حجر الهیثمی .
- ۲۲۷۔ الشهب السامیة فی السیاسة النافعة لعبد اللہ بن یوسف بن رضوان المالقی، دار المدار الاسلامی، لبنان، الطبعة الأولى .
- ۲۲۸۔ أحكام القرآن، أحمد بن علی الرازی المعروف بالجصاص، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان .

- ۲۲۹۔ المسحرر الوجيز فى تفسير الكتاب العزيز لابن عطية، أبى محمد عبدالحق ابن غالب الأندلسى، تحقيق المجلس العلمى بفاس، وزارة الأوقاف والشؤون الدينية بالمغرب.
- ۲۳۰۔ التحرير والتنوير، للشيخ محمد الطاهر بن عاشور، دارالكتب الشرقية تونس.
- ۲۳۱۔ الفوائد لابن القيم، محمد بن أبى بكر بن قيم الجوزية، دارالريان للتراث، القاهرة مصر، الطبعة الأولى ۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۷م.
- ۲۳۲۔ تفسير ابن كثير، دارالفكر، ودار القلم، بيروت - لبنان، الطبعة الثانية.
- ۲۳۳۔ تفسير السعدى . . تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان لعبد الرحمن ناصر السعدى، المؤسسة السعدية بالرياض.
- ۲۳۴۔ معنى الزهد والمقالات وصفة الزاهدين للإمام أبى سعيد أحمد بن محمد، دارالكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م.
- ۲۳۵۔ محاسن التأويل للقاسمى، محمد جمال الدين القاسمى دارالفكر، بيروت.
- ۲۳۶۔ نهاية الأرب فى فنون الأدب، شهاب الدين أحمد بن عبد الوهاب النويرى، مطبعة كوتسا توماسى بالقاهرة.
- ۲۳۷۔ صور وعبر من الجهاد النبوى فى المدينة، د. محمد فوزى فيض الله، دارالقلم، دمشق، الدار الشاميه، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ - ۱۹۹۶م.
- ۲۳۸۔ قيادة الرسول السياسية والعسكرية، أحمد راتب عرموش دار النفائس، الطبعة الأولى ۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱م.
- ۲۳۹۔ ولاية مصر، أبو يوسف محمد الكندى، تحقيق د. حسين نصار، دار صادر، بيروت، بدون تاريخ.
- ۲۴۰۔ النجوم الزاهرة فى ملوك مصر والقاهرة، جمال الدين أبو المحاسين يوسف ابن تغرى بردى، وزارة الثقافة والارشاد القومى، القاهرة بدون تاريخ.
- ۲۴۱۔ المجروحون من المحدثين، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد، تحقيق: ابراهيم محمود زايد، حلب، دارالوعى.
- ۲۴۲۔ تذكرة الحفاظ، شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى، بيروت، دار احياء التراث.
- ۲۴۳۔ الكامل فى ضعفاء الرجال، للإمام الحافظ أبى أحمد عبدالله بن عدى الجرجانى، دارالفكر، بيروت لبنان، الطبعة الثانية، ۱۴۰۵ھ.
- ۲۴۴۔ المعرفة والتاريخ، ليعقوب بن سفيان الفسوى، تحقيق أكرم ضياء العمرى، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ۱۴۰۱ھ.
- ۲۴۵۔ فقه السيرة، منير الغضبان، معهد البحوث العلمية و احياء التراث مكة المكرمة.
- ۲۴۶۔ الصراع مع اليهود لأبى فارس، دارالفرقان، الطبعة الأولى ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰م.

- ۲۴۷۔ مرویات خلافة معاوية فی تاریخ الطبری، خالد محمد الغیث، دار الأندلس الخضراء السعودية، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰م.
- ۲۴۸۔ مجموعة الفتاوى، تقى الدين أحمد بن تيمية الحرّاني، دار الوفاء، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۷م.
- ۲۴۹۔ السنة لأبى بكر الخلال، تحقيق عطية الزهراني، دار الراية، الطبعة الأولى ۱۴۱۰ھ۔
- ۲۵۰۔ المطالب العلية بزوائد المسانيد الثمانية، المطبعة العصرية، ۱۳۹۰ھ۔ ۱۹۷۰م.
- ۲۵۱۔ أخلاق النبى ﷺ فى القرآن والسنة، د. أحمد بن عبدالعزيز قاسم الحداد، دار الغرب الاسلامى، لبنان، الطبعة الثانية ۱۹۹۹م.
- ۲۵۲۔ جامع الأصول من أحاديث الرسول، للإمام مبارك بن الجزرى، تحقيق حامد الفقى، ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد - الرياض ۱۳۷۰ھ.
- ۲۵۳۔ مقاصد الشريعة الاسلامية وعلاقتها بالأدلة الشرعية، محمد سعد البويى، دار الهجرة.
- ۲۵۴۔ اعتبار المآلات ومراعاة نتائج التصرفات، د. عبدالرحمن بن معمر السنوسى، دار بن الجوزى، الطبعة الأولى رجب ۱۴۲۴ھ۔ السعودية.
- ۲۵۵۔ أسباب النزول للواحدي، على بن أحمد الواحدي، دار الفكر، بيروت، لبنان.
- ۲۵۶۔ رسالة الأئمة بين المسلمين، لابن تيمية.
- ۲۵۷۔ الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية، عبدالعزيز بن أحمد بن حامد، غراس للتوزيع، الكويت، الطبعة الأولى.
- ۲۵۸۔ نظام الخلافة فى الفكر الاسلامى، مصطفى حلمى، دار الدعوة الاسكندرية.
- ۲۵۹۔ الشيخان أبوبكر وعمر رواية البلاذرى فى أنساب الأشراف، تحقيق د. احسان صدقى العمد، المؤتمن للنشر، السعودية، الطبعة الثالثة ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷م.
- ۲۶۰۔ الدولة والسياسة فى الفقه الاسلامى، فتحى عبدالكريم، مكتبة وهبة، الطبعة الثانية ۱۴۰۴ھ۔ ۱۹۸۴م.
- ۲۶۱۔ الذاكرة التاريخية للأمة، د. قاسم محمد.
- ۲۶۲۔ الدور السياسى للصفوة فى صدر الاسلام، السيد عمر، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶م.
- ۲۶۳۔ أثر العلماء فى الحياة السياسية فى الدولة الأموية د. عبدالله عبدالرحمن الخرعان مكتبة الرشد، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ.
- ۲۶۴۔ دراسات فى الأهواء والفرق والبدع، وموقف السلف منها د. ناصر بن عبدالكريم العقل، مركز دار أشبيليا، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷م.
- ۲۶۵۔ وجوب التعاون بين المسلمين، لعبدالرحمن السعدى، دار المعارف، الرياض، طبعة ۱۴۰۲ھ.

- ۲۶۶۔ سنن الدارمی، لأبی عبدالله بن عبدالرحمن بن الفضل بن بهرام الدارمی، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان.
- ۲۶۷۔ النظریات السیاسیة محمد ضیاء الریس.
- ۲۶۸۔ قضاء الحوائج لأبی بکر بن أبی الدنیا، دار بن حزم، تحقیق محمد خیر رمضان یوسف.
- ۲۶۹۔ فیض التقدير شرح الجامع الصغیر، عبدالرؤف المناوی، دارالفکر للطباعة والنشر، الطبعة الثانية ۱۳۹۱ھ۔ ۱۹۷۲م.
- ۲۷۰۔ مآثر الأنافة فی معالم الخلافة للقلقشندی، تحقیق عبدالستار أحمد الفرج، عالم الکتب، بیروت.
- ۲۷۱۔ العبودیة لابن تیمیة.
- ۲۷۲۔ المدینة فی العصر الأموی، محمد محمد شراب، مؤسسة علوم القرآن دمشق.
- ۲۷۳۔ مواقف المعارضة فی خلافة یزید، محمد الشیانی، دارالبیارق، عمان، الأردن.
- ۲۷۴۔ تهذیب الکمال فی أسماء الرجال، للزمزى، تحقیق: بشار عواد معروف، مؤسسة الرسالة بیروت.
- ۲۷۵۔ أثر أهل الكتاب فی الفتن والحروب الأهلية فی القرن الأول الهجرى، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱م.
- ۲۷۶۔ الوسیطة فی القرائان الکریم، علی الصّلابی، دارالصحابه، الامارات، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ۔ ۲۰۰۱م.
- ۲۷۷۔ التوضیح والبیان لشجرة الايمان، عبدالرحمن السعدی.
- ۲۷۸۔ المرتضى سيرة أمير المؤمنين أبی الحسن علی بن أبی طالب لأبی الحسن الندوی، دارالقلم، دمشق، الطبعة الثانية ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۸م.
- ۲۷۹۔ تاریخ العراق فی ظل الحکم الأموی د. علی حسن الخربوطلی، دارالمعارف بمصر.
- ۲۸۰۔ المفهم لما أشکل من تلخیص مسلم، لأبی العباس أحمد عمر القرطبی، تحقیق: محی الدین مستو، یوسف بدوی، دار ابن کثیر، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ.



Sayyedna Hasan Bin Ali ﷺ

Personality & Nobel Deeds

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ

شخصیت و عصرہ

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا جس نے امت کے اتحاد میں زبردست کردار ادا کیا۔ اُمت اسلامیہ اس جلیل القدر سردار کی قرض دار رہے گی جس نے وحدت والفت، خونریزی سے روکنے اور لوگوں کے مابین صلح کرانے میں زبردست کردار ادا کیا۔ اپنے عہدہ جہاد اور صبر جمیل کے ذریعے ایسی مثال قائم کی جس کی ہمیشہ اقتدا کی جائے گی۔

✽ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور اللہ تعالیٰ اس

کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔“

✽ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے: ”جس نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما

سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی

اس نے مجھ سے دشمنی کی۔“

✽ رسول اللہ ﷺ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ان سے محبت کرے، تم میں سے حاضر غائب

کو یہ بات پہنچادے۔“



الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا فون: 066-2611270

مکتبہ الکتاب حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145